

جنگ مقدس



قمر اخبار لوی

مولانا شرر لکھنؤی، علامہ راشد الخیری اور ایم اسلم کے تاریخی ناول پڑھنے کے بعد تاریخی تشنگی کا احساس نہ صرف بڑھ جاتا بلکہ یوں محسوس ہوتا ہے کہ انہوں نے تاریخ کو افسانوی پلاٹ کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی ہے۔ وہ لوگ صرف تاریخی پس منظر بیان کر دینا ہی کافی سمجھتے اور اپنے افسانوی کرداروں کو عربی یا عجمی لباس پہنا کر مطمئن ہو جاتے ہیں حالانکہ ان کرداروں کا تاریخ و حقیقت سے کوئی واسطہ نہیں ہوتا۔ بالفرض اگر وہ کوئی تاریخی کردار منتخب بھی کرتے ہیں تو افسانوی ضرورتوں کے تحت اسے اس حد تک مسخ کر دیتے ہیں کہ

وہ تاریخ کی بجائے طلسم ہو شرما کا کردار معلوم ہوتا ہے۔ یہی عیب دوسرے مصنفوں کے تاریخی ناولوں میں پایا جاتا ہے لیکن قمر اجنالوی نے نہ صرف تاریخی ناول نگاری کا انداز تبدیل کر دیا بلکہ تاریخی ریسرچ چھان بھنگ اور واقعات کی صحت کا التزام کر کے ناول کو تاریخ سے زیادہ مستند اور دلچسپ بنا دیا ہے۔

جہاں تک میرے مطالعہ و مشاہدہ کا تعلق ہے اسی خوبی اور خصوصیت کے باعث قمر اجنالوی دوسرے ناول نگاروں سے ممتاز و منفرد نظر آتے ہیں۔ انہوں نے تاریخی ناول میں تاریخ و افسانہ کا صحیح امتزاج پیش کر کے اردو ناول میں ایک نئے باب کا اضافہ کیا ہے۔

”جنگ مقدس“ صلیب و ہلال کے مسلسل اور ہولناک معرکوں کی ایک کڑی ہے۔ اس جنگ کے پیچھے ایشیا اور یورپ کے کروڑوں عقائد پرستوں کے دل دھڑکتے تھے۔ قمر اجنالوی نے اس جنگ کی وجہ بیان کرتے وقت اس دور کے عمومی تقاضوں کا جس خوبی سے تجزیہ کیا ہے وہ کچھ ان ہی کا حصہ ہے۔

اس ناول میں ہلال و صلیب کی خونریز آویزشوں کا جو پس منظر پیش کیا گیا ہے اس میں عربوں اور افریقیوں کی فوجی چھاؤنیوں کا تذکرہ اور فلسطین میں طویل فوجی کشمکش کے دوران فریقین کی عسکری زندگی کا نقشہ اس عمیق ترین مطالعہ و مشاہدہ کی نشاندہی کرتا ہے جو ایک مصنف کو کئی سالوں کی تاریخی اور ادبی ریاضت کے بعد نصیب ہوتا ہے۔ مجھے امید ہے جنگ مقدس پڑھنے کے بعد آپ میرے اس خیال کی تائید کریں گے کہ اردو میں تاریخی ناول نگاری کا ایک نیا دور شروع ہوا ہے۔ جس کا سہرا قمر اجنالوی کے سر ہے۔

ظہیر کاشمیری

بیڈن روڈ لاہور

حرف آغاز

کروسیڈز یعنی صلیبی جنگوں سے متعلق مغربی اور مشرقی زبانوں میں اتنا لمبچہ شائع ہو چکا ہے اور اتنی تفصیلات احاطہ تحریر میں آچکی ہیں کہ ان پر کسی مزید تفصیل کی گنجائش نظر نہیں آتی اس موضوع پر ان لوگوں کے بیانات، اشعار، روزنامے اور قصے بھی منظر عام پر آ گئے ہیں جو صلیبی لڑائیوں میں شامل تھے۔ علاوہ ازیں بیشمار حکایات و روایات، تاریخیں اور سوانح عمریاں بھی شائع ہوئی ہیں جن سے یورپ اور ایشیاء کی لائبریریاں بھری پڑی ہیں پھر قصے کہانیوں اور ناولوں کی صورت میں تو دفتروں کے دفتر چھپ چکے ہیں جنہیں عیسائی اور مسلمان بڑے شوق سے پڑھتے ہیں۔

ان جنگوں میں جو بیت المقدس (یروشلم) کے لئے لڑی گئیں، دو قومیں صدیوں تک حرب و ضرب میں مصروف رہیں فریقین نے اس شہر مقدس سے اپنی مذہبی عقیدتیں وابستہ کر لی تھیں اس لئے دونوں قوموں نے اپنے اپنے شہیدوں اور غازیوں کے کارنامے بڑے فخر و مباہات کے ساتھ پیش کئے اس طرح صلیب و ہلال کے معرکوں اور سرفروشانہ داستانوں کے انبار جمع ہوتے چلے گئے۔ جن میں کہیں کہیں مذہبی عصیت کی جھلکیاں اس دور کے رہنماؤں کی ذہنیت کا پتہ دیتی ہیں۔ بالخصوص مسیحی راہبوں اور پادریوں نے اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جس تعصب اور نفرت و حقارت کا مظاہرہ کیا اس کی مثال شاید ہی کسی قوم نے پیش کی ہو۔

اس میں کوئی شک نہیں پہلی صلیبی جنگ کے بعد جب گاڈفرے آف بولون اور ٹنکرڈ نے بیت المقدس کے 70 ہزار مسلمانوں کو جو امان کے طالب

جب کوئی مصنف اسلامی تاریخ کے کسی واقعہ پر قلم اٹھاتا ہے تو بعض لوگ اس پر رجعت پسند ہونے کا الزام لگاتے ہیں مغربی مصنفین کی اکثریت جو اپنی نام نہاد غیر جانبداری سے تاریخی واقعات کو مسخ کر دینے کے فن میں ماہر ہیں، کسی مشرقی مصنف سے غیر جانبداری اور تاریخی صحت کی توقع ہی نہیں رکھتی لیکن مغرب میں فرانس کے والٹیر اور انگلستان کے بالڈون صلیبی جنگوں کی کھلی حمایت کے باوجود بڑے ادیب اور غیر جانبدار مصنف سمجھے جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔

کیا یہ تضاد حیرت انگیز نہیں۔۔۔۔۔۔؟

مجھے اس بات کی پروا نہیں کون کیا کہتا ہے میرے تاریخی ناولوں کا مقصد تاریخ اور اس کے کرداروں کو تحقیق و صحت کے ساتھ پیش کرنا ہے۔ چنانچہ جنگ مقدس میں بھی غازیان اسلام کے سرفروشانہ کارناموں کے ساتھ صلیبی بہادروں اور ان کے قائد رچرڈ شیردل کے ایسے واقعات نظر انداز نہیں کئے گئے، جن سے جرات و شجاعت کا اظہار ہوتا ہے۔ ممکن ہے میرے بعض قارئین کو یہ امر ناگوار گزرے لیکن میں حقیقت کو مسخ کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا۔

صلاح الدین اور رچرڈ کے کرداروں میں آپ کو نمایاں فرق نظر آئے گا۔ نیر سلطانی کے سامنے ستارہ انگلستان کم تاب اور مدہم دکھائی دیتا ہے۔ رچرڈ ذاتی طور پر بڑا شجاع اور بہادر تھا لیکن محققین تاریخ کے نزدیک وہ کوئی اعلیٰ درجہ کا قائد اور سپہ سالار نہ تھا۔ وہ انفرادی لڑائی میں واقعی غیر معمولی بہادری کا مظاہرہ کرتا مگر کسی حرب عظیم کی قیادت نہ کر سکتا تھا۔ ہیرلڈ ایم of Islam The Flame میں لکھتا ہے۔

1- ”موجودہ فرانسیسی اور انگریز مورخ اس پر متفق ہیں کہ وہ اعلیٰ عسکری صلاحیتوں سے قطعی عاری تھا۔“ ص 298۔

2- ”رچرڈ کی قیادت میں صلیبی جنگ ناکام ہو گئی تھی حالانکہ کسی کو تلوار اور نیزے پر اس جیسی قدرت نہ تھی اس نے جنگ میں خطروں کو لگا کر تھا اور شجاعت میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہ کیا تھا۔ پھر بھی وہ اپنے مقصد اولین میں بری طرح ناکام رہا تھا جب اس نے فوج کی کمان سنبھالی تھی تو بالکل بے بس ہو کر رہ

تھے، انتہائی سفاکی سے قتل کر دیا اور ان کی لاشوں پر فتح کا مارچ کیا تو اہل اسلام کے جذبات بھی مشتعل ہو گئے۔ یہ تلخی چودھویں صدی عیسوی تک قائم رہی لیکن پادریوں نے اپنے وعظوں میں جھوٹ اور دجل کے جو طومار باندھے ان سے ظاہر ہوتا ہے وہ اپنے تعصب کے جوش میں عام انسانی اور اخلاقی قدروں کو بھی ترک کر چکے تھے۔ ان کے نزدیک مسلمانوں سے کئے ہوئے عہد و پیمان توڑ دینا، معاہدہ شکنی کرنا اور فریب دینا جزو مذہب بلکہ عین ثواب تھا۔

مسلمان علماء کی طرح جنہوں نے چشم دید حالات لکھے کئی عیسائی مورخ، دبیر اور تذکرہ نویس بھی ان جنگوں میں شریک تھے۔ جن کی یادداشتیں عصر حاضر کے مورخوں اور محققوں کی وساطت سے ہم تک پہنچی ہیں۔ جب ہم ان سرگزشتوں اور روزناموں کو پڑھتے ہیں تو مسلمانوں کے خلاف ان کی مغفلات کو کسی اخلاقی پلڑے میں نہیں تول سکتے۔ وہ اہل قلم کی بجائے یورپ کے بد زبان شدے نظر آتے ہیں جو اپنی تحریروں میں مسلمانوں کو گندی گالیاں دینے سے بھی باز نہیں آتے۔

مثال کے طور پر انگلستان کے شاہی موسیقار امبروز کی وہ نظمیں اور تحریریں جو اس نے تیسری صلیبی جنگ کے متعلق قلمبند کیں، ملیہوں کے ذہنی اور اخلاقی افلاس کا پتہ دیتی ہیں۔ کرویڈز میں تیسرا کرویڈ سب سے بڑا اور اہم تھا۔ جس میں یورپ کے بڑے بڑے شہنشاہ، بادشاہ اور مذہبی رہنما لاکھوں سپاہیوں کے لشکر لے کر ایشیا پر حملہ آور ہوئے۔ اس جنگ میں سلطان صلاح الدین یوسف بن ایوب اور شاہ انگلستان رچرڈ شیردل کے معرکے تاریخ شجاعت کا مستقل باب بن کر رہ گئے لیکن نہ صرف مسیحی داستان سراؤں اور قصہ نویسوں نے اپنے صلیبی ہیرو کی شجاعت و ناموری کا ڈھنڈورہ پیٹنے کے لئے بے شمار من گھڑت واقعات اور افسانوں کا طومار لگا دیا بلکہ بعض مسلمان مصنفین نے بھی ملب و ہلال کے قصے بیان کرتے وقت زیب داستان کو طول دیا۔

ان حالات میں ایک ایسی تصنیف کی اہمیت سے شائد کوئی بھی صاحب فکر انکار نہ کر سکے جو غیر جانبداری کے ساتھ صحت مند واقعات پر مشتمل ہو۔ جنگ مقدس کی بنیاد اسی نظریہ پر رکھی گئی ہے۔

بھونچال آگیا تھا۔ مغرب کے تمام ثقہ مورخوں نے اس واقعہ کو تسلیم کیا ہے۔
ہیرلڈ لیم کہتا ہے۔

”رچرڈ کو جنگ و جدل ختم کرانے کی انوکھی تدبیر سوچی اس نے اپنی
بہن سے جوان اور شائستہ و خوش اخلاق ملک العادل کی شادی کی تجویز پیش کر
دی۔“

”The Flame Of Islam“

ملک العادل بھی چاہتا تھا یہ شادی ہو جائے چنانچہ سلطان کو رضامند
کرنے کے لئے اس نے جن امراء کو بارگاہ سلطانی میں بھیجا ان میں بہاؤ الدین
ابن شداد بھی شریک تھے۔ وہ خود لکھتے ہیں:

لما كان التاسع والعشرون من رمضان استدعاني الملك العادل في
صحبه و احضر جماعته من الامراء علم الدين سليمان و سابق الدين و
عزالدين بن المقدم و حسام الدين و شرح لنا ما عاربه رسولہ من
الانكتار من الرساله والکلام و ذالک انه ذکر انه قد اراد ان يتزوج الملك
العادل باخت الانكتار۔ (سیرت صلاح الدین مطبوعہ مصر ص 53)

”جب رمضان کی 29 تاریخ تھی ملک العادل نے مجھے اپنے پاس بلایا
وہاں امراء کی ایک جماعت حاضر تھی۔ یعنی علم الدین سلیمان، سابق الدین،
عزالدین بن مقدم اور حسام الدین۔ ملک العادل نے ہمیں صورت حال بتائی اور
کہا انکتار (رچرڈ) کا قاصد واپس آگیا اور ایک پیغام لایا ہے اس نے ذکر کیا
رچرڈ کا ارادہ ہے کہ اپنی بہن کی شادی ملک العادل سے کر دے۔“

الکاتب اپنی کتاب الفتح القسی میں بیان کرتا ہے شادی کی خواہش خود
شنزادی جین نے کی تھی اور اسی کے ایماء پر رچرڈ نے اس شادی کو صلح کی بنیاد
بنانا چاہا لیکن شنزادی جین کی اس خواہش کا انجام کیا ہوا۔

یہ دلچسپ کہانی جنگ مقدس میں پڑھئے۔

والٹر سکاٹ نے اپنے ناول میں صلاح الدین اور رچرڈ کی ڈرامائی
ملاقات کا حال لکھا ہے کہ جب رچرڈ بیمار تھا تو سلطان حکیم کا بھیس بدل کر اس کا
علاج کرنے گیا۔ بعض انگریزی ناولوں اور فلموں میں اسے طیب اور سفیر کی

گیا۔“ ص 295۔

ہیرلڈ لیم صلاح الدین اور رچرڈ کے مزاج اور کردار کی تصویریں یوں
کھینچتا ہے۔

”صلاح الدین معمر اور صاحب بصیرت تھا۔ رچرڈ نوجوان اور لالباہلی۔

صلاح الدین بردبار اور متحمل رچرڈ تند مزاج اور پرجوش۔“ ص 226۔
گبن اور لین پول کے بقول صلاح الدین صاحب اخلاق و کردار تھا۔
اس نے مفتوح عیسائیوں کے ساتھ رحم دلی اور ہمدردی کا سلوک کیا اور
عیسائیوں میں، شریف ٹائٹ کے لقب سے مشہور ہوا اس کے برعکس رچرڈ نے عکا
کے تین ہزار مسلمانوں کو جنہیں حفظ جان کی ضمانت دی گئی تھی جوش غضب میں
قتل کر دیا۔ رچرڈ کا روزنامچہ نویس ارنو لکھتا ہے۔

”ہمارا بادشاہ مسلمانوں کو قتل کر دینے کا شائق اور دین محمد پر یسوع مکی
کے مذہب کو غالب کرنے کی تمنا رکھتا تھا۔ اس نے چھ اگست کو حکم دیا کہ عکا
کے 2700 مسلمان قیدیوں کو شہر سے باہر لے جا کر قتل کر دو۔“ بحوالہ لین
پول۔

مگر ہیرلڈ لیم رقمطراز ہے۔

”اس غیر ضروری کشت و خون سے رچرڈ کی ناموس و عزت ہمیشہ کے
لئے داغدار ہو گئی، سلطان صلاح الدین پر صد آفرین کہ اس عالی حوصلہ انسان
نے صرف اعلانیہ جنگ میں دشمن سے بدلہ لیا۔“

صلاح الدین اور رچرڈ کے کردار و اخلاق کا تجزیہ کرتے ہوئے میں نے
مشرقی مورخوں کے بیانات جان بوجھ کر نظر انداز کر دیئے اور صرف مغربی
مصنفین کے نظریات پیش کیے ہیں۔ لہذا رچرڈ کے مقابلہ پر سلطان کی شخصی اور
عسکری عظمت میری مشرقی جانبداری کا نتیجہ نہیں بلکہ ایک درخشاں حقیقت ہے۔
یہ ناول دراصل سلطان ہی کا دو سرا حصہ ہے لیکن افسانہ کا محور سلطان

کے بھائی ملک العادل اور رچرڈ کی بہن شنزادی جین کا شاہی رومان ہے۔ جن کی
شادی کی تجویز خود رچرڈ نے پیش کی تھی۔ بعض معتصب عیسائی اس قصہ
عروں کی اختراع قرار دیتے ہیں جالانکہ رچرڈ کی اس تجویز پر کلیساؤں نے

حیثیت سے رچرڈ سے ملایا گیا ہے لیکن یہ سب باتیں بے اصل و حقیقت ہیں۔ کسی تاریخی واقعے سے ان کی ملاقات ثابت نہیں ہوتی البتہ سلطان نے اپنے حسن اخلاق کا مظاہرہ کرتے ہوئے رچرڈ کی بیماری کے دوران اسے برف پرندے اور پھل ضرور بھیجوائے۔ ممکن ہے کوئی طبیب بھی بھیجا ہو۔ لیکن تذکرہ نویسوں نے اس کا ذکر نہیں کیا۔

رچرڈ سلطان سے ملنے کا ضرور خواہشمند تھا۔ اس نے ملاقات کی بار بار درخواست کی لیکن سلطان نے ایسا جواب دیا جو دنیا کے ہر حکمران کے لئے مشعل راہ ہے۔

اس نے کہا۔

”جب دو بادشاہ مل بیٹھتے اور ایک ہی میز پر کھاتے پیتے ہیں تو ان کے درمیان جنگ باقی نہیں رہتی۔ اگر وہ ملاقات چاہتا ہے تو پہلے ترجمانوں کے ذریعہ کوئی قرارداد مرتب ہو جانی چاہئے۔ پھر اگر خدا نے چاہا تو ملاقات بھی ہو جائے گی۔“

اس نظریہ کردار کا بلند انسان طبیب کا بھیس بدل کر دشمن کے خیمہ میں نہیں جاسکتا۔ اس کے برعکس رچرڈ نے عربی لباس بدل کر سلطانی کارواں پر ڈاکہ ضرور ڈالا تھا جو مصر سے مجاہدین کے لئے رسد کپڑے ضروری سامان اور زر و مال لے کر آ رہا تھا۔ میں نے جنگ مقدس میں یہ واقعہ پوری صحت اور تفصیل کے ساتھ لکھا ہے۔

رچرڈ نے صلیبی رہنماؤں اور مشیروں کی اکیگت پر بار بار معاہدے توڑے اور اپنے روایتی تلون کا مظاہرہ کیا جب وہ حالات کو سازگار دیکھتا اور یہ رپورٹیں سنتا کہ سلطان اپنے والیان ریاست، امراء اور لشکروں کو رخصت پر بھیج چکا ہے تو مارشل اور جرنیل اسے حملہ پر اکساتے اور وہ فوج لے کر چڑھ دوڑتا لیکن جب سلطان مٹھی بھر مجاہدوں کی مدد سے اس کی سپاہ عظیم کو منتشر کر کے مار بھگاتا تو جھنجھلائے ہوئے رچرڈ کو پھر صلح و امن کی سوچتی اور وہ ملک العادل کی طرف اپنے سفیر دوڑاتا۔ صلاح الدین کا حوصلہ دیکھتے وہ پھر صلح کی گفتگو پر آمادہ ہو جاتا تھا۔

رچرڈ کی قیادت میں تیسرا کرویڈ ناکام ہو گیا اور وہ اپنے دل پر شکست و ناکامی کے داغ لے کر انگلستان چلا گیا۔ واپسی پر آسٹریا میں اسے مارکوئیس کانرڈ کے قتل کے الزام میں گرفتار کر لیا گیا جبکہ سلطان کی واپسی پر دمشق میں اس کا فقید المثال استقبال ہوا اور عالم اسلام کی فضائیں اھلا و سہلا ”مرحبا کے نعروں سے گونج اٹھیں۔

بارہویں صدی عیسوی میں یہ دونوں انسان اسلام اور عیسائیت کے نمائندے تھے ان ہی سے آپ دو متحارب قوموں کے مزاج و کردار کا اندازہ کر سکتے ہیں۔

قمر اجٹالوی

افرنگی حسینہ

ان پہاڑیوں پر پگڈنڈیاں سانپ کی طرح بل کھاتی آگے بڑھتی اور اونچی نیچی گھاٹیوں پر گکروندے اور بول کی چھتری دار جھاڑیوں میں چھلاوے کی مانند غائب ہو جاتی تھیں۔

پہاڑی چوہے اور خرگوش گکروندے کے پھل کھاتے بھی اور کتر کتر کر ویران بھی کرتے جو پرندوں کی خوراک بن جاتے لیکن جھاڑیوں اور درختوں کا یہ سلسلہ نہ تو گھنا تھا نہ طویل زیادہ تر کھدوری اور ناہموار چٹانیں زمین کی چھاتی میں پنچے گاڑے مصر کے ابوالہول کی طرح یوں خاموش اور دم سادھے کھڑی تھیں جیسے وقت کے سنگین ہاتھوں نے ان کے ہونٹوں پر ابدی سکوت کی مہریں ثبت کر دی ہوں.....

چاروں طرف ایک گہرا، مہیب اور بھیانک سناٹا ہو چکا تھا۔ اچانک گھوڑوں کے نعل پتھریلی زمین پر ہتھوڑوں کے طرح بجنے لگے اور پہاڑوں کا سویا ہوا سناٹا کروٹیں بدل بدل کر بیدار ہونے لگا۔

ایک چھوٹا سا فوجی قافلہ اونچی چٹانوں کا موڑ کاٹ کر نشیب میں اترنے لگا۔ پتلی سی پگڈنڈی پر لمبی ایالوں والے گھوڑے اپنے فوجی سواروں کو لیے جھاڑیوں کے ایچ بیچ میں آگے بڑھے جن کے سرخ و سفید رنگ، پتلی آنکھیں، بھورے بال، سرخ وردیاں اور سروں پر فولادی خود انہیں غیر ملکی اور اجنبی ثابت کر رہے تھے۔

جھاڑیوں میں دبکے ہوئے جانوروں کی آنکھیں شاید کسی خطرے کے احساس سے چمک رہی تھیں۔ مگر قافلہ ان سے بے پروا چلتا رہا۔ جو چھ قوی ہیکل مردوں اور ایک حسین و جمیل نازنین پر مشتمل تھا۔ وہ سفید گھوڑے پر سوار جس پر سرخ حریری چادر جھول رہی تھی، بڑی دلچسپی سے کوہستانی مناظر سے

لہرس زخمی ٹانگوں کی مانند پھنکارتی چٹانوں، پتھروں سے سر ٹکراتی اور شور مچاتی کناروں سے اچھل اچھل جاتی تھیں لیکن نالہ اس وقت خشک پڑا تھا۔ جس کا پاٹ آٹھ دس گز سے زیادہ چوڑا نہ تھا۔ سورج کی کرنوں میں سفید بالو کے ذرے سونے کی مانند چمک دمک رہے تھے۔ خشک ریت پر پانی کے بہاؤ کی وجہ سے ٹیڑھی ترچھی لکیریں سی بن گئی تھیں جن پر چھوٹے چھوٹے ٹکریزے اور گول گول کنکر دور تک بکھرے ہوئے تھے۔ جنوبی کنارے کے ساتھ ساتھ پانی کی ایک تپلی سی لکیر پیچ و خم کھاتی ہوئی بہہ رہی تھی۔ جس کی رفتار کھوے کی طرح ست تھی۔ نالے کے دونوں کناروں پر جھاڑیوں کی شاخیں لہراتی چلی گئی تھیں۔ کہیں کہیں صنوبر کے پھتری دار درخت بھی نظر آ جاتے تھے۔

قافلہ جنوبی کنارے کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ ابھی تک انہیں کوئی راستہ دکھائی نہ دیا تھا۔ جوں جوں آگے بڑھتے گئے ان کا سفر دشوار ہوتا چلا گیا۔ کیونکہ جھاڑیاں بڑی بے ترتیبی سے سد راہ ہو رہی تھیں۔ اچانک ایک گھماؤ پر نالہ نشیب کی طرف مڑ گیا اور مارگن نے اپنا گھوڑا اس وادی میں ڈال دیا جس کے شمال اور جنوب میں اونچی اونچی عمودی چٹانیں کسی میب قلعہ کی بلند و بالا فصیلوں کی مانند اوپر اٹھی ہوئی تھیں۔

ایک مرتبہ انہیں مشرق ہی کی سمت چلنا پڑا۔ مارگن اسی سمت سے گھبرا رہا تھا۔ سورج ان کے عقب میں بحیرہ روم کے ایشیائی ساحل پر چمک رہا تھا۔ جو یہاں سے دس بارہ کوس کے فاصلے پر ہوگا۔

اچانک انہوں نے اپنے سروں پر ہلکی سی پھڑپھڑاہٹ سنی پھر ایک سفید کبوتر کو نینگوں فضا میں قلابازیاں کھاتے دیکھا۔ شاید وہ کسی کوستانی بستی کی تلاش میں تھا۔ عکا کا شہر تو پندرہ سولہ کوس دور تھا۔ مگر اس کی پرواز کا رخ دیکھنے کے بعد یہی اندازہ لگایا جاسکتا تھا وہ شہر سے اڑا ہوگا اور شاید اس قافلہ کی طرح راستہ ہنگ کر پہاڑوں کی طرف آ نکلا ہے۔

کبوتر کو قلابازیاں کھاتے دیکھ کر نہ جانے ایک سوار کے جی میں کیا آئی غالباً وہ اپنا نشانہ ہی آزمانا چاہتا تھا۔ اس نے جلدی میں ترکش سے تیر نکال کر کمان میں رکھا اور شست باندھ کر چٹکی سے چھوڑ دیا۔ پرندے کی قضا اس تیر میں چھپ کر بیٹھ گئی تھی اور اس دنیائے آب و گل سے اس کا رزق ختم ہو چکا تھا۔ دوسرے ہی لمحے وہ فضا میں لڑھکنیاں کھاتا اونچی چٹانوں کے اس پار گرا اور

لطف اندوز ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے آگے آگے ایک ادھیڑ عمر سوار جو شاید اس چھوٹے سے قافلے کا افسر ہی رہا ہوگا۔ اپنے چہرے پر پریشانی کی سلوٹیں اور آنکھوں میں ناخوشگوار سی چمک لیے گھوڑا بڑھائے رواں دواں تھا۔ اس کی پریشانی اور بے قراری سے معلوم ہوتا تھا۔ وہ بادل خواستہ سفر کر رہا ہے۔ شاید وہ لوگ راستہ کھو چکے تھے۔ ورنہ ان کے گھوڑے ان ”بے وفا“ پگڈنڈیوں پر نظر نہ آتے جو گھاٹیوں کے موڑ توڑ میں تھوڑی دور ساتھ دے کر چھلاوے کی طرح اچانک غائب ہو جاتی تھیں اور مسافر کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا تھا۔ وہ کدھر کا رخ کرے وہ مڑی مڑی پگڈنڈی جس پر گھوڑے سفر کر رہے تھے۔ نشیب میں اترتے ہی کھروندے کی دور دور تک پھیلی ہوئی جھاڑیوں میں یوں غائب ہو گئی تھی جیسے گدھے کے سر سے سینک، ادھیڑ عمر افسر نے گھوڑے کی باگ کھینچ لی اور بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے بولا۔

”فلسطین کے موسموں کی طرح ان پگڈنڈیوں پر بھی اعتبار نہیں کیا جا سکتا۔“

پھر اس نے خاتون کی طرف گردن موڑ دی۔
”میرا اب بھی یہی مشورہ ہے ان پہاڑیوں پر بھٹکنے کی بجائے ہم ساحل بحر کا رخ کریں۔ سمندر ہمیں دھوکہ نہیں دے سکتا۔ مگر یہ پہاڑی ناگنیں ہمیں پریشان کر دیں گی۔ اپنے ساتھ نجانے کہاں لے اتریں۔“
حسین خاتون کے شہابی عارضوں میں خوبصورت گڑھے نمودار ہوئے اس نے مسکرا کر کہا۔

”مارگن! تم فضول پریشان ہو، منزل پر تو ہم پہنچ ہی جائیں گے.... مگر یہ دلکش مناظر..... بس چلتے ہی رہو۔“

یہ کہہ کر اس نے اپنی خوبصورت سرخ کلائی لہرائی اور قافلہ پھر چل پڑا۔ مارگن نے طوعاً ”کہا“ گھوڑا آگے بڑھایا اور جھاڑیوں کے اوپر سے چکر کاٹ کر اس برساتی نالے کے کنارے کنارے ہو لیا جو بلندی سے بڑے بڑے پتھروں کے درمیان راستہ بناتا، پہاڑ کا سنگلاخ سینہ کاٹتا ہوا مشرق کے رخ پر بہہ رہا تھا۔

فلسطین میں جولائی، اگست تک پہاڑی ندیاں اور نالے عموماً خشک ہی رہتے تھے۔ برسات کا موسم ستمبر سے شروع ہوتا تھا۔ نومبر دسمبر میں تو ان میں جیسے طغیانی آ جاتی تھی۔ جب پہاڑوں پر موسلا دھار بارشیں ہوتیں اور پانی کی

نظروں سے غائب ہو گیا۔ سب ہی لوگوں نے اپنے ہمراہی کی اس ہیمنہ حرکت پر افسوس اور ملامت کا اظہار کیا۔ حسین نازنین تو یوں تڑپ اٹھی جیسے تیر اس کے پہلو میں آکھبا ہو۔ اس نے خشکیں لگا ہوں سے اپنے ساتھی کی طرف دیکھا اور ناخوشگوار لہجے میں بولی۔

”کیا فائدہ..... تم نے ایک بے زبان پرندے کی جان مفت میں ضائع کر دی۔ شاید وہ اترنے کے لیے پاس ہی کوئی ٹھکانہ ڈھونڈ رہا تھا۔“

سوار اب پریشان اور پشیمان سا نظر آ رہا تھا۔ اس کی اس حرکت میں کسی ارادے کا دخل تو نہیں تھا بس ایک اضطراری فعل تھا جس پر اب اسے ندامت ہو رہی تھی اس نے کمان کندھے پر ڈالی اور گردن جھکا لی.....

قافلہ چلتا رہا۔
وادی میں بکھرے ہوئے پتھر سورج کی بنفشی شعاعوں میں غسل کر رہے تھے۔

پہاڑوں کا مہیب ساٹا گھوڑوں کی ٹاپوں سے زخمی ہو کر شاید کسی خطرے سے سرگوشیاں کرنے لگا تھا۔ کیونکہ گھوڑے بار بار کنوتیاں بدل رہے تھے۔ انہوں نے کسی خطرے کی بو سونگھ لی تھی۔ مگر کسی نے بھی ان کی اس کیفیت پر توجہ نہ دی۔ اچانک پوری وادی ایک ہولناک اور لرزہ خیز دھاڑ سے گونج اٹھی اور سواروں نے گھبرا کر باگیں کھینچ لیں۔ پھر ان کے ہاتھ بجلی ایسی سرعت کے ساتھ کمانوں پر دوڑ گئے۔ لیکن جب تک وہ ترکش سے تیر نکال کر کمانوں کے چلے چڑھاتے۔ موت نے ایک وحشی درندے کا روپ دھار کر سامنے والی خمیدہ چٹان سے جست لگائی اور فضا میں تیرتی ہوئی قافلہ کے افسر مارگن پر آکود دی جس کی دہشت انگیز چیخ فوراً ہی موت کی بھیاں خرخراہٹوں میں تبدیل ہو گئی۔ درندے کے نوکیلے دانت اس ادھیڑ عمر فوجی کی گردن پھاڑتے ہی چلے گئے اور خون کا فوارہ چھوٹ نکلا۔

ایک لمبا دھڑنگا سرخ دھاریدار چیتا مارگن کے گھوڑے کو ادھیڑنے میں مصروف تھا جس کی خوف انگیز آوازیں بتدریج وحشی درندے کی خونی غراہٹوں میں ڈوبتی گئی تھیں۔

سوار اور مرکب دونوں ہی خونیں موت کا شکار ہو چکے تھے۔
ہمراہیوں کو یہ دیکھنے کی فرصت ہی کماں مل سکی کہ ان کے افسر کے ساتھ

کیا بیت مئی۔ چیتے کے چھلانگ لگاتے ہی کوہسان کے زخمی سائے انسانی چیخوں، ڈری ڈری ہنسنائیوں اور وحشیانہ غراہٹوں سے تھرا اٹھے۔ پھر مختلف سمتیں گھوڑوں کی ٹاپوں سے بجنے لگیں۔ سوار ہتھیار سنبھال رہے تھے کہ گھوڑے بے قابو ہو کر بھاگ نکلے جس طرف کسی کا منہ اٹھا۔
وحشی درندے کا حملہ اس قدر غیر متوقع اور اچانک تھا کہ کسی کے بھی

ہوش بجا نہ رہے۔
سفید گھوڑا جس پر اس قافلہ کی معزز خاتون سوار تھی۔ مارگن کے پیچھے تھا اس لیے وہ کچھ زیادہ ہی خوفزدہ اور سراپد ہو کر اچھلا۔ پچھلی ٹانگوں پر الف ہوا۔ پھر ایک ہلکے سے کٹاؤ میں لہر لیتا مشرق کی سمت سرپٹ بھاگ اٹھا۔ نازنین کی وحشت آلود چنچیں بڑی بے بسی کے عالم میں دور تک گونجتی کانپتی تھرتھراتی چلی گئیں۔ لیکن کوئی بھی اس کی مدد کو نہ آسکا۔ محافظ سواروں کو اپنا ہوش کب تھا کہ اس کی خبر لیتے اور اگر ہوش بھی ہوتا تو بد کے ہوئے خوف زدہ جانوروں کو قبضہ میں لانا آسان کام نہ تھا جو جھاڑیاں اور گھاٹیاں پھلانگتے ہوئے مختلف اطراف کو اڑے جا رہے تھے۔

سرخ چیتا جس کے ریشم کی مانند چمکتے ہوئے جسم پر سیاہ دھاریاں بڑی خوبصورت لگ رہی تھیں۔ گھوڑے کی لاش ادھیڑ چمکنے کے بعد اس کے سر پر اگلے پنجے نکائے۔ چٹانوں کی اوٹ میں گم ہوتے ہوئے سواروں کو گھورتا رہا۔ اس کا جسم غیر معمولی قہاکم و بیش سات آٹھ فٹ لمبا اور چار پانچ فٹ اونچا۔ اس نے بے جان گھوڑے کو دانتوں سے جھنجھوڑا اور خوفناک آواز میں دھاڑتا، غراتا اور خون آلود کپکلیاں چمکاتا ہوا بدنصیب مارگن کے ارد گرد منڈلانے لگا۔ پھر بے تحاشا لاش پر ٹوٹ پڑا۔ ایک ہی جھپٹ میں انسانی لاش دو لو تھڑوں میں تقسیم ہو گئی۔



اس سارے علاقے میں جس مے سرسبز، خشک اور سنگلاخ پہاڑوں کا سلسلہ شرقاً غرباً، بحیرہ روم کے ایشیائی ساحل سے شروع ہو کر جبل خرد پہ تک اور شمالاً جنوباً، دیوار چین کی مانند غزہ سے لبنان کے اونچے پہاڑوں تک چوڑی

چکا ہوتا۔

گھوڑا بری طرح مشتعل ہو کر بھاگا تھا۔ اس نے لمبی لمبی جستیں بھریں..... چھلانگیں لگائیں۔ وہ کئی بار اچھلی اور گرتے گرتے پھرنے لگی۔ باگ ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی لیکن بے سود ہی ثابت ہوئی۔ اس میں طاقت کہاں تھی وہ گھوڑے کی شدہ زوری کو قابو میں لا سکتی۔ بار بار اچھلنے کی وجہ سے اس کے نازک جسم کی ہڈیاں تک کڑکڑا اٹھی تھیں۔ دونوں پاؤں رکائیں چھوڑ چکے تھے مگر زندگی کی جدوجہد میں اس نے نہ صرف ایال کو مضبوطی سے تھام رکھا تھا بلکہ اپنی ٹانگیں پوری قوت سے گھوڑے کے پیٹ کے ساتھ پیوست کر رکھی تھیں۔

اس کے سر سے نکونی کنگروں والا سنہری ہالہ جو اس کی امتیازی حیثیت کا مظہر تھا نجانے کب اور کہاں گر گیا۔ زرین گرفت سے آزاد ہونے کے بعد سنہری ریشی زلفیں ہوائیں اڑ رہی تھیں۔ کبھی کبھی وہ اس کے حسین اور خوفزدہ چہرے پر بھی بکھر جاتیں جس پر موت کے بھیاں ک سائے کانپ رہے تھے۔ گھوڑا رکنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا اور اب ایک درے میں بھاگا جا رہا تھا۔

وہ کم از کم ڈیڑھ کوس دور نکل آئی تھی اس نے سب جتن کر لیے تھے۔ تمام گر آزما لیے تھے جو خوف و ہراس کی اس جاں سوز حالت میں بھی اس کے ذہن پر ابھرتے تھے مگر جانور تو شاید موت سے شرط پابند کر بھاگا تھا۔ کسی طرح رام نہ ہوسکا وہ اس کی پشت پر بالکل دوہری ہوئی تھی کیونکہ زندگی اب حالات کے رحم و کرم پر منحصر تھی۔ اچانک اس کے ہونٹوں سے ایک مرتبہ پھر چیخوں کا دھارا پھوٹ نکلا۔

درے کی دائیں چٹان بتدریج نیچی اور نیچے ہوتی کچھ دور جا کر بالکل سطح سے ہموار ہو گئی تھی اور تقریباً دو فلائنگ کے فاصلے پر ایک خطرناک موڑ تھا جس کی دائیں جانب ایک ہزار فٹ گہری وادی اسے دور ہی سے نظر آگئی تھی۔ سریت دوڑتے ہوئے گھوڑے کا اس خطرناک موڑ سے بحفاظت گزر جانا مشکل ہی تھا۔ دوسری صورت میں وہ اپنے سوار سمیت ایک ہزار فٹ گہری وادی میں لڑھک جاتا۔ بے بس اور دہشت زدہ نازنین نے اس موڑ کی ہلاکت آفرینی کا اندازہ کر لیا تھا۔

پھاڑ کی بلندی سے موت کی بہت خیز گہرائیوں میں لڑھکنے کے لیے تیار ہو

اور طویل فصیلوں کی شکل میں پھیلا ہوا تھا۔ کہیں بھی خوفناک درندے نہ تھے۔ یہ سلسلہ کوہ اڑھائی تین ہزار فٹ سے زیادہ بلند نہ تھا۔ اکثر پہاڑیاں خشک اور چٹیل تھیں۔ یہاں شیر اور چیتے تو کیا کوئی ہرن اور چیتل بھی شاذ و نادر ہی پایا جاتا تھا۔

بھوری گھائیوں کے نشیب میں جہاں روئیدگی تھی مگر دندے اور بول کی جھاڑیوں میں جنگلی چوہے، بے، لومڑ اور خرگوش البتہ مل جاتے تھے۔ راتوں کو گیدڑوں کی ہوائیں بھی سنائی دیتی تھیں۔ کبھی کبھار کوئی سنور بھی ادھر آ نکلتا جسے عرب ”خنزیر“ کہتے تھے۔

چند سال قبل پہاڑیوں کی نشیبی چراگاہوں اور سرسبز ترائیوں میں پالتو سورؤں کے گلے چرتے پھرتے نظر آیا کرتے تھے۔ لیکن جب سے سلطان صلاح الدین نے یروشلم کو عیسائیوں سے آزاد کرایا اور شام و فلسطین کی صلیبی مملکت کی طنائیں کاٹی تھیں۔ افرنگی اور عیسائی شامی ساحل بحر پر نئے مرکز صلیب صور کی طرف ہجرت کر گئے اور فلسطین کے اکثر شہر اور دیہات ایک صدی کے صلیبی غلبہ کے بعد پھر عربوں سے آباد ہو گئے تھے۔

ظاہر ہے افرنگی اپنے مویشیوں کے ہمراہ سورؤں کے ریوڑ بھی ہانک لے گئے تھے۔ جو صور میں لاکھوں پناہ گزینوں کی ضیافت کے کام آئے ہوں گے۔ اگر کوئی بھولا بھٹکا سور رہ بھی گیا تو عربوں نے اسے زندہ ہی کب چھوڑا ہوگا۔ ان پہاڑیوں پر کسی خطرناک اور وحشی درندے کا تصور ہی ناممکن تھا۔ پھر یہ غیر معمولی قد و قامت کا سرخ دھاری دار چیتا کہاں سے آکودا تھا۔ جس نے آن کی آن میں ایک چھوٹے سے فوجی قافلے کو خشک تنکوں کی طرح ادھر ادھر منتشر کر دیا تھا؟

سفید گھوڑا اونچے نیچے بے ترتیب ٹیلوں، بکھرے ہوئے پتھروں، جھاڑیوں، کھائیوں اور کھدوں کو پھلانگتا جیسے ہوا میں اڑتا چلا جا رہا تھا۔

اس کی نازک اندام سوار کی خوفناک چیخیں بہت دور بکھر گئی تھیں مگر وہاں تھا کون جو اس کو بچانے کے لیے آتا۔ اب تو وہ کسی غیبی امداد سے بھی مایوس ہو چکی تھی۔ کیونکہ چیخیں تھم گئی تھیں اور وہ گھوڑے کی پشت سے یوں چمٹ گئی تھی جیسے کوئی چھبکی شہتیر سے چبٹی رہتی ہے اگر اسے سواری کا تجربہ نہ ہوتا تو یقیناً اس وقت تک اس کا حسین اور گلفزار جسم کسی خندق یا کھائی میں لڑھک

پہلی نگاہ میں اس نے بوڑھے کو کوئی تارک الدنیا راہب سمجھا تھا لیکن یہ وہ آدمی تو ہرگز نہ تھا جس نے اس کی جان بچائی تھی۔ اگرچہ اس نے اپنے محسن کو بس سرسری نظر دیکھا تھا پھر بھی اسے خوب یاد تھا وہ ایک وجیہ اور جوان آدمی تھا جس کے سرخ و سپید چہرے پر چھوٹی چھوٹی سیاہ داڑھی اس کے مردانہ حسن میں اضافہ کر رہی تھی۔ عربوں کی مانند اس کے کندھوں پر ایک زرد رومال بھی لٹک رہا تھا۔ سر پر ارغوانی طلیسان بھی لپٹا ہوا تھا۔

یقیناً ”وہ کوئی عرب ہی تھا۔
پھر یہ بڑھا کہاں سے آٹکا.....؟
وہ مدھم اور سہمی ہوئی آواز میں بولی۔
”میں اس وقت کہاں ہوں.....“

نازین نے خالص انگریزی زبان میں سوال کیا تھا۔ جسے سن کر بوڑھا حیرت زدہ نگاہوں سے اسے گھورنے لگا۔ پھر وہ خود بھی بوکھلا گئی۔ اس وقت وہ انگلستان کی بجائے فلسطین کی سرزمین پر تھی اور اگر اس کا قیاس غلط نہ تھا تو یقینی طور سے بے دین اور وحشی عربوں کے جنگل میں آ پھنسی تھی۔ اس نے سوچا یہ بوڑھا ضرور اسی جوان عرب کا ساتھی رہا ہوگا اور اگر وہ واقعی عرب ہے تو اس کی زبان کہاں سمجھے گا۔

یہ احساس کہ ایک اجنبی دیس میں وہ حادثاتی طور پر اپنے دشمنوں میں آ گھری ہے۔ انگلستان کی ایک معزز اور نازک اندام خاتون کو خوفزدہ کر دینے کے لیے کافی تھا۔ وہ سمندر پار سے انگریزی لشکر کے ہمراہ ایشیاء میں محض عربوں ہی کے خلاف لڑنے اور یروغلم کو آزاد کرانے آئی تھی اس صورت میں یہ بڑھا بھلا اس کے ساتھ کیا مروت اور رعایت کرے گا جبکہ افرنگی چھاؤنی میں عرب قیدیوں کے ساتھ انتہائی وحشیانہ اور ہیمنانہ سلوک کیا جاتا تھا۔ وہ سر سے پاؤں تک کانپ اٹھی اور خوف کی ایک سرد لہر اس کی ریڑھ کی ہڈی میں سرسراتی چلی گئی۔

گھوڑے کے بھاگنے، اچھلنے اور بے قابو ہو جانے کی وجہ سے اس کا جوڑ جوڑ دکھنے لگا۔ اپنے آپ کو بد کے ہوئے جانور کی پشت پر قائم رکھنے کے لیے اسے بڑی جسمانی محنت اور جدوجہد کرنا پڑی تھی۔ ورنہ وہ ضرور گر کر ہلاک ہو چکی تھی..... لیکن خطرے کے نئے احساس نے جسمانی تکلیف کا احساس چھین لیا۔

جاتی۔ دونوں ہی صورتیں بے حد خطرناک اور جان لیوا تھیں..... اور موت کا فاصلہ لحظہ بہ لحظہ کم ہو رہا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک بھیانک لرزہ خیز اور روح فرسا چیخ تڑپ گئی۔ شاید وہ مرنے سے پہلے چیخ چیخ کر ان گونگی چٹانوں اور بہرے پتھروں کو اپنی موت سے آگاہ کرنا چاہتی تھی۔

موڑ کا فاصلہ اب نصف فرلانگ سے بھی کم رہ گیا تھا۔ اسی لمحے ایک سوار درے کا موڑ کاٹتا ہوا بجلی ایسی سرعت کے ساتھ مخالف سمت سے نمودار ہوا۔ ایک ٹانے کے بعد دونوں گھوڑے گولوں کی طرح ایک دوسرے کے پاس سے گزر گئے۔ بس اسی پلک جھپکنے کے وقفہ میں مخالف سمت سے آنے والا سوار شہباز ایسی تیزی اور تندی سے سفید گھوڑے پر بھپٹا اور اسی ایک ثانیہ میں خوفزدہ نازنین اس کے گھوڑے پر منتقل ہو چکی تھی۔ پھر سوار نے پوری قوت کے ساتھ لگام کھینچی۔ گھوڑا اپنی اگلی ٹانگوں پر اچھل کے کھڑا ہو گیا اور نازنین سوار کے سینے سے آگئی مگر دوسرا لمحہ اس کے لیے بڑا ہی وحشت ناک اور جگر خراش ثابت ہوا اس نے خطرناک موڑ پر اپنے سفید گھوڑے کو پھسلنے، لڑکھڑاتے اور قلابازی کھا کر سینکڑوں فٹ گہری وادی میں لڑھکتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس کے ہونٹوں پر چیخ ایک اذیت ناک سسکی میں ڈھل کر رہ گئی۔ پھر خونیں موت کے تصور سے گھبرا کر سوار سے چٹ گئی اس کی آنکھیں بند ہوئیں اور ذہن جھلملاتی ہوئی تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا۔

جبل خروہ کے محافظ

جب اسے ہوش آیا وہ ایک غار کے دہانہ کے قریب ہی خشک گھاس اور پیال کے بستر پر پڑی تھی۔ نیچے اوٹی کھل تھا۔ سامنے ایک بوڑھا جس کے سر اور داڑھی کے بال بے حد الجھے ہوئے تھے۔ اپنی گول گول آنکھوں سے اسے گھور رہا تھا۔ ان آنکھوں میں شفقت کی چمک بھی تھی اور اجنبیت کی جھلک بھی، پھر بھی وہ بری طرح گھبرا گئی اور پیش آنے والے واقعات پر غور کرنے لگی۔ اسے کسی سوار نے بجا لیا تھا۔ اس خیال کے آتے ہی وہ ہڑبڑا کر اٹھی اور سہمی سہمی نظروں سے بوڑھے کو دیکھنے لگی۔

مغیر نگاہوں سے انہیں دیکھنے لگی۔ اسی اثناء میں اس کی نظر آسمان کی طرف اٹھی تو غار کے دہانے پر ایک اونچا ٹھڑ دکھائی دیا۔ جس پر دس بارہ کبوتر اپنے پر کھول رہے تھے۔ قریب ہی ایک چھتری تھی اس پر بھی چند کبوتر نظر آئے۔ اچھا تو یہ بوڑھا کبوتروں کا شوقین ہے؟ مگر پہاڑیوں پر ”پتھر کے زمانہ“ کی طرح غار میں رہنا اور کبوتر پالنا مضحکہ خیز شوق ہی تھا۔

بوڑھا اب اسے پر اسرار انسان معلوم ہونے لگا۔ مگر جلد ہی اسے خیال آیا۔ ممکن ہے قریب ہی کوئی بستی ہو جو اسے اس نہ آسکی ہو اور وہ اس پہاڑی غار میں اٹھ آیا ہو۔ بعض لوگ فطرتاً علیحدگی پسند ہوتے ہیں۔ اچانک جیسے بجلی کووندتی ہے اسے یاد آیا۔ برساتی نالے کو چھوڑ کر جب وہ وادی میں سفر کر رہے تھے۔ اس کے ایک ساتھی نے فضا میں اڑتے ہوئے کبوتر کو مار گرایا تھا جو نیچے اترنے کے لیے اپنا ٹھکانہ تلاش کر رہا تھا۔ یقیناً ”یہی چھتری اس کی منزل تھی۔“

وہ اسی سمت پرواز کر رہا تھا۔ لیکن موت کے بے رحم ہاتھوں نے اسے راستے ہی میں دبوچ لیا اور وہ اپنی منزل پر نہ پہنچ سکا۔ پھر ایک عجیب سے خیال نے اس کے اضطراب خوف میں اضافہ کر دیا۔ ”کیا ان لوگوں نے سوار کو کبوتر پر تیر چلاتے ہوئے دیکھ لیا تھا.....؟“ اور آپ سے آپ اس نے خیال کی تردید بھی کر دی مگر وہ اس منحوس وہم کو کسی طرح بھی ذہن سے جھٹکنے میں کامیاب نہ ہو سکی کہ محض اس معصوم اور بے زبان پرندے کی ہلاکت ہی کے سبب ان پر ناگہانی آفت ٹوٹ پڑی تھی۔ شاید قدرت نے درندے کی شکل میں پرندے ہی کا انتقام لیا تھا۔

وہ ان ہی خیالوں میں ڈوبی ہوئی تھی کہ بوڑھا جلدی سے اٹھ کر ایک جانب لپکتا چلا گیا۔ ابھی ابھی اس نے ایک کبوتر کو نیلگوں آسمان میں غوطہ مارتے اور چھتری پر اترتے دیکھ لیا تھا۔ بوڑھے نے چٹان کے ساتھ رکھی ہوئی طویل بانسی چھڑی اٹھائی جس کے سرے پر ایک چھوٹا سا چوبی گھونسلہ بنا ہوا تھا۔ پھر اسے چھتری کی طرف لہرایا۔ اترنے والا کبوتر ٹھڑ سے اڑ کر گھونسلے میں آ بیٹھا۔ پھر بانس کی چھڑی نیچے آ گئی۔ دوسرے لمحے کبوتر بوڑھے کے ہاتھوں میں تھا۔ اس نے چھڑی ایک طرف پھینکی اور کبوتر کو سینے سے لگائے غار کے اندر لپکتا چلا

اب وہ اس امر پر افسوس کر رہی تھی کاش.....! اس نے اپنے بدنصیب محافظ افسر مارگن کا مشورہ مان لیا ہوتا اور چھلاوے کی طرح غائب ہو جانے والی پگڈنڈیوں پر سفر جاری رکھنے کی بجائے ساحل بحر کی طرف لوٹ گئی ہوتی۔ نہ اس غریب کی جان جاتی نہ وہ خود اس جہال میں پھنستی۔ وہ موت سے ضرور بچ گئی تھی۔ لیکن موجودہ حالت تو بس ایسی ہی تھی..... آسمان سے گری کھجور میں اٹکی۔

بوڑھے کی آنکھیں جن میں ایک لمحہ قبل اس نے شفقت کی چمک دیکھی تھی اب بے حد خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔ شاید یہ خطرہ اس کے احساس کی کرشمہ سازی تھی۔

بوڑھے نے مسکراتے ہوئے مٹی کا ایک آنخوہ اس کی طرف بڑھایا اور ٹوٹی پھوٹی رومن زبان میں جو افرنگی سپاہی فلسطین میں بولتے تھے۔ کہنے لگا۔ ”پانی پی لو..... تمہاری طبیعت ٹھیک ہو جائے گی.....“

اس نے بوڑھے کی پیش کش کو ٹھکراتا مناسب نہ سمجھا۔ واقعی اسے شدت کی پیاس لگ رہی تھی۔ لیکن مٹی کا یہ آنخوہ تو اس نے زندگی میں پہلی مرتبہ دیکھا تھا پھر بھی برتن ہونٹوں سے لگانا ہی پڑا۔ پانی پینے کے بعد اس نے آنخوہ لوٹا دیا اور تعجب سے ان کبوتروں کو دیکھنے لگی جو بوڑھے کے آس پاس ٹٹل رہے تھے۔ اک پہاڑی غار میں کبوتروں کی موجودگی ایک طرفہ تماشہ تھی۔ اس نے بھی بوڑھے کو رومن زبان ہی میں مخاطب کیا۔

”میں اس وقت کہاں ہوں..... وہ سوار کون تھا جس نے مجھے بچایا؟“

”تم محفوظ جگہ پہنچ چکی ہو..... بس یہی بتا دینا کافی ہو گا۔“

بوڑھے کے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم رقص کر رہا تھا۔ ایک کبوتر اڑ کر اس کے کندھے پر آ بیٹھا۔ شاید کبوتر اس سے بہت زیادہ مانوس تھے۔

اچانک وہ حیران سی رہ گئی۔ غار کے اندر بھی..... ”ہوں..... ہوں.....“ غرغروں..... غرغروں..... ہوں۔“ کے ہنکارے سنائی دے رہے تھے۔ اس نے گردن موڑ کر دیکھا۔ دہانہ کے قریب طویل ڈربہ دکھائی دیا۔ جس میں بے شمار چھوٹے چھوٹے خانے بنے ہوئے تھے۔ کبوتر ان ہی خانوں میں ہنکارے بھر رہے تھے۔

کئی ڈربے کے اوپر بیٹھے ایک دوسرے سے اٹھیلیوں میں مگن تھے۔ وہ

وہ تیزی سے بوڑھے کی طرف مڑی۔

”بابا.....! کیا تم اکیلے رہتے ہو؟“

”نہیں، میرے ساتھ میرے بیٹے بھی ہیں۔“

اب وہ سمجھ گئی یقیناً ”عرب جوان اس بوڑھے کا بیٹا ہی رہا ہوگا..... جس نے اس کی جان بچائی تھی۔“

”لیکن تم لوگ بستی میں کیوں نہیں رہتے؟“

”یہ ایک لمبی داستان ہے.....“

”بستی یہاں سے کتنی دور ہوگی؟“

”بستی.....؟ یہاں چار پانچ کوس کے رقبہ میں کوئی بستی نہیں خروہ کا گاؤں یہاں سے پانچ کوس پر ہے۔ قلعہ کیساں آٹھ کوس اور عیاضیہ پورے سات کوس..... مگر تمہیں فکر مند نہ ہونا چاہیے۔ تم جہاں بھی جانا چاہو گی..... پہنچا دیا جائے گا..... شاید تم انگریز ہو.....؟“

نازنین متحیر نگاہوں سے پراسرار بوڑھے کو دیکھنے لگی۔

”ہاں، تمہارا قیاس غلط نہیں، میں اپنے ساتھیوں کے ہمراہ چھاؤنی کی طرف جا رہی تھی کہ راستہ بھول کر ان پہاڑوں میں آ نگی..... میرا خیال تھا ہمیں کوئی ایسی راہ مل جائے گی جو ”نورون“ (عیسائیوں نے عکا سے قریباً سات میل دور ایک پہاڑی چھاؤنی ڈالی تھی جس کا نام انہوں نے ”نورون“ یعنی مقدس رکھا تھا.....) (بحوالہ ہیرلڈیم) کی طرف جاتی ہو۔ اچانک ایک شیر نے ہم پر حملہ کر دیا اور میرا گھوڑا بدک کر بھاگ نکلا۔ میں تمہارے بیٹے کی بہت ممنون ہوں..... اگر وہ ہمت نہ کرتا تو میں اس وقت..... افوہ.....“

پھر اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ جیسے اس بھیاںک موت کے تصور ہی سے کانپ اٹھی ہو جو گھائی کے موڑ سے لڑھک جانے کی صورت میں واقع ہوتی۔

”شیر.....“ بوڑھے کے ہونٹ تھر تھرائے۔

”ہاں وہ خوفناک چیتا تھا جس کے سرخ جسم پر سیاہ دھاریاں تھیں۔“

”اوہ.....“

”مگر میں نے تو سنا تھا ان پہاڑوں پر کوئی درندہ نہیں پھر وہ شیر کہاں سے آ گیا۔“ شیر کے ذکر پر بوڑھا بھی چونک گیا تھا۔

گیا۔

انگریز حسینہ جس کے سنہری بال ابھی تک پریشان تھے۔ حیرت پاش نگاہوں سے یہ منظر دیکھتی رہی.....!

بوڑھا تو جی جی الف لیلہ کی طلسمی کہانیوں کا کوئی کردار معلوم ہوتا تھا۔ وہ جلد ہی غار سے باہر آ گیا لیکن اب اس کے چہرے پر کرب و اذیت کے آثار نمایاں تھے۔ آنکھوں کے گوشوں سے گہرا غم جھانک رہا تھا۔ نجانے وہ یکذلت اداس و غمگین کیوں ہو گیا تھا۔ اس کی اداسی اور پریشانی کچھ ایسی ہی شدید اور نمایاں تھی کہ انگریز حسینہ بھی وجہ پوچھے بغیر نہ رہ سکی۔

”کیا بات ہے بابا..... تم اتنے پریشان کیوں ہو گئے ہو.....؟“

”کچھ نہیں..... کچھ نہیں.....“

بوڑھے کے جسم پر ایک لرزش اور کپکپی طاری تھی جیسے کبوتر اس کی موت کا پیغام لے کر آیا تھا۔ مگر اس نے کچھ بھی نہیں بتایا۔

انگریز حسینہ اب کمرل سے اٹھ کر غار میں چلی آئی اور ڈربوں میں ہٹکارنے ہوئے کبوتروں کو دیکھنے لگی۔ یہ غار جس کا وہانہ ایک قدرتی محراب کا نمونہ تھا۔ اندر سے کافی وسیع اور طویل تھا۔ لمبائی بیس فٹ سے کم نہ رہی ہوگی۔ نوکیلے پتھروں پر جو کھونٹیوں کا کام دے رہے تھے۔ مختلف چیزیں آویزاں تھیں جن میں کچھ کپڑے، کچھ کمرل اور پانی کے دو مٹکیزے تھے۔ کبوتروں کے ڈربے کے اس بانس کی تیلیوں کے ایک پنجرے میں دو بلبلیں نغمہ سرا تھیں۔ ایک کونے میں چوہی تنے پر ایک شاہین بھی بیٹھا تھا جس کی نوکیلی چونچ پر باریک چڑے کی تھیلی چڑھا دی گئی تھی۔ شاید پنچے بھی باندھ دیے گئے تھے۔ وہ اپنی جگہ سے حرکت نہ کر سکتا تھا۔

ایک ہی غار میں شاہین و کبوتر کا اجتماع حیران کن تھا۔ نجانے یہ بوڑھا کس مزاج اور کس قماش کا آدمی ہے؟

اچانک ایک دیوار کے ساتھ لگتی ہوئی تلواروں، ترشوں اور کمانوں کو دیکھ کر اس کا ذہن چونک اٹھا۔ وہ بوڑھے کو عیسائی راہبوں کی طرح تارک الدنیا درویش سمجھ بیٹھی تھی جس نے تنہائی کے وحشت ناک احساس سے بچنے اور اپنا دل بھلانے کی خاطر پرندے پال رکھے تھے لیکن اس غار میں ہتھیاروں کی موجودگی نے اسے اور زیادہ پر اسرار اور خوفناک بنا دیا تھا۔

شام کی اس تاریکی میں جوان عرب کا لباس اس کے صاحب حیثیت ہونے کی غمازی کر رہا تھا۔ قریب آتے ہی وہ گھوڑے سے اچھل کر اترا اور مسکراتی ہوئی نگاہوں سے جین کو دیکھنے لگا۔

بوڑھے نے فوراً ہی آگے بڑھ کر باگ تھام لی اور گھوڑے کو اس چوبی ستون کی طرف لے گیا جو شاید گھوڑے ہی باندھنے کے لیے نصب کیا گیا تھا۔ سوڈانی سوار بھی اپنا گھوڑا وہیں لے آیا تھا۔

جوان عرب اپنی عبا لہراتا ہوا انگریز حینہ کی طرف بڑھا اور فلسطینی رومن زبان میں کہنے لگا۔

”الحمد للہ..... تم جلد ہوش میں آگئیں.....!“

دونوں کی نگاہیں چار ہوئیں۔ جین اس کے مردانہ حسن میں کھوسی گئی۔ اس کا یہ خیال غلط نہ تھا۔ وہ وجیہ اور حسین ہے پھر نہ جانے کیا خیال آیا اس نے شربا کر آنکھیں نیچی کر لیں اور مدھم آواز میں بولی۔

”میں اپنے محسن کا شکریہ ادا کرتی ہوں..... اگر آپ بروقت نہ پہنچتے تو موت نے مجھے گلے لگا لیا ہوتا.....“

عرب نے اس بات کی طرف دھیان نہیں دیا اور بائیں ہاتھ میں پکڑا ہوا ٹکونی کنکروں والا سنہری ہالہ جین کی سمت بڑھا دیا۔

”شاید یہ قیمتی کنڈل تمہارے ہی سر سے گرا تھا۔ مجھے درے کے دہانے میں پڑا ملا ہے۔“

سنہری ہالے کو دیکھ کر انگریز حینہ کچھ پریشان سی ہو گئی۔ شاید وہ ڈرتی تھی اگر ان عربوں پر اس کی اعلیٰ حیثیت آشکارا ہو گئی تو رہائی ناممکن ہو جائے گی مگر یہ تو بتا ہی چکی تھی وہ ایک نائٹ کی لڑکی ہے۔ اس نے ہاتھ بڑھا کر سنہری کنڈل پکڑ لیا..... اس کی خوبصورت نیلی آنکھوں سے خوف سا جھانک رہا تھا۔

لیکھت جوان عرب بوڑھے کی طرف گھوم گیا۔ جو اس کے قریب آچکا تھا۔

”رحمان بابا! مہمان کو کچھ کھانے کو بھی دیا۔“

”یہ تھوڑی دیر پہلے ہوش میں آئی ہیں۔ میں نے پانی پلایا ہے۔ کھانا نکالنے جا رہا تھا کہ آپ آ گئے۔“

”کوئی بات چیت بھی ہوئی؟“

”ہاں، اس خاتون کا نام جین ہے۔ انگلستان کے بادشاہ کے ساتھ آئی اور

وہ تسلی آمیز لہجے میں بولا۔

”تم واقعی بڑی خوش قسمت ہو..... درندے کے حملہ سے بھی محفوظ رہیں اور مگر مرنے سے بھی بچ گئیں..... کیا میں تمہارا نام پوچھ سکتا ہوں.....؟“ وہ ذرا ہچکچائی پر کہنے لگی۔

”میرا نام جین ہے۔ میں ایک انگریز نائٹ کی بیٹی ہوں۔ اگر تم مجھے بخیریت انگریزی کیمپ تک پہنچا دو تو میرا بھائی تمہیں اتنا انعام ضرور دے گا۔ جس سے تم خوشحال زندگی گزار سکو.....“

”ہمیں انعام کی پروا نہیں..... کیا تم ملک (ترک) (رچرڈ) کے ساتھ آئی ہو؟.....“

”وہ ہمارا بادشاہ ہے۔“

معلوم ہوتا تھا انگریز حینہ رچرڈ کے ذکر کو پسند نہیں کرتی..... اس نے بات کا رخ بدل دیا۔

”تمہارے بیٹے کہاں چلے گئے؟“

”ابھی آ جائیں گے..... تم باہر بیٹھو..... میں تمہارے لیے کچھ کھانے کو لاتا ہوں، تمہیں بھوک لگ رہی ہوگی۔“

لیکن بوڑھا ابھی پلٹا ہی تھا کہ باہر ٹاپوں کی آواز ابھری۔ وہ دونوں عار کے دہانے پر آ گئے۔

گھٹائی کے نشیبی راستہ پر وہی وجیہ اور جوان عرب گھوڑے پر سوار اوپر چلا آ رہا تھا۔ جس نے ناقابل یقین جرات کے ساتھ جین کی زندگی بچائی تھی۔ اس کے پیچھے پیچھے ایک سیاہ فام سوڈانی بھی تھا جو اس کا بھائی تو نہیں البتہ غلام ضرور معلوم ہوتا تھا۔ ان کے رنگ ہی نہیں صورتیں اور نقش و نگار بھی مختلف تھے۔

کیا واقعی وہ دونوں بوڑھے کے بیٹے ہیں.....؟ جین شش و پنج میں مبتلا ہو گئی مگر وجیہ اور جوان عرب تو کسی طرح ”غار کا باشندہ“ معلوم نہ ہوتا تھا۔

گھٹائی کے پیچ و خم میں وہ دونوں اوپر کی طرف بڑھتے رہے۔

سورج کی سرخ کرنیں بلند چوٹیوں پر الوداعی روشنی پھینک رہی تھی اور پہاڑ کی ترائی میں شام کے سائے ریگنے لگے تھے۔ مغربی افق پر جہاں سورج غروب ہو رہا تھا سرخیوں کے درمیان سیاہی کی بے ترتیب لکیریں آہستہ آہستہ گہری ہو رہی تھیں۔

ہیں، بھوک سے نہیں۔ مشطوب نے لکھا ہے۔ اگر کل صبح تک رسد نہ پہنچی تو شاید وہ ہتھیار ڈال دیں۔“

وجہ عرب کے ہونٹ تھر تھرا کے رہ گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون بوڑھا پھر غزدہ آواز میں بولا۔

”ایک بات بہت عجیب معلوم ہوتی ہے۔ صبا رفتار جو پیغام لایا ہے۔ اس میں یہ خبر بھی ہے۔ اہل شر نے ”حماتہ الجبل“ کو تھوڑی دیر پہلے ایک ضروری پیغام دے کر قلعہ سے اڑایا تھا..... مگر وہ ابھی تک نہیں پہنچی..... سیف الدین مشطوب نے اپنے خط میں تاکید کی ہے وہ پیغام فوراً سلطان کے حضور پہنچا دیا جائے..... لیکن حماتہ الجبل ابھی تک نہیں آئی۔“

”وہ اب کبھی نہیں آئے گی.....“

”کیوں.....؟“ بوڑھے کے لہجے میں تعجب کی جھلک تھی۔

”وہ ایک افرنگی سوار کا نشانہ بن چکی۔۔۔۔۔ ضحاک نے بتایا ہے وہ سوار ہماری مہمان ہی کا ساتھی تھا جس نے تیر چلا کر حماتہ الجبل کو ہلاک کر دیا.....“

لیکھت بوڑھے رحمان کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا اور وہ کینہ توڑ نگاہوں سے انگریز حسینہ کی طرف دیکھنے لگا۔ جین کے لیے اس کے رویہ میں اچانک تبدیلی حیران کن تھی وہ سہم سی گئی۔

آخر اس اچانک نفرت کا سبب کیا ہو سکتا ہے۔ بوڑھا پہلے تو اتنا غضب آلود نہیں تھا۔ جوان عرب نے بھی اس کی آنکھوں میں ابھرنے والی نفرت کو بھانپ لیا جسے دیکھ کر جین کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگی تھیں۔ پھر وہ بوڑھے سے مخاطب ہوا۔

”رحمان بابا.....! حماتہ کو بھول جاؤ..... اس کی موت ایک اتفاقی حادثہ ہے۔ میں اپنے غلاموں کو اس کی لاش تلاش کرنے کے لیے چھوڑ آیا ہوں۔ ضحاک نے جگہ کی نشاندہی کر دی ہے۔ اگر لاش مل گئی تو مشطوب کا پیغام بھی مل جائے گا.....“

”جان عرب! حماتہ الجبل“ سب سے زیادہ تیز رو اور قابل اعتماد پیغام رساں تھی۔ مجھے اس کی موت کی خبر سن کر بہت قلق ہوا ہے۔ میں درخواست کرتا ہوں انگریز حسینہ کو واپس نہ کیا جائے یہ لوگ وحشی اور ظالم ہیں!“

”تم دیوانے تو نہیں ہو گئے.....؟“

اپنے آپ کو ایک انگریز نواب کی بیٹی کہتی ہے۔“

وہ دونوں عربی زبان میں گفتگو کر رہے تھے۔ جین کچھ بھی نہ سمجھ سکی۔ مگر گفتگو سے اس نے یہ تو اندازہ لگا ہی لیا تھا باتیں اسی کے متعلق ہو رہی ہیں اور یہ وجہ عرب کوئی معمولی آدمی نہیں ہو سکتا۔ بوڑھا اس کے ساتھ بڑے ادب سے ہمکلام ہوا تھا۔

اچانک جوان آدمی کچھ سوچتا ہوا بولا۔

”کسی نواب کی بیٹی کنونی کنکروں والا زرین تاج نہیں پہن سکتی یہ تو انگلار (انگلستان) کے شاہی خاندان کی مخصوص علامت ہے۔ اگر یہ بادشاہ انگلار کے ساتھ آئی ہے تو ضرور اس کی بہن یا بھانجی ہوگی.....“

”پھر تو بہت اچھا ہے.....“

بوڑھے کے ہونٹوں پر مسکراہٹ بکھر گئی۔

”ہم اسے مسلمان قیدیوں کے عوض برغمال میں رکھیں گے..... مگر میں نے غلطی سے وعدہ کر لیا ہے۔ اسے بحفاظت افرنگی چھوڑنے میں پہنچا دیا جائے گا۔“

”تم نے غلط وعدہ نہیں کیا۔“

لیکھت جوان عرب کا ہاتھ لہرایا وہ بوڑھے سے مخاطب ہو کر بولا۔

”کیا عکا سے کوئی خبر آئی ہے.....“

بوڑھے کے چہرے پر غم و اضطراب کی پرچھائیاں کانپنے لگیں..... وہ غزدہ آواز میں کہنے لگا۔

”جان ما..... صبا رفتار ابھی ابھی آیا اور بڑی المناک خبر لایا ہے۔ عکا کے مجاہدین سخت عذاب میں مبتلا ہیں۔ افرنگی مجتہدین قلعہ کی فسیل کے ساتھ کھڑی ہیں۔ محاصرہ شدید ترین صورت اختیار کر چکا ہے۔ شاید وہ زیادہ دیر تک شہر کی حفاظت نہ کر سکیں.....“

”یہ تم نے کیا کہا.....؟“

جوان عرب بھی بری طرح پریشان نظر آنے لگا تھا۔

بوڑھے رحمان نے گلوگیر آواز میں جواب دیا۔

”سیف الدین مشطوب نے سلطان عالی سے درخواست کی ہے کسی بھی طرح افرنگی حصار توڑ کر انہیں رسد اور کمک پہنچائی جائے۔ مجاہدین آج سارا دن بھوکے ہی لڑتے رہے۔ رات بھی انہیں فائدہ نہ پہنچا پڑے گا۔ وہ دشمن سے لڑ سکتے

لگا۔ ”اندھرا اتر آیا ہے۔ ہم اس وقت تمہیں افرنگی چھاؤنی تک نہ پہنچا سکیں گے.....“ جین بہت بے چین اور مضطرب نظر آنے لگی۔ عرب کہہ رہا تھا۔ ”خطرہ ہے اندھیرے میں عیسائی ہمارے کہیں ان مسلمانوں کو ہلاک نہ کر دیں جو تمہیں چھوڑنے جائیں گے۔“

”میں وعدہ کرتی ہوں آپ کے سپاہیوں کو بحفاظت واپس کر دوں گی۔ عیسائی میرے محسنوں پر حملہ نہیں کر سکتے.....“

”پھر بھی ان سے کسی اچھے سلوک کی توقع نہیں۔ تم آج رات ہماری مہمان رہو کل تمہیں روانہ کر دیا جائے گا۔“

جین تڑپ اٹھی..... بھلا وہ اجنبی اور دشمن عربوں کے درمیان اس غار میں رات کیسے گزار سکے گی۔ جہاں گھاس پھوس اور چند اونٹ کھیلوں کے علاوہ کوئی بستر بھی نظر نہیں آتا..... وہ ملتجیانہ لہجے میں بولی۔

”اگر آپ واقعی مجھ پر احسان کرنا چاہتے ہیں تو اسی وقت روانہ کر دیجئے آپ کے ساتھیوں کو انعام و اکرام بھی مل جائے گا۔ میں ایک ٹائٹ کی بیٹی ہوں۔ میرے حکم سے کوئی انکار نہیں کر سکے گا.....“

عرب کے ہونٹوں سے بے اختیار ہنسی چھوٹ گئی۔ وہ اس کی بات کاٹ کر بولا۔

”آخر تم اپنی اصلیت چھپانے پر ضد کیوں کر رہی ہو۔ کیا کسی نواب کی بیٹی کو انگلستان کا شاہی نشان پہننے کی جرات ہو سکتی ہے؟“

جین کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔ وہ بہت بری طرح بوکھلا گئی تھی۔ اب اس کے محسن کا لہجہ بھی طنز آلود تھا وہ اکھڑے ہوئے لہجہ میں بولی۔

”میں..... میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکی.....!“

”تم میرا مطلب اچھی طرح سمجھ چکی ہو لیکن ڈرتی ہو اگر تمہاری شاہی حیثیت ظاہر ہو گئی تو شاید تمہیں افرنگی چھاؤنی تک پہنچانے کی بجائے یہیں روک لیا جائے لیکن فکر نہ کرو صلاح الدین کے بھائی کبھی غلط وعدہ نہیں کرتے.....“

”تو کیا آپ..... آپ.....“

فرط خیر سے الفاظ اس کے حلق میں انک کر رہ گئے اور عرب جوان بول اٹھا۔

جوان عرب نے بوڑھے کو خشمگیں نظروں سے گھورا وہ ان نظروں کی تاب نہ لا کر غار میں ریگ گیا اور ڈبے سے ایک کبوتر نکال کر اسے پیار کرنے لگا۔ شاید یہ اس پیامی کبوتری کا ساتھی تھا جو افرنگی سوار کا نشانہ بنی تھی۔

شام کے تلکے اندھیرے میں ٹھڑ پر بیٹھے ہوئے کبوتر آپ سے آپ اڑائیں بھر کے بار بار نیچے اترے اور اپنے ڈبوں کے آس پاس سر ہلانے، گھومنے اور ہنکارنے لگے تھے۔ رحمان بابا انہیں پکڑ کر چوبی خانوں میں بند کرنے لگا۔

غار کے دہانے پر افرنگی حسینہ ابھی تک سہمی کھڑی تھی۔ وہ عربی زبان نہ جانتی تھی لیکن اتنا تو سمجھ گئی تھی۔ انہوں نے عکا کے بارے میں گفتگو کی ہے۔ جو گزشتہ دو سال سے افرنگی محاصرے میں تھا اور جب سے شہنشاہ قلعہ آگسٹ اور انگلستان کا بادشاہ رچرڈ اپنے لشکروں سمیت ایشیاء کی مقدس جنگ میں کودے تھے۔

محاصرہ پہلے سے شدید ترین صورت اختیار کر چکا تھا۔ فرانسیسی اور انگریزی لشکروں نے ساحل پر اترتے ہی شہر پر تباہ کن حملے شروع کر دیے تھے۔

جین بھی انگریز تھی اور اہل فرنگ سے عربوں کی دشمنی کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی۔ عکا کا ذکر سنتے ہی وہ لرز اٹھی اور خوف اس کے دل میں ایک نیزے کی مانند گڑ کے رہ گیا۔ وہ سوچ رہی تھی۔ ابھی ابھی اس بوڑھے کی آنکھوں میں نفرت کی چنگاریاں بھڑکی تھیں اور یہ جوان عرب بھی جو اسے اچھا ہی لگا تھا ضرور کوئی بڑا سردار معلوم ہوتا ہے۔ بھلا وہ اسے کیوں چھوڑنے لگا؟

”آہ..... قسمت اس کے ساتھ فریب کھیل گئی اور اس کی بد نصیبی جبل خروہ میں ایک غیر معمولی جسامت کا خونخوار وحشی درندہ بھی آدھمکا تھا۔ جہاں کوئی لومڑی بھی اتفاقاً ہی نظر آتی تھی۔

شام کے اندھیروں نے پہاڑوں پر دامن پھیلا دیے۔ اونچی نیچی گھاٹیاں، کھردری چٹانیں، کھردندے اور بول کی جھاڑیاں بتدریج بڑے بڑے سیاہ میب دھبوں میں منتقل ہوتی جا رہی تھیں۔

اس پھیلتے ہوئے اندھیرے کے ساتھ ہی ساتھ انگریز حسینہ کا دل ڈوبتا جا رہا تھا نیچے ہی نیچے۔۔۔۔۔ نہ جانے یہ لوگ اس کے ساتھ کیا سلوک کریں.....؟

وہ سوچ رہی تھی جوان عرب سے اپنی رہائی کے متعلق بات کرے جو دہانے کے ایک پتھر پر ہاتھ نکائے خاموش کھڑا تھا کہ وہ خود ہی مڑا اور جین سے کہنے

کرنا مشکل ہو گئی تھی۔

”فلسطین میں رچرڈ کسی بزدل قوم سے لڑنے نہیں آیا تھا۔ اس کا مقابلہ عرب کے بہادروں، کردوں اور ترکوں سے ہے جو لڑنا ہی نہیں مرنا بھی جانتے ہیں۔ شاہ انگلار کو یہ بات کچھ تو معلوم ہو چکی، کچھ آگے چل کر معلوم ہو جائے گی..... خبردار.....! آئندہ کسی عرب کو انگریزوں سے ڈرانے کی کوشش نہ کرنا ورنہ اس کا نتیجہ خود تمہارے حق میں اچھا نہ ہو گا.....“

جین سم کر اسے خوفزدہ نظروں سے دیکھنے لگی۔ اس سے کوئی جواب بن نہ آیا۔

ملک عادل کی آنکھوں میں سرخ ڈورے ابھر آئے تھے۔ عکا کے میدان میں عرب سوراؤں کی شجاعت کے محیر العقول نظارے تو وہ ہچم خود دیکھ چکی تھی۔ ان کی ایک قلیل سی تعداد نے جو چار ہزر سے زیادہ نہ تھی۔ قلعہ میں محصور ہونے کے باوجود اڑھے تین لاکھ صلیبی بہادروں کے چھکے چھڑا دیئے تھے۔ پھر وہ عادل کی بات کس طرح جھٹلا سکتی تھی۔ بس حیران و ششدر کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

شام کا اندھیرا گہرا ہو چکا تھا اور بوڑھے رحمان نے غار کے اندر مشعل روشن کر دی تھی۔ جس کی لرزتی، کپکپاتی ہوئی شعاعوں کے عکس جین اور ملک عادل کے چہروں پر بھی کانپنے لگے تھے۔ وہ دونوں ابھی تک غار کے دہانہ ہی کے پاس کھڑے تھے۔ انگریز حسینہ کو خاموش اور فکر مند دیکھ کر عادل نے ایک دلچسپ طنز کی۔

”معلوم ہوتا ہے شزادی جین کو ہمارا مہمان بننا پسند نہیں.....“

”اچھا.....“ جین نے ادائے محبوبی کے ساتھ پلکیں اٹھائیں..... ”اگر آپ میرے متعلق یہی سوچتے ہیں تو میں ضرور آپ کی مہمان بنوں گی..... لیکن اس شرط پر کہ کل مجھے جلدی روانہ کر دیا جائے گا۔“

عادل کے چہرے پر مسرت کی لہر گزر گئی جیسے انگریز شزادی نے اس کی دلی آرزو پوری کر دی تھی۔ اس نے مسرت انگیز لہجے میں جواب دیا۔

”کل روانگی تمہاری اپنی مرضی پر منحصر ہوگی..... جس وقت چاہو جا سکتی ہو.....“

”لیکن یہ رات یہیں بسر کرنے کا ارادہ ہے.....“ اب وہ مسکرا رہی تھی۔

”ہاں..... میں صلاح الدین کا بھائی ہوں، عادل..... ملک عادل سیف الدین۔ شاید تم نے یہ نام پہلے بھی سنا ہو۔“

”میں نے یہ نام ضرور سنا ہے۔“ جین کے چہرے پر امید کی کرن جھلکائی۔ ”اور تم انگلستان کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی ہو..... کیا یہ غلط ہے.....؟“

انگریز حسینہ یوں تڑپ اٹھی جیسے اس کو کسی بچھو نے کاٹ لیا ہو۔ چہرے پر فکر و تشویش کی پرچھائیاں گہری ہو گئیں۔ پھر ایک ہی لمحہ بعد وہ سنبھل گئی اور تبسم آلود آواز میں بولی۔

”جب آپ نے حقیقت نہیں چھپائی تو میں بھی اپنی اصلیت پوشیدہ رکھنا مناسب نہیں سمجھتی۔ آپ کی نگاہ دور بین ہے۔ واقعی میں انگلستان کے شاہی خاندان کی رکن اور شیردل رچرڈ کی بہن ہوں۔“

ایک ثانیہ تک وہ ملک عادل کو محبت آمیز نظروں سے دیکھتی رہی۔ پھر کہنے لگی۔

”میں پرنس عادل کی بہت احسان مند ہوں۔ انہوں نے میری جان بچائی۔ مجھے اس بات پر بھی خوشی ہے، میرے جسم کو کسی عام آدمی نے نہیں ایک عرب شہزادے نے چھوا تھا، وہ قیامت کا لمحہ مجھے زندگی بھر یاد رہے گا۔ جب آپ نے جھپٹ کر مجھے گھوڑے سے دبوچ لیا تھا۔“

یہ کہتے کہتے شزادی جین نے اپنی حسین اور شفاف گردن جھکا دی..... فرط حیا سے اس کے عارض متمنا ٹھٹھے تھے۔

”تو کیا شزادی جین نے ہمارا مہمان بننا قبول کر لیا ہے۔“

”مجھے ہرگز اعتراض نہ ہوتا اگر خطرناک حالات سے نہ گزر چکی ہوتی۔ اب میں اپنے کیمپ میں نہ پہنچ سکی تو بادشاہ بہت پریشان ہو جائیں گے۔ انگریز سوار ساری رات مجھے ان پہاڑوں پر ڈھونڈتے پھریں گے اور جب کسی کھائی، کسی کھڈ اور کسی خندق میں میری لاش نہ مل سکی تو سمجھ لیا جائے گا میں یقینی طور پر عربوں کے ہاتھ جا لگی ہوں۔ پھر صبح کا سورج اپنے ساتھ ہزاروں قیامتیں لے کر طلوع ہو گا۔ بادشاہ عرب چھائی پر قیامت آفریں حملہ کر دیں گے اور.....“

یلکنت انگریز شزادی بوکھلا کے رہ گئی۔ ملک عادل کا قہقہہ کچھ ایسا ہی غیر اختیاری اور بے ساختہ تھا۔ معلوم ہوتا تھا شزادی کی بات سن کر اسے ہنسی مضطرب

چیتا میرا ہے۔ اگرچہ بہت خطرناک ہے۔ لیکن ہمارے ہر اشارے کو سمجھتا اور وفادار جانوروں کی طرح ہر حکم کی تعمیل کرتا ہے۔“

جین اس انکشاف پر متحیر رہ گئی۔

آج تک اس نے ایسا درندہ نہ دیکھا تھا۔ وہ تعجب سے ملک عادل کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ بتانے لگا۔

”یہ درندہ ہر اس اجنبی قافلے پر حملہ کرے گا جو جبل خروہ کی وادیوں میں قدم رکھے گا۔ ضحاک جبل خروہ کی شمال مغربی سرحد کا پرے دار ہے اور چیتا ہمیشہ ساتھ رکھتا ہے۔ اگر تمہارا قافلہ جنوب کی طرف چلتا رہتا تو یہ تم سے ہرگز تعرض نہ کرتا لیکن تمہارا راہنما تمہیں خروہ کی وادی میں لے اترتا۔ پھر تمہارے ایک ساتھی نے دوسری غلطی کی فضا میں اڑتے ہوئے کبوتر کو ہلاک کر دیا۔ وہ پیامی کبوتر تھا اور اس وقت بہت ضروری پیغام لے کر آ رہا تھا۔ بس اسی حرکت نے ضحاک کو مشتعل کر دیا اور اس نے چیتے کے گلے سے زنجیر اتار دی۔ یہ غلام گونگا ہے مگر اپنے فرض سے کبھی غافل نہیں رہتا۔“

یہ کہہ کر عادل نے اپنا بازو لہرا کر غلام کو اشارہ کیا اور وہ وحشی درندے کی زنجیر کھینچتا ہوا غار کے اندر روپوش ہو گیا۔ شہزادی جین ابھی تک حیرت و استعجاب کے عالم میں کھڑی تھی۔ اگرچہ اس کا بھائی رچرڈ خود ایک بہت بڑا شکاری اور درندوں سے کھیلتا تھا۔ اس نے متعدد شیر ہلاک کیے اور اپنی شہ زوری اور شجاعت کی وجہ سے ”شیر دل“ کہلاتا تھا۔ پھر انگلستان کے شاہی اصطبل میں بھی کئی شیر چیتے اور خوفناک درندے موجود تھے لیکن انگریز شہزادی نے آج تک ایک خونی شیر کے گلے میں یوں زنجیر نہ دیکھی تھی۔ جو اپنے مالک کے اشارے پر انسانوں کو چیر پھاڑ کر واپس بھی آ جاتا تھا۔

ملک عادل نے اس کی حیرت میں مزید اضافہ کر دیا اس نے بتایا یہ چیتا ضحاک سے ڈرتا ہے۔ کیونکہ وہ درندے سے کہیں زیادہ طاقت ور ہے۔ اگر ضحاک چاہے تو اسے جبرڑوں سے چیر سکتا، اس سے لمبی جست لگا سکتا اور کسی درندے ہی کی پھرتی کے ساتھ اچھل کر اس کی گردن دبوچ لیتا ہے۔

جین کی آنکھوں سے بے اعتمادی سی مترشح تھی۔ جیسے ان باتوں کا یقین نہ آیا ہو۔ لیکن چیتے کے گلے میں پڑی ہوئی زنجیر تو دیکھ ہی چکی تھی۔ جسے ضحاک نے تھام رکھا تھا۔ کیا سچ سچ وہ بھی کوئی وحشی درندہ ہے۔۔۔۔۔؟“

”مجھے اپنے ساتھیوں کا انتظار ہے پھر ہم چھاؤنی کی طرف چل دیں گے۔“

ابھی عادل نے بات ختم ہی کی تھی کہ شام کا کوہستانی سناٹا شیر کی دھاڑ سے لرز اٹھا۔ آواز بہت قریب سے آئی تھی۔ معلوم ہوتا تھا وحشی درندے نے انسانوں کی بو سونگ لی ہے اور جلد ہی کسی چٹان کی اوٹ سے ان پر آن کودے گا۔ جین بے اختیار لپک کر ملک عادل سے لپٹ گئی۔

”افوہ۔۔۔۔۔ یہ خونی یہاں بھی آ پہنچا۔۔۔۔۔ جلدی ہٹ جائیے۔“

مگر جین کے تعجب کی حد نہ رہی جب اس نے عادل کی چہرے پر گھبراہٹ یا پریشانی کی بجائے مسکراہٹ دیکھی۔ حالانکہ انگریزی حینہ کا سارا جسم دہشت سے کانپنے لگا تھا اور خود عادل بھی اس کی لرزش محسوس کر رہا تھا۔

”تم اس قدر ڈرتی کیوں ہو۔۔۔۔۔ درندہ یہاں تک نہیں آ سکتا۔۔۔۔۔ کیونکہ اب وہ آزاد نہیں میرے غلام نے اسے زنجیر پٹا دی ہے۔“

جین کی حیرت اتنا کو جا پہنچی۔ عادل ایک وحشی درندے کا ذکر یوں کر رہا تھا جیسے وہ کوئی شکاری کتا رہا ہو۔ اسی لمحے اس کی دہشت انگیز چیخ فضا میں بکھرتی چلی گئی۔ چیتے کی خوفناک غراہٹیں اس نے اپنے بہت ہی قریب محسوس کی تھیں۔ پھر شیر دل رچرڈ کی بہن نے ایک ناقابل یقین اور ناقابل فراموش منظر دیکھا۔ وہی سرخ دھاری دار چیتا جس نے اس کے قافلے پر حملہ کر کے مارگن ایسے دلیر فوجی کو پلک جھپکنے میں پھاڑ دیا تھا۔ ان سے صرف پندرہ بیس فٹ کے فاصلے پر غلی گھائی میں دکھائی دیا۔ اس کے قریب ہی ایک مضبوط اور قوی ہیکل غلام نیزہ تھامے کھڑا تھا۔ چیتے کی گردن میں لوہے کی زنجیر بھی تھی جسے غلام نے تھام رکھا تھا۔ انگریز شہزادی نے بار بار پلکیں جھپکائیں۔ اس کے بدن پر ابھی تک لرزش طاری تھی۔ اچانک ملک عادل نے اسے توجہ دلائی۔

”تم شیر دل رچرڈ کی بہن ہو؟“

مطلب یہی تھا ایک پالتو جانور سے اس قدر ہراساں ہونے کی ضرورت کیا ہے۔ جس کی زنجیر غلام نے تھام رکھی ہے۔ عقل مند شہزادی نے فوراً ہی اس طنز کو سمجھ لیا۔ پھر اپنے حواس سنبھالنے لگی۔ اس کی نگاہیں ابھی تک اس قوی ہیکل غلام پر مرکوز تھیں جو شام کے اندھیرے میں وحشی درندے کی زنجیر تھامے بڑے اطمینان سے کھڑا تھا عادل نے اسے بتایا۔

”وہ ایک کرد غلام ضحاک ہے۔ جسے چیتے پالنے کا شوق ہے۔ مگر یہ پالتو

وساطت سے ضحاک کو بتایا وہ سوار کی غلطی اور حماقت تھی جس پر میں نے خفگی کا اظہار کیا اور وہ شرمندہ ہو گیا تھا۔ اس جواب پر ضحاک بہت خوش ہوا اور شہزادی کو تحسین آمیز نظروں سے دیکھتا رہا۔ وہ ہنستے وقت بھی بالکل درندہ ہی نظر آ رہا تھا۔

شام کے گھرے اندھیرے چاندنی کی دودھیائی قباؤڑھنے لگی۔ گھائی کی مڑی بڑی پگڈنڈی اتر کر وہ اس راستے پر آگئے جو جبل خروہ کے درمیان قلی کیسان کی طرف جاتا تھا۔ ان کے آگے آگے ایک مشعل بردار سوار تھا اور عقب میں چار سوڈانی غلام گھوڑے بڑھائے چلے آتے تھے۔ یہ چھوٹا سا قافلہ بھی سات ہی سواروں پر مشتمل تھا۔

اسلامی اور صلیبی چھاؤنیاں

اگر جبل خروہ کی بلندیوں سے عکا کی طرف منہ کر کے بحیرہ روم کے ایشیائی ساحل پر نظر دوڑائی جائے تو چلچلاتی ہوئی تیز دھوپ میں اونچی اونچی پہاڑیوں پر سے جن کے دامنوں میں چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد ہیں۔ ایک طویل اور وسیع میدان دکھائی دیتا ہے جو ”زینہ صور“ کی چھیل پہاڑی سے کوہ کارمل تک بیس اکیس میل لمبا اور ساحل بحر سے خروہ کی ترائی تک آٹھ دس میل چوڑا ہوگا۔

اس میدان کے وسط میں عکا کا خاکستری شہر ایک ککے کی صورت میں ساحل بحر سے سینہ بحر میں پیوست نظر آتا ہے۔

عکا کی اس خاکنائے پر اہل صلیب اور غازیان اسلام کے درمیان دو سال سے خونریز معرکے ہو رہے تھے۔ عکا کے قلعے میں پانچ ہزار مجاہدین تین لاکھ صلیبی حملہ آوروں کی یورش کا مقابلہ کر رہے تھے۔ شہریناہ کے دروازے پر اڑتا ہوا ہلالی پرچم اس حقیقت کا مظہر تھا کہ عکا ابھی تک اسلامی شہر ہے۔

تیسری صلیبی جنگ کے دوران عکا کے باہر دو اور شہر آباد ہو گئے تھے۔ جنہیں ”شہر ہائے خیام“ کہنا چاہیے۔ یہ عارضی شہر دراصل عیسائیوں اور مسلمانوں کی فوجی چھاؤنیوں پر تھے۔

اسی اثناء میں وہ غلام بھی آگئے جنہیں ملک عادل حماقتہ الجبل کی لاش ڈھونڈنے کی خاطر عمودی چٹانوں کے پاس چھوڑ آیا تھا۔ پیامی کبوتری تیر کھا کر گرنے کے بعد شاید کسی پہاڑی بلی کی خوراک بن گئی تھی۔ لیکن اس کے بچے سے بندھا ہوا پیغام مل گیا تھا۔

ملک عادل غار کے اندر مشعل کی طرف لپکتا چلا گیا۔ اس نے عکا کے امیر سیف الدین مشوب کا پیغام پڑھا اور پریشانی کی حالت میں باہر آیا..... رحمان بابا سے مخاطب ہو کر اس نے حکم دیا۔

”شہزادی جین کے لیے ایک گھوڑے پر کجاوا ڈال دو..... مجھے اسی وقت سلطان معظم کے پاس پہنچنا ہے.....!“

غار کے اندر زین موجود تھے۔ تیاری میں دیر نہیں لگی جب وہ گھوڑے پر سوار ہو کر جا رہے تھے۔ عین اسی وقت گونگا قوی ہیکل ضحاک درندے کے بغیر باہر نکلا اور غار کے دہانے پر ایک بہت بڑا وزنی پتھر لڑھکا کر ان کی طرف بڑھا اس کے قریب پہنچ کر انگریز سینہ نے اپنا گھوڑا روک لیا۔

ضحاک کا رنگ گندم گوں، داڑھی کے بال گھنگھریالے، سینہ انتہائی فراخ، بازو مضبوط جن کی مچھلیاں ابھری ہوئی تھیں۔ چہرہ چوڑا کھردرا نقش بھاری بھدے اور گول گول خوناک آنکھوں میں کسی درندے کی سی چمک اور وحشت کروٹیں لے رہی تھی۔ جین کو یوں محسوس ہوا جیسے دن کی سسکتی اور دم توڑتی ہوئی مدھم سی سیاہ روشنی میں اس نے کسی چھ فٹ لمبے بن مانس کو انسان کے روپ میں دیکھ لیا تھا۔ اسکے بدن پر گھنے بال تھے حتیٰ کہ ہاتھوں کی پشت اور انگلیوں کی کھال بھی پر پیچ بالوں سے بھری پڑی تھی۔ بہ نظر ظاہر وہ عجیب الخلق آدمی معلوم ہوتا تھا۔

ایک خوبصورت یورپی عورت کو اپنے قریب دیکھ کر اس نے ہنس کر منہ کھول دیا۔ پھر ”غوغا..... غپ.....“ کرتا رہ گیا۔

جین کی سمجھ میں خاک بھی نہ آیا کہ گونگے نے اس سے کیا بات کی ہے اسے تو بس اتنا یاد تھا۔ ضحاک کا منہ نہیں۔ شاید کسی وحشی شیر کا دہانہ کھل گیا تھا۔ ملک عادل نے اسے بتایا۔ ضحاک پوچھ رہا ہے۔ اس کے ساتھی نے کبوتر پر تیر کیوں چلایا تھا۔

اس اچانک اور غیر متوقع سوال پر وہ بوکھلا سی گئی۔ پھر اس نے عادل کی

اہل صلیب نے عکا کا محاصرہ ڈالا تھا اور سلطانی سپاہ نے ان کی چھاؤنی کو گھیر لیا تھا۔ صلیبی سمندر کی جانب خیمہ زن ہوئے تھے اور ٹورون کی بلندیوں سے وہ بحیرہ روم کی دھند میں لپٹے ہوئے پانیوں کو دیکھتے رہتے تھے کہ یورپ سے کوئی لشکر ان کی امداد کے لیے کب آتا ہے۔ ایک روز لا تعداد جہازوں کے مستول اور بادبان نظر آئے۔

یہ جہاز آف ایونز فلائڈرز کا بحری بیڑہ تھا جو پندرہ سولہ ہزار سپاہیوں کو لے کر اہل صلیب کی مدد کو آیا تھا۔ پھر ڈنمارک کے جہاز بھی آ پہنچے۔ اٹلی، ہالینڈ، بیلجیم اور پیرا کے صلیبی مجاہد عکا کے محاذ پر پہنچ گئے تھے۔ جن سے گائی کا حوصلہ بڑھ گیا۔ پھر صور سے بھی صلیبی رضاکاروں اور سپاہیوں کا تانتا بندھا ہوا تھا جو دو دو چار چار ہزار کی ٹکڑیوں میں صلیبی چھاؤنیوں میں آتے رہتے تھے۔ چند روز کے بعد مارکوئیس کانڑو حاکم صور بھی اپنے لشکر اور بحری بیڑے کے ساتھ آ پہنچا اور صلیبی لشکروں کی تعداد اسی ہزار کے ہندے کو چھوٹے لگی۔

فریقین میں آئے دن جھڑپیں ہوتی رہتی تھیں۔ جب ملیوں کی تعداد میں حیرت انگیز اضافہ ہو گیا تو انہوں نے دریائے اطلس سے اتر کر عکا کو اپنے فوجی حصار میں لے لیا اور اسلامی چھاؤنی سے شہر کا سلسلہ رسد و مواصلات کاٹ دیا۔ وسط ستمبر ۱۱۸۹ء میں ٹورون کے ساحل پر ایک اور بحری بیڑہ آ لگا۔ کاؤنٹ آف برین اپنے بھائی اینڈریو آف برین کے ہمراہ لشکر لے کر آ پہنچا۔ ابھی یہ خوشی تازہ تھی کہ ہالینڈ کے شاہی محلات کا داروغہ ایک جرمن لینڈ گاف سپاہی اور اعلیٰ نسل کے ہسپانوی گھوڑوں کے ساتھ لشکر انداز ہوا۔

یولیس کا اسقف اعظم اپنے بھائی رابرٹ اور عقیدت مندوں کے ایک جم غفیر کے ساتھ ساحل پر اترا۔ کاؤنٹ آف بار ایسا جرنیل اپنے دستہ کے ہمراہ ٹورون میں آیا۔ اب صلیبی چھاؤنی پہاڑی ٹیلوں سے اتر کر عکا کے ٹھکانوں اور زیتون کے باغات کی طرف پھیلنے لگی۔

ستمبر کے آخری ایام میں جب عکا میں رسد ختم ہو رہی تھی۔ اسلامی فوجیں شہر سے رابطہ قائم کرنے کے لیے چھاؤنی سے نکلیں۔ ٹمپلوں نے مقابلہ کے لیے اپنے پرچم ”بوسیوں“ کو حرکت دی۔ پاپسٹز بھی ”صلیب احمر“ لہراتے ہوئے آگے بڑھے مگر ملک المظفر تقی الدین عمر کا رسالہ افرنگی صفوں کو چیرتا ہوا شہر کے قریب جا پہنچا۔ ادھر مسلمانوں نے صلیبی قلب کو منتشر کر دیا۔ عکا سے مواصلات

شاہی سراپردوں، فوجی خیموں اور چھوٹا دریوں کے یہ شہر جن کے درمیان مٹی کی بعض کچی عمارتیں بھی کھڑی تھیں۔ محلہ در محلہ اور حلقہ در حلقہ کئی کئی کوس تک پھیلے ہوئے تھے۔ جنہیں خم کھاتے راستے ایک دوسرے سے ملائے تھے۔

ان کوچہ و بازار میں اگر ایک طرف یورپ کے شہروں سسلی، پیرا، برٹنی، آنجو اور پوشو کے بازاروں کا نقشہ نظر آتا تھا تو دوسری جانب اسلامی چھاؤنی میں بغداد، قاہرہ اور دمشق کے مسقف اور بارونق کوچوں کی جھلکیاں دکھائی دیتی تھیں۔

جنگ حنین میں سلطان صلاح الدین ایوبی نے یروشلم کے صلیبی حکمران گائی لو گٹان سمیت بہت سے یورپی بادشاہوں اور شہزادوں کو گرفتار کر لیا تھا۔ قریباً ایک سال کی قید کے بعد گائی نے انجیل کی قسم کھا کر اقرار کیا تھا کہ وہ سلطان کے خلاف ہتھیار نہیں اٹھائے گا جس پر اسے رہا کر دیا گیا تھا لیکن وہ اپنے عہد پر قائم نہ رہ سکا۔ گائی لو گٹان صور کے ساحل سے ایک صلیبی لشکر لے کر ساحل کے ساتھ ساتھ عکا کو سر کرنے نکلا تھا۔

صلیبی عکا کے سامنے ابھی اپنے خیمے بھی نصب نہ کر پائے تھے کہ سلطان اپنے لشکر کو لے کر ان کے سر پر آ دھمکا اور صلیبی چھاؤنی میں ہلچل مچ گئی۔ عربوں نے حملہ کر کے عیسائیوں کو ٹورون کی پہاڑی کی طرف پسپا کر دیا۔ سلطان اپنے دستہ خاص کے ہمراہ دشمن کی صفیں چیرتا ہوا نکلا اور عکا کے قلعہ میں داخل ہو گیا۔ وہ بہاؤ الدین قراقوش، امیر عکا، حسام الدین، ابوالیسا سالار عکا اور اپنے قاضی عسکر بہاؤ الدین ابن شداد کے ہمراہ فیصل پر نمودار ہوا۔ اس نے عکا کی بلند شہرناہ سے میدان جنگ کا نقشہ دیکھا۔ قلعہ کی فیصل اور برجوں کا معائنہ کیا اور اپنے لشکر میں لوٹ آیا۔

گائی کے لشکر نے ٹورون کی پہاڑی پر چھاؤنی ڈال دی اور شمال مشرقی سمتوں میں خندق کھود کر اس میں راس الما کا پانی چھوڑ دیا۔ اسلامی سپاہ نے فیصلوں کے شمال مشرقی عقب میں اس طرح چھاؤنی ڈالی تھی۔ کہ شمال کی طرف اس کا مہمہ تل عیاضیہ میں خیمہ زن تھا اور میسرہ جنوب کی سمت نہرا الحلو کے کنارے اترا جو عکا کے قریب تھا۔ سلطان نے خود تل کیسان کو اپنا فوجی معک بنایا تھا۔ اس طرح صلیبی چھاؤنی کے گرد ایک فوجی حصار قائم ہو گیا تھا۔

کا سلسلہ پھر بحال ہو گیا۔ اونٹوں اور فچروں کی قطاریں سامان رسد لیے عکا کی طرف رواں تھیں اور صلیبی ان کی گھنٹیوں کی آوازیں سن رہے تھے۔ ار کاررواں کے آگے آگے زرد پوش سواروں کے جلو میں چھریے بدن کا ایک سوار قافلہ کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ جس کی بھوری داڑھی پر راستے کی گرد چمک رہی تھی۔ مگر آنکھیں عقاب کی مانند تیز تھیں۔

یہ خود سلطان اسلام صلاح الدین تھا جو ایک مرتبہ پھر شہر کی دیکھ بھال کے لیے عکا جا رہا تھا۔

قراقوش کے ساتھ اس نے ایک بار پھر فسیل کا جائزہ لیا اور اپنی چھاؤنی میں لوٹ آیا۔ اسلامی چھاؤنی اور عکا کے درمیان راستہ پر کھل گیا تھا۔ ستمبر کی آخری تاریخیں تھیں۔ عیسائی لشکر شکست کا بدلہ لینے کے لیے اپنی چھاؤنی سے نکلا۔ لین پول کے بقول یہ بہت بڑا حملہ تھا۔ جس میں سابق شاہ یروشلم گائی لو گنٹان کے علاوہ مارکوئیس کانزو، تھورجینا کے نواب لینڈگریو اور سلطنت فیرات کے حاکم لشکر کی کمان کر رہے تھے۔

سلطان نے اپنے امرا کو آواز دی۔ ڈھول اور دماے بجنے لگے۔ عرب، کرد، ترک، مملوک، دزویش اور بادیہ نشیں بجلی کی مانند خیموں سے نکلے۔ فریقین کے درمیان زبردست جنگ لڑی گئی۔ جس میں اگرچہ اسلامی قلب پریشان ہو گیا لیکن آخر کار تقی الدین عماد اور سلطان کے لشکروں نے افریقیوں کو ساحل بحر کی طرف مار بھگایا۔ افریقی دس ہزار لاشیں چھوڑ کر پھر اپنی چھاؤنی میں گھس گئے۔ جس کے گرد انہوں نے مٹی کی فسیل کھڑی کر لی تھی۔

اس جنگ میں ٹمپلوں کا سردار ریڈ فورڈ کرد و جوان حارث ابن ہشام کے ہاتھوں مارا گیا۔ اینڈریو آف برین ایسا بہادر بھی قتل ہوا۔ افریقیوں پر ایٹھائی سو ماؤں کی دہشت طاری ہو گئی۔ پھر انہوں نے چھاؤنی سے نکلنے کی جرات نہیں کی۔

اسی سال افریقیوں کی لاشوں کی عضووت کی وجہ سے جنہیں دریائے عکا میں بہا دیا گیا تھا اور جو سمندر کے دہانے پر آکر جمع ہو گئی تھیں۔ دبا پھوٹ پڑی۔ انہیں گھیر لیا اور ان پر موت مسلط کر دی۔ جب افریقی بھاگے تو ان کی لاشیں سلطان پر قونج کے درد کا حملہ ہوا۔ موسم سرما کی فصل کے لیے سلطان نے نوروں کی خندق تک ٹھہرتی چلی گئیں۔ نو ہزار صلیبی اسلامی چھاؤنی میں ہلاک امرائے لشکر کو رخصت دی اور خود اپنے لشکر خاص کے ہمراہ خروہ کے پہاڑوں ہوئے تھے۔

پر منتقل ہو گیا۔ ادھر موسم سرما اور برسات کی وجہ سے صلیبی چھاؤنی بھی اجڑ

گئی۔

اہل لشکر کی امداد کے لیے رومی شہنشاہ فریڈرک بربروسا تین لاکھ کا لشکر جرار لے کر خشکی کے راستے فلسطین کی طرف چلا آتا تھا۔

سلطان نے اس خطرہ کے پیش نظر اپنے امراء کو پھر میدان جنگ میں طلب کر لیا۔ سب سے پہلے امیر البحر حسام الدین لولو یکم نومبر ۱۱۸۹ء کو جب عیسائی ”یوم الادلیا“ کی تقریب منا رہے تھے۔ اپنے بحری بیڑے کو لے کر عکا کی بندرگاہ میں داخل ہوا۔

ابن اثیر کے بقول سلطان کا بھائی ملک العادل جو مصر سے آیا تھا۔ سیدھا خروہ کی چھاؤنی میں پہنچا تھا۔ سلطان سے سرما خروہ کے پہاڑوں پر گزار دیا تھا۔ صلیبی اس عرصہ میں نوروں کے شہر خیام میں دبا بے تیار کرتے رہے۔ مگر ہولناک قحط نے انہیں بری طرح پریشان کر دیا تھا۔ خوراک کے حصول کی خاطر دس ہزار صلیبیوں نے اسلامی چھاؤنی پر چھاپا مارا۔ لیکن چند سو کے علاوہ سب کے سب ہلاک کر دیے گئے۔

صور اور جینوا کے جہاز صلیبیوں کے لیے رسد لے کر پہنچ گئے۔ اسی سال دباؤں کی جنگ لڑی گئی جس میں اہل صلیب نے پھر شکست کھائی۔ ۱۱۸۹ء کا سال عیسائیوں کے مصائب میں اضافہ کرتا ہوا گزر گیا۔ مگر ۱۱۹۰ء میں انہوں نے یہ مسرت بخش خبر سنی کی فریڈرک بربروسا قسطنطنیہ کو عبور کر چکا اور عنقریب فلسطین پہنچنے والا ہے۔

سلطان نے مجلس شوریٰ طلب کی۔ امراء نے فیصلہ دیا کہ رومی شہنشاہ کوارض شام کی سرحدوں پر روک دیا جائے۔ پھر اسلامی چھاؤنی خالی ہونے لگی۔ تقی الدین عماد اور ملک الظاہر غیاث الدین کی کمان میں ایک لشکر سرحد شام کی طرف روانہ کر دیا گیا۔ سلطان خود ملک العادل کے ہمراہ چھاؤنی ہی میں ٹھہرا رہا۔ جب صلیبیوں نے دیکھا کہ اسلامی چھاؤنی میں لشکروں کی تعداد نصف رہ گئی ہے تو انہوں نے حملہ کر دیا مگر مصر کے مملوکوں اور موصل کے کردوں نے انہیں گھیر لیا اور ان پر موت مسلط کر دی۔ جب افریقی بھاگے تو ان کی لاشیں سلطان پر قونج کے درد کا حملہ ہوا۔ موسم سرما کی فصل کے لیے سلطان نے نوروں کی خندق تک ٹھہرتی چلی گئیں۔ نو ہزار صلیبی اسلامی چھاؤنی میں ہلاک ہوئے تھے۔

انگلستان کا شاہی مونسقار امیر روز بیان کرتا ہے۔ کچھ عرصہ بعد ہم نے حیرت

ساتھ جنگ صلیب میں شریک ہونے آپہنچا تھا اور اس کے ساتھ اس کا بھائی کاؤنٹ آف فینڈرس بھی چیدہ چیدہ جرنیلوں کے ہمراہ موجود تھا۔ فلپ آگسٹس کے آتے ہی نہ صرف لشکر صلیب کی کمان اس کے سپرد کر دی گئی بلکہ صلیبی سمجھتیوں عکا کی فسیل سے اور قریب آگئیں۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ سلطان صلاح الدین نے عکا کے محصور سپاہیوں کو جو دو سال تک مسلسل محاصرے کی تکالیف برداشت کر رہے تھے۔ آرام دینے کی خاطر چھاؤنی میں منتقل کر دیا اور ان کی جگہ امیر سیف الدین مشلوب کی سپہ سالاری میں پانچ ہزار تازہ سپاہی عکا میں بھیج دیے تھے۔ پرانے سپاہیوں کے ساتھ جرنیل ابوالہیما بھی چھاؤنی میں آگیا تھا۔ لیکن امیر عکا ہاؤالدین قراوقش نے شہر نہیں چھوڑا تھا۔

شاہ فرانس فلپ آگسٹس کے آتے ہی عکا پر ملیوں کے حملے پھر سے تیز ہو گئے اور فراکوں نے اپنی بہادری کے جوہر دکھانے شروع کیے۔ لیکن جب وہ قلعہ پر حملہ کرتے تو عکا میں ڈھول بجا کر پادھوئیں کے بلند مرغولے اڑا کر سلطان کو ان کے حملے سے خبردار کر دیا جاتا تھا۔ پھر عرب لشکر اپنی چھاؤنی سے نکل کر اہل صلیب کے عقب پر قیامتیں لہرا دیتے تھے اور اس طرح شہر پر صلیبی حملہ کا زور توڑ دیا جاتا تھا۔

فلپ آگسٹس کے لیے یہ بات بے حد حیرت انگیز اور سوہان روح تھی کہ عکا کی ایک روز کی لڑائی میں اتنے ہی سپاہی مرجاتے تھے جتنے فرانس اور انگلستان کی پوری جنگ میں نہ مرے ہوں گے۔ اس نے کئی بار عکا کو فتح کرنے کے لیے زبردست حملے کیے لیکن عکا کے عرب اور ترک محافظ فسیل سے آگ برساتے اور حملہ آوروں کو ان کے زہر و جوشن سمیت پھونک دیتے تھے۔ ادھر سلطان اپنا رسالہ اور پیدل فوج لے کر پہاڑوں سے اترتا اور صلیبی عقب میں موت کا بازار گرم کر دیتا تھا۔

ان معرکوں میں فلپ آگسٹس کا بھائی کاؤنٹ آف فینڈرز بیمار پڑ گیا اور اس کی بیماری نے فلپ کی مایوسیوں میں اضافہ کر دیا۔ کیونکہ کئی ماہ کی عسکری کوششوں کے باوجود وہ عکا کا شہر سر نہ کر سکا تھا۔ ایشیاء کی سرزمین پر لڑی جانے والی جنگ شاہ فرانس کے خیالی نقشوں سے بالکل ہی مختلف تھی۔

پاپائے روم کے سفیروں کے ذریعے فرانس اور انگلستان کی باہمی جنگوں کا

انگیز منظر دیکھا۔ پہاڑوں پر ڈھول تاشے بجنے لگے۔ ان کی کڑک، دھکم میں لمبی آستینوں والے عرب اور ترک سوار گھوڑے دوڑاتے بلندیوں سے اترے اور ٹوروں کی چھاؤنی کے سامنے ”رقص عرب“ کرتے ہوئے گزرے۔ انہوں نے ہمیں پکار کر کہا۔

”مشرکوں.....! تمہارا عظیم جرمین شہنشاہ فریڈرک بربروسا جس کی قوت تم ہمیں ڈرایا کرتے تھے۔ واصل جہنم ہو گیا۔“

واقعی جرمین شہنشاہ اور اس کی تین لاکھ سپاہ تباہ ہو گئی تھی۔ صرف پانچ ہزار سپاہی عکا کے محاذ پر پہنچ سکے تھے۔ صلیبی چھاؤنی پر افسردگی چھا گئی مگر جولاء ۱۱۹۰ء میں کبگانی کا صغری دس بارہ ہزار سپاہیوں اور جنگی جہازوں کے ساتھ صلیبی چھاؤنی میں پہنچ گیا۔ اگست میں کاؤنٹ ہنری آف سمپن اپنے عظیم لشکر اور بیڑے کو لے کر آپہنچا اور جنگ کی کمان اس نے سنبھال لی۔ اس کے علاوہ تھیٹال آف بلائے کلیرمونٹ کا مفور کاؤنٹ اور شالون کا طویل القامت نواب بھی فرانسیسی بہادروں کے ساتھ آئے۔

ہنری نے بھی آتے ہی حملہ کیا۔ لیکن شکست کی ذلت اس کی قسمت پر لکھی جا چکی تھی۔ اس کی قیادت میں اگرچہ ملیوں کے حوصلے بڑھ گئے تھے مگر اس کی کوئی مہم کامیاب نہ ہو سکی۔ حتیٰ کہ جب صلیبی چھاؤنی میں قحط پڑا اور ہنری کی قیادت میں اسلامی رسد کے ذخیروں کو جو حیضہ میں تھے لوٹنے کا منصوبہ بنایا گیا تو نہ صرف یہ منصوبہ بڑی طرح ناکام ہو گیا بلکہ صلیبی لشکر کو، ایک اور شکست سے دوچار ہونا پڑا۔ انہی پریشانیوں اور ہلاکت آفرینیوں میں محاصرہ دو سوا سال بھی بیت گیا۔

۱۱۹۱ء کا موسم بہار اہل صلیب کے لیے نئی سرتریں لے کر طلوع ہوا۔ م کی برسات ختم ہوتے ہی فروری اور مارچ میں صلیبی ٹوروں کی بلندیوں سے اترنے اور مورچے سنبھالنے لگے۔ جنگ کا موسم پھر آگیا۔ فوجی معسکوں پر ڈھول اور طبل بجنے لگے۔ آہن گروں کی بھٹیاں دھک اٹھیں اور شمشیر و سان رقص شروع ہو گیا۔

اپریل کی چکیلی دھوپ ساحلوں پر بکھرنے لگی تھی کہ بحیرہ روم کی افریقہ گولائیوں پر چھ عظیم الشان جہازوں کے مستول بلند ہونے لگے اور افریقیوں کی چھاؤنی میں طبل و نقارہ بج اٹھے۔ شاہ فرانس فلپ آگسٹس اپنے بحری بیڑے

قبرص میں گھستا چلا گیا۔ اس نے ایک ہولناک جنگ کے بعد قبرص کو تاخت و تاراج کیا۔

رچرڈ ابھی قبرص ہی میں تھا کہ پیغام رساں کشتیاں ساحل عکا سے گئی آف لو سنگان اور کاؤنٹ ہنری کا خاص پیغام لے کر قبرص کے ساحل پر لنگر انداز ہوئیں کہ جب تک شاہ انگلستان نہ پہنچیں عکا فتح نہیں ہو سکتا۔

رچرڈ نے قبرص کے ایک کیتھڈرل میں اپنی شاہی منگیتز برنگیریا آف نوارے کے ساتھ شادی کر لی تھی۔ وہ اس اپنی شہزادی کی زلف گرہ گیر کا اسیر تھا لیکن قبرص کے قیام کے دو ماہ بعد ایک اور حیرت انگیز واقعہ بھی رونما ہوا تھا۔ شاہ انگلستان نے قبرص سے روانگی سے قبل شاہ قبرص کی حسین بیٹی ”گل سوہن“ کو یہ غمال کے طور پر اپنے ساتھ لے لیا تھا۔

وہ قبرص کے جزیرہ سے روانہ ہوا تو اس کے ساتھ چار گل اندام شہزادیاں سفر کر رہی تھیں۔

- ۱۔ انگلستان کی شہزادی اور رچرڈ کی بہن جین جو شاہ سسلی کی بیوہ تھی۔
- ۲۔ ورچینا جو رچرڈ شیردل کی بیٹی تھی اور ارل جان کی بیٹی تھی۔
- ۳۔ اسپین کی ریاست نوارے کی شہزادی برنگیریا جو رچرڈ سے شادی کے بعد اب قانونی طور پر انگلستان کی ملکہ تھی۔
- ۴۔ قبرص کی شہزادی ”گل سوہن“ جو یہ غمال بنائی گئی تھی۔



جب انگلستان کا بحری بیڑہ سمندر کی افقی گولائیوں پر نمودار ہوا تو عکا کے ساحل پر ٹورون کی صلیبی چھاؤنی نقاروں کی آواز سے گونج اٹھی۔

شاہ فرانس قلب صلیبی بادشاہوں، شہزادوں، نوابوں اور مذہبی رہنماؤں کے جلو میں بھد شان تجل رچرڈ کے استقبال کو بڑھا۔ یہ ۶ جون ۱۱۹۱ء مطابق ۳ جمادی الاول ۵۸۷ھ کا واقعہ ہے۔ رچرڈ جو مسلسل بحری سفر کی وجہ سے بیمار ہو گیا تھا عکا کے ساحل پر اترا، اسکی آمد پر ٹورون کی چھاؤنی میں بے پناہ الاؤ روشن کیے گئے اور رقص و مے کی محفلیں گرم ہوئیں۔

شاہ فرانس نے بڑی کوشش کی تھی کہ رچرڈ کی آمد سے پہلے عکا کو فتح کر

خاتمہ کر دیا گیا تھا تاکہ دونوں ملکوں کے بادشاہ ایشیاء میں لڑی جانے والی مقدمہ صلیبی جنگ میں شریک ہو سکیں۔ شاہ فرانس قلب تو محاذ جنگ پر پہنچ گیا تھا لیکن انگلستان کا بادشاہ رچرڈ شیردل کہاں تھا؟

روم کے لائرن محل کے سفیر نے رچرڈ کو پاپائے روم کی طرف سے یہ مژہ سنایا تھا۔

”جناب رچرڈ..... آپ یہ سن کر خوش ہوں گے۔ پیشوائے بزرگ مکاشفہ میں یہ خبر دی گئی ہے کہ آپ یروشلیم کو وحشی عربوں سے آزاد کرائیں گے اور فتح آپ کے نام پر لکھی جا چکی ہے۔ ایشیاء آپ کی تلوار سے ہلاک ہو گا۔“ ”یہ آسمانی بشارت“ سن کر رچرڈ نے جو مذہب سے زیادہ دلچسپی نہیں رکھتا تھا۔ عیسائیوں کا ہیرو بننے کے لیے جنگ صلیب میں شرکت کا فیصلہ کر لیا اور اپنے امیر البحر کو ایشیائی سفر کے لیے بیڑہ تیار کرنے کا حکم دیا۔

وہ پورے شاہی تزک و احتشام کے ساتھ شیر اور اژدہ کے نشان والے پرچم لہراتا ہوا انگلستان سے روانہ ہوا۔ اس نے اپنے بھائی ارل جان کو اپنے بد نائب السلطنت بنا دیا تھا۔ جب وہ جبل الطارق سے گزر کر بحیرہ روم میں داخل ہوا تو اسے سسلی کے قلعے سے نمٹنا پڑا۔

رچرڈ کی بہن انگلستان کی شہزادی جین جو شاہ سسلی کی ملکہ تھی اپنے خاندان کی ناگمانی وفات کے بعد بیوہ ہو گئی تھی اور جزیرہ کی حکومت کا نیا مسئلہ کھڑا ہو گیا تھا۔ جین ہلمو کے شاہی محلات میں اداس و سوگوار بیٹھی تھی کیونکہ غاصب ٹینکرڈ نے جو سسلی پر قابض ہو گیا تھا۔ اس کے حقوق و اختیار نظر انداز کر دیے تھے۔ رچرڈ کو سسلی کے معاملات میں دخل انداز ہونا پڑا۔ پھر وہ عرصہ تک ہلمو کے شاہی محلوں میں جنگ کی تھکن اٹاتا رہا۔

ایک سال بعد رچرڈ نے سسلی میں ٹینکرڈ کی حکومت بحال کر دی اور اپنی بہن کے ساتھ ایشیاء کے سفر پر روانہ ہو گیا۔

جب انگلستان کا شاہی بیڑہ قبرص کے ساحل پر لگا جو روم کی بینر نظمی سلطنت کا جزیرہ تھا تو رچرڈ کو حاکم قبرص سے بھی جنگ آزما ہونا پڑا۔ کیونکہ قسطنطنیہ کے قیصر آئزک دی ایجنل (اسحاق فرشتہ خصال) کو تیسری صلیبی جنگ سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ شاہ قبرص نے رچرڈ کو جزیرہ میں اترنے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔ جس کے نتیجے میں رچرڈ اپنے سواروں اور پیادوں کے ہمراہ

علاوہ ازیں شاہ کپاگنی، کاؤنٹ آف کلیرمونٹ، کاؤنٹ آف شالون، کاؤنٹ آف تھیماٹ، کاؤنٹ آف بلائے، سر جوزلین مانائز، کاؤنٹ آف فلائڈرز، کاؤنٹ ہالیٹ مارکوئیس آف سینٹ قیرات، کاؤنٹ آف جریہ، ڈیوک جیمز آف یوز، ناٹ آف مایون، کاؤنٹ آف بار، پرنس آف جرمانیہ، پھر ہالینڈ، ڈنمارک، نائیدرلینڈ، نیلیم، سویڈن اور جرمن ریاستوں کے لینڈ گارف، سردار ناٹ اور شہسوار اپنے اپنے دستوں کے ساتھ فلپ آگسٹس کے حکم کے منتظر تھے۔

خون آشام ٹمپلوں کے مقدمہ الیش اپنے پرچم ”بوسیول“ کو لہراتا ہوا سپ سے آگے تھا۔ ہاسٹلوں کے سردار ٹرکوپول اور گاریزڈی نیپلز کے دستے بھی حملہ آروں میں شامل تھے۔

اپنے کوہ شکن و بابوں، مضبوط منجیقوں اور اسلحہ بردار گاڑیوں کے ہمراہ لشکر صلیب عکا کی طرف بڑھا۔ صلیبی وقائع نویس اور انگلستان کا شاہی موسیقار امبروز لکھتا ہے۔

”یورپ کے بہادر ناسٹوں کے علم بے حد و حساب اور شمار سے باہر تھے۔ ہم نے اس دن سے پیشتر اتنے نامور ناسٹوں اور معروف ڈیوکوں کے خاص علم اور مرضع نشان کبھی نہ دیکھتے تھے۔“

ابن اثیر کے بقول یہ ایک ہیبت ناک حملہ تھا۔ طلوع آفتاب کے ساتھ ہی جنگ کا بازار گرم ہو گیا۔ لیکن عکا کے بہادر محافظوں نے اس یلغار کا آتشیں استقبال کیا اور افریقیوں پر آگ برساتی تو صلاح الدین کے حکم پر اس کے رسالے نے صلیبی چھاؤنی پر زبردست حملہ کر دیا۔

شام کو جب سورج غروب ہوا تو شکست کی ایک اور ذلت فلپ آگسٹس کی پیشانی پر رقم ہو چکی تھی۔ اسی رات اس کا بھائی جس سے وہ بے حد محبت کرتا تھا موت کی تاریکیوں میں گم ہو گیا۔

○

ان لڑائیوں کا نتیجہ دیکھنے کے بعد شیردل رچرڈ دم بخود رہ گیا تھا۔ اسے اشیاء میں اپنی فتح کے وہ خواب پورے ہوتے دکھائی نہیں دے رہے تھے۔ جن کی بشارت پاپائے روم نے دی تھی۔ پیہم ناکامیوں اور شکستوں نے افرنگی

لے لیکن وہ اس کوشش میں کامیاب نہ ہو سکا۔ رچرڈ کی بیماری کی وجہ سے ایک پہاڑی ٹیلے پر فروکش ہوا۔ جہاں صلیب کا امیر فلپ آگسٹس ہی تھا۔

سلطان صلاح الدین نے بھی خروہ کے پہاڑوں سے اپنے خیمے اکھاڑے اور شہر کے کچھ اور تریب آکر پڑاؤ ڈال دیا۔ جنگ صلیب و ہلال کے دو ہیرو رچرڈ شیردل اور صلاح الدین ایوبی ایک دوسرے کے آنے سامنے ہونے والے تھے۔

۱۴ جمادی الاول کو جنگ اپنی پوری ہولناکیوں کے ساتھ بھڑک اٹھی۔ صلیبی لشکر کی کمان بدستور فلپ آگسٹس کر رہا تھا۔ جون کی بلاخیز گرمی اور تیز دھوپ میں فرانسیسی اور انگریز شہسوار قلعے کی طرف بڑھنے کی کوشش میں ہلاک ہو رہے تھے۔ عرب قلعہ کی فیصل سے پگھلی ہوئی آگ کی پچکاریاں چلاتے اور دشمن کو جہنم رسید کر دیتے تھے۔

رچرڈ اس ہولناک موت کا منہ دیکھ کر کانپ اٹھا۔ مسلسل کئی روز تک عربوں اور افریقیوں کے درمیان معرکے ہوتے رہے۔ شاہ فرانس کوئی نہ کوئی فتح حاصل کر کے اپنی فوجی برتری ثابت کرنے پر تلا ہوا تھا۔ لیکن عربوں نے اس کی کوئی تدبیر کارگر نہ ہونے دی۔

۹ جون کو اس نے شہر پر عام حملے کا حکم دے دیا۔ وہ ڈیڑھ لاکھ کا لشکر جہاز لے کر ایک فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے ٹورون کی چھاؤنی سے نکلا۔ اس سے پہلے اتنے ڈیوک اور ناٹ کبھی اکٹھے نہ ہوئے تھے۔ فضا میں مختلف رنگوں کے پرچم لہرا رہے تھے۔ کانڑ کے خاص دستے شاہ فرانس کے عقب میں تھے۔ ان کے علاوہ سابق شاہ یروشلم گائی آف لوگنن۔ اس کے جنگجو بھائی، مارک اور جافری آف لوگنن صیدا کا بادشاہ اور بالیان آف ابلین اپنے لشکروں کے ساتھ حملہ کے لیے تیار تھے۔

کاؤنٹ ہنری آف شیمپن جو شاہ فرانس سے قبل جہاد صلیب کا امیر تھا۔ اپنی سپاہ کے ہمراہ سب میں ممتاز نظر آ رہا تھا۔ وہ اس حملہ میں انگلستان کی نمائندگی کر رہا تھا۔ انگریزی لشکر کی کمان آرچ بشپ آف سالبری ہیورٹ والٹر بزرگ کے ہاتھ میں تھی۔ انگریز جرنیلوں میں ڈی مینڈول، ولیم آف پیرو، ریزڈی مارن، ٹوکس آف شیل، آبری کلیمنٹ اور ایلن ایسے نامور سردار اس کی مدد کے لیے ساتھ تھے۔ مگر بالڈون ڈی کیرو اور ولیم آف پوشور رچرڈ کی ہمدردی کر رہے تھے اور وہ حملہ میں شریک نہ ہو سکے۔

بادشاہوں کو بے حد مایوس کر دیا تھا۔

۱۶ جون کی رات فلپ آگسٹ شاہ رچرڈ کے خیمے میں آیا اور دونوں کے درمیان عربوں سے صلح کے مسئلہ پر گفتگو ہوئی۔ رچرڈ کو بتایا گیا کہ بیشتر صلیبی حکمران چونکہ سلطان صلاح الدین سے معاہدے کرنے کے بعد ان کی خلاف ورزی کر چکے ہیں۔ اس لیے اب وہ کسی پر اعتبار نہیں کرے گا۔ آخر سلطان کے بھائی ملک العادل سیف الدین کی طرف ایک سفارت بھیجنے کا فیصلہ ہوا۔

انگلستان اور فرانس کے سفیر ملک العادل کے پاس پہنچے۔ وہ انہیں سلطان کے حضور لے گیا۔ افرنگی حکمرانوں نے صلح کی خواہش کا اظہار کیا اور شاہ رچرڈ نے سلطان سے درخواست کی تھی کہ وہ ان سے بالمشافہ گفتگو کرنا چاہتا ہے۔ لہذا ملاقات کی اجازت دی جائے۔

سلطان نے جواب دیا۔ ”صلح بہتر ہے مگر بادشاہ کسی قرارداد کے بغیر اسٹھے نہیں ہوا کرتے۔ کیونکہ مل بیٹھنے اور ایک ساتھ کھانے پینے کے بعد انہیں جنگ زیب نہیں دیتی۔ پہلے ہمارے سفیروں کی معرفت صلح کی ایک قرارداد مرتب ہونی چاہیے پھر ہم اس پر دستخط کرنے کے لیے ایک ساتھ بیٹھ سکتے ہیں۔ رچرڈ سے ملاقات کی یہی ایک صورت ہے۔“

سلطان نے ملک العادل کو گفتگو کے اختیارات دے دیے۔ مگر جب رچرڈ اور فلپ کو اس کا جواب موصول ہوا تو وہ دن رہ گئے۔ شاہ فرانس تو صلح سے ناامید تھا لیکن رچرڈ ذاتی طور پر ملک العادل سے مراسلت کرتا رہا۔

یہ حالات تھے جب شہزادی جین اپنے محافظ سواروں کے ہمراہ راستہ بھول کر خروہ کی پہاڑیوں کی طرف آنکلی تھی اور اسے ملک العادل سیف الدین نے موت سے بچا کر ایک رات کے لیے اپنا مہمان بنا لیا تھا۔

○

افرنکی چھاؤنی

ملک العادل سلطان کے حضور سر جھکائے کھڑا تھا۔

اس نے شہزادی جین کی جان بچائی تھی۔ انگریز حسینہ کو اپنے سراپردہ میں مصری کنیر شجرۃ الدر کے پاس چھوڑ کر وہ سیدھا سلطان کے پاس پہنچا۔ اس نے جبل خروہ میں ”حماتہ الجبل“ کی ہلاکت اور افرنگی قافلہ پر پالتو چیتے کے حملہ کا قصہ سنایا اور عکا کے امیر فوج بنف الدین مشبوب کا وہ پیغام گوش گزار کیا تھا جو پامی کوتری لے کر آئی تھی کہ مجاہدین عکا دو روز سے فاقہ کر رہے ہیں اور اگر انہیں کل تک رسد نہ پہنچی تو شاید وہ ہتھیار ڈال دیں گے۔ یہ خبر صلاح الدین کے ہوش و حواس پر بجلی بن کر گری تھی اور اس وقت وہ سراپردہ کے سرخ خیمے میں اس عورت کی مانند غمگین، ملول اور گھبرایا ہوا پھر رہا تھا جس کے بچوں کی زندگی خطرے میں ہو۔

ابھی ابھی اس نے ملک العادل کے ساتھ ہر اس امکانی ذریعہ پر گفتگو کی تھی جو قلعہ تک رسد پہنچانے کے لیے اختیار کیا جاسکتا تھا۔ لیکن کوئی بھی ایسا ذریعہ ایسا راستہ نظر نہ آسکا۔

اسلامی چھاؤنی اور قلعہ کے درمیان ملیوں کے لشکر حائل تھے اور یہ راستہ عرصہ سے بند ہو چکا تھا۔

سمند کی طرف سے بھی افرنگی جہازوں اور جنگی کشتیوں نے بندگاہ کی مکمل ناکہ بندی کر رکھی تھی اور اب بحری راستہ سے کمک پہنچانا قرین مصلحت نہ تھا۔ اگر کسی اسلامی شہر سے کوئی جہاز سامان رسد لے کر روانہ بھی ہوتا تو افرنگی اسے لوٹ لیتے۔ پھر مجاہدین عکا کو خوراک کس طرح پہنچائی جائے؟

اسی سوال نے سلطان کو پریشان و مضطرب کر دیا تھا۔ صرف ایک ہی ذریعہ باقی تھا۔ ان افرنگی لشکروں پر تباہ کن حملہ جو شہر کو

ملک العادل اپنے مصری مملوکوں اور درویشوں کے ہمراہ اسلامی میسرہ کا حمران و سپہ سالار تھا جو دریائے الحلو کے ساحل تک پھیلا اور عکا سے زیادہ قریب تھا۔ سلطان نے اہل قلعہ سے ربط و تعلق اور نامہ و پیام کی ذمہ داری اسی کے سپرد کر رکھی تھی۔ اس لیے شہر سے جو تشویش ناک اطلاع موصول ہوئی اس نے ملک العادل کو بھی بے حد غمگین و مضطرب کر دیا تھا۔ اس نے گہری سوچ و ہمار کے بعد مشورہ کیا۔

”سلطان معظم..... جنگ کے سوا اور کوئی چارہ کار نہیں..... حملہ۔۔۔۔۔“

شدید حملہ..... فوری حملہ..... خدا کی نصرت شامل حال رہی تو شام سے پہلے ہی ہم قلعہ کا راستہ صاف کر دیں گے۔“

”جان برادر! ہم خود یہی سوچ رہے ہیں لیکن جنگ کی صورت میں بیسیوں خطرے ہیں۔ اگر ہم شام تک قلعہ سے تعلق پیدا نہ کر سکے تو چار ہزار مسلمانوں کی جانیں خطرے میں پڑ جائیں گی۔ افرنگی بھڑے انہیں زندہ نہ چھوڑیں گے اور ان کی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر عکا پر قبضہ کر لیں گے۔ ہم نے دو سال تک اس شہر کی حفاظت کی ہے۔ اگر ملیوں نے اس پر قبضہ کر لیا تو جنگ کے نقشے ہی بدل دیے جائیں گے۔“

”پھر آپ نے کیا فیصلہ کیا؟“

”صلاح الدین ایک لمحہ خاموش کھڑا دیکھتا رہا، پھر مدھم آواز میں بولا۔
 ”حملہ کے بغیر واقعی اور کوئی تدبیر نظر نہیں آتی..... لیکن اندھا دھند حملہ
 نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے۔ صلیبی قلعہ کی حالت سے ناواقف نہ ہوں گے جب
 انہیں یہ معلوم ہوگا قلعہ میں رسد ختم ہو چکی اور مجاہدین فائق کر رہے ہیں تو
 ہمیں قلعہ تک کیوں پہنچنے دیں گے۔ وہ ہمارا راستہ روک کر شہر پر قیامت کا حملہ
 کریں گے۔ اس لیے ہم مشورہ کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائیں گے۔
 ”تو کیا آپ اس وقت مجلس شورٰی بلائیں گے۔ رات ایک پہر گزر چکی
 ہے۔“

”کوئی حرج نہیں ہم زرکاش کو ابھی روانہ کرتے ہیں۔ وہ امراء کو ہمارا فوری پیغام پہنچا کر لوٹ آئے گا۔“

”پھر بھی ارکان شوریٰ نصف رات سے پہلے جمع نہیں ہو سکتے۔ آپ آرام کس وقت کریں گے۔“

گھیرے پڑے تھے انہیں درمیان سے ہٹا کر قلعہ کا راستہ صاف کیا جائے اور اہل قلعہ کو سامان اور رسد اور آلات حرب مہیا کیے جائیں۔ سلطان نے اس سے پہلے دو مرتبہ اسی ذریعے عکا تک رسائی حاصل کی تھی اور دشمنوں کو اپنے طوفانی حملوں سے ہٹا کر کے ٹوروں کی چھاؤنی کی طرف مار بھگایا تھا لیکن اب یہ تجویز بھی کار آمد نہ ہو سکتی تھی۔ صلیبی چھاؤنی باقاعدہ شہر کے ساتھ آگئی تھی اور تین لاکھ افرنگیوں کا ہڈی دل ان کے درمیان حائل تھا۔ حملہ کا نتیجہ توقع کے برعکس بھی ہو سکتا تھا پھر کیا خبر جنگ کب تک طول کھینچے اور قلعہ کا راستہ صاف کرنے میں کتنے دن صرف ہو جائیں لیکن مجاہدین عکا کو فوری مدد کی ضرورت تھی۔ وہ دو روز سے بھوکے تھے اور مشغوب نے واضح طور سے لکھا تھا اگر کل تک خوراک نہ پہنچی تو شاید ہم دشمن کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہو جائیں۔

صلاح الدین بڑی بے قراری کے ساتھ خیمہ میں چکر کاٹنے لگا۔ ملک العادل اداس اور نڈھال کھڑا کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔

ارغوانی بارگاہ کی ڈیوڑھی میں زرد غباروں میں لمبوس مملوک اور گرانڈیل کرد لمبی لمبی سنائیں اٹھائے پہرہ دے رہے تھے۔ سلطانی بارگاہ سے ایک فرلانگ پرے خیموں اور چھوٹا دیوڑھیوں کا ایک طویل سلسلہ نہرا لعلو سے جبل خروہ کے دامنوں تک پھیلا ہوا تھا۔

رات کا پہلا پہر گزر چکا تھا، اولین تاریخوں کا چاند دور مغرب کی سمت بحیرہ روم کے پانیوں پر چمک رہا تھا جس کی نقرئی روشنی سفید غبار کی طرح پہاڑوں، میدانوں، نخلستانوں پر بکھری تھی۔ اسلامی چھاؤنی میں بے شمار لوگ ابھی تک جاگ رہے تھے اور مختلف ٹولیوں میں منقسم خیموں کے سامنے بیٹھے داستان سراؤں سے قرون اولیٰ کے غازیوں کی کہانیاں سننے میں محو تھے۔

فرزند سلطان ملک العزیز عثمان والی مصر شہزادہ علاؤ الدین خرم شاہ اور عساکر اسلامیہ کے سپہ سالار امیر عماد الدین زنگی والی بخارا و نعین کے خیمے سلطانی بارگاہ کے آس پاس ہی نصب کیے گئے تھے جو چند روز قبل اپنے تازہ دم لشکروں کے ہمراہ چھاؤنی میں آئے تھے۔ طلایہ گرد رسالہ جو مملوک اور گھڑ سواروں پر مشتمل اور دو حصوں میں منقسم تھا۔ صرف نصف میل کے فاصلہ کے شمال مغرب کی سمت حفاظت و نگرانی کا فرض ادا کر رہا تھا۔

اور مخصوص سلام کے بعد ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ صلاح الدین کی آنکھوں میں فکر و تشویش کے سائے صرف نظر آرہے تھے۔ ابوالہیجا چند ساعتیں خاموش رہا۔ اس نے بادشاہ کی پریشانی کو بھانپ لیا تھا۔ پھر خود ہی بولا۔

”سلطان معظم.....! میں نے سنا ہے امیر مشغوب نے کوئی الم انگیز خبر بھیجی ہے۔“

”ہاں..... اسی اطلاع نے ہمیں پریشان کر دیا ہے۔“

صلاح الدین ایک پل کے لیے رکا پھر اپنے فوجی سردار کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا۔

”قلعہ میں خوراک بالکل ختم ہو چکی ہے۔ مجاہدین دو روز سے قلعے کر رہے ہیں۔ ہم حیران ہیں قلعہ میں رسد کس طرح پہنچائی جائے بہت غور کیا لیکن کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ ملک العادل کا خیال ہے دشمن پر فوری حملہ کر کے قلعہ کا راستہ صاف کیا جائے.....“

”نصرانی کسی قیمت پر راستہ نہیں دیں گے۔ انہوں نے تو اب قلعہ کے اوپر جھاؤنی ڈال دی ہے۔“

یہی ہمارا خیال ہے شائد ہم حملہ کے باوجود قلعہ تک رسائی حاصل نہ کر سکیں اور کل تک اگر خوراک نہ پہنچتی تو شائد مشغوب ہتھیار ڈال دے.....“

”نہیں وہ ایسا ہرگز نہیں کر سکتا۔“

ابوالہیجا نے پر جوش لہجہ میں جواب دیا۔

”میرے آقا پریشان نہ ہوں اہل قلعہ کو خوراک مل جائے گی.....“

صلاح الدین اور ملک العادل نے ایک ساتھ ابوالہیجا پر نظریں جما دیں۔

”کیا تم نے رسد پہنچانے کی کوئی تجویز سوچ لی ہے.....؟“

”رسد قلعہ میں موجود ہے سلطان عالی!“

”کیا کہا.....؟“

صلاح الدین خوشی سے یوں اچھل گیا جیسے اس نے کوئی ناقابل یقین خبر سن لی ہو..... وہ خیمہ کے چوبی ستون کو چھوڑ کر دو قدم آگے بڑھ آیا.....

ابوالہیجا کہہ رہا تھا۔

”میں یہی اطلاع دینے حاضر ہوا تھا چند ماہ پہلے جب مصر سے رسد آئی تھی

”جان برادر..... جب مسلمانوں کی جان خطرے میں ہو ان کا سلطان آرام نہیں کر سکتا..... بخدا ہم اس وقت تک کھانا نہیں کھائیں گے جب تک مجاہدین عکا کو خوراک نہیں پہنچ جاتی.....“

”سلطان عالی.....!“

ملک العادل کے ہونٹوں پر ایک چیخ تڑپ کر رہ گئی۔ وہ جانتا تھا سلطان جو کچھ کہتا ہے اس پر قائم رہتا ہے۔ اب وہ قلعہ میں رسد پہنچنے تک یقیناً بھوکا رہے گا۔ ملک العادل کے چہرے پر ہوائیاں سی اڑنے لگیں۔

”مذیت نفسی..... میرے آقا اپنی جان پر ظلم نہ کریں.....“

”سیف الدین ہماری جان مسلمانوں سے زیادہ قیمتی نہیں۔“

ٹھیک اسی لمحے ایک زرکاش بارگاہ میں آیا اور اس کا دایاں ہاتھ بدرتج چھاتی اور ہونٹوں کو چھوتا ہوا پیشانی کی طرف بلند ہوا۔ سلطان کا مخصوص سلام ادا کرنے کے بعد اس نے اطلاع دی۔

”اعلیٰ حضرت! امیر حسام الدین ابوالہیجا بازیابی چاہتے ہیں.....“

”ابوالہیجا.....!“

سلطان کے ہونٹ کپکپائے۔

”اچھا ہوا وہ آگیا..... ہم اسے خود طلب کرنے والے تھے شائد وہ کوئی اچھا مشورہ دے سکے۔ اسے فوراً بھیج دو۔“

امیر حسام الدین ابوالہیجا سیف الدین مشغوب سے پہلے عکا کی فوج کا امیر اور قراقرش کی طرح محاصرہ کی جنگ لڑنے میں ماہر سمجھا جاتا تھا۔ اس نے قریباً ڈیڑھ سال تک ایک قلیل سی فوج کے ساتھ افریقیوں کے وحشیانہ حملوں کا مقابلہ کیا اور ان کے بڑے بڑے سردار اور شہسوار موت کی آغوش میں سلا دیے۔ ملیوں پر ابوالہیجا کی ہیبت و دہشت طاری تھی لیکن چند ماہ پیشتر جب عکا کے تھکے ہوئے سپاہیوں نے چھاؤنی میں منتقل ہونے پر اصرار کیا تو سلطان نے ان کی درخواست قبول کی۔ پرانے مجاہدین کو ابوالہیجا سمیت قلعہ سے نکال لیا اور ان کی جگہ کرد سردار سیف الدین مشغوب کی قیادت میں چار ہزار ل غازیان اسلام کا نیا اور تازہ دم دستہ عکا میں متعین کر دیا تھا۔

حسام الدین ابوالہیجا زرد قبا میں جھولتا ہوا اندر داخل ہوا۔ محاصرہ عکا کے دوران وہ کافی موٹا ہو گیا تھا۔ اس نے خیمہ میں آتے ہی سلطان کو دعا دی

میں نے اس کا ایک ذخیرہ زمین دوز تہ خانے میں محفوظ کر دیا تھا۔“
 سلطان نے حیرت و تعجب سے یہ اطلاع سنی۔
 ”ہو سکتا ہے قراقوش نے وہ ذخیرہ نکلوا کر استعمال کر لیا ہو.....؟“
 ”نہیں اعلیٰ حضرت.....! قراقوش تہ خانے کے راز سے واقف نہیں مسلمانوں کے کام آئے۔ ابوالہیجا! تم نے ہمیں ایک بہت بڑی مصیبت سے صرف چند آدمی اس سے آگاہ تھے اور وہ میرے ساتھ ہی عکا سے چلے آ رہے تھے۔ لیکن وہ ذخیرہ کتنے دن کے لیے کافی ہو گا۔“
 ”آٹھ دس روز بہ آسانی گزر جائیں گے۔ اعلیٰ حضرت! اس اثناء میں قلعہ

حسام الدین ابوالہیجا نے بتایا۔
 ”ایک رات میں مشرقی برج کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ پچھلی گرمیوں میں دشمن کی مسلک سبکداری سے اس برج میں دراڑ پیدا ہو گئی تھی اور اس کی مرمت ضروری تھی۔ میں نے سپاہیوں کو وہاں سے ہٹا لیا کہ کہیں برج گرنے پڑے اور جب میں علم الدین معمار کے ہمراہ اس کی دیوار کو دیکھ رہا تھا۔ اچانک دقت کا ایک لمحہ قیمتی ہے اور غیر یقینی ذریعہ پر اعتماد نہیں کیا جاسکتا.....“
 اس کا ہاتھ ایک ایسے پتھر پر جا پڑا جو ہل رہا تھا۔ جب اس پتھر کو ہٹایا گیا تو ایک چھوٹا سا زینہ نمودار ہوا جو برج کے نیچے کسی تہ خانے میں اترتا تھا۔
 ہم نے مشعل منگائی اور تہ خانے میں اتر گئے۔ یہاں دراصل ایک چھوڑا ستہ مدت سے بند پڑا تھا۔ بہترے اسلامی تیراک اپنے بدن پر اشرفیاں، خطوط ساکنواں تھا۔ جو اسلحہ سے بھرا پڑا تھا۔ اس کے ساتھ تین چھوٹے چھوٹے کمرے اور دیگر ضروری اشیاء باندھ کر دریائے الخلو کے ساتھ ساتھ افرنگی چھاؤنی کی بھی تھے جن میں خوراک رکھی تھی۔ میں نے دس آدمیوں کی مدد سے اسلحہ اور جنونی ست پہنچ جاتے۔ پھر دریا میں غوطہ لگا کر پانی کے بہاؤ کے ساتھ سمندر میں خوراک کے ذخیرے نکلوا لیے اور نئی رسد کی ایک مقدار تہ خانے میں محفوظ کر داخل ہوتے اور افرنگی جہاز رانوں ملاحوں اور سپاہیوں کی نگاہوں سے بچتے سمندر دی تاکہ کسی ہنگامی ضرورت کے وقت کام آ سکے۔ دوسرے ہی روز برج کی میں غوطے لگاتے بندرگاہ تک جا پہنچتے تھے۔
 مرمت کر دی گئی اور اس پر پہرہ لگا دیا گیا۔ اس واقعہ کے چند ہی روز بعد ہمیں مگر یہ طریق بے حد خطرناک تھا کتنے ہی مسلمان غوطہ خور افرنگیوں کے زرع چھاؤنی میں منتقل ہونا پڑا۔ میں نے سوچا تھا بہاؤ الدین کو تہ خانہ اور اس کے خفیہ میں پھنس کر ہلاک ہو چکے۔ کتنے سمندر کی خونخوار موجوں کا لقمہ بن گئے اور ذخیرہ سے آگاہ کر دوں گا لیکن تبادلہ کے وقت اچانک ملک العادل نے مجھے جیفہ کتنے دشمن کے ہاتھوں گرفتار ہو چکے تھے۔ ان خطرات کے پیش نظر نامہ و پیام کے پڑاؤ میں بھیج دیا تاکہ میں بندرگاہ کی طرف جانے والی بار بردار کشتیوں کی یہ ذریعہ بھی ختم کر دیا گیا تھا اور پیامی کبوتروں کے ذریعہ اہل شہر کی خبریں معلوم نگرانی کر سکوں اور قلعہ کے مجاہدین کو جیفہ میں اتار دوں۔ ان ہی مصروفیات کی جاتی تھیں۔ گزشتہ دوہ ماہ سے افرنگی قلعہ سے پرواز کرنے والے کبوتروں کو کے باعث میں تہ خانے کا راز متف کرنا بھول گیا۔ بخدا.....! مجھے کل تک با بھی مار گراتے تھے۔ ایک ماہ سے صرف ”حماتہ الجبل“ ایک افسوسناک واقعہ کا نہیں تھا۔ قلعہ کے مشرقی برج کے نیچے خوراک کا ذخیرہ محفوظ ہو کر آیا ہوں۔ شکار ہو چکی تھی۔ اب صرف کوہ پیا باقی تھا جو پرواز کے دوران بعض اوقات ابھی تھوڑی دیر پہلے ملک العادل کے سوڈانی غلام زر نے ”حماتہ الجبل“ کی راستہ بھٹک جاتا اور دو دو تین تین روز غائب رہنے کے بعد خود کسی چھتری پر آ ہلاکت اور امیر مشطب کی تشویش انگیز پیغام کا ذکر کیا تو یکنخت مجھے بھولی ہوئی بیٹھتا تھا۔
 بات یاد آگئی اور میں سلطان کی خدمت میں حاضر ہو گیا.....“
 ایسے نازک وقت میں جب اہل قلعہ خوراک کے ایک ایک دانہ کو ترس

رہے تھے اور انہیں فائدہ کرتے دو روز گزر چکے تھے۔ کوہ پیا کی پیغام رسانی ہوئے۔
اعتماد نہیں کیا جاسکتا تھا۔

وہ تینوں ایک مرتبہ پھر سوچ و بچار میں گم ہو گئے۔
اچانک ابوالہیجہ نے کہا۔

”سلطان عالی.....! پیغام رسانی کے لیے میں اپنی خدمات پیش کرتا ہوں!
نہرا لہلو کے راستے میں سمندر میں داخل ہو جاؤں گا۔ میں ایک اچھا تیراک ہوں.....“

”نہیں..... ہم تمہیں خطرے میں کودنے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ کیا بحیرہ روم کی موجوں میں ڈوب رہا تھا۔ سوڈانی غلام زرعہ ارزغوانی خیموں کے
باہر گھوڑے لیے منتظر تھا۔ ملک العادل نے رکاب میں پاؤں رکھا اور گھوڑے کی
باگ اس بازار کی طرف موڑ دی جو خیموں اور چھوٹا دریوں کے درمیان تھیں و
اس نے کہا۔

”شاہ انکار کی بہن آج رات میری مہمان ہے صبح اسے افریقی چھاؤنی میں تحلیل ہو رہی تھی۔ داستان سراؤں کی محفلیں ختم ہو چکی تھیں اور ان کی
مہمان ہوں گے۔ میں شہزادی جین سے وعدہ لے لوں گا۔ ان محافظوں کے
محافظت قلعے تک پہنچا دیا جائے.....“

”اگر بادشاہ نے انکار کر دیا تو.....؟“

”میرا خیال ہے شہزادی جین کی جان بچانے کے عوض وہ اس فرمائش کے
انکار نہیں کرے گا اس طرح کل سویرے ہی امیر مشغوب یہ خانے کے بھید۔
آگاہ ہو جائے گا۔“

سلطان ابھی خاموش تھا..... اس کے ذہن میں جیسے کوئی کشمکش جارہی تھی۔

تھی..... ابوالہیجہ نے کہا۔

”ذات عالی۔۔۔۔! کیوں نہ شہزادی جین کی واپسی کی شرط ہی یہ نہ رکھی۔
جائے کہ ہمارا ایک آدمی قلعہ میں پہنچا دیا جائے گا؟“

”نہیں شہزادی کی واپسی مشروط نہیں ہونی چاہیے۔ ہمیں ملک العادل کے لیے دیکھئے (قاضی ابن خلکان کی تاریخ و نیاں الاعیان) (قر
رائے پسند ہے لیکن اب شہزادی کو چھوڑنے کوں جائے گا؟“

”حارث ابن ہشام یہ خدمت بہتر سر انجام دے سکتا ہے۔ وہ ایک اصلاح الدین ایوبی کے والد نجم الدین ایوب کا دوست تھا اور یہ دوستی اس وقت
قائم ہوئی تھی جب وہ دوین کی فیصل سے باہر اجدانقان کی بستی میں رہتے تھے۔

ملک العادل کا جواب سن کر سلطان کے چہرے پر پندیدگی کے آثار پائے۔

نجم الدین ایوب بھی کرد اور قبیلہ ہذانیہ کی شاخ روادیہ کا ممتاز فرد تھا جو انی
زمانے میں وہ اپنے بھائی اسد الدین شیرکوہ کے ہمراہ شکریت چلا گیا حتیٰ کہ وہ تھا۔ عرب اہل یورپ سے کہیں زیادہ مذہب و متمدن، مہمان نواز، خلیق اور
بھائی سلطان نور الدین محمود زنگی کے مصاحب بن گئے لیکن ہشام دوین ہی ٹر ملنار تھے۔ وہ مذہب کے بچے صلوٰۃ و صوم کے عادی، وعدہ کے پابند، بات کے
اور اسی شہر میں دفن ہوا۔ حادث ان دنوں لڑکا ہی تھا لیکن وہ بہادر تھا اس دہنی، انتہائی شریف اور عورتوں کی بے حد عزت کرتے تھے۔ وہ مریم اور ابن
باپ کی چھوڑی ہوئی تلوار ڈھال اور ذرہ بکتر سنبھالی اور زنگی کے لشکروں، مریم کا احترام کرتے اور ان کا نام لیتے ہوئے ”علیہ السلام“ کے الفاظ کے ساتھ
شریک ہو گیا۔

سلطان نور الدین زنگی کی رحلت کے بعد جب صلاح الدین ایوبی نے ”مسلمان حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا کا برگزیدہ نبی سمجھتے ہیں کوئی
شام میں اقتدار حاصل کر لیا اور ملیسوں سے جہاد شروع کیا تو ملک العادل، مسلمان مریم اور ابن مریم کی توہین کا تصور بھی نہیں کر سکتا.....“
اپنے بھتیجے شہزادہ ملک العزیز عثمان والئی مصر کا آٹک مقرر ہوا تھا۔ حادث۔ پھر اس نے قرآن مجید کی وہ آیات پڑھ کر سنائی تھیں جن میں حضرت مریم
ہشام کو قاہرہ بلایا اور اپنے مملوکوں میں شامل کر لیا تھا۔

ابن ہشام نے عکا کے معرکوں میں شہرت اور ناموری حاصل کی۔ خود نے یروشلم پر قبضہ کرنے اور جنگ جیتنے کے لیے اہل یورپ کو ورغلیا اور عربوں
ٹمپلوں کے ٹائٹ ریڈ فورڈ کو قتل کیا اور کردوں کا ایک دستہ فوج کا امیر بن کے خلاف دجل و فریب پھیلایا ہے۔ لیکن مسلمان بیت المقدس سے دستبردار
تھا۔ پچھلے دنوں جب ملک العادل نے افرنگی چھاؤنی پر حملہ کیا تو ابن ہشام نہیں ہوں گے۔ یہ اہل شر اسلام کا قبلہ اول اور رسول خدا کے معراج کی پہلی
بہادر تھا جو اپنے کرد سواروں کے ہمراہ ٹورون کی فصیل عبور کر کے صلیبی منزل ہے۔ پھر القدس مسلمانوں کو اس لیے بھی عزیز ہے کہ وہ انبیائے بنی
اسرائیل کا مقدس شہر تھا اور حضرت موسیٰ کی پٹین گوئی کے مطابق اب بنی
میں گھستا چلا گیا۔

اب وہ شہزادی جین کے ہمراہ ٹورون کی چھاؤنی میں جا رہا تھا اور فراسٹیبل (عرب) بنی اسرائیل کے وارث بن چکے ہیں۔
جانتا تھا وہاں پہنچ کر اسے کیا کرنا ہے۔ اس نے اپنے کرد رسالہ سے ۶۵ انہوں نے پانچ صدیوں تک یہاں علم و حکمت کی مشعلیں فروزاں کیں اور
منتخب کیے تھے۔

سورج ابھی پہاڑوں کے عقب میں روپوش تھا اور صحراؤں کی خشک اسلامی علوم کا گوارہ بن چکا ہے اور علم و حکمت کا مرکز ہے۔ فلسطین عربوں کا
چل رہی تھی۔ جب ملک العادل نے انگلستان کی شہزادی کو الوداع کہا اور وہ ایس اور القدس عربوں کا شہر ہے۔ ہم یورپ کے افرنگیوں کو اس کے قریب بھی
ہشام کے کرد سواروں کی معیت میں افرنگی چھاؤنی کی سمت چل دی اور اس نہیں پھٹنے دیں گے۔

ارد گرد تنگی تلوار کا حلقہ تھا۔

یہ سب باتیں انگریز شہزادی کے ذہن میں ہواؤں کی طرح رقص کر رہی
وہ عربوں کے سلوک سے بے حد متاثر اور بار بار ملک العادل اور سلاطین۔ اسے عیسائی راہبوں سے نفرت سی ہو گئی تھی جنہوں نے غلط بیانیوں سے
صلاح الدین کا ذکر کرتی تھی۔ عیسائی راہبوں نے پورے یورپ میں عربوں کا نام لیا تھا۔ عربوں سے ملنے اور انہیں بچشم خود دیکھنے کے بعد انگریز شہزادی کے
وحشت و بربریت کے افسانے مشہور کر دیے تھے۔ ان کے بقول عرب اور نزل سے ان کی معترف ہو چکی تھی۔

اول درجہ کی وحشی، بے دین، غیر مذہب اور خونخوار قومیں تھیں جو مریم، ملک العادل کے حسن سلوک نے اس کے دل پر گہرا اثر کیا تھا۔ وہ اس کی
ابن مریم کے مجتہدوں کو بازاروں میں تھپتی، انہیں درے مارتی۔ صلیب خداوندی کی بھی گردیدہ ہو چکی تھی۔ اگر وہ جان پر کھیل کر اسے بچا نہ لیتا تو اس
کی ہلاکت یقینی تھی۔ وہ ابھی تک ان حیرت انگیز لمحوں کو فراموش نہ کر سکی تھی

نصب کر لیے تھے۔ بائیں ہاتھ چھوڑتے ہوئے انہوں نے ایک چشمہ عبور کیا اور اس خندق کے کنارے کنارے چلے گئے۔ جو ٹورون کی کچی فسیل کی حفاظت کرتی اور جنوب سے شمال کی طرف قریباً چار میل تک فسیل کے ساتھ ساتھ چلی گئی تھی۔

فسیل کے برجوں پر حفاظتی سپاہیوں نے انہیں تعجب و حیرت سے دیکھا لیکن وہ چپ چاپ پشتہ کے مشرقی دروازہ کی طرف بڑھتے رہے۔ یہاں انگریز سواروں کا ایک دستہ موجود تھا۔ انہوں نے شہزادی کو دور ہی سے پہچان لیا۔ پھر سپاہیوں کو چرتا ہوا ایک افسر گھوڑا دوڑاتا اس کی طرف بڑھا اور خندق کے پل پر اس نے باگ کھینچ لی۔

ابن ہشام اپنے کرد سواروں کے ہمراہ شہزادی کے پہلو بہ پہلو چل رہا تھا۔ جین نے انگریز افسر کو پہچان لیا وہ شاہ انگلستان کا مصاحب خاص بالڈون ڈی کیرو تھا اس نے شہزادی کو سلام کیا اور بتایا..... اس کی گمشدگی سے بادشاہ بہت آزرده اور پریشان ہے۔ انگریزی کیمپ میں آج رات کسی نے آرام نہیں کیا۔ شہزادی نے تشویش انگیز نگاہوں سے کیرو کی طرف دیکھا۔

”اب بادشاہ کا کیا حال ہے.....؟“

”وہ بدستور علیل ہیں۔ شہزادی صاحبہ.....! صدمہ کی وجہ سے ان کا مرض پھر عود کر آیا ہے۔ رات دو مرتبہ ان پر دل کا حملہ ہوا۔ ہم تو سخت گھبرا گئے تھے۔ ملکہ برنگیرا اور رومی شہزادی بھی آپ کے لیے بے حد پریشان ہیں۔ بے چاری گریٹا تو آپ کو یاد کر کے ساری رات روتی رہی.....۔ مارگن کی حسرت ناک موت نے ہر ایک کو افسردہ اور بڑھال کر دیا تھا۔“

”تو کیا مارگن کی خبر آگئی تھی.....؟“

”رات کو اس کے دو ساتھی ڈرتے ڈرتے بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے۔ انہوں نے بتایا وہ جبل خروہ کی گھاٹیوں میں راستہ بھول گئے تھے اور اسلامی چھاؤنی کے عقب میں پہنچ گئے۔ جہاں ایک شیر نے اچانک حملہ کر دیا اور مارگن کو پھاڑ کھایا۔ درندے کو دیکھ کر دہشت زدہ گھوڑے بے قابو ہو گئے اور جس طرف منہ اٹھا بھاگ نکلے، انہوں نے آپ کی چیخیں سنیں اور آپ کے گھوڑے کو جنوبی چٹانوں کی اوٹ میں گم ہوتے دیکھا تھا۔ لیکن وہ درندے سے اس قدر ڈر گئے تھے کہ آپ کا تعاقب نہ کر سکے۔ پھر تھوڑی دیر کے بعد ان

جب عرب شہزادے نے اسے اپنے گھوڑے پر منتقل کیا اور اس کے نرم اور گلاب کی پنکھریوں ایسے ریشمین بدن کو مضبوط و توانا بازوؤں کی گرفت لیا تھا۔

ایک ایسی حسینہ کے لیے جو انگلستان کے شاہی خاندان سے تعلق رکھتی اور جزیرہ سسلی کی با اختیار ملکہ رہ چکی تھی۔ یہ احساس یقیناً تشویش انگیز اس کا محسن ایک عرب جوان ہے جو اس کی قوم اور مذہب کا دشمن ہے۔ جب اس پر حقیقت کھلی اور معلوم ہوا وہ سلطان اسلام صلاح الدین کا ہرہا بھائی ملک العادل ہے تو اس کے دل کو جیسے خود بخود اطمینان سا محسوس ہوتا تھا۔

ایک عجیب سا قرار جس میں بے قراری کی ہلکی ہلکی لرزش اور کپکپاہٹ شامل تھی کیونکہ وہ ملک العادل کے نام سے واقف اور اس کے اختیارات آگاہ تھی۔ اس کے بھائی رچرڈ شیردل نے ملک العادل ہی کی وساطت سے کی مراسلت کا آغاز کیا اور اسی کی طرف اپنے سفیر بھیجتا رہا تھا۔ وہ عادل جس نے انگریز بادشاہ کی بیماری کے ایام میں برف، پھل اور پرندوں کے خچے تاکہ بیمار دشمن جلد صحت یاب ہو جائے پھر شہزادی جین اس سے کیوں واقف ہوتی۔ وہ اپنے بھائی سے سن چکی تھی۔ سلطان کے بعد ملک العادل ہی سب با اختیار انسان ہے۔ اسلامی چھاؤنی میں رہ کر اس نے یہ نظارہ اپنی آنکھوں دیکھ لیا تھا۔

وہ عربوں کی شرافت و مہمان نوازی پر حیران تھی اس نے جس راند آرام سے رات بسر کی تھی افرنگی چھاؤنی میں اس کا تصور بھی نہیں کیا جاتا تھا۔ وہ سارا راستہ ملک العادل کے متعلق سوچتی رہی۔ نہ جانے وہ کون سا ہوا تھا جس نے اس کے دل میں ایک بالچل سے ڈال دی تھی۔

اسلامی اور افرنگی معسکوں کے درمیان فاصلے اگرچہ پہلے کی نسبت کم رہ گئے تھے کیونکہ عکا کے شدید محاصرہ کی وجہ سے لشکر اسلام نے اپنی چھاؤنی سے قریب کر لی تھی۔ پھر بھی انہیں پانچ چھ میل کی مسافت طے کرنا پڑا۔ اسلامی چھاؤنی سے نکل کر انہوں نے مرج کا رخ کیا تھا۔ سورج انہیں مرج میں طلوع ہوا۔ یہاں سے وہ الدیار کے میدان میں ہو لیے۔

عکا کے نخلستانوں اور زیتون کے باغات کا سلسلہ جہاں افرنگی فاسطوں نے

گھائیوں میں عرب سوار آدھمکے اور وہ ان سے جان بچا کر ٹورون میں بھاگ آئے۔

انہوں نے تمام واقعہ بادشاہ کو سنایا اور اس خطرے کا اظہار بھی کیا تھا۔ اگر آپ درندے سے بچ گئیں تو عربوں کے ہاتھوں گرفتار ہو جائیں گی۔ وحشت ناک اطلاع سن کر بادشاہ پاگلوں کی طرح چلانے لگے۔ انہوں نے جوڑ میں آکر حکم دیا مارگن کے تمام سواروں کو جو شہزادی کے ہمراہ گئے تھے، ہنزدار سے سزا دی جائے کیونکہ وہ اپنی مالکہ کو موت کے منہ میں دھکیل کر خود بھاگ آئے ہیں..... انہوں نے یہ بھی کہا اگر کل تک شہزادی یا اس کی خیر نہ مل سکی اس کے محافظ سواروں کی کھال کھینچ لی جائے گی۔ وہ صدمہ سے بالکل دیوانے ہو رہے تھے۔ اسی وقت انہوں نے ولیم آف پیرد اور ریزن مارڈن (یہ دونوں انگریز سردار عکا میں رچڑ کے ہمراہ تھے) کو بلایا اور حکم دیا وہ اپنے سواروں کو لے کر جائیں اور شہزادی کو تلاش کریں..... دو ہزار سوار رات کے وقت تل عیاضیہ کی طرف روانہ ہو گئے مگر عربوں کے طلایہ گرد رسالہ نے انہیں آگے نہیں بڑھنے دیا..... وہ رات کے تیسرے پہر ناکام و نامراد لوٹ آئے۔

بادشاہ غم میں نڈھال ہو گئے۔ آج سویرے انہوں نے مجھے طلب کیا اور کہا: ”میں سلطان کے بھائی ملک العادل کی خدمت میں جاؤں اور آپ کی تلاش کے لیے اس کی مدد حاصل کروں۔ بادشاہ کا خیال تھا حادثہ چونکہ جبل خروہ میں پیش آیا ہے اس لیے آپ عربوں کے ہاتھ جا پڑی ہوں گی۔ اب میں اپنے سواروں کو لے کر اسلامی چھاؤنی کی طرف جا رہا تھا کہ آپ آپہنچیں۔ ہولی درجن کا شکر ہے اس نے آپ کی حفاظت کی۔ ہم تو رات ایک بجے کے لیے آپ کی وجہ سے آرام نہیں کر سکے۔ شاہی خیموں پر غم و اندوہ کی گھنائیں چھا رہی ہیں اور بادشاہ کو کسی پل چین نہیں..... یسوع کے لیے جلدی چلے اور انہیں اپنی صورت دکھائیے۔ وہ بے حد پریشان ہیں.....“

بالڈون ڈی کرو کی زبان سے یہ داستان سن کر شہزادی بھی مضطرب ہو گئی۔ اچانک کرو کی نظریں ابن ہشام اور اس کے کرد سواروں پر جا پڑیں..... اس کی نیلی آنکھوں کے گوشوں سے حیرت جھانک رہی تھی۔ جین اس کی حیرت کو بھانپ گئی۔ اس نے کہا:

”مجھے سلطان کے بھائی ملک العادل نے بچا لیا تھا۔ ان کے سوار میرے

حفاظت کے لیے ساتھ آئے ہیں۔ یہ عرب اب ہمارے مہمان ہیں اور میرے ساتھ بادشاہ کے حضور بھی جائیں گے۔“

بالڈون کے چہرے پر الجھن کے آثار تھے۔ ”اس دروازے پر فرانسیسی افسر کا پہرہ ہے۔ شاید وہ عربوں کے داخلہ پر اعتراض کرے۔“

شہزادی کا چہرہ غصہ کے مارے سرخ ہو گیا۔ وہ پر جوش لہجہ میں بولی۔

”میرے مہمان کو کوئی نہیں روک سکتا۔ یہ بددماغ فرانسیسی یہاں بھی ہم سے الجھنا چاہتے ہیں.....“

”آئیے آئیے میں اسے سمجھائے دیتا ہوں۔ انگریز سواروں کی موجودگی میں وہ کسی گستاخی کی جرات نہیں کر سکتا۔ میں ابھی جا کر اسے صورت حال سے آگاہ کرتا ہوں۔“

یہ کہہ کر بالڈون ڈی کیرو لوٹ گیا اور جین کرد سواروں کے ہمراہ ہولے ہولے آگے بڑھی۔ اس نے ابن ہشام کی طرف دیکھا اور بولی۔

”تمہیں بے فکر رہنا چاہیے۔ میری موجودگی میں کوئی تمہارا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔“

”شہزادی صاحبہ مسلمان ہمیشہ اپنے خدا پر بھروسہ کرتے اور قوت بازو پر اعتماد رکھتے ہیں..... مجھے جو حکم ملا ہے اس کی تعمیل کے بغیر نہیں لوٹ سکتا.....“

سورج ان کے عقب میں تل محلوں کے نخلستانوں پر چمک رہا تھا اور اس کی تمازت میں اضافہ ہو رہا تھا..... اگرچہ یہاں سمندری ہوا کے جھونکے چل رہے تھے اس کے باوجود فضا میں جس تھا اور بدن پسینے میں بھگی رہے تھے۔

بالڈون ڈی کیرو کا اندیشہ درست ہی ثابت ہوا۔ دروازہ کے فرانسیسی دربان نے اصرار کیا۔ ٹورون میں داخلہ سے پہلے عربوں کو قلب آگسٹس شہنشاہ فرانس سے اجازت حاصل کرنی چاہیے۔ اس پر انگریز سوار مشتعل ہو گئے۔ انہوں نے کہا۔

”قلب آگسٹس کو جہاد کا امیر کبیر کس نے بنایا ہے.....؟“

انگریزوں کو برا فروختہ دیکھ کر فرانسیسی افسر نے اپنا مطالبہ ترک کر دیا اور کرد سوار شہزادی جین کو عریاں تلواروں کے حلقہ میں لے کر ٹورون میں داخل

دنگ رہ گیا۔

فرط جذبات سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

چین آتے ہی بیمار بھائی سے لپٹ گئی۔ رچرڈ اس کے حالات جاننے کے لئے بے قرار تھا۔ شہزادی نے محسوس کیا وہ بخار سے کانپ رہا ہے۔ رچرڈ بستر پر بیٹھ گیا جس پر چیتے کی کھال بچھی ہوئی تھی۔ چین نے اسے تمام واقعہ من و عن سنایا۔ اس نے ملک العادل کی شرافت اور مہمان نوازی کی بے حد تعریف کی اور بتایا۔

”عرب نائٹ نے بادشاہ کے لیے برف اور پھلوں کے علاوہ ایک عرب حکیم بھی بھیجا ہے۔“

رچرڈ نے اسی وقت حکیم کو طلب کیا۔

وہ کرد سردار حارث ابن ہشام تھا۔

اس نے بادشاہ کو سلام کیا اور ملک العادل کی طرف سے برف اور پھلوں کے تحفے پیش کیے۔ رچرڈ ٹھنڈے پانی کے لیے تڑپ رہا تھا۔ اس نے فوراً برف والا پانی پیا اور بولا۔

”ہم ملک العادل کے احسان مند ہیں اس نے شہزادی کی جان بچا کر ہمیں دوبارہ زندگی بخشی ہے..... خداوند کی قسم..... اگر وقت آیا تو ہم اس شریف نائٹ کے احسانات کا بدلہ چکانے کی کوشش کریں گے۔“

”مسلمان بدلے کے طالب نہیں ہوتے عالیجاہ..... ایک عورت کی جان بچانا اور اس کی عزت و آبرو کی حفاظت کرنا ہر مسلمان کا فرض اولین ہے۔ خواہ وہ کسی قوم سے تعلق رکھتی ہو.....“

رچرڈ حیرت سے ابن ہشام کو دیکھنے لگا۔ شکل و شبہت سے وہ معالج ہرگز معلوم نہ ہوتا تھا۔ رچرڈ کی آنکھوں میں شک و شبہ کی جھلک پیدا ہوئی۔

”کیا تم حکیم ہو.....؟“

”میں ایک خدمت گزار ہوں۔ میرے پاس ایک ایسا عرق موجود ہے جس کے استعمال سے آپ صحت مند ہو جائیں گے لیکن میں ایک شرط پر آپ کا علاج کروں گا۔“

”اگر تم یہ چاہتے ہو ہم عکا کا محاصرہ اٹھالیں تو مسیح کی قسم..... ہم ایسی کوئی بھی شرط منظور نہیں کریں گے۔“

ہوئے۔ انہیں یہی حکم دیا گیا تھا۔ وہ انگریزی کیمپ تک شہزادی کے گرد اپنی تلواروں کا حلقہ قائم رکھیں..... بالڈون ڈی کیرو اپنے انگریز سواروں کے ہمراہ ان کے پیچھے پیچھے روانہ ہوا۔

افرنکی چھاؤنی میں ہر صلیبی حیرت پاش نگاہوں سے کرد سواروں کو دیکھ رہا تھا۔

مریض و مسیحا

جوں ہی رچرڈ کو شہزادی چین کے بخیر و عافیت لوٹ آنے کی اطلاع ملی اس نے بخار کی حالت میں بستر پر کروٹ بدلی اور چلا اٹھا۔

”چینی کو ہمارے پاس لاؤ.....“

شاہ انگلستان کے پندرہ سرخ خیمے جن کے درمیان گلیاں اور راہداریاں چھوڑی گئی تھیں۔ ایک پہاڑی ٹیلے پر نصب تھے جہاں سے مغرب کی طرف سمندر اور جنوب کی سمت عکا کے شہر پناہ کے نظارے بہ آسانی دیکھے جاسکتے تھے۔ شاہی خیمہ گاہ کے ارد گرد ایک فرلانگ کے رقبہ میں چوبی دیوار کھڑی تھی۔ یہ ایک مغربی عملر کا نقشہ تھا جس میں آرام و آسائش کی خاطر مختلف کتابی ایوان اور کمرے بنائے گئے تھے۔ شاہی خیموں کا رنگ سرخ تھا۔ جن کے سامنے رچرڈ شیردل کا خاص سرخ علم جس پر شیر کی تصویر بنی ہوئی تھی۔ اڑدھے کے نشان والے شاہی پرچم اور صلیبی جھنڈے کے درمیان لہرا رہا تھا۔

شاہی بارگاہ کے دروازوں اور درپچوں پر اطلس و دنیا کے رنگین پردے آویزاں تھے۔ جب چوہدار شہزادی کی آمد کا مژدہ لے کر آیا۔ اس وقت رچرڈ کے خیمہ میں اس کا ذاتی معالج اور اسقف ولیم آف بوشو..... یروشلم کا سابق بادشاہ گاکی آف لوگنن، ہاپشلوں کا سردار نائٹ گاریزڈی نیپلز اور جافری آف لوگنن موجود تھے۔ یہ لوگ بادشاہ کی عیادت کے لیے آئے تھے۔ بخار کی شدت اور ضعف کے باعث وہ بستر سے اٹھنے کی طاقت نہ رکھتا تھا۔ اس نے اپنے لیے ہاتھ بڑھایا اور درتچے کا پردہ ہٹا کر دیکھنے لگا۔ شہزادی کے ارد گرد سواروں کی تلواروں کا حلقہ ابھی تک قائم تھا۔ اس نے یہ عجیب و غریب نظارہ دیکھا تو

”نہیں..... جنگ اور محاصرہ سے ایک حکیم کا کیا واسطہ ہو سکتا ہے۔“
”پھر تم کیا چاہتے ہو.....“

”عکا کے قلعہ میں میرے آقا ملک العادل کا ایک عزیز دوست کئی روز سے بیمار ہے۔ ہمیں خبر ملی ہے کل سے اس کی حالت بہت نازک ہے۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں مجھے تھوڑی دیر کے لیے قلعہ میں پہنچا دیا جائے تاکہ میں مریض کو دیکھ سکوں۔ میرے آقا! اپنے دوست کی بیماری سے بہت پریشان اور غمگین ہیں۔ انہوں نے مجھے ہدایت کی تھی میں آپ کا علاج اسی شرط پر کروں۔۔۔۔۔“
رچرڈ نے عجیب و غریب شرط سن کر حیران رہ گیا اسی لمحے شہزادی جین بول اٹھی۔

”ابن ہشام ٹھیک کہتا ہے برادر سلطان اپنے دوست کے لیے واقعی بے حد پریشان تھے اور میں نے وعدہ کر لیا تھا عرب حکیم کو بحفاظت قلعہ تک پہنچا دیا جائے گا۔“

”لیکن اس مقصد کے لیے اسے ہمارے علاج کی شرط پیش کرنے کی ضرورت نہ تھی۔ خداوند کی قسم..... اگر ہم تندرست ہوتے تو خود حکیم کو قلعہ تک چھوڑنے جاتے۔“

رچرڈ اپنی ران کو تھپتھپاتے ہوئے ابن ہشام سے مخاطب ہوا۔

”ہمارے علاج سے ملک العادل کے دوست کا علاج مقدم ہے۔ شاید وہ زیادہ بیمار ہو۔ ہم اس وقت تک دوا نہ میس گے جب تک تم قلعہ کے مریض کو نہ دیکھ آؤ۔“

پھر اس نے بالڈون ڈی کیرو کو حکم دیا جو شہزادی کے ساتھ اندر آیا تھا۔
”عرب حکیم کو قلعہ تک پہنچا دیا جائے۔“

ابن ہشام نے بادشاہ کی عنایت کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔ وہ پہلے بادشاہ ہی کو دیکھنا چاہتا ہے۔ قلعہ کا رخ بعد میں کرے گا..... رچرڈ نے اس کی بات تسلیم کر لی اور عرب حکیم کو نبض دکھانے پر تیار ہو گیا۔
اسی لمحے گارینڈی نیپلز عرض گزار ہوا۔

”حضور.....! خداوند یسوع آپ کو صحت و زندگی بخشے آپ کے خادم اس بات کو پسند نہیں کرتے کہ ملیسوں کے قائد اعظم ”کافر اور بے دین“ حکیم کی دوا استعمال کریں۔ عرب ہمارے دشمن ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ عالیجاہ کو دوا کے

بھانے زہر آلود عرق پلا دیں۔“

شاہی موسیقار امبروز اور اسقف ولیم نے ہاپٹلر سردار کی تائید کی۔
”نیپلز کا اندیشہ غلط نہیں..... دشمن کی سرزمین پر حضور کو محتاط رہنا

چاہیے۔“
انہوں نے زبان ہی سے نفرت کا اظہار نہیں کیا ان کی آنکھیں بھی عرب حکیم کے خلاف شعلہ ریز تھیں۔

رچرڈ نے متحیر نگاہوں سے حاضرین کو دیکھا پھر وہ لوگمنان سے مخاطب ہوا۔

”تمہارا کیا خیال ہے۔ تم اپنے بھائی کے ساتھ کافی عرصہ سلطان کی قید میں رہ چکے ہو۔ کیا اس کے حکیم زہر سے بیماروں کا علاج کرتے ہیں.....“

”صلاح الدین ایک شریف ناٹ ہے اس سے یہ توقع نہیں۔ لیکن جنگ کے زمانہ میں بادشاہ کو احتیاط لازم ہے۔ شاہی ڈاکٹروں کے علاوہ مقدس باپ ولیم بھی حضور کے علاج میں مصروف ہیں۔ اگر آپ تعویذ گنڈے کے قائل نہیں تو کسی فرانسیسی معالج سے دوا لیجئے۔“

”فرانسیسی معالج.....؟ وہ کاؤنٹ آف فلائڈرز کو تو بچا نہ سکے جس کی موت نے فلپ کی کمر توڑ دی ہے۔“

رچرڈ نے ابن ہشام کو اپنے قریب بلایا اور بستر پر کروٹ بدل کر بولا۔

”اگر ملک العادل نے ہمارے لیے زہر بھیجا ہے تو بھی ہم میس گے۔“

حاضرین، بالخصوص اسقف ولیم اور شاہی موسیقار امبروز کو بادشاہ کا یہ رویہ پسند نہ آیا۔ لیکن دوا سے باز رکھنے یا روک دینے کی گستاخی نہ کر سکتے تھے۔ انہوں نے حقارت سے منہ پھیر لیے اس اثناء میں رچرڈ کی نبض ابن ہشام کی انگلیوں کے نیچے تڑپنے لگی۔ شب بیداری اور ذہنی پریشانی کے باعث اس کا بخار تیز ہو چکا تھا۔ آنکھوں سے گویا آگ برس رہی تھی۔ ابن ہشام نے نبض کی رفتار سے اس کی ذہنی بے چینی کا اندازہ لگایا۔ پھر ہاتھی دانت کی چھوٹی سی ڈبیا سے ایک سفوف نکالا۔ اسے ایک عرق میں ملایا اور چاندی کی کٹوری بادشاہ کی طرف بڑھا دی..... رچرڈ نے کٹوری اٹھائی..... پھر ایک لمحہ رک کر حاضرین کو دیکھا اور زیر لب مسکراتے ہوئے بولا۔

”ہم انگلستان کا تخت اپنے بھائی جان کو سونپتے اور وصیت کرتے ہیں ہماری

لاش یرودھلم میں کالوری کی پہاڑی پر دفن کی جائے..... دوستو خدا حافظ.....!“
 ان طنز آلود الفاظ کے ساتھ اس نے کٹوری اپنے ہونٹوں سے لگا لی اور
 ایک ہی سانس میں خالی کر دی۔ عرق پیتے ہی اس کا چہرہ اور زیادہ سرخ ہو گیا
 ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ پھر اس نے ابن ہشام کی طرف دیکھا۔
 ”اب بتاؤ..... اس کٹوری میں کیا تھا جو تم نے ہمیں پلایا ہے.....؟“
 ”قیمتی موتیوں کا ایک سفوف.....“ ابن ہشام نے مسکراتے ہوئے جواب
 دیا۔

”اسے ہر کوئی تیار نہیں کر سکتا۔ یہ ہماری خاص دریافت ہے۔ اب بادشاہ
 زندگی بھر تپ محرم کا شکار نہیں ہوں گے اور نہ کبھی دل پر حملہ ہوگا۔ آپ کی
 نبض ضعف قلب کا پتہ دے رہی تھی۔ بخار کے ساتھ میں نے آپ کے دل کا
 بھی علاج کر دیا ہے۔ لیکن اس کی ایک خوراک ابھی اور استعمال کرنا ہوگی۔ خدا
 نے چاہا تو کل پرسوں آپ جنگ میں شریک ہو سکتے ہیں پھر بھی چند روز احتیاط
 لازم ہے کیونکہ مسلسل بیماری سے آپ کے اعصاب کمزور ہو چکے ہیں۔ یہ دوا
 چند ہی روز میں آپ کی جسمانی قوت بحال کر دے گی۔“

رچرڈ کا بدن پسینے میں تر ہونے لگا۔ ابن ہشام نے ہدایت کی بادشاہ پر کھل
 ڈال دیا جائے بخا اترنا شروع ہو گیا۔ اس لیے انہیں ہوا سے بچانا لازمی ہے۔ دوا
 واقعی معجز اثر ثابت ہوئی تھی۔ بادشاہ کا بدن ہلکتا چلا گیا۔ وہ دو گھنٹ عرق کی
 حیرت انگیز تاثیر پر بے حد حیران ہوا جس نے اس کے ہر موئے بدن کو متاثر کیا
 تھا۔ وہ جس روز سے عکا آیا تھا موسمی بخار میں مبتلا تھا۔ ہر وقت بستر پر پڑا رہتا۔
 اعصاب کمزور ہو رہے تھے اور چند روز سے قلبی بے چینی بھی محسوس کر رہا
 تھا۔ انگلستان کے شاہی طبیب نے اس کے علاج میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی
 لیکن مرض میں کوئی افادہ نہ ہو سکا۔ گرمی کی شدت اور بخار کی حدت سے پیاس
 بڑھنے لگی تھی۔ ٹورون میں نہ برف میسر تھی نہ شیریں پانی۔ یہ دونوں نعمتیں
 ملک العادل نے بھجوائی تھیں.....

ابن ہشام کی دوا نے حیرت انگیز اثر دکھایا۔ چند ہی لمحوں کے اندر اس کا
 بدن پسینے میں شرابور ہو گیا۔ دل کی بے چینی ہو لے ہو لے دور ہونے لگی.....
 اور وہ آرام و سکون محسوس کرنے لگا۔
 اچانک اندرونی دروازے کا پردہ ہٹا اور ایک حسین و جمیل لڑکی سنہرے

بال شانوں پر بکھرے ہوئے تھے کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے دو زانو ہو کر
 بادشاہ کو سلام کیا۔ سب سے پہلے اس کی نگاہیں ابن ہشام پر پڑیں جو بادشاہ کے
 قریب کھڑا تھا۔ شاہی بارگاہ میں ایک عرب نوجوان کو دیکھ کر وہ ٹھٹھک کر رہ
 گئی۔ پھر اس نے ہرنی کی طرح گھبرا کر شہزادی کو دیکھا اور تیزی سے اس کی
 طرف لپکی۔
 جین نے اٹھ کر اسے شانوں سے تھام لیا۔

”گرٹا.....!“
 اس نے جین کے ہاتھوں پر بوسہ دیا اور فرط مسرت سے کپکپاتی ہوئی آواز
 میں بولی۔

”شہزادی حضور اندر تشریف لے چلے۔ ملکہ برنگیرا آپ کو دیکھنے کے لیے
 بے تاب ہیں۔ ہم تو ہولی درجن کی نذریں مان رہی تھیں۔ ساری رات میرا
 دل ڈوبتا رہا۔ ملکہ معظمہ نے سینٹ جارج کا صدقہ بھی اتار دیا۔“

گرٹا بادشاہ کے مصاحب بالڈون ڈی کیرو کی بیٹی اور شہزادی جین کی عزیز
 ترین سہیلی تھی۔ وہ بچپن سے اکٹھی رہیں۔ لندن کے شاہی محلات میں انہوں
 نے ایک ساتھ تعلیم پائی تھی۔ شادی کے بعد جب جین سسلی میں آگئی تو گرٹا
 اکثر اواس رہتی خود جین کی بھی یہی کیفیت تھی۔ وہ گرٹا کی جدائی میں غمگین
 رہنے لگی۔ حتیٰ کہ رچرڈ سے کہہ کر اس نے گرٹا کیرو کو بھی پلومو میں بلا لیا تھا۔
 سسلی کا یہ حسین شہر نیلے سمندر اور سرسبز پہاڑوں کے درمیان عیش و نشاط کے
 ہنگاموں کا مرکز تھا۔ دونوں سیلیاں پلومو کے شاہی محل میں اکٹھی رہنے لگیں۔
 حتیٰ کہ انگلستان کا شاہی بیڑہ سسلی کے ساحل پر آگیا اور جین کے ساتھ وہ بھی
 فلسطین چلی آئی تھی۔ گرٹا کی محبت نے یہاں بھی اس کا ساتھ نہ چھوڑا تھا۔
 حیرت انگیز بات یہ تھی گرٹا اور جین کی شکل و صورت بھی ملتی جلتی تھی
 اور بظاہر وہ دونوں ہمیشہ معلوم ہوتی تھیں۔

ٹورون کی سفری عملرا میں گرٹا کو نہ صرف شاہی مراعات حاصل تھیں بلکہ
 وہ جین کی عزیز ترین سہیلی ہونے کے باعث شہزادیوں کی سی زندگی بسر کر رہی
 تھی۔ جینی کی بدولت بالڈون ڈی کیرو نے بھی انگلستان کے شاہی محلات اور دربار
 میں خاصی اہمیت حاصل کر لی تھی۔ بادشاہ اس پر بہت اعتماد کرتا تھا۔ انگلستان کی
 بوڑھی ملکہ ایلینار آف گائن نے اسے رچرڈ کی منگیتر شہزادی برنگیرا آف

نوارے کا ولی اور نگران مقرر کیا تھا اور اسی کے ایما پر بادشاہ نے قیام قبرص دوران برتگلیا سے شادی کر لی تھی۔

شہزادی کا ہاتھ تھام لینے کے بعد گرینا نے بادشاہ کی طرف دیکھا۔ اس ایک عجیب سی مسکراہٹ بکھیرتے ہوئے دیکھی۔ پھر وہ گرینا کا ہاتھ تھامے اطلس بخار ٹوٹ چکا تھا اور وہ مسکراتی ہوئی آنکھوں سے گرینا کو دیکھ رہا تھا۔ اس سہیم کو رشک اور حسد کی نظروں سے گھور رہے تھے۔ پھر سردار نیپلز بادشاہ سے کہنا۔

”گرینا.....! تمہاری سہیلی کی ایک رات کی گمشدگی بہت مفید ثابت ہوئی۔ مخاطب ہوا۔

وہ عربوں کی چھاؤنی سے ہمارے لیے ایک نوجوان حکیم کو لے کر آئی ہے جس کو آپ شاہ فرانس سے مشورہ کر لیں۔ حضور کی علالت کے باعث جنگی کمان ان ہی ایک ہی خوراک نے جادو کا اثر دکھایا اور ہمارا بخار اتر گیا۔ اس کا دعویٰ ہے کہ ہاتھ میں ہے۔ انہیں اس واقعہ سے مطلع کرنا ضروری ہے۔“

دوسری خوراک استعمال کرنے کے بعد یہ بخار زندگی بھر ہمارے قریب نہ آئے گا۔“

”کیوں ابن ہشام! ہم نے غلط تو نہیں کہا.....؟“

”آپ نے بالکل درست فرمایا.....!“

ابن ہشام نے گردن میں ذرا سا خم پیدا کیا اور اس کی نگاہ گرینا کے حسین بن ہشام..... ہم گھوڑے کی سواری کب تک کر سکیں گے.....؟“

چہرے کا طواف کر آئی۔

”اب میں عالیجاہ سے درخواست کروں گا۔ وہ مجھے قلعہ تک پہنچا دیں تاکہ یہ جواب سن کر رچڑ خوش ہو گیا۔ پھر بالڈون ڈی کیرو کی طرف دیکھتے ہیں مریض کو دیکھ کر غروب آفتاب سے پہلے لوٹ جاؤں اور آپ کے لیے دے اس نے ابن ہشام کی طرف انگلی اٹھادی اور تحکم آمیز لہجے میں بولا۔

دوسری خوراک تیار کر سکوں میرے ساتھی واپسی تک یہیں رہیں گے۔“

گرینا کی متحیر نظریں ابن ہشام پر مرکوز تھیں..... رچڑ شہزادی سے ان کے ساتھ جاؤ اور انہیں بحفاظت شہر پہنچا دو..... جب تک یہ مخاطب ہوا۔

”جین..... تم اندر جاؤ اور برتگلیا سے ملو وہ تمہارے لیے بہت پریشان ارے مہمان ہیں اور یہیں قیام کریں گے۔ ولیم آف بیرو سے کہہ دو وہ عرب ہے۔ ہم تمہارے اور ملک العادل کے ممنون ہیں۔ ابن ہشام تو واقعی جادوگر مانوں کے قیام و طعام کا بندوبست کرے۔“

ثابت ہوا ہے۔ تم برتگلیا کو بھی ہماری صحت کی خوشخبری سناؤ۔ شام کے وقت ہم بالڈون ڈی کیرو کو تک جھک گیا۔

اسے بھی اس ایشیائی جادوگر سے ملائیں گے۔“

شہزادی نے ابن ہشام کو تاکید کی وہ مریض کو دیکھ کر شام سے پہلے لوٹ برہ سے نکل گیا.....

آئے اپنے ساتھیوں کے ہمراہ رات ٹورون ہی میں بسر کرے۔ وہ شاہ انگلستان کا دن کا ایک پھر گزر چکا تھا اور جولائی کا ختم ہوا گرم سورج شعلے سے مہمان ہوگا۔ حادث نے مسکرا کر گردن جھکا دی۔

”شہزادی صاحبہ! میں وعدہ کرتا ہوں جب تک بادشاہ بالکل تندرست نہ ہو مریض کی سمت نظر دوڑائی سمندر کے سینے میں ہاتھ کے کئے کی طرح ابھرا ہوا عکا جائیں گے“ واپس نہیں جاؤں گا۔ میرے آقا ملک العادل کا یہی حکم ہے۔“

تاریخی شراہنی روایتی عظمت کے ساتھ دور ہی سے نظر آ رہا تھا۔

چار پانچ میل کے فاصلے سے شہر کے کیتھڈرل کی مخروطی چوٹی آسمانوں کی تیز دھوپ اور شدید گرمی کے باوجود کارخانوں کی بھٹیاں دھک رہی تھیں۔ پٹائیوں میں کھپ رہی تھی۔ یہ کیتھڈرل ایک صدی قبل عکا کی جامع مسجد بن چکی تھی۔ آہن گروں اور بڑھوں کی ٹھک ٹھک جاری تھی۔ سینکڑوں کاریگر جہاں پانچ وقت اذان کی آواز بلند ہوتی تھی..... لیکن صلیبی غلبے کے بعد مسلمانوں کی تعمیرات کو تباہ کر دیا گیا۔ لیکن مسیحی کیتھڈرل اب بھی کھڑی ہے۔

مینار اور گنبد مسمار کر کے اسے کیتھڈرل میں منتقل کر دیا گیا اگرچہ مسلمانوں نے اسے دوبارہ تعمیر کیا۔ لیکن مسیحی کیتھڈرل اب بھی کھڑی ہے۔ عمارت جوں کی توں کھڑی تھی۔

شہزادی جین کی واپسی اور بادشاہ کے صحت یاب ہونے کی خبر انگریزی بادشاہ نے سنی تھی۔ اس نے کہا: "فانا" پھیل گئی تھی۔

انگلستان کے صلیبی حیرت و تعجب سے سرگوشیاں کرنے لگے۔ اگر انہوں نے عرب حکیم کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھا ہوتا تو شاید اس واقعہ پر یقین نہ کرتے۔ شہزادی کی واپسی اور بادشاہ کی صحت یابی "طلسم ہو شریا" کا ایک اثر معلوم ہو رہی تھی۔

قلعہ کی فسیل یہاں سے دو تین فرلانگ سے زیادہ دور نہ تھی۔ شہر پناہ کے برجوں پر ہلال پرچم اور عباسیہ کے امتیازی سیاہ نشان لہرا رہے تھے۔ فسیل کے چوڑے پتے پر عرب تیر انداز اور ترک برق افغان اپنی چوکیوں میں چاک و چوبند بیٹھے نظر آتے تھے۔ خندق جگہ جگہ سے پر کر دی گئی تھی لیکن متعدد گڑھوں کے باعث مہمے دار مجنبتیں، قلعہ شکن انجن اور دبابے اسے عبور نہ کر سکتے تھے۔

البتہ جب صلیبی قلعہ پر بلہ بول دیتے اور خندق کے شمالی کنارے سے مجنبتیں قلعہ پر سنگباری اور آتش افگنی میں مصروف ہو جاتیں تو افرنگی سوار کندے دار کمانیں کندھوں پر ڈالے گھوڑے دوڑاتے آتے اور ان گڑھوں کو پھلانگ کر فسیل کے نیچے پہنچ جاتے تھے تاکہ محصور مجاہدوں کو جو شہر پناہ کی حفاظت پر مامور تھے۔ قریب سے نشانہ بنا سکیں لیکن اس کوشش میں بسا اوقات وہ خود ہی اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے تھے کیونکہ مجاہدین فسیل سے آتش سیال کی پککاریاں مارتے، شعلہ زن روغن نفت پھینکتے اور حملہ آوروں کو زندہ جلا دیتے تھے۔ جب تک افرنگی عربوں کی اس تباہ کن مدافعت کو روک نہ دیتے وہ شہر پناہ کے قریب نہ پہنچ سکتے تھے۔

حارث ابن ہشام، بالڈون ڈی کیرو کے بکتر بند سواروں کے ہمراہ افرانچھاؤنی سے نکلا اور دواؤں کا چھوٹا سا بسکس اٹھائے عکا کی طرف چل دیا۔ دور کا شہر خیام جہاں کہیں کہیں مٹی کی بارکیں بھی کھڑی تھیں۔

ساحل سمندر پر شمالاً "جنوبا" کئی میل تک پھیلا ہوا تھا۔ انہوں نے چھوٹا دریوں کے محلے حلقہ در حلقہ کنار بحر تک بکھرے ہوئے تھے۔ جن درمیان گرجوں اور چھوٹا دریوں کی مخروطی چوٹیاں اور جگہ جگہ چوٹی ستونوں لہراتے ہوئے سرخ صلیبی پرچم یہ احساس دلا رہے تھے کہ طویل جنگ اور لانا تباہی کے باوجود افرنگیوں کا مذہبی جوش ٹھنڈا نہیں ہوا تھا.....!

کچھ عرصہ سے شہر پر ان کی گرفت اور مضبوط ہو گئی تھی اور وہ اس امر پر حد مسرور تھے کہ انہوں نے اسلامی چھاؤنی سے عکا کے محصور مجاہدین کا تعلق قطع کر دیا ہے۔ نقاہت کے باوجود ان کے چہروں پر امید افزا خوشیاں

رہی تھیں۔ کھجوروں کے جھنڈ صلیبی خیموں سے بھرے پرے نظر آ رہے تھے جن کے درمیان ٹیڑھی میڑھی پگڈنڈیاں ہاتھ کی لکیروں کی مانند بکھری تھیں۔

جوں ہی انگریز رسالہ خندق کے پاس پہنچ کر رکا۔۔۔۔ ایک فرانسیسی سوار ٹیلے کی اوٹ سے گھوڑا دوڑاتا ہوا نکلا اور بالڈون ڈی کرو کے پاس آ پہنچا.....

"کیا بات ہے جناب..... کیا آپ فسیل پر حملہ کرنے آئے ہیں۔ مگر ہمیں تو ابھی تک حملہ کی کوئی اطلاع نہیں ملی۔ پھر آپ کے ہمراہ کل دو سو سوار

ہیں..... آخر آپ کا کیا ارادہ ہے۔“
 ”نہیں..... میں حملہ کی غرض سے نہیں آیا.....“
 ”پھر اس شدید گرمی میں آپ اس طرف کیسے آنکے۔ معاف کیجئے۔“
 کوئی سیرگاہ بھی نہیں.....“

بالڈون ڈی کیرو نے بتایا وہ اپنے بادشاہ رچرڈ شیردل کے حکم سے عرب حکیم کو قلعہ تک چھوڑنے آیا ہے۔ اس انکشاف پر سوار حیران و شرم رہ گیا اس نے کینہ توڑ نگاہوں سے ابن ہشام کی طرف دیکھا اور بولا۔
 ”کمانڈر کی اجازت کے بغیر آپ ایسا ہرگز نہیں کر سکتے.....“
 ”کیا کمانڈر شاہ انگلستان کے حکم کی خلاف ورزی کر سکتا ہے۔“
 ”آپ بھولتے ہیں جناب! فوجی کمان ہمارے شہنشاہ فلیس آگش کے میں ہے کیا آپ ان کا اجازت نامہ لائے ہیں۔“

”رچرڈ شیردل کو کسی اجازت نامہ کی ضرورت نہیں۔ اگر تم مزید گناہ کرو گے تو میں جانتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا ہوگا۔ جاؤ اپنے کمانڈر سے کہہ بالڈون ڈی کیرو شاہ انگلستان کے حکم کی تعمیل کر رہا ہے۔
 یہ کہہ کر وہ ابن ہشام سے مخاطب ہوا۔
 ”آپ تشریف لے جائیں..... غالباً“ قلعہ کے دروازے تک پہنچنے کے اب کسی مدد کی ضرورت نہیں۔ میں یہیں آپ کی واپسی کا انتظار کروں گا۔“
 ابن ہشام نے جلد لوٹ آنے کا وعدہ کیا اور گھوڑا آگے بڑھایا۔ فرانسیسی سوار واپس جا چکا تھا۔

شہر پہاڑ سے محافظ مجاہدین نے حیرت و تعجب سے انگریزی رسالہ کو خندق کی شمالی سمت رکھتے پھر ایک عرب سوار کو قلعہ کی طرف آتے ہوئے دیکھا اور کمانوں کے چلے چڑھا کر بیٹھ گئے۔ وہ معاملہ کی نوعیت کو سمجھنے سے قاصر تھے۔ خندق عبور کرتے ہی ابن ہشام نے گھوڑے کو ایڑ لگا دی اور چند ساعتوں میں قلعہ کے دروازہ پر پہنچ گیا۔ مجاہدین کی متغیر نگاہیں اس پر مرنے لگی تھیں..... وہ فیصل کے قریب پہنچ کر چلایا۔
 ”میں حارث ابن ہشام ہوں..... میرے لیے دروازہ کھولو..... میں ایک ضروری پیغام لے کر آیا ہوں۔“
 فیصل پر سیف الدین مشغوب کا کرد غلام موجود تھا اس نے ابن ہشام

پہچان لیا۔ پھر دوسرے ہی لمحہ عکا کے قلعہ کا بھاری بھر کم دروازہ کھلا۔ ابن ہشام اندر داخل ہوا اور دروازہ پھر بند ہو گیا۔ اس پر لوہے کی بھاری زنجیریں چڑھا دی گئیں۔
 یہی وہ دروازہ تھا جسے کھولنے کے لیے لاکھوں فرنگی دو سال سے عکا کا محاصرہ کیے پڑے تھے اور اس کوشش میں ٹورون کی چھاؤنی کے آس پاس دو لاکھ صلیبی مجاہدوں کی قبروں کا شہر معرض وجود میں آ چکا تھا۔
 فرانسیسی کمانڈر جو فلیس آگش شاہ فرانس کی طرف سے محاذ جنگ کی نگرانی کر رہا تھا اپنی چوکی سے باہر نہیں آیا۔
 اس نے یہ خبر تغیر و تجسس کے ساتھ سنی کہ ایک عرب حکیم قلعہ میں کسی مریض کو دیکھنے گیا ہے اور شاہ رچرڈ کا محافظ جرنیل بالڈون ڈی کیرو اپنے بکتر بند رسالہ کے ہمراہ خندق پر اس کی واپسی کا منتظر ہے۔
 ”انگریز رسالے شانہ عروں سے دوستی گانٹھ رہے ہیں..... یہ صلیب سے ندراری ہے لیکن جو کچھ وہ کر رہے ہیں انہیں کرنے دو..... ہم دیکھ لیں گے۔ ہمارے بغیر ان کا بادشاہ کون سا قلعہ سر کرتا ہے۔“
 فرانسیسی کمانڈر چوکی میں بیٹھا چلاتا اور جو کی ٹھنڈی شراب پیتا رہا۔
 ابن ہشام نے واپسی میں دیر نہیں لگائی۔
 ”قلعہ کا پرہیز دروازہ ایک مرتبہ پھر کھلا..... لوہے کی بھاری زنجیریں پھر جھنجھٹائیں اور ابن ہشام گھوڑا اڑاتا خندق پر آ پہنچا..... دواؤں کا بکس اس کے ہمراہ تھا۔ جوش مسرت سے اس کا چہرہ تہمتا رہا تھا۔
 اس نے بتایا۔
 ”مریض کی حالت واقعی نازک تھی۔۔۔۔۔ لیکن میں ٹھیک وقت پر پہنچ گیا اور میری دوا کی ایک ہی خوراک اس کے لیے معجز اثر ثابت ہوئی شام تک اس کی حالت کافی سدھر جائے گی، موت کا خطرہ ٹل چکا ہے۔“
 اور عکا کے چار ہزار جاں بلب مریضوں کے لیے معجز نما دوا دراصل وہ رسد تھی جس کی نشاندہی ابن ہشام نے کی تھی قلعہ کے فائدہ کش مجاہدوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی تھی اور امیر مشغوب کے حکم سے خوراک کا وہ ذخیرہ باہر نکالا جا رہا تھا جو مشرقی برج کے یہ خانے میں محفوظ تھا۔
 جب ابن ہشام انگریزی رسالہ کی حفاظت میں دوبارہ ٹورون کی چھاؤنی میں

داخل ہوا۔ گرما کا تپتا سورج مغربی افق سے تین نیزے اوپر چمک رہا تھا اور لو کی شدت بتدریج گھٹ رہی تھی۔

اس کی واپسی کے چند لمحے بعد قلعہ کے مشرقی برج پر کبوتر اڑائے گئے۔ دھوئیں کے مرغولے بلند ہونے لگے اہل قلعہ نے اشاراتی زبان میں اسلحہ چھاؤنی کو خبر دی تھی کہ سلطان معظم کا بھیجا ہوا نسخہ مل گیا اور مریضوں نے پانی۔

برنگیریا کی پریشانی

انگلستان کے شاہی خیموں میں شہزادی جین کی واپسی پر مسرت و انبساط کی دوڑ مچ گئی۔ شاہی خواتین، کنیرس اور خادماں بے حد مسرور تھیں اور سب کی زبان پر جین کا تذکرہ تھا۔

شہزادی چوٹی گلیاں اور کتنی راہداریاں عبور کرتی سیدھی ملکہ برنگیریا کے خیمے میں آئی تھی جو کسی محل کی طرح آراستہ و پیراستہ تھا۔

برنگیریا اس سے یوں لپٹ گئی جیسے مدت کے بعد ملی ہو۔ بیزنٹینی شہزادی بھی، جسے رچرڈ جزیرہ قبرص سے بطور یہ غمال ساتھ لایا تھا۔ گلاب کی مانند کھلی رہی تھی۔ اس کی حیثیت اگرچہ ایک قیدی کی سی تھی لیکن عزت و تکریم میں کوئی فرق نہ آیا تھا اور بظاہر وہ شاہی خاندان کی مہمان سمجھی جاتی تھی۔ خود رچرڈ اس کا بڑا خیال رکھتا تھا وہ انگلستان کی ملکہ برنگیریا سے زیادہ خوبصورت و خوش جمال تھی اس کی دیکھ بھال جین ہی کے سپرد تھی جس نے قبرصی حید کو ڈیڑھ دو ماہ کی رفاقت میں اپنا گرویدہ بنا لیا تھا۔ یہی وجہ تھی جوں ہی اس نے جین کی واپسی کی خبر سنی ملکہ برنگیریا کے خیمے کی طرف بھاگی۔

قسطظنیہ کے شاہی دستور کے مطابق اس نے انگریز شہزادی کو نرگس کے پھول پیش کیے۔ یہ اس امر کا اشارہ تھا کہ شہزادی کے انتظار میں اس کی آنکھیں چشم نرگس کی مانند کھلی رہی ہیں۔ بیزنٹینی دو شیزہ کی آنکھیں نرگس کے دو پھول ہی تھیں۔

پھر جین انہیں گزشتہ رات کے وہ حیرت انگیز واقعات سناتے مگی جنوں نے

شاہی خواتین پر سراپیمگی سی طاری کر دی تھی..... قافلہ پر خونی چھپتے کا حملہ..... مارگن کی ہلاکت۔۔۔۔۔ اس کے گھوڑے کا بے قابو ہو کر بھاگنا..... عرب شہزادے کی بہادری، شہسواری، کبوتروں کے غار میں ایک عجیب الہیت بوڑھا، اور خونی درندے کی تحیر زا آمد..... یہ تمام واقعات کچھ ایسے عجیب اور خوف انگیز تھے کہ وہ عربوں سے دہشت زدہ نظر آنے لگیں ملکہ برنگیریا کی طرح بیزنٹینی شہزادی ورجینا کی حیران نگاہیں بھی جین پر مرکوز تھیں جو برادر سلطان ملک العادل کا ذکر کرتے ہوئے کبھی گھبرا جاتی..... کبھی شربا جاتی..... اس کے سرخ بدن پر ایک کچکی سی طاری تھی۔ شاید یہ اس موت کا بھیانک اور روح فرسا تصور تھا جو جبل خروبہ کے ایک درے میں اسے پیش آنے والی تھی۔

”میں اس واقعہ کو زندگی بھر فراموش نہیں کر سکتی۔ اب بھی وہ منظر یاد آ جاتا ہے تو میری روح کانپ اٹھتی ہے۔ ہولی درجن کی قسم..... اگر وہ غیبی فرشتہ بن کر نمودار نہ ہوتا..... تو میری ہلاکت یقینی تھی.....“

دونوں لڑکیاں سہمی بیٹھی تھیں لیکن ملکہ برنگیریا کا دماغ کہیں، دوسری جگہ انک کے رہ گیا تھا۔

”تم نے کہا ہے وہ خونی درندہ جس نے ہمارے مارگن کو ہلاک کیا۔ ملک العادل کا پالتو تھا جسے اس کا غلام زنجیر پنا کر غار تک لایا؟“

”ہاں واقعی وہ پالتو چیتا ہے اور عرب سپاہیوں کے ہمراہ اس پہاڑی راستے کی حفاظت کرتا جو اسلامی چھاؤنی کے عقب سے گزرتا ہے.....“

”لیکن ایک خونی درندہ اتنا نہیں سدھایا جا سکتا کہ وہ انسان پر حملہ کرنے کے بعد دوبارہ قابو میں آسکے یہ انہونی بات معلوم ہوتی ہے.....“

ملکہ کی آنکھوں سے بے یقینی مترشح تھی..... جین کہنے لگی۔

”پہلے میں بھی حیران تھی لیکن ملک العادل نے بتایا گونگا ضحاک جو درندے کی مگرانی کرتا ہے اس سے بھی زیادہ لمبی جست لگاتا اور اسے دبوچ لیتا ہے۔ یہی وجہ ہے وہ اس کے اشارے پر چلتا ہے اور وہ غلام..... افوہ جنم کے عفریتوں سے کم خوفناک نہیں اس کی صورت سے ڈر لگتا ہے جب وہ مسکراتا ہے تو یوں معلوم ہوتا ہے۔ کسی پہاڑی غار کا منہ کھل گیا ہے۔ میں نے اس کے سامنے درندے کو بھیگی ملی کی طرح سہمے ہوئے دیکھا ہے.....“

شاہی خواتین کی نبضوں میں خون رک رک کر چلنے لگا۔ اس سے پیشتر وہ

عکا کے محصور مسلمانوں کی جرات و شجاعت کے واقعات سن چکی تھیں۔ جن سامنے ٹرائے کے روایتی بہادروں کی داستانیں بھی سچ معلوم ہوتی ہیں۔ شہزادی جین کی سرگزشت سن کر وہ نقش بہ دیوار بن کر رہ گئیں۔ برتگلیا زیادہ بے چین اور پریشان نظر آرہی تھی۔ وہ تھوڑی دیر کچھ سوچتی رہی پھر لگی۔

انہیں۔ ”کیا.....؟“ الفاظ برتگلیا کے حلق میں انک کر رہ گئے۔

شہزادی کستی رہی۔

”شکل سے وہ حکیم بھی نظر نہیں آتا لیکن ہمارے شاہی طبیب اور ڈاکٹر

ایک ماہ سے بادشاہ کے جس مرض کا علاج نہ کر سکے ابن ہشام کی ایک ہی

خوراک نے دور کر دیا۔ میرے بیٹھے بیٹھے بادشاہ کا سارا جسم پسینے میں شرابور ہوا

اور بخار مگر گیا حالانکہ ہانپٹل نائٹ گاریز ڈی نیپلز نے بادشاہ کو مشورہ دیا تھا وہ

عرب خلیفہ کی دوا استعمال نہ کریں۔“

”یوں..... گاریز نے ایسا مشورہ کیوں دیا تھا.....؟“

”اس کا خیال تھا کہ عرب ہمارے دشمن ہیں کیا خبر وہ دوا کے بہانے بیمار

بادشاہ کو زہر پلا دیں۔“

”او..... میرے خدا.....“ ملکہ ایک دم پریشان ہو گئی اور گھبرائے ہوئے

لجہ میں پوچھنے لگی.....

”پھر بادشاہ نے کیا جواب دیا.....؟“

”انہوں نے گاریز کے الفاظ کا مضحکہ اڑایا..... بھائی ارل جان کے حق میں

تخت و تاج کی وصیت کی اور بڑے اطمینان سے دوا پی گئے.....“

برتگلیا کے ہونٹوں پر سسکی تڑپ کر رہ گئی۔ اس کے حسین عارضوں پر

کرب و اذیت کے آثار تھے۔ جین نے پوچھا۔

”لایا آپ کے نزدیک انہیں دوا استعمال نہ کرنی چاہیے تھی؟“

”ہرگز نہیں..... گاریز نے صحیح مشورہ دیا تھا..... یہ نہ بھولو۔۔۔۔۔ ہم

یہاں عربوں سے لڑنے اور یروشلم کو فتح کرنے آئے ہیں وہ ہمارے دشمن ہیں

اور بادشاہ کی ذات عالی کو نقصان پہنچانے میں انہیں کیا در بھ ہو سکتا ہے.....“

گریٹا کیرو اور بیزنطینی سینہ کے چہرے بتا رہے تھے۔ وہ بھی ملکہ کی ہم خیال

ہیں لیکن اچانک شہزادی جین کے مترنم قہقہے نے ان کے چہروں پر لکیریں کھینچ

دیں اور وہ حیرت پاش نظروں سے اسے دیکھنے لگیں۔ جی مسکراتے ہوئے لجہ میں

”میں نے تو سنا تھا عرب بڑے وحشی گنوار اور ظالم ہوتے ہیں۔ خوبصورت

لڑکیوں کو اٹھا کر لے جاتے ہیں، ان کے حرموں میں بیک وقت تین تین چار

عورتیں بھری رہتی ہیں۔ تعجب ہے انہوں نے تمہیں کس طرح چھوڑ دیا۔“

”عربوں کے متعلق میرا بھی یہی خیال تھا.....“

جین ملکہ کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”مگر اب میری رائے بدل گئی ہے وہ لوگ اہل یورپ سے کہیں زیادہ

مذہب، شریف، ملنسار اور مہمان نواز ہیں۔ وہ قول کے دھنی اور وعدے کے

پکے ہیں۔ میں نے آدھی رات کے وقت بھی اکثر مسلمانوں کو مصروف عبادت

پایا۔ عرب خداوند یسوع مسیح کو ایک مقدس نبی سمجھتے اور ہولی ورجن کی عزت

کرتے ہیں وہ اپنے سلطان کے اشارے پر سر کٹا دینا باعث افتخار سمجھتے ہیں.....“

ملکہ برتگلیا کہ ساعت پر یہ الفاظ گراں گزرے تھے۔ اس نے کہا۔

”دشمن کے بارے میں تمہارے یہ خیالات بے حد افسوسناک ہیں۔ بھلا

تہذیب و تمدن میں ہمارا کیا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ شکر کرو تم ایک شہزادے کے ہاں

لگیں اور اس نے تمہیں رہا کر دیا۔ کیونکہ ملک العادل ہماری قوت کا اندازہ

چکا ہے۔ اگر تمہیں کسی عام عرب نے گرفتار کیا ہوتا تو بہت مشکل پیش آتی۔“

اچانک جین کو کوئی بات یاد آگئی اور وہ کہنے لگی۔

ملک العادل تو خیر سلطان کا بھائی اور لشکر اسلام میں اس کے بعد سب

بااختیار آدمی ہے۔ لیکن وہ کرد نوجوان جو مجھے چھوڑنے آیا ہے صورت

ایک کھنڈر ا رئیس زادہ معلوم ہوتا ہے۔ اسے دیکھ کر کوئی شخص یقین نہ

کرے گا۔ یہی وہ ابن ہشام ہے جس نے عکا کے معرکوں میں ہمارے بہتر

شہسواروں کو گہری نیند سلا دیا اور گزشتہ ستمبر کی جنگ میں بہادر ٹمپلوں

نائٹ سردار ڈی ریڈ فورڈ کو قتل کیا تھا۔“

ملکہ برتگلیا، بیزنطینی شہزادی سوسن، درجینا اور گریٹا ایک ساتھ چکی

”تمہارا خیال غلط ہے۔ جنگ اور محبت میں ہر فریب جائز ہے۔“
 ”عرب اس سے پہلے بھی پھل، برف اور پرندوں کے تھنے بھنجے ہیں..... کیا وہ چیزیں سم آلود تھیں.....؟“
 اچانک گریٹا کو مذاق سوجھا۔

”نہیں..... میں خاموش نہیں رہ سکتی۔ میں انہیں اپنی زندگی سے جوا کھیلنے نہ دوں گی جین..... پیاری جین..... تم یہ کیوں نہیں سوچتیں اگر ان کی ذات کو کوئی نقصان پہنچا تو پردیس میں ہمارا کیا حشر ہوگا۔“
 اس کی آنکھوں سے وحشت برس رہی تھی اور پلکوں کے سائے لرزاں تھے۔ جین اسے یوں دیکھنے لگی جیسے وہ کسی شدید غلطی کا ارتکاب کرنے والی تھی لیکن اسے نہ روک سکتی تھی۔ برنگیریا اب نوارے کی شہزادی نہیں انگلستان کی ملکہ تھی۔ اس نے اپنی ہسپانوی خادمہ کو آواز دی جو اسپین سے اس کے ساتھ آئی تھی۔
 ”سوبانیا..... بادشاہ کی خدمت میں میرا سلام عرض کرو اور کہو میں اسی وقت ان سے ملنا چاہتی ہوں.....“

خادمہ نے ایک نظر ملکہ پر ڈالی پھر سرخ کتان کی راہداری میں لپکتی چلی گئی۔ برنگیریا کے ذہن میں اپنے محبوب شوہر کی زندگی کا خطرہ کلیسا کی گھنٹیوں کی طرح شور مچا رہا تھا..... ٹنن..... ٹنن.....
 اور ان آوازوں کے ساتھ اس کے تصور میں وہ لا تعداد ملیس مختلف زادیوں سے جیسے زلزلے کے جھٹکے آتے ہیں اوپر نیچے ڈول رہی تھیں جو ٹوروں کے آس پاس مٹی کی دو لاکھ ڈھیروں پر نصب تھیں۔

برنگیریا نے جب پلٹ کر دیکھا اور گریٹا کیرو جین کے ساتھ جا چکی تھیں صرف بیز ٹیننی شہزادی ساگوانی میز کے پاس اس کی اجازت کی منتظر تھی۔ اسی لمحے ایک کنیز فانوس روشن کرنے کے لیے کمرے میں داخل ہوئی۔
 سورج اپنی آخری سرخیاں بکھیرتا ہوا بحیرہ روم کے پانیوں میں ڈوب رہا تھا۔ کانپتے ہوئے طویل سائے تلگجے اندھیرے میں تحلیل ہو رہے تھے۔ سمندری بگے قطار در قطار جبل خروہ کے مشرقی جنگل کی طرف اڑے جا رہے تھے اور شام کی سیاہیوں میں ان کی کاؤنچ..... کاؤنچ کی آوازیں عجیب سی لگ رہی تھیں ٹوروں کے کوچوں اور بازاروں میں افرنگی سپاہیوں کی ٹولیاں کھربل کی چھتوں والے شراب خانوں کی سمت رواں تھیں۔ برنگیریا خیمے کے درپچے میں کھڑی دیر

”میں نے سنا ہے عرب حکیم آج رات عالیجاہ کو ایک اور خوراک پلائے گا.....“
 یہ سنتے ہی ملکہ کے چہرے پر ایک نئی تشویش نے کروٹ بدلی..... اس نے مضطرب لمبے میں پوچھا۔

”جین..... کیا گریٹا ٹھیک کہتی ہے.....“
 ”ہاں ابن ہشام کا خیال ہے اگر بادشاہ اس کی دوسری خوراک استعمال کر لیں تو ان کی صحت بحال ہو جائے گی اور وہ جنگ میں شریک ہو سکتے ہیں۔“
 ملکہ پھر کسی الجھن میں مبتلا ہو گئی۔ ذہنی سککھش کے عکس اس کی آنکھوں میں سانپ کی طرح کروٹیں لے رہے تھے۔

”کس قدر عجیب بات ہے۔ عرب اپنے سب سے بڑے اور بہادر دشمن کا علاج اس لیے کر رہے ہیں وہ ان کے خلاف جنگ میں شریک ہو سکے۔ خوب! کیا عربوں میں کوئی شخص رچڑڈ شیردل کے نیزے کا مقابلہ کر سکتا ہے.....“
 وہ سوئے ہوئے شیر کو بیدار کیوں کر رہے ہیں۔ انہیں بادشاہ کی صحت کا اتنا خیال کیوں ہے۔ اس میں ضرور کوئی بھید ہے۔ جین..... میں بادشاہ سے درخواست کروں گی وہ ابن ہشام کی دوسری خوراک استعمال نہ کریں۔“
 ”بادشاہ اس مشورے پر ہنس دیں گے۔ کیونکہ وہ پہلی خوراک کا اثر دیکھ

”اس خوبصورت عرب کو تو میں نے تھوڑی دیر پہلے بالڈون ڈی کیرو کی

بہراہ دیکھا ہے.....“

وہ انگریز سواروں کے پہرے میں کہیں سے آ رہا تھا۔
”تو بس..... تم ہوشیار رہو..... اگر وہ قلعہ سے لوٹ آیا ہے تو بادشاہ کی
خدمت میں آنے ہی والا ہوگا..... بس اب تم جاؤ..... اور ہاں دیکھو ایک پل
کے لیے بھی غافل نہیں رہنا۔“

”جی بہتر.....“

کنیز نے جواب دیا۔
اور پھر وہ حیران و ششدر سی باہر نکل گئی..... اور بے چین و مضطرب
برنگیریا تیزی کے ساتھ درتچے کی طرف مڑی۔
فانوس کی روشنی میں وہ سراپا جمال نظر آ رہی تھی۔

○

تک شام فلسطین کے نظاروں میں کھوئی رہی..... ناگماں سوبانیا کے قدموں کی
سی چاپ ابھری۔

وہ تیزی سے گھوم گئی..... خادمہ نے بتایا..... ”بادشاہ کا بخار تو اتر چکا
وہ خوش و خرم نظر آتے اور کاؤنٹ ہنری سے ہنس کر باتیں کر رہے تھے
ابھی ابھی آئے تھے۔ افسوس رات کے کھانے سے پہلے عالیجاہ سے ملاقات
ہو سکتی۔ چند لمحوں میں شاہ فرانس فلیپ آگسٹ اور مارکوئیس کانرڈ والسی
بادشاہ سے ملنے آ رہے ہیں۔ شاید کوئی جنگی مسئلہ درپیش ہے۔“
یہ سن کر برنگیریا کچھ پریشان سی ہو گئی۔

”نہ جانے وہ لوگ کب تک بیٹھیں اور اگر اس اثناء میں عرب حکیم اب
دوا پلانے آ گیا تو.....“

”نہیں..... نہیں.....“

لیکن وہ چلائی۔

”سوبانیا.....! تم بادشاہ کے خیمہ کی نگرانی کرو اور ہونی عرب حکیم ان
خدمت میں حاضر ہو..... مجھے فوراً خبر کر دو..... خوب غور سے سن لو.....
کام میں ایک لمحہ کی تاخیر بھی نہیں ہونی چاہیے۔“
”قصہ کیا ہے ملکہ عالیہ..... آپ اس قدر پریشان کیوں ہیں؟“
”تم نہیں سمجھ سکتیں سوبانیا..... تم نہیں سمجھ سکتیں۔ بس جو میں کہتی
کرو.....“

پھر وہ ایک لمحہ کچھ سوچتی رہی۔

ایک نیا خیال بجلی کے کوندے کی مانند اس کے ذہن کے اندھیروں میں
اور وہ فکر انگیز لہجہ میں بولی۔

”معلوم کرو..... ابن ہشام قلعہ سے لوٹ آیا یا نہیں؟“

سوبانیا سراپا سوال بن گئی..... اس کے فرشتوں کو بھی علم نہ تھا۔
”ہشام کون ہے؟“

برنگیریا نے اس کی حیرانی کو بھانپ لیا اور وضاحت کرنے لگی۔

”تم نہیں جانتیں..... ابن ہشام اس عرب حکیم کا نام ہے جو شہزادی

کو چھوڑنے آیا ہے.....“

”خادمہ کے چہرے پر حیرت سی پھیل گئی۔

فراموش بھی نہ کر سکتی تھی اور اس کی یاد بھی اپنے ذہن سے مٹا دینا چاہتی تھی۔
یہ دونوں باتیں ناممکن تھیں.....
ملک العادل جادو کے ایک ستون کی مانند اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا

وہ ہوش ربا رات

شہزادی جین نے صاف لفظوں میں اقرار کر لیا تھا اسے عرب شہزادہ ملک العادل سے دلچسپی ہو گئی ہے۔ وہ نہیں جانتی تھی اس ”دلچسپی“ کو کس نام سے کرے گی مگر وہ اس حقیقت سے انکار نہ کر سکی کہ وہ ایک نامعلوم سی کشش ضرور محسوس کرتی تھی۔

یہ جذبہ جس نے اس کے دل میں سانپ کی طرح اچانک سر اٹھار ا اور اس کے پہلو میں ایک بے نام سی خلش پیدا کر دی تھی عرب شہزادہ کے احسان رد عمل تھا..... یا وہ..... اس کی بہادری اور دلیری سے متاثر تھی..... یا..... ملک العادل کے حسن سلوک نے اسے اپنا گرویدہ بنا لیا تھا..... یا..... اگر شہزادی کو اس کی صورت، اس کی قامت اور اس کی دل کش مسکراہٹ بھاگتی تھی؟

بہر حال اس ”کشش و دلچسپی“ کا کوئی نہ کوئی سبب ضرور تھا۔

وہ ابھی تک یہ فیصلہ بھی نہیں کر پائی تھی یہ عجیب و غریب جذبہ کسی محبت مظهر تھا یا محض ایک حادثاتی لگاؤ..... جو وقتی طور پر خود بخود پیدا ہوتا ہے اور وقت کی رفتار کے ساتھ آپ مٹ جاتا، مر جاتا، فنا ہو جاتا ہے۔ اس کی محرم راز سہیلی گرٹا کیرو اس انکشاف پر دم بخود رہ گئی تھی۔ کیونکہ وہ دونوں اپنے کنارے تھے جو کبھی ایک دوسرے سے نہیں مل سکتے تھے۔ پھر یہ دلچسپی، کشش، یہ لگاؤ، یہ الاؤ کیا تھا..... جو جین کے دل میں بھڑک اٹھا اور جس کی آج خود گرٹا محسوس کر رہی تھی۔

”اگر یہ بات بادشاہ کے کانوں تک جا پہنچی تو قیامت برپا ہو جائے گی۔“

”میں نہیں جانتی کیا ہو گا لیکن میں کل رات سے اس کشش میں مبتلا ہوں اور ابھی تک کسی نتیجہ پر نہیں پہنچ سکی۔ تمہی کوئی مشورہ دو۔ مجھے کیا کرنا چاہیے۔“

شہزادی کی باتیں سن کر گرٹا ایک عجیب سا خوف محسوس کر رہی تھی۔ جین واقعی اپنی زندگی کے حیرت بدوش سانحہ سے دوچار ہوئی تھی..... وہ اسے

تھا۔
اچانک گرٹا فیصلہ کن انداز میں بولی۔

”آپ کو عرب شہزادے کا خیال اپنے دل سے نکال دینا چاہیے ورنہ دنیا آپ پر ہنسے گی۔ جو شے آپ کے بس میں نہیں اس کی تمنا ہی فضول ہے۔“
”اس کا خیال ذہن سے نکل سکتا ہے لیکن دل سے نہیں۔“
”پھر یہ کیوں نہیں کہتیں آپ کا دل محبت کا شکار ہو گیا ہے۔“
”محبت.....“

یگھت جین تڑپ کر رہ گئی..... ”محبت“ کا لفظ ایک شعلے کی مانند اس کی سماعت سے ٹکرایا اور اس کے جذبات میں ایک ہلچل سی پیدا کر گیا تھا۔

”نہیں کیشتی.....! میں اس سے محبت نہیں کر سکتی..... تم نے غلط لفظ استعمال کیا ہے۔ اس نے میری جان بچائی..... مجھے دوبارہ زندگی بخشی..... میرے ساتھ حسن سلوک سے پیش آیا۔ اس کے عوض میں اس کی ممنون احسان ہوں..... اس کی ذات سے دلچسپی رکھتی ہوں۔ اس کے لیے میرے دل میں ہمدردی کا جذبہ ہے..... لیکن تم کہتی ہو میں اس سے محبت کرنے لگی ہوں۔ بھلا یہ کیسے ممکن ہے ہمارے درمیان تو خون کے دریا حائل ہیں۔“

گرٹا کا ذہن فضا میں اٹک کے رہ گیا اس نے حیرت پاش نگاہوں سے شہزادی کی طرف دیکھا اور اکھڑے ہوئے لہجہ میں بولی۔
”اگر میں نے غلط لفظ استعمال کیا ہے تو آپ کے دل میں یہ خلش اور بے چینی کیوں ہے؟“

”یہی تو میں معلوم کرنا چاہتی ہوں۔“

”یعنی آپ ابھی تک اس بے چینی کا مطلب بھی نہیں سمجھ سکیں۔“

”اب تم ہی سمجھا دو نا۔“

ایک انجانے سے خوف کے باوجود گرٹا کے سرخ ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ تیر گئی۔

”بیاری جین..... یہ خلش اور بے چینی ہی محبت کی دلیل ہے۔ بعض

”کیا آپ ایک بے دین عرب سے محبت کریں گی؟“

”محبت کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔“

وہ تعجب انگیز نگاہوں سے جین کو دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے اس سے پہلے بھی محبت کے موضوع پر باتیں کی تھیں۔

ہمدوم کے شاہی محلات کے جھروکوں میں بیٹھ کر جن کی الحرا نما محرابوں پر عشق پچاں کی بلیں شی ناگ کے بدن کی جنسی مہک پا کر تڑپنے اور بل کھانے والی ناگوں کی طرح جھول رہی تھیں۔ انہوں نے کئی مرتبہ عشق و الفت کی کہانیاں سنائی اور کتنی بار دل کی دھڑکنوں کے افسانے دہرائے تھے۔

سلی کے شاہی خاندان کی ایک نارمن شہزادی کسی فرانسیسی نواب پر عاشق ہو گئی تھی وہ نواب سے اپنی پوشیدہ ملاقاتوں کے عشق انگیز قصے سنا کر انہیں حیران کر دیا کرتی تھی اور وہ دونوں نانوس جلتے تک محبت کے لطیف احساسات میں کھوئی رہتی تھیں۔ ”قریباً“ ایک سال کے بعد اب وہ ٹورون کی چھاؤنی میں پھر اس لطیف جذبہ محبت پر اظہار خیال کر رہی تھیں لیکن اس مرتبہ ایک عجیب و غریب مشکل پیش آئی۔ محبت کے چشمے دو حریف اور دشمن قوموں کے درمیان پھوٹے تھے۔

جین کے صرف ایک فقرے نے گرینا کے دل میں ہزاروں خطرے بیدار کر دیئے اس کا یہ خیال کہ محبت کا مذہب نہیں ہوتا اس امر کی غمازی کر رہا تھا۔ انگریز شہزادی نے جس کا بھائی انگلستان سے صلیبوں کے لشکر لے کر مقدس جنگ لڑنے آیا تھا..... ایک دشمن صلیب..... اور دشمن ایمان عرب نائٹ کو اپنا محبوب تسلیم کر لیا ہے۔ اف..... یہ کیسی انہونی، کس قدر خطرناک اور کتنی عجیب بات ہے۔ لوگ سنیں گے تو شہزادی جین کے ساتھ رچرڈ شیردل کا بھی تسخیر اڑائیں گے۔ کیونکہ ایک مسیحی عورت کو یہ زیب نہیں دیتا۔ وہ کسی وحشی بے دین عرب سے محبت کرے خواہ پورے ایشیاء کا حکمران کیوں نہ ہو.....

یہ دین مسیح اور صلیب کی ٹھکی ہوئی توہین تھی۔ اور ایک عزیز و غمگسار سہیلی کی حیثیت سے اب گرینا کا فرض تھا وہ جین کو اس سے باز رکھنے کی کوشش کرے۔ اسے ایک ایسے سمندر میں چھلانگ لگانے سے روک دے جس کی تباہ کن موجیں اس کی عزت و حشمت کے علاوہ پوری دنیائے صلیب کی آبرو کو اپنے ساتھ بہا کر لے جائیں گی۔ اس نے جین کی طرف

پرندے طوفانوں کے آگے آگے پرواز کرتے اور ان کی آمد کی خبر دیتے ہیں۔ آپ کے دل کی غلغلہ ہی پرندہ ہے جو محبت کے طوفان کی خبر لایا ہے۔ بے فکر زبان سے آپ انکار کرتی رہیں لیکن آپ کا دل اقرار کر رہا ہے۔ کہ نگاہوں کے جادو اپنا کام کر چکے ہیں۔ ذرا اپنے دل سے پوچھ کر دیکھئے کیا وہ آپ کی زبان ساتھ دے سکے گا؟“

جین عجیب شش و پنج میں مبتلا تھی۔ ایک فکر انگیز پریشانی دھوئیں کی لہر کی طرح ہولے ہولے اس کے گرد احاطہ کر رہی تھی اور اس پریشانی کا باعث یہ تو کہ گرینا نے اس کی بے چینی کی صحیح وجہ بیان کر دی تھی۔

وہ نادان اور انجان نہ تھی..... اور ان فاصلوں کو خوب سمجھتی تھی جو عیسائیوں اور مسلمانوں کے درمیان واقع تھے۔ گذشتہ ایک صدی سے یہ فاصلے کچھ اور بڑھ گئے تھے اور لاکھوں انسانوں کا لبو انہیں سیراب کر چکا تھا۔ پچھلے دنوں رچرڈ اور ملک العادل کے مابین صلح کی سلسلہ جنسانی ضرور ہوئی تھی لیکن وہ بھی ان فاصلوں کو نہ پاٹ سکے۔ کوئی یروشلم سے دستبردار ہونے پر تیار نہ تھا..... ان حالات میں جب سروں پر تلواریں کھینچی ہوئی تھیں کیا اس محبت کوئی جواز مل سکتا تھا جسے وہ محض ”کشش و دلچسپی“ کے نام سے تعبیر کر رہی تھی.....؟“

گرینا نے محبت کا انکشاف کر کے اس کے سامنے مشکلات کا ایک پہاڑ مار کھڑا کر دیا تھا یہ بھی کچھ غلط نہ تھا۔ اگر بادشاہ کے کانوں تک اس حادثہ کی تک بھی پڑ جائے تو پھر واقعی ایک قیامت ٹوٹ سکتی ہے۔ لیکن یہ حادثہ، یہ ساڈ بالکل غیر اختیاری اور غیر ارادی طور سے ظہور میں آیا تھا جس نے انگریز شہزادی کے خیالوں میں زلزلہ سا ڈال دیا تھا۔ اچانک گرینا کی آواز نے اسے چاہا دیا۔

”آپ خاموش کیوں ہو گئیں۔ ذرا اپنے دل سے پوچھئے نا کیا وہ زبان ساتھ دیتا ہے۔“

”نہیں گئی۔ تم ٹھیک کہتی ہو..... مجھے اقرار کر لینا چاہیے میرے دل کی غلغلہ کا اصل نام محبت ہے وہ حسین جذبہ جو ہمارے وجود کو قائم رکھتا ہے۔“

گرینا تڑپ کر جیسے ہٹی اس کی حسین سیاہ آنکھوں سے حیرت کے سونے پھوٹ رہے تھے.....

دیکھ کر ایک سرد آہ بھری اور انتہائی موثر آواز میں کہنے لگی۔

”جین..... میری پیاری جین..... میں تو صرف ہنس رہی تھی۔ بھلا آپ ایک دشمن صلیب سے محبت کیوں کرنے لگیں..... ہاں..... اس نے آپ کی جان بچائی ہے۔ آپ کو اس سے ہمدردی ضرور ہے۔ اگر آپ بھی اس پر کوئی ایسا ہی احسان کر دیں جیسا اس نے کیا ہے تو وہ جذبہ جسے آپ محبت کہتی ہیں خود بخود نابود ہو جائے گا۔ کیونکہ محبت تو محض ایک خواب ہے جو جذبات انسانی کا مذاق اڑانے کے لیے رات کی تنہائیوں اور خاموشیوں میں جنم لیتا ہے۔ بلکہ اس سے بھی آسان لفظوں میں محبت ایک کمزوری ہے جو کمزور انسانوں کو ورثہ میں ملتی یا کسی احسان کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے.....“

”تمہارا خیال غلط ہے گرثا.....! محبت نہ تو احسان کے نتیجے میں پیدا ہوتی ہے۔ یہ انسان کی کمزوری ہے بلکہ ایک ایسی شراب ہے جسے قدرت دلوں کے پیانے پر انڈھلتی ہے۔ ایک ایسی کرن ہے جو احساس کی گہرائیوں سے پھوٹی ہے..... اور قلب و ذہن کو منور کر دیتی ہے۔“

جین نے متعجب و متوجہ گریٹا کی طرف دیکھا اور اس کے الفاظ بنت کیرو کے ذہن پر شعلوں کی طرح ناچ رہے تھے۔ وہ کہنے لگی۔

”تمہاری طرح پہلے میں نے بھی یہی سوچا تھا شاید محبت کا یہ جذبہ احسانمندی کا مظہر ہو۔ مگر جب میں نے غور کیا تو پتہ چلا اگر ملک عادل مجھ پر احسان کیے بغیر میرے سامنے آتا تو بھی اس کے متعلق میرے جذبات یہی ہوتے۔“

”اس کا مطلب ہے آپ واقعی اس سے محبت کرنے لگی ہیں۔“ جین کے عارضوں پر سرخی کی لہر دوڑ گئی۔ گرثا نے یہ کیفیت دیکھ لی تھی..... وہ تشویش انگیز لہجے میں بولی۔

”آپ نے انجام بھی سوچ لیا ہے۔“

”ہنگی.....! محبت کرنے والے انجام نہیں سوچا کرتے.....“

”ہو سکتا ہے جس خطرے کو آپ نظر انداز کر رہی ہیں اسے ملک عادل نے بھانپ لیا ہو۔ میرا مطلب ہے اس نے آپ سے اظہار محبت تو نہ کیا ہوگا.....“

جانتا ہے اس کھیل کا کیا نتیجہ ہوگا.....“

اس سوال پر جین نے کسی حسین تصور کے احساس سے اپنی آنکھیں بند کر لیں..... پھر کہنے لگی۔

”جی..... اس نے زبان سے بے شک اظہار نہیں کیا۔ وہ بہت محتاط گفتگو کرنے کا عادی ہے۔ لیکن اگر آنکھیں دل کی ترجمانی کر سکتی ہیں تو میں نے اس کی خاموش نگاہوں کی گفتگو ضرور سنی ہے جو مجھ پر قربان ہوئی جا رہی تھیں۔ اس کی گہری سیاہ آنکھوں نے جو اشیاء کی تاریک راتوں کے افسانے بنا رہی تھیں مجھے پیغام محبت دیا اور میں نے اپنے دل میں ایک غیر معمولی بے چینی محسوس کی..... وہ ایک رات جو میں نے عرب سردار کے غیموں میں گزاری ان سینکڑوں راتوں سے زیادہ جذبات انگیز اور قیامت آفرین تھی جو ہلمو کے شاہی محلات میں گزر گئیں۔ اس سے پہلے میں نے اپنے دل میں جذبات کا اتنا شدید تہوج کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ مصری کنیز رات بھر خوابوں کی طرح میرے ارد گرد منڈلاتی رہیں۔“

مجھے نیند نہیں آرہی تھی اور ارغوانی خیمے میں میرا میزبان بھی شاید جذبات کی شدت سے دو چار تھا۔ وہ تھوڑی دیر پہلے سلطان سے مل کر آیا اور بے حد پریشان نظر آتا تھا۔ جب میں نے مصری کنیز شجرہ سے اس کی پریشانی کا سبب پوچھا..... تو وہ کہنے لگی۔

”شہزادی صاحبہ جب تک آپ سو نہیں جاتیں..... میرے آقا کیسے آرام کر سکتے ہیں۔ آپ کی پریشانی نے ان کی نیند لوٹ لی ہے۔“

اور میں سمجھ گئی میری طرح دراصل اس کے دل میں بھی جذبات نے ہلچل مچا رکھی ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد شجرہ ارغوانی خیمہ سے آئی تو اس کے ہاتھ میں کمان کی شکل کا ایک مصری ساز تھا جس میں تاروں کے ساتھ لکڑی کے گول چھلے پرو دیے گئے تھے۔ ان چوبی چھلوں کو جنبش دینے پر تاروں سے حیرت انگیز موسیقی پھوٹی تھی۔

شجرہ نے مجھے بتایا۔ یہ ساز ہزاروں سال پرانا ہے۔ قدیم مصری اسے ”سترم“ کے نام سے یاد کرتے اور اس پر خواب آور گیت گایا کرتے تھے.....

”آقا حضور نے مجھے حکم دیا ہے میں آپ کو سترم کی موسیقی سے شاد کام کروں۔ اس کی نیند آوار سرس آپ کے ذہن کو سکون بخشیں گی اور میری

کرتے تھے جس کی سانولی سلونی لڑکیوں کو نیل کی سینکڑوں کمائیاں اذہر ہوا کرتی تھیں۔

میں رات بھر سو نہ سکی۔ ارغوانی خیمے کے میزبان کا عشق آفریں خیال میرے ذہن پر دستک دیتا رہا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت ملک العادل کی بھی تھی۔ زرد قدیلوں کی روشنی میں اس کا سایہ خیمے کی دیواروں پر حرکت کرتا رہا۔ میں محسوس کر رہی تھی وہ بھی میرے لیے بے قرار ہے وہ ایک پل کے لیے بھی آرام نہ کر سکا تھا۔

صبح جب منہ اندھیرے چھاؤنی میں تکبیر کی آواز بلند ہوئی اور موذن کی صدا نے رات کا پر اسرار سناٹا توڑ دیا تو غلام اس کے لیے آفتابہ میں پانی لے کر گیا۔ اس نے ہاتھ منہ دھویا اور عبادت کے لیے مسجد کی طرف نکل گیا۔ کینزیاں، نوکر غلام سب بیدار ہو چکے تھے۔ لیکن یہی وہ لمحہ تھا جب مجھ پر نیند کی غنودگی طاری ہوئی اور آپ سے آپ میری آنکھ لگ گئی۔ تھوڑی ہی دیر کے بعد شجرہ نے مجھے بیدار کر دیا۔۔۔۔۔ میری روانگی کا سامان تیار ہو چکا تھا۔۔۔۔۔ اس نے کہا۔

”شترادی صاحبہ ناشتہ کر لیجئے۔۔۔۔۔ حارث ابن ہشام اپنے کرد سواروں کو لیے آپ کا انتظار کر رہا ہے۔ آقا حضور کے حکم سے وہ آپ کو افرنگی چھاؤنی تک چھوڑنے جائے گا۔“

میں اپنے میزبان کو دیکھنے کے لیے بے تاب تھی۔ میں نے باتوں باتوں میں شجرہ سے دریافت کیا۔۔۔۔۔ ”تمہارے آقا کہاں ہیں۔۔۔۔۔؟“

گروہ یہی جواب دیتی رہی۔۔۔۔۔

”آقا مجھے حکم دے گئے تھے میں آپ کو روانگی کے لیے تیار کر دوں۔۔۔۔۔ کیا آپ پھر کبھی تشریف لائیں گی۔ ہمیں اپنی خدمت کا موقع دیں گی۔۔۔۔۔؟“

میں نے شجرہ کے سانولے چہرے کی طرف دیکھا جس کے تھیکے تھیکے دل کش خدوخال اس کے مصری الاصل ہونے کا پتہ دے رہے تھے پھر کہا۔

”کیا خبر میں دوبارہ آسکوں گی یا نہیں۔۔۔۔۔ لیکن یہ رات مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔“

”اگر آقا آپ کو بلائیں تب بھی نہیں آئیں گی۔“

”میرے پاس اس بات کا کوئی جواب نہ تھا مگر شجرہ کی آنکھیں میرے چہرے پر اپنے سوال کا جواب ڈھونڈ رہی تھیں۔

آنکھوں کے پوٹے جلنے لگے تھے۔ میں نے شجرہ کو اجازت دے دی کہ وہ چھیڑ دے۔

وہ میرے سرہانے ایک چوہی اسٹول پر بیٹھ کر سترم بجانے لگی اور کینزیاں ہلکے مور جھل سے ہوا کرتے لگیں۔

وہ رات جس آلود تھی۔۔۔۔۔ اگرچہ کبھی کبھی تنگ ہوا کا ایک آدھ جھوٹا بھی بدن کو چھوتا ہوا گزر جاتا تھا۔ لیکن اس رات خلاف معمول گرمی تھی۔ سترم پر وہ قدیم اور کف آفریں نغمہ چھیڑ دیا۔ جسے مصری مغنیائیں غز کے ساحلوں پر گایا کرتی تھیں گریٹا۔۔۔۔۔!

شائد تم یقین نہ کر سکو۔ وہ ایسی عجیب و غریب موسیقی تھی جو واقعی کینز اور لذت بخش اور روح میں اترتی جاتی تھی۔ اس نغمہ کی لہروں نے میرے دل میں محبت کی وحشت بیدار کر دی۔ روح کا سکون لوٹ لیا اور یوں محسوس ہوا لگا۔ میرے علاوہ پوری کائنات اس سحر انگیز موسیقی کے جادو میں ڈوب گئی ہے۔ وہ ایک ایسا ہی نغمہ تھا۔ جس نے مجھ پر خواب آور کی بجائے جنوں کی کیفیت طاری کر دی۔

جنون محبت۔۔۔۔۔

میں دیکھ رہی تھی۔ ارغوانی خیمے میں میرا میزبان بھی بے قرار و مضطرب ہے۔ حتیٰ کہ اس نے آواز دے کر شجرہ کو نغمہ نوازی سے روک دیا۔

آہ۔۔۔۔۔ یہ ایشیائی ساز بھی کس بلا کے ہوتے ہیں اور مشرقی کینزیاں ان کے تاروں سے کیسے کیسے طلسم آفریں راگ نکالتی ہیں۔

اس نغمہ کے کیف نے شدید سوچ بچار کی قوت چھین لی اور دل میں عجیب سا جذبہ انگڑائیاں لینے لگا۔ میرا جی چاہا مصری سے اٹھ کر ارغوانی خیمہ میں جاؤں اور ملک العادل کے قدموں پر اپنا سر رکھ دوں۔ اس کے مضبوط و بازوں میں سا جاؤں اور اس کے ساتھ ان طلسمی وادیوں میں اڑتی پھروں جن کمائی شجرہ نے اپنے نغمہ میں بیان کی ہے۔

آہ گریٹا۔۔۔۔۔ یہ سب اس مصری کینز شجرہ کی فسوں کاری تھی۔ جس نے سترم پر مصر قدیم کے رومانوں اور نیل کی عشق انگیز داستانوں کی دھن چھیڑی تھی۔ مجھے بعد میں معلوم ہوا شجرہ عین الشمس کے اس مصری قبیلہ سے رکھتی ہے جس کے افراد صدیوں قبل دیوتاؤں کے مندروں میں نغمہ

آخر میں نے کہہ دیا۔
”تمہارے آقا بھلا کیوں بلانے لگے۔“

”کاش میں اسے دل میں چھپا سکوں۔“
”مجھے کیا خبر تھی آپ اتنی وارفتہ ہو چکی ہیں لیکن اس کھیل کا انجام کیا ہوگا۔ وادی نیل کے رومان انگیز نغمہ کی تان کہاں ٹوٹے گی.....؟“

گریٹا کے لبوں پر شرارت آمیز تبسم تھا۔ گویا اس نے جین کا بیان محبت من و عن قبول کر لیا۔ اب سمجھانا بچھانا بے کار تھا۔ جین ذہنی طور پر اس منزل سے گزر آئی تھی۔ یا پھر ایک ہی رات کے واقعات نے اس کے دل پر کچھ ایسا سمرا اثر کیا تھا جس نے محبت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ شاید اس حسین حادثہ میں ایشیا کی روایتی کشش و دلچسپی اور مشرق کی عجیب و غریب رومان پرستی کو بھی دخل تھا۔

پھر وادی نیل کے انوکھے افسانوں اور فراعنہ کے دیس کی پر اسراریت نے بھی انگریز شہزادی کے خیالوں میں محبت کے طلسمی محل تعمیر کیے تھے۔ مصر کی سحر طراز اور سیاہ آنکھوں والی ملکہ قلوبطرہ عشق آفرین انگڑائیاں لے کر اس کے سراپا میں جاگ اٹھی تھی۔
عورت فطری طور پر روایت و حکایت کی پرستار ہے یہی وہ اسباب تھے جن کے پس منظر میں ایک عرب سردار کی ملاقات شاہی رومان میں ڈھل گئی تھی اور جین ان اسباب کے مقابلہ پر اپنے آپ کو بالکل بے بس اور لاچار محسوس کر رہی تھی۔

اس نے گریٹا کے سوال کا جواب نہیں دیا۔ آخر وہ کس کس سوال کا جواب دے گی۔
ملک العادل سیف الدین مصر میں شہزادہ ملک العزیز عثمان کا اتابک اور نظم سلطنت تھا اور اس کے خیموں میں ایک رات گزار آنے کے بعد وادی نیل اپنی تمام تر حسین روایتوں اور حکایتوں کے ساتھ انگریز شہزادی کے تخیل و تصور میں آ بسی تھی۔ بھلا وہ ان طلسمی محلات کو مسمار کیوں ہونے دیتی جن کے مدد و گنبدوں میں قدیم رومانوں کی صدائے بازگشت گونج رہی تھی۔ وہ رات جو الف لیلہ..... ایک ہزار راتوں..... سے زیادہ دلچسپ پر اسرار اور عشق انگیز ثابت ہوئی تھی..... اسے کیوں بھول سکتی تھی۔ اب تو اس نے وہ ہزار داستان جس

جس کے وسط میں تین بہترین ہیرے پرو دیے گئے تھے۔ اس نے وہ زنجیر مر طرف بڑھائی اور کہا۔
”میں آپ کو اور تو کوئی تحفہ نہیں دے سکتا..... میری طرف سے معمولی سی زنجیر قبول کیجئے۔“
جب زنجیر میرے ہاتھ میں پہنچی تو میں یہ دیکھ کر حیران رہ گئی اس کی کلنڈر میں ایک چھوٹی سی طلائی صلیب بھی موجود تھی۔ وسطی سفید ہیرا ہلال کی شکل میں تراشا گیا تھا۔ گویا ملک العادل نے صلیب و ہلال کو ایک جگہ اکٹھا کر دیا۔ میں نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ شب بیداری کی وجہ سے ان میں سرخ ڈورے ابھر آئے تھے اور پچھلے بھاری ہو رہے تھے۔ آہ وہ سحر انگیز آنکھیں مجھے پھر پیغام محبت دے رہی تھیں۔

میں نے چاہا ان کی گہری سیاہ آنکھوں میں ڈوب جاؤں لیکن روانگی کا وقت ہو چکا تھا۔ اپنے وعدے کے عین مطابق اس نے مجھے طلوع آفتاب سے پہلے رخصت کر دیا اور میں اپنے دل میں ایک نئی غلش ایک نئی بیماری لے کر روانہ ہوئی۔

گریٹا پیاری..... یہ ایک رات کی کہانی ہے..... ایک شب کا افسانہ.....
الف لیلہ کی سی طلسمی رات مجھے ہمیشہ یاد رہے گی۔ جب شجرہ کے عشق انگیز نغمہ پر میرا دل لذت آفریں دھڑکنوں سے دوچار ہوا اور وادی نیل کے قدیم گیتوں کی دھن مجھے محبت کی لاہوتی فضاؤں میں لے اڑی..... اور تم پوچھتی ہو کہ عربوں کا شریف نائٹ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے یا نہیں.....؟ کیا اس واقعہ کے بعد بھی کچھ کہنے کی ضرورت باقی رہ جاتی ہے؟“

یہ کہہ کر جین نے ایک طویل سانس لیا اور اپنی ریشمی چولی میں ہاتھ ڈال کر ایک طلائی زنجیر باہر نکالی جس میں ایک سفید ہیرا اور دو سرخ زمرہ آرائے تھے۔

”دیکھو گریٹا..... یہ ہے وہ زنجیر جو ملک العادل نے رخصت کے وقت مجھ پہنائی۔“ ہاتھ بڑھا کر گریٹا نے وہ زنجیر اٹھالی اور جوش مسرت میں بولی۔

کو تھکا دیا اور عربوں کی شجاعانہ مدافعت نے ان کے حوصلے سرد کر دیئے تھے۔

صلیب مقدس کے نام پر اب وہ پہلا سا جوش و خروش باقی نہ تھا۔ کیونکہ دو سال کے عرصہ میں دو لاکھ صلیبی نوروں کے قبرستانوں میں جاسوئے تھے اور تھکے ہارے سپاہی اپنے گھروں اور عزیزوں میں لوٹ جانا چاہتے تھے۔ اگرچہ فرانس اور انگلستان کے لشکروں کی آمد سے جنگی جوش و خروش پیدا ہو گیا تھا۔ وہ اسے صلیب اعظم! اے مزار مسیح.... کے نعرے لگاتے اور یروشلم کی زیارت کا شوق بھی رکھتے۔ لیکن اس دیار غیر میں اپنے آپ کو اجنبی اور بے بس محسوس کرتے تھے۔ راہبوں کے وعظ اور کیتھڈروں میں آسمانی نجات کے خوش آئندہ وعدے سن سن کر وہ اپنی زندگیوں کو داؤ پر لگائے بیٹھے تھے۔ یا پھر حسین و جمیل عورتوں اور قسم قسم کی شرابوں کا نشہ و سرور تھا۔ جن سے ان کی دلچسپی قائم تھی۔ ورنہ جہاد کی روح معنوی قطعی مفقود ہو چکی تھی۔ اس کے برعکس چین ایک ہی رات میں اسلامی چھاؤنی کے جو نظارے دیکھ آئی تھی۔ وہ عربوں کے جہت انگیز عسکری شعور کا پتہ دیتے تھے۔ ملیوں کے مقابلے میں ان کی تعداد بے شک قلیل تھی۔ یہ بھی ممکن تھا دو سال کی طویل جنگ اور ناقابل تلافی نقصانات کے بعد صلیبی لشکروں کے غول جوش کثرت میں عکا کو فتح کر لیں۔ لیکن یہ جنگ عکا کے لیے تو نہ لڑی جا رہی تھی۔ اصل مقصد صلیب الصلوب حاصل کرنا تھا۔ مسیحی یروشلم کے مرکز پر فلسطین و شام میں پھر وہی مقدس صلیبی سلطنت قائم کرنا چاہتے تھے۔ جسے صلاح الدین نے دیوانے کے خواب کی طرح منتشر کر دیا تھا کیا وہ صلیبی لشکروں کو یروشلم کی طرف بڑھنے دے گا۔

اس نے عرب سپاہیوں کو روح جہاد سے سرشار دیکھا تھا۔ وہ نہ تو ملیوں کی کثرت سے ہراساں تھے نہ انہیں انگلستان و فرانس کے تازہ دم لشکروں کی پرواہ تھی۔ وہ کسی قیمت پر القدس سے دست بردار ہونے پر تیار نہ تھے۔ ان حالات میں جنگ کو طول دینا حملہ آوروں کے لیے نقصان دہ تھا۔ اب کروسیڈ کی جنگی لہر ناکام و نامراد اور یورپ کے ساحلوں کی طرف لوٹ جائے یا صلیبی کوئی باعزت سمجھوتہ کر کے اپنے بے روح جہاد کی ناکامی پر مصلحت کا پردہ ڈال دیں لیکن صلہ کا تہہ کیا ہو۔ سمجھوتہ کی شرائط کس بنیاد پر طے کی جائیں۔

گریٹا کیرو اسے کوئی مشورہ نہ دے سکی۔

”بادشاہ ہی جانتے ہیں۔ اس موقع پر صلح کی گفتگو مناسب بھی ہے یا

کے متعلق وہ ایک عجیب سی بے چینی محسوس کر رہی تھی۔ اپنی محرم راز سے بھی بیان کردی اور اس کے دل کا بوجھ کچھ ہلکا ہو گیا۔

لیکن فوراً ہی ایک خیال سانپ بن کر اس کے ذہن میں ریگنے لگا۔ سانپ یہ سرخ ناگن ملکہ برنگیریا تھی۔

رچرڈ شیردل کی رفیقہ حیات.....

نہ جانے اس کے ذہن میں یہ وہم کیوں جاگ اٹھا تھا..... کہ عرب بادشاہ کو زہر دینے آیا ہے.....

کاش.....! بلکہ برنگیریا کے ساتھ بھی وہی کچھ پیش آیا ہوتا..... جو اسے پیش آیا تھا اور وہ بھی ملک العادل کے ارغوانی خیموں میں ایک رات گزارا ہوتی جیسے وہ گزار آئی تھی پھر اس عرب حکیم کی اہمیت و حیثیت آپ سے واضح ہو جاتی..... لیکن نوروں کی چھاؤنی میں اکثر عرب لوگ عربوں کی خصوصیت سے نا واقف تھے کہ وہ اپنے دشمن کے ساتھ بھی بعض اوقات دوستوں کی مانند سلوک کرتے ہیں۔

چین کو رہ رہ کے یہ خیال پریشان کیے دیتا تھا کہیں برنگیریا کوئی ایسی چھاؤ نہ کر بیٹھے جس کی وجہ سے اسے اپنے مہمانوں کے سامنے شرمسار ہونا پڑے۔

سر شام اطلاع آئی تھی بادشاہ کی طبیعت نہ صرف بحال ہو چکی بلکہ وہ پورا طرح صحت یاب معلوم ہوتا ہے۔ عرب مہمان ان پر آشوب ایان میں زیادہ نوروں میں قیام نہ کر سکتے تھے۔ ابن ہشام کو صبح اسلامی چھاؤنی کی طرف لوٹا تھا اور چین سوچ رہی تھی وہ ملک العادل اور اپنے بھائی رچرڈ کے درمیان جوئی کا سلسلہ پھر جاری کرا دے جو گذشتہ دنوں ٹوٹ چکا تھا لیکن یہ بات اس سمجھ میں نہیں آ سکی تھی۔ فریقین کو دوبارہ گفتگوئے صلح پر کس طرح آمادہ کر اس مقصد کے لیے اول تو اسے اپنے بھائی کو راضی کرنا تھا۔ وہ صلح کی نرم نرم شرائط مرتب کرے۔ دوسرے ملک العادل کی آمادگی اور رضامندی ضرور تھی تاکہ وہ سلطان سے منظوری حاصل کر سکے۔

جنگ و جدل اور حرب و ضرب کے بھڑکتے ہوئے آتشیں میدانوں میں جہاں تلواروں کا رقص ہوتا اور سپاہیوں کا خون بہتا تھا صرف صلح ہی ایک خیابان تھا جہاں اس کی امیدوں کے قافلے آرام کر سکتے تھے۔ جہاں اسے حسین خوابوں کی تعبیر ممکن تھی وہ جانتی تھی دو سال کی طویل جنگ نے ملیوں

ایک ایسا کھیل جس کی ناکامی کے متعلق وہ قطعی یقین کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔
 بہر حال کھیل دلچسپ تھا..... اب تو وہ خود اس ڈرامے کا کردار بن گئی اور
 دل ہی دل میں ایک انجانا سا خوف آمیز لطف محسوس کر رہی تھی۔

پوشو کا بہادر

نورون کی چھاؤنی میں شاہد و شراب کے ہنگامے گرم ہو گئے تھے۔
 بحیرہ روم کے ایشیائی ساحل پر جس زندہ راہ بحری ہوا کے جھوکوں سے
 آسودہ ہو رہی تھی اور جو کی ٹھنڈی شراب پی کر سپاہی ہوا خوری اور لطف و
 عیش کے لیے خیموں سے نکل آئے تھے۔ اب ان کے لڑکھڑاتے ہوئے قدم
 حسین ساروں کی تلاش میں تھے۔ ہر کوئی جانتا تھا یہ حسین سہارے کہاں میسر آ
 سکتے ہیں۔

اطالوی شراب خانوں میں سرشام ہی رنگین قیدیلیں روشن ہو جایا کرتیں
 جن کی جھللاتی ہوئی روشنیاں رات کے مسافروں کو منزل کا پتہ دیتی تھیں جنگ
 مقدس میں اطالوی تاجر صرف روپیہ کمانے نکلے تھے۔ انہوں نے خط کے ایام
 میں بھی خوب ہاتھ رنگے اور غلے کی ایک ایک بوری نوے نوے اشرفی میں
 فروخت کی تھی۔ اب وہ عیش و نشاط کے سامان فراہم کر کے روپیہ سمیٹ رہے
 تھے ان کے کلال خانے قسم قسم کی شرابوں سے بھرے رہتے تھے۔ اطالوی جہاز
 نورون کی ساحل پر زیادہ تر شراب کے کنیٹیریا سامان خورد و نوش ہی اتارتے
 تھے۔ مگر کبھی کبھار حسین و جوان لڑکیوں کی ٹولیاں بھی اترتیں جو بھوکے سپاہیوں
 کے ہاتھ بٹ جاتی تھیں۔ یہ عورتیں جہازوں کے ملاحوں اور بحری مزدوروں تک
 کو نواز دیتیں لیکن نورون میں پہنچنے کے بعد ان کے دام چڑھ جاتے اور وہ عام
 سپاہیوں کی بجائے کپتانوں، میجرز اور کرنلوں کے بازو ڈھونڈتی تھیں۔

قلعہ کی خندق کے آس پاس ’مخنیقوں‘ دباؤں اور قلعہ شکن بھاری آلات
 کی حفاظت کرنے والے بکتر بند دستے اور رسالے گھومتے پھرتے نظر آتے لیکن
 بسا اوقات افسر اور سپاہی شراب پی کر بدست ہو جاتے اور عربوں کو فحش ترین

نہیں..... کیا آپ یہ چاہتی ہیں تین لاکھ فرزند ان صلیبی عربوں کے سامنے لڑ
 ٹیک دیں..... حضور ایسا کبھی نہیں ہو سکتا.....“
 ”کاش.....! میں بھی تمہیں سمجھا سکتی میں کیا چاہتی ہوں.....“
 ”آپ ایک ایسا خواب دیکھ رہی ہیں جس کی تعبیر ممکن نہیں.....“

اس دوران نارمنڈی کی وہ کنیز آپہنچی جسے بادشاہ کے خیمہ کی طرف بھیجا
 تھا۔ اس نے اطلاع دی عالی جاہ اس وقت شاہ قلب اور کانرڈ سے گفتگو میں
 الجھے ہوئے کاؤنٹ ہنری اور آرچ بپ ہیورٹ والز بھی موجود ہیں۔ کوئی شخص
 ان کے خیمے میں نہیں جا سکتا۔ ایک خبر یہ بھی تھی کہ ملکہ برٹگیا نے شاہی گارا
 کو حکم دیا ہے جب تک وہ خود بادشاہ سے ملاقات نہ کرے عرب حکیم کو ان سے
 ملنے کی اجازت نہ دی جائے۔

جین انتہائی بے چینی کی حالت میں کھڑی ہو گئی اسے فوراً ہی کوئی تجویز
 سوجھ گئی تھی۔

”گریٹا..... ابن ہشام تمہارے باپ کے خیمہ میں ہے۔ میں چاہتی ہوں تم
 جا کر اسے میرے پاس لے آؤ۔ میں اسے ضروری پیغام دینا چاہتی ہوں۔ پھر
 شاید اس سے تنہائی میں ملاقات کا موقع نہ مل سکے۔“

”کیا ایک عرب کا شہزادی کے خیمہ میں داخلہ مناسب ہو گا.....“
 گریٹا کی آنکھیں حیرت سے چمک رہی تھیں وہ نہیں جانتی تھی کہ جین کا
 چاہتی ہے۔

”ٹھہرو..... میرے خیمے کی بجائے تم اسے اپنے خیمے میں لے کر آؤ.....
 بالذون سے کہہ دو..... اسے میں نے طلب کیا ہے بس اب دیر نہ کرو..... میں
 تمہارے کمرے میں اس کا انتظار کروں گی.....“

گریٹا نے عجیب و غریب حکم سنا اور سر جھکائے چپ چاپ باہر نکل گئی۔
 وہ سوچ رہی تھی۔

شاید شہزادی اپنے ملک العادل کو کوئی تحفہ بھیجنا چاہتی ہے یا..... نامہ
 محبت.....

وہ جانتی تھی۔
 جب ڈراما شروع ہو جائے تو اس کے منظر تبدیل نہیں کیے جاسکتے اور جین
 بھی اس کے نزدیک ایک ڈراما ہی کھیل رہی تھی۔

ہماری عمر میں تھا تو شراب کے بغیر ایک پر بھی نہ گزار سکتا تھا۔“
ابن ہشام نے اسے بتایا اسلام نے شراب نوشی حرام قرار دی ہے۔ کوئی مسلمان اسے منہ نہیں لگاتا۔ اگر کوئی اس تانوں کی خلاف ورزی کرے تو اس پر حد لگائی جاتی اور سزا دی جاتی ہے۔

بالذون یہ سن کر فرط حیرت سے اچھل کر کھڑ ہو گیا۔
”یعنی اسلام میں شراب پینے والے کو سزا دی جاتی ہے.....“
”بے شک..... خواہ وہ فرزند سلطان ہی کیوں نہ ہو.....“
”او گاڈ.....!“

بالذون نے حیرت و تعجب کا اظہار کیا اور قہقہہ لگا کر بولا۔
”پھر تو میں قیامت تک مسلمان نہیں ہو سکتا۔“
اپنی دانست میں اس نے اسلام پر طنز کی تھی..... ابن ہشام نے فوراً جواب دیا۔ ”گناہگار اصلاح اور سزا سے گھبرایا ہی کرتے ہیں.....“

اسی لمحے دور سے ایک عجیب و غریب آواز سنائی دی بالکل یوں معلوم ہوا جیسے کوئی وحشی ہاتھی چنگھاڑا یا کوئی دیوانہ گینڈا چیخا ہو۔ اس آواز کو سنتے ہی بالذون کے چہرے پر یکلخت خوف و دہشت کے آثار ہویدا ہوئے۔ اس نے گھبرا کر کرپانہ رکھ دیا پھر پریشانی کی حالت میں اپنے نائب کی طرف دیکھا۔
”گیری..... تم نے بھی یہ آواز سنی.....“

”ہاں.....“ گیری نے فکر مندانہ لہجے میں کہا..... ”اگر میری سماعت دھوکا نہیں کھاتی تو یہ نپٹو کے علاوہ کسی اور کی آواز نہیں ہو سکتی۔ وہ شیطان آج پھر کہاں سے آ نکلا۔“

”میں جانتا ہوں اس کی آمد کا مقصد کیا ہے؟“
کسی نہ معلوم خوف سے بالذون ڈی کیرو کی آواز کپکپا رہی تھی۔ اسی آن ایک سپاہی بھاگا بھاگا آیا اور انتہائی گھبراہٹ میں بالذون سے مخاطب ہوا۔
”جناب..... وہ نپٹو.....“
”ہاں کیا ہوا اسے.....؟“

”وہ شمشیر برہنہ لیے آپ کی تلاش میں چلا آتا ہے۔ اس وقت گلی کے موڑ پر پہنچ چکا ہوگا۔ جہاں سکاٹ لینڈ کے جوانوں کا کیمپ ہے وہ نشے میں دھت اور سخت برفروختہ ہے۔ وہ آپ کا نام لے کر بدکلامی کر رہا ہے۔ جناب وہ اسی طرف

گالیاں بھی نکالتے تھے۔ پھر غل غپاڑہ چماتے ہوئے وہ منجیوں اور دباؤں کی اوٹ میں آرام کے لیے لیٹ جاتے بس چند محافظ رات بھر قہقہے لگاتے اور بادہ نوشی میں مصروف رہتے تھے۔ پھر رات کے اندھیروں میں قلعہ کا دروازہ کھلتا اور عرب اور ترک سوار نیزے لہراتے ہوئے نکلتے اور صلیبی دستوں کو مار بھگاتے ان کا سامان اور گھوڑے لوٹ لیتے یا انہیں گرفتار کر کے قلعہ میں لے آتے اور بعد میں زر فدیہ لے کر چھوڑ دیتے۔

اس قسم کے بیسیوں مواقع پیش آئے بیسیوں مرتبہ اہل قلعہ نے انہیں لوہا اور گرفتار کیا۔ مگر شراب افرونگی سپاہیوں کا جزو حیات بن چکی تھی اسے ترک کر کے وہ لطف زندگی سے محروم نہ ہونا چاہتے تھے۔ بعض اوقات فاحشہ عورتیں ان حفاظتی چوکیوں میں بھی پہنچ جاتی تھیں۔ رقص و بادہ کے دور چلاتے اور رومانی موسیقی کی دھنوں پر عورتیں اور مرد بانہوں میں بانہیں ڈال کر ناچتے تھے۔

بحری سپاہیوں کی مخملین جہازوں میں جہتی تھیں۔ بڑے بڑے جہازوں کے عرشہ پر شراب کے چوبی کنیئر اور ڈرم کھول دیے جاتے۔ متوالے ڈونگے بھر بھر کر پیٹے اور نینبو کی دھن پر مل کر گاتے یا چند نیم عریاں عورتوں کے گرد گھیرا ڈال کر رقص کرتے تھے۔ رات کے وقت نورون کی چھاؤنی لذت و مستی کی جنت بن جاتی تھی۔ چار پانچ میل کے رقبہ میں نورون کا محلہ ہر حلقہ ہر سیکڑ عورت اور شراب کی بد مستی میں کھو جاتا تھا۔

○

بالذون ڈی کیرو بے حد حیران تھا کسی بھی عرب مہمان نے شراب کو ہاتھ نہ لگایا حالانکہ وہ تو بے پئے ڈوئل بھی نہ لڑ سکتا تھا اس کی نوجوانی کا زمانہ رچرڈ کے ساتھ فرانس کے صوبہ پوشو میں گزرا جہاں اس نے کئی فرانسی ہماروں سے ڈوئل جیتا تھا لیکن شام کے بعد جب تک وہ شراب کے چند جرے نہ چڑھا لیتا اسے اپنی تلوار بھی نظر نہ آیا کرتی تھی۔

اس نے حیرت زدہ نگاہوں سے ابن ہشام کی طرف دیکھا اور چھٹا پیمانہ حلق میں انڈیلنے کے بعد کہنے لگا۔

”تعجب ہے تم لوگ شراب نہیں پیتے..... خداوند کی قسم.....! جب میں

آ رہا ہے۔“

بالڈون نے بحالت خوف یہ سب کچھ سنا پھر بولا۔

”کوئی بات نہیں..... اسے روکنے یا مقابلہ کرنے کی ضرورت نہیں۔“

کمپ کا چوٹی دروازہ بند کر دو۔“

”لیکن وہ بہت مشتعل ہے۔ وہ دروازہ توڑ دے گا یا کمپ کی دیوار پھاڑ

دے گا۔ خدا کے لیے آپ یہاں سے ٹل جائیے ورنہ کوئی نہ کوئی ناخوشگوار حادثہ ضرور پیش آئے گا۔“

بالڈون نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے چہرے پر بدستور خوف و ہراس کی پرچھائیاں تھر تھرا رہی تھیں۔ اچانک ایک گرجتی ہوئی آواز فضا میں گونج پیدا کرتی ہوئی ابھری۔

”بالڈون..... او سرخ لومڑ! تو کہاں ہے؟“

سپاہی پھر کہنے لگا۔

”سن لیا آپ نے..... جناب! وہ بالکل وحشی ہو رہا ہے۔ آپ ٹل جائیں

یہاں سے۔“

اس مرتبہ گیری نے بھی یہی مشورہ دیا۔

”بہتر یہی ہے آپ ہٹ جائیں اگر وہ یہاں آ پہنچا تو خون خرابہ ضرور

ہوگا۔“

نپٹو کی آواز پھر گونجی.....

شراب کے نشہ میں اس کا لہجہ بگڑ چکا تھا۔

”قصہ کیا ہے.....؟“

ابن ہشام نے پہلی مرتبہ اس گفتگو میں حصہ لیا۔ وہ بالڈون اور اس کے

ساتھیوں کے گھبرائے ہوئے چہرے دیکھ کر اتنا تو سمجھ ہی گیا تھا۔ نپٹو اس کا کوئی دشمن ہے لیکن وہ کیا چاہتا ہے اور اس وقت کیوں بالڈون کے خیموں کی جانب چلا آتا ہے؟“

”کیا بتاؤں.....“ بالڈون نے ایک لمحہ ٹھہر کر بولا..... ”نپٹو پوشو کا ایک

وحشی سردار ہے جس نے کنگ رچرڈ کو نوجوانی میں شمشیر زنی سکھائی تھی۔ اس کا دعویٰ ہے یورپ اور انگلستان میں اس سے ماہر شمشیر زن کوئی نہیں اور یہ دعویٰ کچھ غلط بھی نہیں۔ صرف بادشاہ ہی اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔ کیونکہ وہ تلوار کا

دھنی ہے۔ دوسرے کسی شخص کو نپٹو کے سامنے آنے کی ہمت نہیں ہو سکتی۔

ایک رات وہ اسی حالت میں نکلا تھا اور پانچ انگریز سپاہیوں نے کیے بعد دیگرے اسے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ سب اس کے ہاتھ سے مارے گئے۔

بت المناک حادثہ تھا۔“

”کیا آپ کی اس سے کوئی دشمنی ہے.....“

”عجیب واقعہ ہے نپٹو کو کتے پالنے کا شوق ہے اعلیٰ نسل کا ایک بل ڈاگ وہ یہاں بھی اپنے ساتھ لیے پھرتا تھا۔ جون کے پہلے ہفتہ کا ذکر ہے وہ اپنے کتے کے ہمراہ ساحل سمندر کی بالو پر سیر کو نکلا۔ صبح کا وقت تھا بعض معززین خواتین بھی ہائٹوں کے ساتھ ساحل پر چل قدمی کر رہی تھی۔

اچانک نپٹو کا خوفناک کتا ایک جوان اور خوبصورت بیگم پر جھپٹا۔ اس کی چیخ نے تمام لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ میں نے بیگم کو کتے سے چھڑایا مگر وہ خوفناک کتا اسے چھوڑ کر مجھ پر چڑھ دوڑا حتیٰ کہ مجھے اپنی جان کے لالے پڑ گئے۔ نپٹو دور کھڑا وحشیوں کی طرح مسکراتا رہا۔

میں نے اسے آواز دی..... کتے کو روکے..... لیکن اس نے مطلق توجہ نہ دی۔ الٹا میری حالت سے لطف اندوز ہوتا رہا۔ آخر میں نے تلوار سے کتے کا کام تمام کر دیا اور آگے بڑھ گیا۔ نپٹو متحیر کھڑا اپنے عزیز ہاتھی کی موت کا نظارہ کر رہا تھا۔ پھر یک لخت اس پر وحشت سوار ہو گئی اور وہ تلوار لے کر میرے تعاقب میں چل دیا۔ اس روز کوئی ایسا ہی اتفاق ہوا میری اور نپٹو کی ملاقات نہ ہو سکی۔ لیکن تیسرے روز جب وہ شام کو بیٹھا شراب پی رہا تھا اسے اپنے جینی کی یاد بری طرح ستانے لگی اور مجھ سے اس کے خون کا بدلہ لینے کے لیے شمشیر بکت میری تلاش میں روانہ ہوا۔ اس رات بھی میرے خیموں کی طرف چل دیا۔ نشے میں وہ بدزبانی بھی کر رہا تھا جس پر یکے بعد دیگرے پانچ آدمیوں نے اسے روکنے کی کوشش کی اور اس وحشی نے ان پانچوں کو ہلاک کر دیا۔

اتفاق سے اس رات میں بادشاہ کی خدمت میں تھا کیونکہ یہاں آتے ہی وہ نوکی دبا کا شکار ہو گئے تھے۔ ان اتفاقات سے نپٹو نے یہ سمجھ لیا میں جان بوجھ کر اس کے مقابلے میں آنے سے گریز کر رہا ہوں۔ اس کا یہ خیال کسی حد تک درست بھی ہے۔ میں اس شمشیر زنی میں کسی طرح جیت نہیں سکتا۔ تلوار اس کے ہاتھ میں یوں چلتی ہے جیسے جادو کی چھڑی ہو۔ اب وہ جس رات کثرت سے

شراب پی لیتا ہے مجھے مارنے کا جنون لے کر ادھر آ جاتا اور خوب ہڑونگ پہنک کسی خیمے میں گھسنے کی کوشش نہیں کی تھی لیکن کیا معلوم ایک شرابی کی ذہنی ہے۔ اب تو کوئی شخص اسے روکنے کی جرات بھی نہیں کرتا۔ اس کی وحشت اچانک کس جانب رخ کر لے۔ گردی کا حال بادشاہ کے کانوں تک بھی جا پہنچا ہے تو یہ مصیبت ہے.....“

دیران گلی میں پنپو کسی خوفناک دیو کی مانند اندھا دھند دروازہ پیٹ رہا تھا اور بادشاہ نے کوئی اقدام نہیں کیا.....؟“

ہراس کے منہ سے گالیوں کا فوارہ پھوٹ نکلا۔

”وہ اس بیماری کی حالت میں کر بھی کیا سکتے ہیں۔ لیکن میرا خیال ہے مجھ ساری گلی، سارا کیپ خاموش تھا۔ اس خاموشی میں صرف پنپو کی بک بک یاب ہوتے ہی سب سے پہلے ہٹو سے خود نمٹنے کا ارادہ رکھتے ہیں.....“

درجک جھک، چیخ، دھاڑ، غراہٹ اور بللاہٹ گونج رہی تھی نہ جانے اس کے باہر خیموں کی گلی میں پنپو کی چنگھاڑتی ہوئی آواز بلند ہوئی اور اس کی میں کیا لہر آئی وہ دروازہ چھوڑ کر گھائی کی طرف بڑھتا گیا اور ابھی پہلے ہی جواب میں فضا پر ایک ہراس انگیز سناٹا چھا گیا۔

بالڈون اچھل کر کھڑا ہوا اور بولا۔

”میں اس دروازے سے دوسری سمت نکل جاتا ہوں۔ مگر آپ مطمئن لڑکی نے دیکھا اس کی ٹکر کسی عام آدمی سے نہیں بلکہ پنپو ایسے وحشی سے رہے۔ اول تو کیپ کا بیرونی دروازہ بند کر دیا گیا ہے اگر وہ دیوار پھاند کر اندر دے تو ڈر کے مارے بے اختیار اس کے ہونٹوں پر ایک لرزہ خیز چیخ بلند آ بھی گیا تو آپ سے ہرگز نہیں اچھے گا۔ اسے تو بس مجھ سے انتقام لینا ہے.....“ دئی.....

وہ جاتے جاتے پھر پلٹا۔

یہ چیخ گریٹا کیرو کے ہونٹوں پر تڑپتی تھی۔

”اور یہ بات یاد رکھیے، پنپو سے الجھنے کی ضرورت نہیں۔ صبح جب اس کا گریٹا اپنے ہی خیالوں میں ڈوبی چلی آ رہی تھی۔ غالباً اس نے کیپ کی گلی نشہ کافور ہوتا ہے وہ اپنے وحشیانہ رویہ پر اظہار افسوس کرتا ہے۔ دراصل میں پنپو کے دھاڑنے اور چنگھاڑنے کی آوازیں نہ سنی تھیں۔ اگر سنی بھی ہوں شراب کے نشے میں اسے کچھ نہیں سوچتا اور گیری تم یہیں رہو گے۔“

ان پر مطلق توجہ نہ دی تھی۔ وہ تو بس اسی فکر میں غلطان چلی آتی تھی اس کی یہ ہدایات دے کر بالڈون بڑی عجلت کے ساتھ خیمے کے عقبی دروازہ سے ماکن شرازی جین نے ایک عرب ٹائٹ سے دل لگا کر مستقبل کے بھیانک باہر نکل گیا۔ بن ہشام اور اس کے عرب ساتھی یہ عجیب و غریب ماجرا سن کر طرلوں کو دعوت دی ہے اور اب نہ جانے وہ عرب حکیم کے ہاتھ اسے کیا پیغام دنگ رہ گئے۔ اچانک کیپ کے بیرونی دروازے پر جیسے کوئی بھیانک زلزلہ طاری ہوئے والی ہے۔

ہو گیا۔ اس کے ساتھ ہی پنپو کے چنگھاڑنے اور دھاڑنے کی آوازیں آنے لگیں.....“

ان ہی خیالوں میں گرم سم وہ اپنے باپ کے کیپ تک آئی اور گلی کا موڑ ڈرتے ہوئے خود اس وحشت ناک اور ہول انگیز خطرے سے ٹکرا گئی جس کا نام پنپو تھا۔

وہ بالڈون کو بہت فحش گالیاں دے رہا تھا۔

جوں ہی گریٹا کی چیخ بلند ہوئی پنپو نے لپک کر اس کی کلائی دیوچنی اور

فوناک آواز میں غرایا۔

”خاموش ہو جاؤ کون ہو تم.....؟“

گلی کے خیموں کی کمزریوں اور درپوں سے متعدد آنکھیں وحشی پنپو کو جھانک رہی تھیں۔ جو شمشیر برہنہ ہاتھ میں لیے بالڈون کو مقابلہ کے لیے لٹکار رہے تھے۔ پنپو غصہ میں اسے گھسیٹتا ہوا اس مشعل کے روشن تھا۔ لوگ اپنے اپنے خیموں میں سے اور دیکے پڑے تھے۔ اگرچہ پنپو نے آج

اس وحشیانہ غراہٹ کو سن کر گریٹا کو محسوس ہوا جیسے خون اس کی نبضوں میں بجھ رہا ہے۔ پنپو غصہ میں اسے گھسیٹتا ہوا اس مشعل کے روشن میں لے آیا جو بالڈون کے دروازے سے چند قدم کے فاصلے پر جل رہی

تھی۔ لرزتی ہوئی زرد روشنی کی لہروں میں اس نے بار بار اپنی پلکیں جھپک کر بڑے غور سے تعجب سے اسے دیکھتا رہا۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ایک لرزہ قہقہہ تاج اٹھا۔

”اوہو..... ہو ہو ہو..... آہا..... آہا..... میں نے تم کو پہچان لیا ہو ہو ہو..... تم گاریٹا کیرو بالڈون..... ڈی..... کیرو کی لاڑکی..... ہی ہی ہی..... کیا ٹھیک.....“

بچہ کی خوفناک ہنسی کی لہرس ناگوں کی مانند گریٹا کے ذہن میں ناچنے لگی۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے ایک ساتھ ہزاروں بچھوؤں نے اسے ڈس لیا۔ اس کے شراب آلود سانس کے بھیکے نازک اندام لڑکی کے منتھوں سے ٹکرا کر اس کی خوفناک سرخ آنکھوں میں نیلی نیلی پتلیاں تھرکنے لگیں جیسے اسے منہ شکار مل گیا ہو۔ لڑکی نے اس ظالم دیو کے پنجے سے اپنی کلائی چھڑانے کی کوشش کی لیکن اس کا انجام بجز ناکامی اور جھلاہٹ کے اور کیا ہو سکتا تھا۔

بچہ کی آہنی گرفت کچھ اور مضبوط ہو گئی۔ اچانک وہ غصہ میں چیخ اٹھا۔

”ہنی..... اگر شور مچایا تو میں تم کو قتل کر دوں گا۔“

یہ کہہ کر اس نے اپنی تلوار گریٹا کی آنکھوں کے سامنے لہرائی۔

”تم میرے جیسی سے زیادہ پیار..... ری نہیں ہو۔“

بچہ کی آواز نشہ کی شدت سے لڑکھڑاہی تھی۔ اس نے ایک جھٹکے گریٹا کو اپنے بازوؤں پر جھکا لیا..... اور شراب آلود ہونٹ اس کے چہرے طرف جھکا لیے۔

”نہیں..... نہیں۔“

گریٹا کی دوسری چیخ خاموش فضا کا سینہ چیرتی ہوئی نکل گئی۔ وہ مچھلی کی طرح تڑپ کر اس کے حلقہ سے نکلی لیکن اپنی کلائی پھر بھی نہ چھڑا سکی۔ گلی۔ خیموں کی کھڑکیوں اور روزنوں سے کئی سہمی ہوئی آنکھوں نے یہ وحشیانہ دیکھا لیکن کسی میں اتنی جرات نہیں تھی وہ باہر نکلتا اور لڑکی کو اس خونخوار سے چھڑانے کی کوشش کرتا۔

جب وہ دوسری مرتبہ چیخیں تو وحشی بچہ نے فوراً ”تلوار کی نوک اس حلق پر رکھ دی۔“

”اب اگر چینیں تو قتل کر دوں گا۔“

بچہ نے مڑ کر قمر آلود نگاہوں سے دیکھا اور درط حیرت میں ڈوب گیا۔

تڑپ کر اس کے حلقہ سے نکلی لیکن اپنی کلائی پھر بھی نہ چھڑا سکی۔ گلی۔ خیموں کی کھڑکیوں اور روزنوں سے کئی سہمی ہوئی آنکھوں نے یہ وحشیانہ دیکھا لیکن کسی میں اتنی جرات نہیں تھی وہ باہر نکلتا اور لڑکی کو اس خونخوار سے چھڑانے کی کوشش کرتا۔

”عارش ابن ہشام.....“

بچہ اور گریٹا کی نظریں ایک ساتھ اس کے چہرے کا جائزہ لے رہی تھیں..... عرب نوجوان پھر گر جا۔

”تم نے سنا نہیں..... لڑکی کا ہاتھ چھوڑ دو.....“

جلد ہی نینو کا جوش و خروش سرد پڑنے لگا۔ ابن ہشام نے اسے بری طرح جھکا دیا اور اس کے ہر وار کو اس چابکدستی سے روکا تھا کہ دشمن بھی دنگ رہ گیا۔

اب..... ابن ہشام کے حملہ کرنے کی باری تھی۔ اس نے پورے اطمینان کے ساتھ پہلا وار کیا اور دشمن کے سینے پر تلوار کی نوک سے ریڈ کر اس کا نشان بنادیا۔ نینو گھبرا کر پیچھے ہٹا ابن ہشام نے دوسرا وار کیا اور اس کے شانے پر خون کی لکیر کھینچ دی۔

پوشو کا تیغ زن بوٹھلا اٹھا..... اس کا تمام نشہ ہرن ہو گیا۔ اب وہ ہولے ہولے پیچھے ہٹتا چلا جا رہا تھا مگر ابن ہشام نے اسے سنبھلے کا موقع ہی نہ دیا۔ تیسرے وار میں تلوار اس کی پسیلوں کے درمیان کھبتی چلی گئی اور جب لوچاٹ کر باہر آئی تو نینو کی خوفناک رعد انگیز اور زلزلہ افکن آواز سے فضا تھرا اٹھی۔ دوسرے ہی لمحے وہ لڑکھڑاتا خرخراتا اور اپنے حلق سے مکروہ چیخیں نکالتا ہوا زمین پر ڈھیر ہو گیا اور تڑپ کر لمبے سانس لینے لگا۔

ابن ہشام اپنی خون آشام تلوار زمین پر ٹیک کر اس کے سامنے ہی کھڑا رہا۔

نینو کے جسم سے لو فوارے کی طرح ابل رہا تھا۔ اس کے تمام کپڑے خون میں لت پت ہو گئے۔ تھوڑی ہی دیر میں پوش کے ہمار کی گردن ڈھلک گئی۔ وہ ہمیشہ کے لیے گری نیند سو گیا۔ اسی لمحے گرنا بھاگ کر آئی اور ابن ہشام کے قدموں سے لپٹ گئی۔

وہ گلوگیر آواز میں بولی۔
”معزز مہمان..... میں آپ کی شکر گزار ہوں..... میرا دل احسان مندی کے جذبات سے لبریز ہے۔ آپ نے ہمیں ایک وحشی درندے سے نجات دلائی۔“

فوراً ہی حادث نے جھک کر گرنا کو بازوؤں سے تھام لیا اور اسے اٹھاتے ہوئے جواب دیا۔

”میں نے کوئی احسان نہیں کیا۔ آپ مجھے شرمندہ نہ کریں ہو سکتا ہے یہاں بعض لوگ اسی قتل پر مجھے ملامت کریں آخر وہ آپ کا ہم قوم تھا۔“

نینو کسی لڑکی کا ہاتھ پکڑ لینے کے بعد چھوڑنے کا عادی نہیں.....
ہو..... ہو..... ہو.....

اس نے اپنی گرفت پھر مضبوط کر لی..... اس کے ساتھ ہی نینو کے تلوار کا اٹنا ہاتھ کچھ اس طرح پڑا کہ اس کا بازو لٹک کے رہ گیا اور گرنا سے لپک کر اپنے محافظ کی پشت پر آ گئی۔ ابن ہشام کی ایک ہی ضرب نے وحشی نینو کے پنجے سے آزاد کر دیا تھا۔

تلوار کی یہ ضرب گویا اعلان جنگ تھا۔ جس نے نینو ایسے وحشی شمشیر غصہناک کر دیا اور پوشو کا لڑاکا جس نے رچرڈ شیردل کو تیغ زنی سکھائی تھی۔ کے کوندے کی طرح تلوار سونت کر سامنے آ گیا۔ ابن ہشام غافل نہیں تھا۔ نے تیزی سے پینترا بدلا اور اپنی نظریں نینو کی تلوار پر جمادیں دراصل وہ کرنے سے پہلے اپنے غیر معمولی حریف کے چند مخصوص وار دیکھ لینا چاہتا تھا۔ نینو غصے سے دیوانہ وار کسی جنگلی بھینسے کی طرح پھنکار رہا تھا۔ اس نے کو حرکت دی اور پھر بھرپور وار کیا ابن ہشام نے اس وار کو تلوار پر روکا۔ لوہے سے ٹکرایا اور اندھیرے میں ”بھمن.....“ کی آواز دور تک گونجی۔ گئی۔ پھر یہ آواز بار بار اور بہت تیزی سے بلند ہوتی چلی گئی۔

نینو نے پے در پے کئی خطرناک حملے کیے جو سب کے سب روک لیے گئے۔ ابن ہشام بڑی ہوشیاری سے مدافعتانہ جنگ لڑ رہا تھا۔ پوشو کا شمشیر زن جبکہ رہ گیا اس کا ایک وار بھی کارگر نہ ہوا حالانکہ اتنی دیر تک کوئی حریف اس مقابلے پر نہ ٹھہر سکتا تھا۔ اس احساس نے اسے اور مشتعل کر دیا اور وہ دھند تلوار چلانے لگا۔

خمیوں کے درپے اور روزن کھل گئے۔ کئی چہرے حیرت و تعجب جھانک رہے تھے۔ بعض لوگ ہمت کر کے باہر بھی نکل آئے لیکن وہ دور کھڑے یہ خیرزا مقابلہ دیکھتے رہے۔ گرنا جو خوف و دہشت کے مارے سم تھی۔ اب ایک طرف ہٹ کر کھڑی ابن ہشام کو انتہائی دلچسپی سے گھور رہی تھی۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی جہاں افرنگی ہمار ایک مظلوم لڑکی کی سن کر ہٹو کے ڈر سے خمیوں میں دبک جائیں گے۔ وہاں عرب مہمان اور حفاظت کی خاطر تلوار سونتے نکل آئے گا اور ایک ہی ضرب سے اسے دیوانہ وحشی کے پنجے سے چھڑا لے گا۔

”نہیں ابن ہشام..... سب لوگ آپ کی بہادری پر عیش عیش کر رہے ہیں۔ یہاں کوئی آپ کو ملامت نہیں کرے گا۔ پنپو عیسائی ضرور تھا لیکن عیسائیوں کا قاتل بھی تھا اور آپ نے میری بیٹی کی عزت ہی نہیں بچائی مظلوموں کا انتقام بھی لیا ہے جو اس وحشی کی تلوار کا لقمہ بن گئے تھے۔“

یہ بالڈون ڈی کیرو کی آواز تھی جو ایک اندھیرے گوشے سے نکل کر ہی رد شنی کے مدھم سے حلقہ میں آگیا تھا۔ پھر اور بھی کئی لوگ ادھر ادھر اس کے گرد جمع ہو گئے۔ وہ سب اس نوجوان اور خوش شکل عرب کو حیرت استعجاب کی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ جس نے پنپو ایسے شمشیر زن کے مقابلے میں ایسی نمایاں کامیابی حاصل کی تھی۔ پھر گریٹا نے اپنے باپ کے کان پر سرگوشی کرتے ہوئے بتایا وہ عرب مہمان ہی کو اپنے ساتھ لے جانے کی غاڑی میں آئی اور پنپو کے چنگل میں پھنس گئی تھی۔

چند لمحے بعد ابن ہشام گریٹا کے ساتھ انگلستان کے شاہی خیموں کی طرف رہا تھا اور بنت کیرو بڑے فخر سے اس کے پہلو بہ پہلو چل رہی تھی۔ اس دل میں جذبات کا ایک ہیجان سا پچا تھا۔ عرب نوجوان کی حیرت انگیز بہادری اور شمشیر زنی نے اس کی دنیا ہی بدل کے رکھ دی تھی۔

چند لمحے بعد ابن ہشام گریٹا کے ساتھ انگلستان کے شاہی خیموں کی طرف رہا تھا اور بنت کیرو بڑے فخر سے اس کے پہلو بہ پہلو چل رہی تھی۔ اس دل میں جذبات کا ایک ہیجان سا پچا تھا۔ عرب نوجوان کی حیرت انگیز بہادری اور شمشیر زنی نے اس کی دنیا ہی بدل کے رکھ دی تھی۔

چند لمحے بعد ابن ہشام گریٹا کے ساتھ انگلستان کے شاہی خیموں کی طرف رہا تھا اور بنت کیرو بڑے فخر سے اس کے پہلو بہ پہلو چل رہی تھی۔ اس دل میں جذبات کا ایک ہیجان سا پچا تھا۔ عرب نوجوان کی حیرت انگیز بہادری اور شمشیر زنی نے اس کی دنیا ہی بدل کے رکھ دی تھی۔

چند لمحے بعد ابن ہشام گریٹا کے ساتھ انگلستان کے شاہی خیموں کی طرف رہا تھا اور بنت کیرو بڑے فخر سے اس کے پہلو بہ پہلو چل رہی تھی۔ اس دل میں جذبات کا ایک ہیجان سا پچا تھا۔ عرب نوجوان کی حیرت انگیز بہادری اور شمشیر زنی نے اس کی دنیا ہی بدل کے رکھ دی تھی۔

چند لمحے بعد ابن ہشام گریٹا کے ساتھ انگلستان کے شاہی خیموں کی طرف رہا تھا اور بنت کیرو بڑے فخر سے اس کے پہلو بہ پہلو چل رہی تھی۔ اس دل میں جذبات کا ایک ہیجان سا پچا تھا۔ عرب نوجوان کی حیرت انگیز بہادری اور شمشیر زنی نے اس کی دنیا ہی بدل کے رکھ دی تھی۔

”ہاں..... یہ درست ہے۔“

”لیکن یہ نہایت نامناسب بات ہے یور میجسٹی..... آپ کو دشمن پر اس اعتماد نہیں کرنا چاہیے۔ میں یہی درخواست لے کر حاضر ہوئی ہوں۔ حضور! مزید بے احتیاطی نہ فرمائیں اور عرب حکیم کو رخصت کر دیں۔ میں نے اس وقت سے یہ ناشدنی خبر سنی ہے..... میرا دل قابو میں نہیں ہے۔“

رچرڈ نے کمال ضبط و صبر سے اپنی ملکہ کی گفتگو سنی وہ اس موضوع کو بحث نہ لانا چاہتا تھا۔ تھوڑی دیر پہلے جب آرچ بشپ نے بتایا عرب حکیم کی استعمال کر کے بادشاہ نے صلیبی مفاد کو نقصان پہنچایا ہے۔ تو بھی وہ خاموش تھا۔ اب اس کی عزیز بیوی گویا اسے ملامت کرنے آئی تھی۔

تعب تو اس بات پر تھا ملکہ نے اپنے خاوند کے سب سے بڑے حریف فرانس کی موجودگی کا بھی کچھ خیال نہ کیا اور جوش جذبات میں سب کچھ کہہ دیا جو اسے دشمن کے سامنے ہرگز نہ کہنا چاہیے تھا۔ اس کا مطلب تو یہ تھا۔ رچرڈ شیردل اول درجے کا احمق انسان ہے جسے عورتیں تک ضبط و احتیاط کی تلقین کسکتی ہیں۔

رچرڈ نے قبر آلود نظروں سے برنگیریا کی طرف دیکھا۔ ہیو برٹ والزر کو سے مخاطب ہوا۔ ”آپ کی آمد سے پہلے میں بادشاہ پر ان کی غلطی واضح کر چکا ہوں۔ اس طرح تو ہمارے سر خود بخود عربوں کے سامنے جھک جائیں گے۔ جاہ کو احتیاط لازمی ہے۔“

برنگیریا تیزی سے رچرڈ کی طرف جھک گئی۔

”یور میجسٹی..... وعدہ کیجئے آپ اس غلطی کا اعادہ نہیں کریں گے۔“

”برنگیریا.....!“

اچانک رچرڈ کی آواز شیر کی مانند گونجی اور اس کی آنکھوں میں بجلیاں کوند کے رہ گئیں۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔ برنگیریا گھبرا گئی..... ڈر گئی..... گئی..... خیمہ شاہی میں سکوت طاری تھا اور سب کی نگاہیں شاہ انگلستان مرتکز تھیں۔ اس نے بے تابی کے عالم میں اپنی ران کو تھپتھپایا اور بازو کرکھنے لگا۔

”فلپ کو مجھ سے شکایت ہے میں نے اس کی اجازت اور اطلاع کے بغیر عربوں کو ٹوروں میں داخل ہونے دیا اور انہیں انگلستان کا مہمان بنایا اس طرح

بیب کمانڈر کی حیثیت سے اس کی توہین ہوئی ہے۔ ہولی فادر ہیو برٹ والزر کو اعتراض ہے۔ میں نے مسیحی طیسوں اور شاہی انگریز ڈاکٹروں کو چھوڑ کر عرب حکیم کی دوا کیوں لی لی..... اور اب ملکہ برنگیریا بھی یہ ناشدنی خبر سن کر بھاگی آئی ہے۔ جیسے عرب حکیم نے دوا کی بجائے مجھے زہر کا پیالہ پلا دیا۔ سو فلپ کو معلوم ہونا چاہیے آنے والے عرب قاصد بن کر نہیں میری بہن کے محافظ بن کر آئے تھے اور ان کی آمد انگلستان کے شاہی خاندان کے نجی معاملہ سے تعلق رکھتی تھی اس لیے اس کی اجازت کی ضرورت نہ تھی۔ میں اپنے ذاتی اور نجی معاملات میں کسی کی مداخلت پسند نہیں کرتا..... ہولی فادر..... مجھے معاف فرمائیں۔ میں عکا میں بستر پر آرام کرنے نہیں جنگ لڑنے آیا تھا۔ لیکن مسلسل ایک ماہ کے علاج کے باوجود کوئی صلیبی ڈاکٹر مجھے اچھا نہ کر سکا۔ اس کے برعکس عرب حکیم کی ایک ہی خوراک نے میری بیماری کو یوں کاٹ کے رکھ دیا جس طرح تیزاب میل کو کاٹ دیتا ہے اور برنگیریا کو صرف اس قدر معلوم ہونا چاہیے۔ اس کا شوہر میدان جنگ میں عورتوں کے مشورے قبول نہیں کرتا..... میرا خیال ہے میں تمام اعتراضات کا جواب دے چکا ہوں۔“

رچرڈ کی تقریر سن کر سب لوگ دم بخود رہ گئے۔ کسی کو بھی توقع نہ تھی۔ وہ اتنے سخت لہجے میں گفتگو کرے گا۔ سب کی زبانیں گنگ ہو گئیں برنگیریا تو اس توہین پر ناگن کی طرح کسمپاشی خوب..... تو اس کا شوہر عورتوں کو بے وقوف سمجھتا ہے۔ اس احساس نے نوارے کی حسینہ کے جذبہ محبت کو مجروح کر دیا۔ پھر بھی وہ رچرڈ کی بیوی اور اس سے والہانہ محبت کرتی تھی۔

اس نے ایک لمحہ ٹھہر کر کہا۔

”یور میجسٹی..... بے شک میں ایک بے وقوف سی عورت ہوں جسے اپنے شوہر کی زندگی بہر حال عزیز ہے لیکن میں یہ تو ضرور جانتی ہوں کوئی عقل مند بادشاہ میدان جنگ میں دشمن کی سرپرستی پر اعتماد نہیں کرتا۔“

حاکم صورمار کو کہیں کانڑ جس نے ابھی تک گفتگو میں حصہ نہ لیا تھا۔ پہلی مرتبہ گویا ہوا۔

”عالی جاہ..... ملکہ معظمہ کا خیال غلط نہیں۔ حضور یہ کیوں بھول جاتے ہیں بعض زہر دیرپا ہوتے اور ہولے ہولے اثر کرتے ہیں۔“

اس پر رچرڈ نے بے اختیار قہقہہ لگایا بالکل یوں محسوس ہوا جیسے اچانک کالچ

قلب اور کانرڈ نے رچرڈ کی اس تقریر پر ناک بھوں چڑھائی۔ مگر اس نے دروازے کی طرف رخ پھیر لیا جس کے بھاری پردے کے قریب ہی الجھے الجھے پریشان بالوں والا ایک انگریز اسے پر شوق نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ رچرڈ نے آگے بڑھ کر اس کا شانہ پھتہ کیا۔

”بلوند میں اپنے غسل صحت پر تمہارا قصیدہ ضرور سنوں گا۔ مگر فاول کی تعریف بھول نہ جانا۔ جب وہ میری رانوں کے نیچے ہوتا ہے تو شیر کی طرح جست لگاتا ہے۔ لیکن یہ ولیم کہاں مر گیا۔“

فورا“ ہی اس کا جوان گارڈ تلوار لٹکائے اور سر پر قدیم یونانیوں کی طرح پیتل کی لمبی خدار ٹوپی پہنے نمودار ہوا۔ جس کے درمیان گردن سے پیشانی تک سفید ارغوانی پروں کی ایک موٹی لکیر ابھری ہوئی تھی۔ وہ بادشاہ کے حضور دو زانو ہو گیا۔ رچرڈ نے اس کے شانے پر ایک دھول جمائی۔

”ارے بندہ خدا..... بالذون ڈی کیرو اپنے کیمپ میں میرے حکم کا منتظر بیٹھا ہے۔ اسے کہو وہ عرب ڈاکٹر کو ساتھ لے آئے۔ کیا وہ مجھے دوسری خوراک نہ پلائے گا۔“

ولیم کے ساتھ ہی آرچ بشپ آف سالبری قلب آگسٹ شاہ فرانس مارکوئیس کانرڈ کاؤنٹ سنہری اور دوسرے لوگ بھی باہر نکلے وہ کچھ خوش نظر نہ آتے تھے۔ غالباً رچرڈ کی حد سے بڑھی ہوئی خود اعتمادی اور عرب حکیم کے علاج پر اصرار نے انہیں پریشان کر دیا تھا۔ جب بادشاہ مہمانوں کو رخصت کر کے پلٹا ملکہ برنگیریا اداس اور مضمحل کھڑی کھلے درختے سے باہر جھانک رہی تھی اور دو ننھے ننھے آنسو اس کی پلکوں میں اٹکے تھر تھرا رہے تھے۔ وہ اپنے شوہر کی ضدی طبیعت سے قریباً تنگ آگئی تھی جو کسی دوسرے کی بات ماننے سے انکار کر دیتا۔ اس نے برنگیریا کو بھی کتنی مرتبہ مایوس کیا تھا۔ آج تو اس نے بڑے لوگوں کو سامنے اپنی بیوی کی درخواست کو بھی ٹھکرا دیا اور عرب حکیم کے علاج کو کچھ عجیب سے معنی پہنا لیے تھے۔ شاید یہی احساس اس کی آنکھوں میں آنسو بن کر تیرنے لگا تھا۔

رچرڈ ایک صحت مند آدمی کی مانند لپک کر آگے بڑھا۔ پھر اس کا دایاں ہاتھ ملکہ کے نیم عریاں شانے پر پھسلنے لگا۔

”آہا..... پوشو کے نیچری شاعر برنیکاں نے خوب کہا ہے..... عورت جب

کا کوئی برتن گر کر ٹوٹ گیا ہو اور اس کی چھوٹی چھوٹی کرجیاں بھنوروں کی طرح جھنبھاتی ہوئی اڑتی پھریں۔

”مارکوئیس..... ملک العادل سلطان کا بھائی ہے اور وہ تمہاری طرح ہرگز نہ سوچتا ہوگا۔“

”میں بادشاہ کے فقرے کا مطلب سمجھتا چاہتا ہوں.....“

کانرڈ کا لہجہ ترش تھا۔ رچرڈ نے اس کی ترشی کو محسوس کیا لیکن نظر انداز کر دیا اور بستر سے اتر کر کھڑا ہو گیا۔ برنگیریا اسے سہارا دینے کے لیے آگے بڑھی مگر اس نے ہاتھ کے اشارے سے اسے روک دیا۔ گویا وہ سہارے کی ضرورت محسوس نہیں کرتا۔ اس نے ایک ساگوانی ستون کو تھام لیا جس کے ساتھ چاندی کا شمع دان آویزاں تھا۔

موسیٰ شمعوں کی روشنی میں اس کے سرخ بال تانبے کے تاروں کی مانند چمکنے لگے۔ پھر اس کی آواز بتدریج بلند ہوتی چلی گئی۔

”دوستو.....! تم سوچ رہے ہو شاید میں دیوانہ ہوں..... شاید صلاح الدین مجھے زہر دے کر ہلاک کر دینا چاہتا ہے۔ لیکن میرے علاج کے لیے حکیم بھیج کر اس نے ایک اور ہی پیغام دیا ہے جسے تم نہیں سمجھ سکے۔

خداوند یسوع کی قسم! وہ مجھے بستر پر نہیں میدان جنگ میں سپاہی کی موت مارنا چاہتا ہے۔ تاکہ اس بات پر فخر کر سکے۔ اس نے رچرڈ شیردل کو مار لیا اسی لیے وہ میری صحت یابی کا متنی اور سریع الاثر دواؤں سے مجھے اچھا کر دینا چاہتا ہے۔ آج اس کا بھیجا ہوا عرق پینے کے بعد جب میرا بخار ٹوٹا تو عرب معالج نے یہ خوشخبری بھی سنائی تھی۔ میں چند ہی روز میں جنگ کے قابل ہو جاؤں گا۔ میں اسی وقت سمجھ گیا تھا کہ میرا شریف دشمن کیا چاہتا ہے۔ لیکن تلوار کس کا ساتھ دیتی ہے اور کون..... کس کو مارتا ہے.....؟ اس کا فیصلہ میدان جنگ میں ہوگا اور برنگیریا ناحق پریشان ہے حالانکہ اس سے زیادہ دشمن کو میری صحت کی فکر ہے۔

دوستو.....! تم ایک بڑی جنگ کی تیاری کرو۔ جس روز میں نے ڈیش نبھال لیا اور فاول پر سوار ہوا عکا کی جنگ ختم ہو جائے گی۔ لیکن جنگ عکا کے لیے نہیں یروشلم کے لیے ہے اور یروشلم تک پہنچنے کے لیے مجھے بار بار صلاۃ الدین کی تلواروں سے الجھنا پڑے گا۔“

فرزند خدا یسوع مسیح ہی کیوں نہ ہو.....
 برتگیا خوف اور صدمہ سے کانپ رہی تھی اب اسے محسوس ہوا اس نے
 بادشاہ کو ٹوک کر غلطی کی ہے۔ اسے شہزادی جین کا مشورہ مان لینا چاہیے تھا۔
 ”پور میجسٹی.....! میں اپنی غلطی کی معافی چاہتی ہوں۔ مگر جو کچھ آپ نے
 سمجھ لیا مجھے اس کا وہم و گمان بھی نہ تھا۔ میں تو یہ خبر سنتے ہی پریشان ہو گئی کہ
 عالیجاہ نے عرب ڈاکٹر کی دوا استعمال فرمائی ہے۔ پھر میری اندھی محبت آپ کی
 طرف بھاگی دراصل میں ڈر گئی تھی.....“
 ”کیں صلاح الدین نے میرے لیے زہر نہ بھیجا ہو..... خوب..... مگر تم
 صلاح الدین کو کب سے جانتی ہو؟“

”مم..... مم..... مم..... میں.....“
 برتگیا بری طرح بوکھلا اٹھی..... رچرڈ نے اس گھبراہٹ کو نظر انداز کر
 دیا۔

”سنو..... ٹورون میں آکر میں نے سلطان کے متعلق بہت سی باتیں معلوم
 کر لی ہیں۔ وہ فلپ اور کانرڈ کی طرح بزدل اور کینہ ور بادشاہ نہیں بلکہ ایک
 شریف دشمن ہے جو مجھے بستر پر مار دینے کی بجائے میدان میں شکست دینے میں
 زیادہ لذت محسوس کرتا ہے۔ فلپ انگلستان کے معرکوں کی تلخی ابھی نہیں بھولا
 اس کے بس چلے تو مجھے زہر دے کر مارنے سے بھی باز نہ رہے۔ وہ آج اس
 لیے آیا تھا میں کروسیڈ میں اس کی سپہ سالاری قبول کر لوں۔ لیکن میں ملک
 العادل کا ممنون ہوں اس کے حکیم نے مجھے اچھا کر دیا ہے۔ اب چند ہی روز میں
 فوجوں کی کمان خود سنبھالوں گا.....“

ابھی رچرڈ بات پوری نہ کر سکا تھا کہ اس کا شاہی گارڈ ولیم حیران و پریشان
 خیمے میں داخل ہوا۔ اس نے خبر سنائی۔ بالڈون ڈی کیرو کے کیمپ میں پوش کا
 فرانسیسی شمشیرزن پنڈو بھی ہلاک کر دیا گیا۔ رچرڈ یہ اطلاع سنتے ہی اچھل سا گیا۔
 ”پنڈو.....؟“ وہ تعجب سے بولا۔

”کیا اسے کسی انگریز نے قتل کیا ہے۔“
 ”نہیں مائی لارڈ..... عرب ڈاکٹر ابن ہشام نے.....“
 دوسری اطلاع پہلی خبر سے بھی زیادہ تحیر زا تھی..... رچرڈ سکتہ کی حالت
 میں ولیم کی طرف دیکھتا ہی رہ گیا..... ”ابن ہشام نے.....؟“

بگڑتی یا روتی ہے تو اس کا حسن دوچند ہو جاتا ہے..... بلوندل..... ذرا آ کر
 دیکھنا..... برتگیا کی پلکوں پر لرزتے ہوئے آبی ستارے زہرہ سے زیادہ روشن ہیں
 اور اس کا حسن کتنا دلکش ہو گیا ہے۔ ہولی ورجن کی قسم..... صلاح الدین
 تلواروں میں بھی وہ آب نہ ہوگی جو اس وقت برتگیا کے آنسوؤں میں چمک
 رہی ہے۔ اگر تم نے اپنے قصیدے میں میری پیاری ملکہ کے حسن کی تعریف
 کی تو میں تم سے ناراض ہو جاؤں گا۔“

بلوندل نے اپنی متفکر آنکھیں اوپر اٹھائیں اور ملکہ کی سمت دیکھا۔ لیکن اس
 لمحے برتگیا غصے میں رچرڈ کی جانب ٹھوم گئی اور لرزتی ہوئی گلوگیر آواز میں
 بولی۔

”کیا شاہ فرانس کے سامنے میری جو توہین ہوئی کافی نہ تھی کہ اب آپ مجھے
 بلوندل کے روبرو ذلیل کرنے پر تل گئے ہیں.....؟“
 رچرڈ کی آنکھوں میں خوفناک چمک پیدا ہوئی اس نے برتگیا کی خوبصورت
 کلائی تھام کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔

”بے وقوف عورت! جب تجھے معلوم تھا فلپ یہاں موجود ہے پھر تو کہا
 لینے آئی تھی؟ کیا فرانس کے نوجوان بادشاہ کو اپنے حسن کا جلوہ دکھانے جس نے
 حسین عورتوں کو متوجہ کرنے کے لیے اپنے نام کے ساتھ آگسٹس کے خطاب کا
 اضافہ کر لیا ہے۔ یا عربوں کی دوستی کا طعنہ دے کر مجھے حریف کے سامنے کھینچا
 چاہتی تھی۔ یا تو سلسبری کے بوڑھے گدھ والٹر سے میرے خلاف مذہبی فتوے
 سننے کے لیے بے تاب تھی؟“

برتگیا نے فرط حیرت سے بادشاہ کے بدلے ہوئے خوفناک لمحے اور زہریلے
 الفاظ کو سنا اور بید مجنوں کی مانند کانپ اٹھی..... آہ یہ کیسی افسوسناک غلطی
 تھی۔ برتگیا کے دل پر چھریاں سی چل گئیں۔ وہ جوش محبت میں رچرڈ سے لپ
 گئی اور بھیگی ہوئی آواز میں چلائی۔

”نہیں..... نہیں..... نہیں.....“
 رچرڈ کے ایک ہی جھٹکے نے اسے گیند کی طرح پرے اچھال دیا..... اور
 اسی خوفناک لمحے میں گر جا۔

”کان کھول کر سن لے..... شاید نوارے میں کسی شخص نے تجھے یہ اطلاع
 نہ دی ہو‘ رچرڈ اپنے معاملات میں کسی کی مداخلت برداشت نہیں کرتا۔ خواہ“

بادشاہ چلا اٹھا۔

”پھر تو ضرور کوئی غیر معمولی واقعہ پیش آیا ہو گا.....“

ولیم نے ننپو کے بدست ہو کر اودھم مچانے، بالڈون کو للکارنے اور کے آنے، اسے پکڑنے، ٹھینے پھر بنت کیرو کی لرزہ خیز چیخ سن کر ابن ہشام باہر نکلنے اور ننپو سے مقابلہ کرنے کی تمام روداد سنائی اور عرب ڈاکٹر کی شہر کا تفصیل سے ذکر کیا۔

”عالی جاہ.....! جب عرب نے ننپو کے بازو پر تلواریں کی الٹی ضرب لگا دی تو خیموں کے درپچوں اور روزنوں سے جھانکنے والے سب لوگ کانپ اٹے بالڈون کا نائب گیری بھی لرز گیا۔ وہ جانتا تھا.....

کوئی شخص ننپو کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ وہ عرب مہمان کو قتل کر دے گا انہیں عالیجاہ کے حضور جواب دہ ہونا پڑے گا۔ ننپو وحشی گینڈے کی طرح ڈھچکتا چڑھ دوڑا۔ اس نے غصہ کے جوش میں عظیم وار کیے۔ اس کے یہ وار نہ جایا کرتے تھے لیکن ابن ہشام کے جسم پر ہلکی سی خراش بھی نہ آسکی۔ اس نے تھوڑی دیر میں اسے تھکا دیا۔ پھر خود حملہ کر کے تیسرے وار میں آسانی۔ اس کی پسلیوں میں تلواریں گھونپ دی۔ جیسے وہ کوئی ریت کا بورا تھا۔ ہتھوڑے بھینے کی طرح لڑکھڑا کر گر گیا اور تڑپ کر ٹھنڈا ہو گیا..... سب لوگ حیران شہر ابن ہشام کو دیکھنے لگے۔ بالڈون تو بے حد خوش ہوا۔“

یہ حیرت انگیز روداد برتگیہ کو دم بخود کر دینے کے لیے کافی تھی۔

رچرڈ بھی حیران و شہر رہ گیا۔ ولیم نے بتایا اس واقعہ کے بعد شہر چین نے غرب ڈاکٹر کو اپنے حضور طلب کر لیا تھا۔ بالڈون ڈی کیرو اسے بادشاہ پیغام پہنچانے گیا ہے وہ آتے ہی ہوں گے۔

”چین نے اسے کیوں طلب کیا ہے کیا وہ ننپو کے قتل پر اسے ملامت چاہتی ہے لیکن نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتی۔ ابن ہشام نے اس کی عزیز ترین کی جان بچائی ہے۔“

رچرڈ پھر ملکہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ وہ ابھی تک اداس تھی مگر یہ اواز زندگی بھر ختم نہ ہو سکتی تھی۔ رچرڈ ایسا شوہر نہ تھا جو حسین بیوی کی ناز برداری کی خاطر اپنی تند مزاجی ترک کر دیتا۔

”تم ابھی تک ناراض ہو۔ لیکن قصور تمہارا اپنا تھا..... خیر اب تم

آرام کرو اور آئندہ کے لیے احتیاط رکھو..... بعض معمولی باتیں حیرت انگیز نتیجے مرتب کرتی ہیں۔“

برتگیہ نے تحیر زانگاہوں سے شوہر کی طرے دیکھا وہ اس کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھی۔ پھر جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

اسی لمحے چوہدار نے بالڈون ڈی ک سے رو اور ابن ہشام کے آنے کی اطلاع دی اور وہ جاتے جاتے رک گئی۔ عرب حکیم کو دیکھنے کا شوق اس کے قدموں سے زنجیر بن کر لپٹ گیا۔

ابن ہشام پہلے کی طرح بادشاہ کے حضور جھک گیا..... رچرڈ اسے بغور دیکھتا رہا پھر مسکرا کر بولا۔

”ابن ہشام..... یہ تم کیا خون خرابے کرتے پھر رہے ہو۔ میں نے سنا ہے تم نے ننپو کی بیماری کا بہت عمدہ علاج کر دیا ہے۔“

”مجھے افسوس ہے۔ عالی جاہ..... اگر اس نے لڑکی کی بجائے کسی مرد پر ہاتھ اٹھایا ہوتا تو شاید میں ایسی جسارت کبھی نہ کرتا..... میں آپ کو ہٹا چکا ہوں ہم عورتوں کی بہت عزت کرتے ہیں۔ پھر وہ تو میرے میزبان کی بیٹی تھی۔ اگر یہ فعل آپ کو ناگوار گزرا تو میں معافی چاہتا ہوں۔“

”نہیں..... مجھے خوشی ہوئی۔ تم نے ایک قابل تعریف کام کیا ہے۔“

پھر اس نے ننپو کے حادثہ قتل کو یک لخت فراموش کر دیا۔ جیسے وہ قابل ذکر ہی نہ تھا اور پھر اس سے بیماری و صحت کا تذکرہ لے بیٹھا ابن ہشام صندویچی سے سنوف نکال کر عرق میں تحلیل کرتا رہا۔

اس نے پیالی رچرڈ کی طرف بڑھا دی اور بتایا بادشاہ کو ایک دو روز مزید چلنے پھرنے سے اجتناب لازم ہے۔

مسلل بیماری نے اس کے اعصاب کمزور کر دیے ہیں۔ نیز اسے ہر قسم کی شراب سے بھی پرہیز کرنا ہو گا۔ کیونکہ شراب اس جوہر کے لیے مضر ہے جو اسے بطور دوا دیا جا رہا ہے۔“

بادشاہ نے اپنے معالج کی ہدایات غور سے سنیں پھر پیالی خالی کر دی اور وعدہ کیا وہ اس کی ہدایات پر عمل کرے گا۔

برتگیہ تحیر و تعجب سے ابن ہشام کو دیکھتی رہی۔ وہ اس کی دلکش صورت اور عالم شباب میں ایسی متحمل مزاجی پر حیران تھی۔ کاش..... اس نے پہلے ہی

اس کے حوالے کر دیا جائے۔ اس لیے میں چاہتی ہوں ہم ابن ہشام اور اس کے ساتھیوں کو آج ہی رات رخصت کر دیں۔

”جینی.....! کیا تم انگریزوں کو بزدل یا فرانسیسیوں سے کمزور سمجھتی ہو۔ ان کی ہستی ہی کیا ہے۔ اگر فلپ نے ایسا احقانہ مطالبہ کیا تو میری تلوار کو بے نیام پائے گا۔ آج رات ابن ہشام اور اس کے ساتھی انگلستان کے شاہی مہمان ہیں۔ کوئی شخص ان کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھ سکتا.....“

پھر بادشاہ بالڈون ڈی کیرو کی طرف گھوم گیا۔

”بالڈون..... آج رات اپنے تمام پسریداروں کو ہوشیار رکھو۔ اگر کوئی فرانسیسی کتابھی انگریزی کیمپ کی طرف آئے تو اسے ہلاک کر دو..... یہ میرا حکم ہے.....“

”حضور بالکل مطمئن رہیں۔“

برنگیریا ابھی تک ابن ہشام کے سراپا میں کھوئی ہوئی تھی۔ کیا عربوں میں ایسے خوبصورت اور اتنے بہادر نوجوان بھی ہوتے ہیں۔ اس کے دل میں ایک عجیب سی جھین بیدار ہونے لگی۔ جب بادشاہ نے بالڈون اور ابن ہشام کو رخصت کیا۔

ابن ہشام نے ملکہ سے بھی اجازت چاہی اور سر میں ہلکا سا خم پیدا کر کے عرض گزار ہوا۔ ”ملکہ عالیہ..... میرے متعلق اپنے دل میں کسی غلط فہمی کو جگہ نہ دیجئے..... بخدا ہم آپ کے بدخواہ نہیں!“ یہ کہہ کر وہ بالڈون کے ہمراہ خیمے سے نکل گیا اور برنگیریا تصویر حیرت بنی اسے دیکھتی رہی اس کی بے چین نگاہیں اس وقت تک عرب مہمان کا تعاقب کرتی رہیں جب تک وہ کچھ دور جا کر اندھیرے میں گھل مل نہ گیا۔ اچانک جین کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ غالباً اس نے برنگیریا کی حیرت و پریشانی کا ذکر کیا تھا۔ بادشاہ طنز آمیز لہجے میں بولا۔

”جین..... میری پیاری برنگیریا کو لے جاؤ..... فرانسیسیوں کی طرح یہ بھی عرب مہمانوں سے نفرت کرتی ہے۔“

لیکن وہ اپنے شوہر کو کس طرح بتاتی جب سے اسے عرب مہمان کو دیکھا ہے اس کی نفرت ایک عجیب سی کشش میں تبدیل ہو گئی ہے اور گرینا کیرو کو پنپو ایسے وحشی کے پنچے سے چھڑانے کی روداد سن کر تو وہ ابن ہشام کی عزت بھی کرنے لگی تھی۔ جب وہ اس سے ہم کلام ہوا تھا۔ اس کی آواز کس قدر شیریں

ابن ہشام کی صورت دیکھ لی ہوئی۔ اچانک رچرڈ نے ملکہ کا تعارف کرایا اور عرب ڈاکٹر کو بتایا۔ وہ اس کے علاج کو پسند نہیں کرتی۔ کیونکہ اس کا خیال ہے دوا کے بہانے اسے زہر بھی دیا جاسکتا ہے۔

”استغفر اللہ۔“

ابن ہشام بے ساختہ پکار اٹھا۔ پھر برنگیریا سے مخاطب ہوا۔

”ملکہ حضور..... بے شک ہمارے درمیان جنگ جاری ہے۔ لیکن جنگ خیموں میں نہیں میدان میں لڑی جاتی ہے۔ میرے آقا ملک العادل بادشاہ کے دوست ہیں۔ وہ اپنے دوست کو بیمار نہیں دیکھنا چاہتے۔ ان کا حکم تھا جب تک بادشاہ کو صحت نہ ہو جائے واپس نہ آؤں اب میں اس فرض سے سبکدوش ہوا اور صبح روانہ ہو جاؤں گا..... مجھے امید ہے بادشاہ سے آئندہ ملاقات میدان جنگ میں ہوگی اور اس وقت ہم دوست نہ ہوں گے۔ اس صاف بیانی کے لیے میں عالی جاہ سے معافی کا طلب گار ہوں.....“

رچرڈ بجلی کے کوندے کی طرح تڑپا پھر اس کی آواز گونجی۔

”برنگیریا..... برنگیریا.....!! دیکھو میرا قیاس درست نکلا یہ لوگ مجھے میدان جنگ میں مارنا چاہتے ہیں..... لیکن میدان جنگ میں میرا نیزہ دوست اور دشمن میں تمیز نہیں کرتا۔ ابن ہشام..... میں تمہیں مطلع کیے دیتا ہوں لڑائی کے ہنگامے میں میرے سامنے آنے سے اجتناب کرنا۔“

برنگیریا ورطہ حیرت میں ڈوبی جا رہی تھی۔ یہ کیسے دشمن ہیں جو دوستوں کی طرح باتیں کر رہے تھے۔ اچانک شہزادی جین عقبی دروازے سے خیمہ میں داخل ہوئی۔ اس نے بادشاہ اور ملکہ کو سلام کیا۔ بھائی کی خیریت پوچھی پھر بولی۔

”فرانسیسی کیمپ میں پنپو کی موت پر چہ میگوئیاں ہو رہی ہیں۔“

رچرڈ کے چہرے پر حیرت و تعجب نے سائے ڈال دیئے۔

”کیا وہ لوگ پنپو کے قتل کا انتقام لینا چاہتے ہیں۔“

”شاید عالی جاہ میرا مطلب نہیں سمجھ پائے۔“

جین وضاحت کرنے لگی۔

جب شاہ فلپ کو معلوم ہوگا کہ پنپو کو کسی انگریز کی بجائے ایک عرب مہمان نے قتل کیا ہے تو یقیناً ”مشتعل ہو جائے گا۔ کوئی فرانسیسی نوروں عرب میں عربوں کی آمد سے خوش نہیں۔ ممکن ہے فلپ یورپیہیٹی سے مطالبہ کرے پنپو کا قاتل

اور لہجہ کتنا ریلا تھا۔ لیکن وہ بادشاہ کو اس تبدیلی سے کیسے آگاہ کرے۔
برنگیریا نہایت خاموشی سے جین کے ساتھ چلنے لگی۔ وہ مختلف خیالات
اس قدر کھوئی ہوئی تھی کہ بادشاہ کو رخصتی سلام تک کرنا بھول گئی۔ اچھے
خیالوں کی ایک عجیب سی رو اس کے ذہن سے گھبرا رہی تھی۔
رچرڈ نے اس پر محبت اور نفرت کی ملی جلی نگاہ ڈالی اور منہ پھیر لیا۔

برنگیریا کی قسمت دور کھڑی مسکرا رہی تھی۔ وہ خود جین کے شانے کا سارا
کتنائی راہداری میں داخل ہوئی۔ سو اپنا شمع اٹھائے ان کے آگے آگے چل
تھی۔ تھوڑی دور چلنے کی بعد جب برنگیریا نے اچانک پلٹ کر دیکھا تو اسے
کے خیمے میں کسی عورت کا سایہ نظر آیا..... وہ ٹھٹھک کر رک گئی لیکن اس
راہداری کے دروازے کا بھاری پردہ اس کی نگاہوں کے درمیان حائل
اور وہ اپنے دل میں ہزاروں دوسوے لیے خیمہ خواب کی طرف چلتی رہی۔
کیا تقدیر برنگیریا کا ساتھ چھوڑ رہی تھی.....؟“

عجب ملاقات

ابن ہشام، بالڈون ڈی کیرو کے کیپ میں جس کے ارد گرد پانچ ف
قات ایک دیوار کی مانند کھڑی تھی۔ آسمان کی کھلی چھت کے نیچے بے قرار
سے کروٹیں بدل رہا تھا۔ رات نصف سے زیادہ بیت چکی تھی۔ چاند مغرب
اندھیرے غاروں میں اتر رہا تھا اور ستاروں کے قافلے تاریک خلاؤں کا طویل
طے کر آئے تھے نوروں کے ہنگامے سرد پڑ گئے تھے۔ رقص و سرور کی
اجڑ چکی تھیں۔ اب تو گلی کوچوں میں پہرے داروں کے قدموں کی چاچ
سنائی نہ دیتی تھی۔
ابن ہشام کے ساتھی انگلستان کے شاہی مہمان سرا میں مقیم تھے۔
بالڈون ڈی کیرو عرب سردار کو اپنے خیموں میں لے آیا تھا۔ وہ اس سے
خوش تھا اور پنہو کے انتقامی خطرہ کے پیش نظر اس نے کیپ کے گرد کڑا
تھا۔ پنہو کی موت کے بعد بالڈون تو بے فکر کی نیند سو گیا۔ لیکن اس کا
مہمان ابھی تک جاگ رہا تھا وہ اس چھو لداری کے سامنے آرام کر رہا تھا۔

قمری مینے کی اولین تاریخیں تھیں۔ چاند غروب ہو چکا تھا۔ نوروں کی
چھائی پر گھٹا نوپ اندھیرے مسلط تھے۔ ان اندھیروں میں دور مغرب کی طرف
سندھ کے دھانڑنے کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں اور حارث ابن ہشام اس

سرخ و سفید عارضوں پر تھر تھرائی اور اس کے ہاتھوں میں ایک بچی سی دیکھ کر جبران رہ گیا..... گریٹا کی آنکھیں چمک رہی تھیں۔ اس نے بچی یوں تھام رکھی تھی جیسے کوئی لڑکی گھر سے بھاگ نکلتی ہے۔ ابن ہشام نے تعجب سے پوچھا۔

”کیا تمہیں شنزادی صاحبہ نے بھیجا ہے.....؟“

”نہیں.....“

گریٹا کی آواز ابھی تک کپکپا رہی تھی۔

”وہ تو نارمن کنیز سے نفہ سن کر کبھی کی سوچتی ہے۔“

”پھر..... تم.....؟“

آہ..... ابن ہشام کو کیا خبر تھی وہ شنزادی کا پیغام لے کر نہیں بلکہ خود ایک پیغام بن کر آئی تھی لیکن یہ جان لینے کے بعد کہ اسے شنزادی نے نہیں بھیجا وہ کسی قدر گھبرا سا گیا اور اسی گھبراہٹ میں اس نے بچی کی طرف اشارہ کیا۔

”یہ کیا ہے.....؟“

اس کے جواب میں گریٹا نے وہ بچی اس کے قدموں میں رکھ دی اور گھڑی ہوئی آواز میں بولی.....

”یہ میری طرف سے تمہارے لیے تحفہ ہے۔“

”میرے لیے.....؟“

”ہاں..... اور اگر تم نے اسے قبول نہ کیا تو میرا دل ٹوٹ جائے گا۔“

ابن ہشام نقش حیرت بن گیا وہ اس کی آمد کا مقصد سمجھ چکا تھا۔ گریٹا نے گھڑی کھول دی اور اس میں قم و سمر، اطلس کا قیمتی لبادہ اور ایسی ہی اشیاء تھیں ابن ہشام ابھی اس معے کو حل نہ کر پایا تھا کہ گریٹا نے فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا اور بڑی سرعت سے سونے کی ایک انگشتری جس میں قیمتی نیلم جڑا ہوا تھا انگلی میں پہنا دی۔

”یہ انگشتری تمہیں میری یاد دلاتی رہے گی۔ اسے کبھی بھولے سے بھی نہ اتارنا سمجھو۔“

ابن ہشام کے ہونٹوں پر پہلی مرتبہ ایک ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ انگریز حینہ کے ریشمی ہاتھوں کے لمس نے اس کے جسم میں خون کی حرارت تیز کر دی تھی..... وہ اس کے جذبات کو سمجھ رہا تھا.....

اندھیرے میں چھو لاریوں کے سامنے قنات کی دیوار کے ساتھ لیٹا شنزادی کے تغیر زاپیغام پر غور کر رہا تھا۔ آسمان پر ستارے ننھی منی قدیلوں کی چمک رہے تھے اور ابن ہشام کا ذہن انگریز شنزادی کے خیال انگیز نعام میں کے رہ گیا تھا۔

اچانک ایک مدھم سا کھٹکان کر وہ چونک اٹھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کسی قنات کے چوٹی دروازہ کو ہولے سے کھٹکایا ہو۔ اس کے ساتھ ہی ایک معلوم سی آواز بھی سنائی دی۔ جس پر ہوا کی سرسراہٹ کا گمان ہوتا تھا۔ وہ اسے اٹھا اور دبے پاؤں چلتا ہوا دروازے پر آیا اسی لمحے دروازے پر پھر ہلکی دستک ابھری۔ ساتھ ہی کسی نے اس کا نام لے کر آواز دی.....

”ابن ہشام.....!“

ایک مدھم، شیریں، نسوانی آواز اس کی سماعت کو دھوکہ نہ دے تھی..... اس نے پوچھا۔

”ابن ہشام دروازہ کھولو..... میں گریٹا ہوں..... گریٹا کیرو.....“

اس کی آواز میں لرزش تھی جسے ابن ہشام نے واضح طور پر محسوس کیا۔ دروازہ کھلا تو میزبان لڑکی ایک سیاہ لبادہ اوڑھے احاطے میں داخل ہوئی۔ اس غیر متوقع آمد سے ابن ہشام نے یہی نتیجہ اخذ کیا۔ یقیناً ”شنزادی جین نے اس کے ہاتھ کوئی اور پیغام بھیجا ہے۔ گریٹا کے بدن پر ایک ہلکی سی کپکپاہٹ طاری تھی۔ اس نے اپنے عقب پر خود ہی دروازہ بند کیا اور سرگوشیانہ لہجہ میں بولی۔

”چھو لاری میں کون ہے.....؟“

”کوئی نہیں..... میں یہاں اکیلا ہوں..... مگر ساتھ والے خیمہ میں میرا دوست بالڈون ڈی کیرو آرام کر رہے ہیں.....“

”اوہ پایا آج گہری نیند سوئیں گے۔ آؤ چھو لاری میں چلیں میں تم کچھ باتیں کرنے آئی ہوں۔“

دونوں چھو لاری میں آ گئے۔ یہاں گھپ اندھیرا تھا۔

”کیا میں شمع روشن کر دوں.....؟“

”ہاں..... اندھیرے میں تمہارا چہرہ نظر نہیں آتا..... مجھے بڑی الجھن رہی ہے۔“

ابن ہشام نے موی شمع روشن کر دی اس کی زرد شعاعیں، انگریز

”بنت کیرد..... میں تو خود یہاں سے ایک بیماری لے کر جا رہا ہوں۔ ایسی بیماری جس کا علاج دنیا کا کوئی طبیب نہیں کر سکتا۔ میں چاہتا تھا تمہاری خاموش یاد اپنے سینے میں چھپائے چپ چاپ چلا جاؤں گا لیکن یہ تحفے اور انگشتی دے کر بے میں ابھی انگلی سے اتار دوں گا تم نے میری خاموشی کو زبان بخش دی ہے۔“

کیا یہ سچ ہے ابن ہشام..... کیا واقعی تمہارے دل میں میرے لیے جگہ ہے؟“

”ہاں گریٹا..... میں سچ کہتا ہوں.....“

”پھر تم میری انگشتی کیوں اتار دو گے؟“

”مسلمان مرد سونا نہیں پہنتے..... اگر یہ انگشتی چاندی کی ہوتی تو میں ضرور پہنے رہتا لیکن اس کے بغیر بھی تم مجھے یاد رہو گی.....“

”تو پھر میں تمہارے لیے چاندی کی انگشتی بناؤں گی..... تم دوبارہ آؤ گے نا۔“

”یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

ابن ہشام کسی قدر مایوسی سے کہنے لگا۔

”مجھے توقع نہیں۔ شنزادی صاحبہ نے جو تجویز پیش کی ہے۔ سلطان اسے منظور کریں اس لیے صلح کا امکان نظر نہیں آتا.....“

اس کا ہاتھ جس میں گریٹا نے انگوٹھی پہنائی تھی ابھی تک انگریز دوشیزہ کے ہاتھ میں تھا۔ اچانک گریٹا کا دباؤ بڑھ گیا.....

اس نے پرجوش لہجے میں کہا۔

”ابن ہشام..... میں تمہارے متعلق بہت سی باتیں سن چکی ہوں تم بھی کرد ہو اور سلطان بھی کرد ہیں۔ اس لیے وہ تمہیں عزیز رکھتے ہیں۔ پھر تم نے ٹیبلوں کے بائٹ سردار ریڈ فورڈ کو قتل کر کے سلطان عالی کا مزید قرب حاصل کر لیا ہے۔ تم ان سے درخواست کرو وہ شنزادی چین کی تجویز کو منظور فرمائیں۔ پھر میں بھی شنزادی کے ساتھ یروشلم میں قیام کروں گی۔“

”سلطان معظم یروشلم کی تقسیم کبھی منظور نہ فرمائیں گے۔ ہاں اگر میسائیوں نے چند ساحلی قلعے مانگے ہوتے تو ممکن ہے وہ ان کی درخواست قبول کر لیتے۔“

”کیا عرب انگلستان اور فرانس کے لشکروں کا مقابلہ کر سکیں گے۔ سب

اس نے ایک جھپٹتے ہوئے فقرہ سے گریٹا کو حیران کر دیا۔

”بنت کیرد..... میں اپنے دوست کے اعتماد کو ٹھیس نہیں لگانا چاہتا۔ دوسرے خیمہ میں آرام کی نیند سو رہا ہے۔“

”تو تم کیا چاہتے ہو۔ میں پایا کے سامنے تم سے اظہار محبت کروں؟“

گریٹا کے عجیب و غریب جواب نے اسے واقعی پریشان کر دیا۔ پھر بجلی کی تیزی کے ساتھ اس کے ذہن پر روشنی کی ایک کیرسی تھر تھرائی اور وہ مطلق نظر آنے لگا۔ اب اسے محسوس ہو رہا تھا اس کا اپنا دل بھی انگریز حسینہ کے بے چین تھا۔ لیکن اس نے اس خیال سے بے چینی کو اہمیت نہ دی تھی کہ فائدہ ہی کیا.....

ان کے درمیان تو خون کا دریا حائل ہے۔ پر ابھی ابھی شنزادی چین پیغام اس کے دماغ میں پھلجھڑی کی مانند روشن ہو گیا..... دل کی دھڑکن معمولی طور پر تیز ہو گئی اور محبت کا ایک میٹھا سا درد بن کر جاگ اٹھی تھی۔

بنت کیرد نے شمع کی روشنی میں اس کے چہرے پر جذبات کی کشمکش دیکھ کر نوجوان کی آنکھوں میں مشرق کی پر اسرار کیف آفریں اور رومان انہی راتوں کے عکس نرزاں تھے۔ گریٹا ان سحر آمیز آنکھوں کی چٹلنوں میں چھپ بیٹھ جانا چاہتی تھی۔ وہ اس کے جسم میں دوڑتے ہوئے قبائلی خون کی حرارت کا لمس محسوس کر رہی تھی اور حالت بے خودی میں ان مضبوط دھڑا بازوؤں کے حلقہ میں سما جانے کے لیے بے تاب تھی۔ جن کی ایک ہی ضرب اسے پوشو کے سب سے خوفناک آدمی کی آہنی گرفت سے آزاد کرایا اور اس کے لبو سے اپنی شجاعت کی تحریر لکھی تھی۔ وہ تحریر گریٹا کے دل پر نقش ہو گئی تھی..... انہیں کرد نوجوان اپنی تلوار سمیت اس کے دل میں آ بیٹھا تھا۔ اس عشق انگیز نگاہوں سے ابن ہشام کی طرف دیکھا اور بولی۔

”تم کیسے حکیم ہو ابن ہشام..... بادشاہ کو تم نے ایک ہی دن میں اچھا دیا..... اور مجھے بیمار کر چلے۔“

یہ فقرہ اس نے کچھ اس سادگی سے ادا کیا کہ ابن ہشام تڑپ کے رہ گیا۔ ذہن پر اگرچہ بوجھل خیالوں کے سائے کانپ رہے تھے مگر دل میں محبت کرنے لے کر بیدار ہو چکی تھی۔

اس نے کہا۔

لوگ تمہاری طرح بہادر نہ ہوں گے۔ تم نے خود دیکھ لیا ہے صلیبی یروشلیم کے کیے بغیر چین نہ لیں گے۔ پھر سلطان نصف نصف پر کیوں رضامند نہ ہوں گے آخر خونریزی سے کیا فائدہ؟“

ابن ہشام کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ لہرائی۔
”یہ تو بہت عجیب منطق ہے۔ کل کلاں اگر عرب انگلستان یا فرانس پر کر دیں اور یہ تجویز پیش کریں آخر خون ریزی سے کیا فائدہ۔ آؤ لندن یا پھر کو آدھا آدھا بانٹ لیں تو کیا یہ تجویز منظور کر لی جائے گی.....؟“
گرینا نے تنک کر جواب دیا۔

”مجھے سیاست سے کوئی سروکار نہیں۔ اس تجویز پر زور دینے کا مطلب صرف یہ ہے اس طرح میں اور جین یروشلیم میں رہ سکیں گی۔“
اب ابن ہشام کو دل لگی کی سوجھی۔
”شنزادی صاحبہ کے متعلق میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ لیکن تمہیں یروشلیم کی بجائے میرے دل میں رہنا چاہیے۔ کیا تمہیں یہ جگہ پسند نہیں.....؟“
گرینا مسکرا دی۔

”ابن ہشام اپنے بازو کھو دو۔“
وہ اس عجیب و غریب فرمائش پر حیران تھا گرینا نے خود ہی اس کے بازو کھول دیے۔

”تم نے پوشو کے سوراخ پر انہیں بازوؤں سے ضرب لگائی تھی نا.....“
وہ ابھی تک اس کا مطلب سمجھنے سے عاری تھا۔ مگر دوسرے ہی لمحے گرینا کیرو اس کے پھیلے ہوئے مضبوط بازوؤں کے حلقے میں سا گئی اور اس کے بچے سے چٹ کر بولی۔

”مجھے اپنے بازوؤں میں بھیج لو ابن ہشام..... جس طرح سلطان یروشلیم نہیں چھوڑ سکتے اسی طرح میں بھی تمہیں نہیں چھوڑوں گی۔“

پھر آپ سے آپ عرب نوجوان کے بازو انگریز حسینہ کے گرد جامل ہو گئے۔ عشق کی لذت نے دونوں کو بے خود سا کر دیا تھا۔ اسی لمحے کلی میں انگلستان کے شاہی رسالہ کے گھوڑوں کی ٹاپیں بلند ہوئیں..... گرینا اچھل کر اس کے بازوؤں سے نکل آئی..... اور پھر غمزدہ لمبے میں بولی۔
”صبح تم چلے جاؤ گے اور میں ٹورون میں تڑپتی رہ جاؤں گی..... کیا یہ ممکن

نہیں کہ تم چند روز کے بعد پھر آؤ.....“
”میرا خیال ہے صلیبی عکا پر بڑا حملہ کرنے والے ہیں۔ اس دوران شاہ فرانس نہ انگلستان کے اسقف اعظم نہ مارکوئیس کانزڈ کسی عرب سفارت کو ٹورون میں داخل ہونے دیں گے۔ اگر عرب سفیر ایک مرتبہ بھی ناکام لوٹ گئے تو سلطان معظم قیامت تک صلیبوں سے گفت و شنید نہ کریں گے.....“
”نہیں..... رچرڈ شیردل کے بغیر وہ کچھ نہیں کر سکتے۔ اگر انہوں نے سلطانی سفیروں کو روکنے کی کوشش کی تو اچھا نہ ہوگا۔“
ایک لمحہ ٹھہر کر گرینا کہنے لگی۔

”تم رچرڈ کو نہیں جانتے وہ میدان جنگ میں کسی کا حکم سننے کا عادی نہیں۔ دوبارہ جب تم آؤ گے تو صلیبی فوجوں کی کمان فلف کی بجائے رچرڈ کے ہاتھ میں ہوگی۔“
”پھر میں ضرور آؤں گا۔“

گرینا ایک مترہ پھر کرد مہمان کے چوڑے سینے سے پٹ گئی اور شمع کی لرزتی ہوئی روشنی میں چھو لداری کے اندر دو دل دھڑکتے رہے۔

دوسرے روز جب سورج ابھی جبل لبنان کی بلند چوٹیوں کے عقب میں روپوش تھا۔ ابن ہشام اپنے کرد سواروں کے ہمراہ انگریزی کیمپ سے نکلا اور ٹورون کی مشرقی فیصل کی طرف چل دیا۔ بالڈون ڈی کیرو اپنے انگریزی رسالہ کے ہمراہ اس کے پیچھے پیچھے رواں تھا اور انگلستان کے شاہی خیموں کے درپچوں سے کئی آنکھیں عرب مہمانوں کو آتے جاتے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ شنزادی جین نے پلٹ کر دیکھا تو گرینا کیرو کی پلکوں پر دو آنسو اس طرح لرز رہے تھے جیسے نوک خار پر شبنم کے قطرے تھر تھراتے ہیں۔

پانی کے ان قطروں نے شنزادی کو گرینا کی پتائیوں کا افسانہ سنا دیا۔
یہ جون کی ایک گرم اور جس آلود صبح تھی..... افرنگی چھاؤنی میں کہیں دور آہن گروں کے ہتھوڑوں کی ضربیں بلند ہو رہی تھیں۔

دور پوری چھاؤنی میں کوئی شخص اب اسے ”بادشاہ“ نہ سمجھتا تھا۔
 فرانسیسی لشکر میں یہ خبر انتہائی اشتعال کا باعث ہوئی۔ شاہ فلپ نے اسی
 وقت اپنے قاصد سالبری کے آرچ بشپ ہیورٹ والٹر کی طرف روانہ کیے کہ وہ
 شاہ رچرڈ کو اس ارادہ سے باز رکھے ورنہ صلیبی لشکروں میں پھوٹ پڑ جائے گی۔
 نہ صرف فرانسیسی بلکہ وہ اطالوی سپاہی بھی جو مارکونیس کانرڈ کے ساتھ آئے تھے
 رچرڈ کی سپہ سالاری کو پسند نہ کرتے تھے۔ کانرڈ تو اس خبر کو سنتے ہی آپے سے
 باہر ہو گیا اور چلا کر بولا۔

”کیا رچرڈ یہاں بھی فرانس اور انگلستان کی جنگ چھیڑ دینا چاہتا ہے۔“
 وہ اپنے خیمہ میں بڑی بے قراری کے ساتھ ٹھٹھنے لگا۔ اس نے اپنی قسمت
 شاہ فرانس کے ساتھ وابستہ کر لی اور اس امید پر زندہ تھا۔ فلپ یروشلم کی خیالی
 بادشاہت کا تاج اس کے سر پر رکھ دے گا۔ لیکن رچرڈ کی سپہ سالاری میں یہ
 خواب شرمندہ تعبیر نہ ہو سکتا تھا۔



کانرڈ نے سارا دن اضطراب و بے قراری میں گزار دیا۔ اس کے پیغام
 رساں خبر لائے تھے کہ آرچ بشپ آف سالبری نے ابھی تک کوئی تسلی بخش
 جواب نہیں دیا۔ ادھر انگریزی کیمپ میں بدستور شاہ رچرڈ کی صحت یابی کا جشن
 منایا جا رہا تھا اور انگریز شہسوار ہر کیمپ میں یکم جولائی کو حملہ عام کی خبر سن رہے
 تھے۔ رچرڈ نے جنگی کونسل سے مشورہ کیے بغیر حملہ عام کا فیصلہ کر لیا تھا۔
 شام کے وقت کانرڈ کو شاہ فرانس کا پیغام موصول ہوا۔ اس نے اپنے خیمہ
 میں جنگی کونسل کا اجلاس طلب کیا اور اپنے تمام حامیوں کو خاص طور سے بلاوا
 بھیجا تھا۔ شائد وہ لوگ رچرڈ کے خلاف قرارداد مذمت پاس کرنا چاہتے تھے۔
 کانرڈ ابھی لباس تبدیل کر رہا تھا کہ یونانی کنیز روزا نے اطالیہ کی مسور کنفی لورینا
 کی آمد کا مرثہ سنایا۔

جب سے امراء صلیب نے ازاتیل کو یروشلم کی رسمی ملکہ تسلیم کیا اور
 اس کے توسط سے صغری آف ٹورون کو صلیبی بادشاہ قرار دیا تھا۔ اس وقت
 سے کانرڈ نے اس کی شادی کو غیر قانونی ثابت کرنے کے لیے نہ صرف کلیسیہ کا

ازابیلہ

۳۰ جون اتوار کا دن تھا۔

جب سورج نے جبل لبنان کی چوٹیوں سے جھانک کر دیکھا اور ٹورون کے
 شہر خیام پر سنہری کرنوں کا جال پھینکا۔ پانچ چھ میل کے رقبہ میں پوری چھاؤنی
 کلیساؤں کی گھنٹیوں کے شور سے گونج اٹھی۔

ٹورون ساڑھے تین لاکھ افرنکی لشکروں کا فوجی شہر تھا۔ جہاں ہر محلے اور ہر
 کیڑ میں الگ الگ کیتھڈرل تھے۔ اگرچہ شام کے کچھ اندھیرے اترتے ہی میل
 شاہد و شراب کے ہنگامے جاگ اٹھتے تھے اور پوری چھاؤنی عیش و نشاط کی باڑی
 گاہ بن جاتی تھی۔ لیکن ہر اتوار کو کلیساؤں میں عبادت گزاروں کا جہوم بھی غیر
 معمولی ہوتا تھا۔ مریم کی کنواریاں پرسوز لے میں مناجات گاتیں اور دیوانے
 راہب الغیث اے مزار مسیح..... کے نعرے لگاتے تھے۔

اول اول یہاں صرف کیتھڈرل تھے۔ ایک گائی لوگنٹان نے ٹورون کی
 سب سے اونچی چوٹی پر تعمیر کیا تھا جہاں اب اہل عیسا، ڈنمارک، سویڈن اور ہالینڈ
 کے باشندے جمع ہوتے تھے۔ دوسرا کیتھڈرل اطالوی راہبوں، تاجروں اور
 سپاہیوں کا صلیبی مرکز تھا۔

ان کے علاوہ کاؤنٹ ہنری کا گر جاشر کی سمت واقع تھا۔ سسلی، فرانس اور
 انگلستان کے بھی الگ الگ کیتھڈرل تھے جہاں ہر اتوار کو گھنٹیوں کا شور بلند ہوا
 اور اساتذہ و بطارقہ صلیبیوں کو فتح یروشلم کی خبر سناتے تھے۔

شاہ رچرڈ کی غیر معمولی بیماری کے باعث صلیبی لشکروں کی کمان ابھی تک
 شاہ فرانس فلپ آگنس کے ہاتھ میں تھی اور وہی جنگ صلیب کا امیر کبیر سمجھا
 جاتا تھا۔ لیکن ۳۰ جون کو پھر کلیساؤں کی گھنٹیوں کے شور میں انگریزی کیمپ
 اچانک ”رچرڈ شیردل..... زندہ باد“ کے نعروں سے گونج اٹھا اور انگریز
 بادشاہ کی صحت یابی کا جشن منانے لگے۔

اسی روز جب لوگ عبادت کے بعد کلیساؤں سے لوٹ رہے تھے۔ یہ خبر
 پوری چھاؤنی میں جنگل کی آگ کی مانند پھیلتی چلی گئی کہ یکم جولائی کو شاہ انگلستان
 صلیبی لشکروں کی کمان خود سنبھال لیں گے۔

اس خبر پر گائی لوگنٹان کے کیمپ میں غیر معمولی مسرت کا اظہار کیا گیا۔
 کیونکہ ٹمپلوں کے بعد صرف انگریز ہی اس کی رسمی بادشاہت کے قائل تھے۔

یونانی کنیز بجلی کی طرح حریری پردوں کی اوٹ میں غائب ہو گئی اور چند ہی
دقائقوں کے بعد جب دوبارہ کمرے میں حاضر ہوئی تو ایک زریں طشتری میں ہیرے
جواہرات سے مرصع حسین ترین سہ لڑا ہار جھلجھل کر رہا تھا۔ جس کے وسط
میں سرخ یاقوت کی ایک تراشیدہ صلیب آویزاں تھی۔ اس کے عقب میں ایک
صلیبی جشی غلام اشرفیوں کے دو توڑے اٹھائے داخل ہوا۔ شامی دیناروں کے
توڑے لورینا کو انعام کے طور پر بخش دیئے گئے اور سہ لڑا صلیبی ہار ملکہ ازائیل
کی خدمت میں پیش کرنے کے لئے اطالوی کنفی کے سپرد کر دیا گیا۔

”لورینا..... شادی کے بعد تجھے مزید انعام دیا جائے گا۔ بلکہ تو ازائیل کی
خادمہ خاص کے عہدے پر فائز کی جائے گی۔ فی الحال یہ شامی دینار قبول کر اور
میری طرف سے محبت کا یہ تحفہ ملکہ کو پہنچا دے.....“
اطالوی کنفی ایک مرتبہ پھر کمر تک جھک گئی۔

اچانک کانزڈ نے پوچھا۔

”کیا آج رات ازائیل سے ملاقات ممکن نہیں.....؟“

”مجھے افسوس ہے مارکوئیس آج رات ملاقات نہ ہو سکے گی۔ میں نے سنا
ہے ملکہ نے آج شام کاؤنٹ ہفری کو آخری فیصلہ کے لیے طلب کیا ہے۔ میرا
خیال ہے گفتگو بہت طویل اور تھکا دینے والی ہوگی.....“

”پھر تو تجھے فوراً اپنی ملکہ کے پاس پہنچ جانا چاہیے۔ میرا یہ تحفہ بھی ہفری
کی آمد سے پہلے ہی پیش کر دینا..... تو میرا مطلب سمجھ گئی ہے نا.....؟ پیاری
ازائیل سے کہہ دے آج سے ٹھیک دس روز کے اندر ہی اندر عکا کی تفصیل پر
مارکوئیس کے پرچم اڑ رہے ہوں گے۔“

”آپ مطمئن رہیں..... لورینا جانتی ہے محبت کی بباط پر کون سا مرہ کس
وقت آگے بڑھنا چاہیے۔“

پھر اس نے کانزڈ سے رخصت چاہتی اور جشی غلاموں کی معیت میں ملکہ
ازائیل کے خیموں کی طرف روانہ ہو گئی۔ کانزڈ بے حد مسرور و شادماں تھا۔ صور
کی حکومت کے بعد جو محض خوبی تقدیر سے ہاتھ آئی تھی۔ ازائیل سے شادی کا
تصور ایک دوسری غیر معمولی کامیابی تھی جس نے اسے یروشلم کی بادشاہ کے
قریب کر دیا تھا۔ چند سال پہلے وہ مانسٹرٹ سے جو سنہری امیدیں لے کر روانہ
ہوا تھا وہ عکا کے خون آشام ساحل پر پوری ہوتی نظر آ رہی تھیں جس کی زمین

فتویٰ حاصل کیا بلکہ وہ ازائیل کی محبت کا دعویدار بھی بن بیٹھا تھا۔ ازائیل کی
اس کی ہم خیال تھی۔ لیکن نوجوان اور حسین ملکہ کو اپنی محبت کا یقین دلانے
لیے اس نے تین چار کنینوں کی خدمات حاصل کی تھیں جو خفیہ طور سے اس
شوہر سے بدگمان کرتی رہتی تھیں۔ لورینا ان کی سردار تھی جس نے اپنی ہر
زبانی اور لفظی ہمدردی سے ازائیل کے خیموں میں خاصی اہمیت حاصل کر
لی تھی۔

وہ کمرے میں آتے ہی کمر تک جھک گئی۔ اس کے لبوں پر ایک معنی
تبسم رقص کر رہا تھا۔

”مارکوئیس..... انعام.....“

اس ایک لفظ نے کانزڈ کو از خود رفتہ کر دیا اور اس کی آنکھیں چلا
دشت کی مانند چمک اٹھیں.....

”مارکوئیس تجھے مالا مال کر دے گا کیا ازائیل طلاق پر راضی ہو گئی؟“

”یہ سچ ہے عالی جاہ..... وہ نہ صرف ہفری کو چھوڑ دے گی بلکہ کنیز کے
مشورہ پر آپ سے شادی کرنے کے لیے تیار ہے اس نے کہا ہے کہ میں
مارکوئیس کو پسند کرتی ہوں.....“

”لورینا.....! خدا کی قسم تو نے ایسا قلعہ فتح کیا ہے۔ جو عکا سے زیادہ
مضبوط اور ناقابل شکست تھا۔“

”لیکن شادی کے لیے ازائیل کی ایک شرط ہے مارکوئیس.....!“

”مجھے اس کی ہر شرط منظور ہے۔ پھر بھی وہ کیا کہتی ہے.....؟“

”ملکہ چاہتی ہے وہ عکا کی فتح کے بعد ہی شادی کرے اور اس کی نئی زندگی
کا آغاز عکا کے شاہی محل سے ہو۔“

”لورینا..... میری طرف سے پیاری ازائیل کو تحسین و آفرین پہنچا دے
اس نے واقعی ایک عمدہ شرط پیش کی ہے۔ عکا کی فتح اب کوئی دن کی بات ہے
اور خداوند نے چاہا تو سب سے پہلے مارکوئیس ہی شہر میں داخل ہو گا اور اپنا پرچم
نصب کرے گا۔ پیاری ازائیل میرے اس کارنامے پر ہمیشہ فخر کرے گی۔“

پھر وہ جوش مسرت میں یونانی کنیز روزا کی طرف گھوم گیا۔
”روزا..... ملکہ کے لیے کوئی بہترین تحفہ حاضر کرو اور لورینا کے لیے
انعام.....“

اڑھائی لاکھ صلیبوں کا خون پی چکی تھی۔ اس نے یونانی کنیز روزا کو بعض دین پھر گھوڑا طلب کیا اور اپنے محافظ سواروں کے ہمراہ فرانسیسی کیمپ کی طرف چل دیا اور اس کے نقطہ نظر سے اب شاہ فرانس فلپ آگسٹس کی سپہ سالاری قیمت پر ضروری تھی۔

۴ جمادی الثانی کا چاند ٹوروں کی چھاؤنی پر سیسے کر نیں بکھیر رہا ہے۔

سازش

انگریزی کیمپ میں شاہ رچرڈ کی صحت یابی کا جشن منایا جا رہا تھا۔ وہ اب بے بیماری کے بعد تندرست ہوا تھا اور انگریزی رقص گاہوں میں سپاہی رقص شراب کے نشہ میں مدہوش نظر آتے تھے۔ اگرچہ آسمان پر چھٹی تاریخ کا چاند روشن تھا اور چاندنی ہر جگہ کھیت کر رہی تھی۔ پھر بھی شاہ رچرڈ کی صحت یابی خوشی میں انگریز کیمپ چرغاں کا منظر پیش کر رہا تھا یہاں وہاں بے شمار فروزاں تھیں۔ جن کی روشنیوں کے عکس خیموں پر تھر تھرا رہے تھے۔ اس جشن صحت یابی میں صرف آرچ بشپ سلسبری ہیو برٹ والٹر کا خیمہ اور روح کی طرح خاموش کھڑا تھا۔

اس وسیع خیمہ کے اندر جس کے دروازے پر ریڈ کراس کا بہت بڑا سرنگون تھا، موٹی شمعوں کی روشنی میں تین آدمی ایک چوبی میز کے گرد بیٹھے اسرار سرگوشیوں میں مصروف تھے۔ ان میں ایک تو خود اسقف اعظم ہیو برٹ والٹر تھا، دوسرا ایک انگریز کرنل آیری کلیمنٹ اور تیسرا اطالوی ریاست مانسٹرٹ کا شہزادہ مارکوئیس کانزڈ..... (حاکم صور) جو تھوڑی دیر پہلے شاہ کا ایک خفیہ پیغام لے کر آیا تھا۔

بوڑھا اسقف بڑے قہر اور سکون کے ساتھ کانزڈ کی باتیں سن رہا تھا جس نے صاف صاف کہہ دیا تھا اگر شاہ رچرڈ نے صلیبی لشکروں کی کہ سنہالنے پر اصرار کیا تو فرانسیسی اور اطالوی فوجیں کل کے حملہ میں شریک ہوں گی۔ یورپ کے تمام لشکر شاہ فلپ کی سپہ سالاری پر متفق ہیں اور حالت میں انگریزوں کو تنہا جنگ لڑنا پڑے گی۔ کانزڈ نے یہ بھی کہہ دیا تھا۔

انگلستان نہ صرف عربوں سے خفیہ مراسلت کر رہا ہے بلکہ عرب حکیم کے علاج پر اصرار کر کے اس نے بہت بڑی غلطی کی اور صلیبی مفاد کو نقصان پہنچایا ہے۔ ٹوروں کی چھاؤنی میں عربوں کے سائینٹفک طریق علاج کا بہت چرچا ہو رہا ہے۔ خود آرچ بشپ کے نزدیک عرب حکیم اس سارے فساد کی جڑ تھا۔ بادشاہ کو ایک ہی دن میں بھلا چنگا کر کے اس نے جہاں عرب حکمت کا معجزانہ کمال دکھایا۔ وہاں پوٹو کے شمشیر زن بہادر پنڈو کو مقابلہ میں شکست دے کر اپنی بہادری کا سکہ بھی جمادیا تھا۔ یہی نہیں بلکہ اسقف اعظم کو یہ افسوسناک اطلاع بھی مل چکی تھی۔

عرب حکیم ۲۹ جون کی رات کو انگلستان کے شاہی خیموں میں بھی دیکھا گیا تھا جہاں اس نے شہزادی جین سے خفیہ ملاقات کی تھی صلیبی پٹوٹا کے نقطہ نظر سے یہ سب باتیں قومی مفاد کے منافی تھیں اور اب کانزڈ شہنشاہ فلپ آگسٹس کا پیغام لے کر آ پہنچا تھا۔ کہ شاہ رچرڈ کی سپہ سالاری خطرناک نتائج کی حامل ہو گی۔

بوڑھا اسقف سارا دن بے حد پریشان رہا تھا۔ اس نے سہ پہر کے وقت شاہ انگلستان سے بھی ملاقات کی اور باتوں باتوں میں اس خیال کا اظہار کر دیا کہ بادشاہ ایک طویل بیماری کے بعد صحت یاب ہوا ہے۔ اس لیے اسے چند روز مزید آرام کرنا چاہیے۔ مگر رچرڈ نے اس خیال کا معضکہ اڑایا۔ اور کہا تھا۔ فلپ کی کمان میں عکا قیامت تک فتح نہیں ہو سکتا اور وہ زیادہ دیر اس محاذ پر صلیبی قوت کو ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ کیونکہ صلاح الدین ایوبی سے اصل مقابلہ یروشلم میں ہو گا۔

آرچ بشپ ناکام و نامراد لوٹ آیا تھا..... رچرڈ بضد تھا..... وہ خود حملہ عام کی قیادت کرے گا۔ مگر فلپ آگسٹس..... اور کانزڈ نے ایک خطرناک صورت حال کا انکشاف کر کے معاملہ سنگین کر دیا تھا۔ تنہا انگریز عربوں کے مقابلہ کی جرات نہ کر سکتے تھے بوڑھے اسقف کو خاموش دیکھ کر کانزڈ نے آخری پتہ بھی بھینک دیا۔

”ہولی فادر.....! کسی شخص کو فلپ آگسٹس کی کمان پر اعتراض نہیں..... اگر شاہ رچرڈ نے ضد کی تو سب سے پہلے میری تلوار میان سے باہر آئے گی.....“

”میرے بیٹے! تمہیں اپنی تلوار صرف دشمنان صلیب کے خلاف بے نیام

کرنی چاہیے۔ کل کے حملہ عام کی کمان فلف ہی کرے گا۔

بوڑھے آرج بشپ کے الفاظ سن کر کانرڈ حیران و ششدر رہ گیا۔
تو کیا شاہ رچرڈ سپہ سالاری کے مقابلہ سے دستبردار ہو گیا.....؟
”میں نے تمہاری تجویز پر غور کیا ہے ہم اسے بے ہوشی کی دوا پلا کر
روز پھر بیمار کر دیں گے اس طرح وہ جنگ میں شریک نہ ہو سکے گا۔“
اس انکشاف نے آبری کلیمنٹ کو بھی متحیر کر دیا۔
آرج بشپ کہہ رہا تھا۔

لہذا بادشاہ کو اپنی غلطی کا خمیازہ بھگتنا چاہیے۔ ابن ہشام کی واپسی کے بعد اس کا
دوبارہ بیمار ہو جانا بہت ضروری ہے۔ تاکہ عرب طب کا جادو ٹوٹ جائے اور ہم
کہہ سکیں اس کی بیماری عربی دوا کا نتیجہ ہے اس سے کئی فائدے حاصل ہوں گے
اور نقصان کچھ نہیں۔ صرف بادشاہ کی طبیعت چند روز علیل رہے گی۔“
”ہولی فادر..... خداوند یسوع آپ پر برکتیں نازل کرے یہ ترکیب عرب
حکیم کا طلسم توڑ کے رکھ دے گی۔“

جوش مسرت سے کانرڈ کے ہونٹ کپکپاتے رہے۔ آبری کلیمنٹ بھی کچھ
اس مطمئن نظر آنے لگا تھا۔
”مگر بادشاہ کو یہ دوا پلائے گا کون.....؟“
”تم ملکہ برتگیریا کو کیوں بھول رہے ہو۔ وہ بھی تو عرب حکیم کا علاج پسند نہ
کرتی تھی۔“
”ملکہ برتگیریا.....“

”ہولی فادر.....! جھگڑا نہ پٹانے کا اس سے بہتر راستہ ہے بھی نہیں۔“

دوسرے لمحے بوڑھے اسقف کے ہاتھ میں ایک چھوٹی سی شیشی نظر
جس میں سرخ رنگ کا سیال چمک رہا تھا۔ آبری کلیمنٹ کی آنکھیں دھن دھن
وحشت کا اظہار کرنے لگیں اس کے ہونٹوں کے کنارے کانپ رہے تھے۔
”مقدس باپ! اگر میرا قیاس غلط نہیں تو یہ یقیناً زہر ہے اور اسے اپنے جذبات کی قربانی دینا ہوگی۔ ورنہ نا اتفاقی کی صورت میں انگلستان اور
استعمال بھی خطرناک ہو گا۔“

”نہیں یہ دوا ہے اور اس کے چند قطرے کسی کی جان نہیں لے سکتے۔“
”نہیں یہ دوا ہے اور اس کے چند قطرے کسی کی جان نہیں لے سکتے۔“
”نہیں یہ دوا ہے اور اس کے چند قطرے کسی کی جان نہیں لے سکتے۔“
”نہیں یہ دوا ہے اور اس کے چند قطرے کسی کی جان نہیں لے سکتے۔“

”میں اس تجویز سے خوف محسوس کر رہا ہوں۔“
”یکنخت اسقف اعظم کی آنکھیں جیسے مشعلوں کی طرح جل اٹھیں اس ہوگی۔“

چہرے پر غمہ کی لکیریں ابھریں اور وہ سرگوشیانہ لہجے میں کہنے لگا۔
”بادشاہ سے ایک بہت بڑی غلطی سرزد ہو چکی ہے۔ اس کی صحت یابی بوڑھے اسقف نے شیشی انگریز کرنل کی طرف بڑھادی۔“

حکیم کی مرہون منت ہے ہم ادویات میں عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔
”کلیمنٹ! مجھے امید ہے بادشاہ نے ابھی رات کا کھانا نہ کھایا ہو گا تم فوراً“
”میں ان کی طرف روانہ ہو جاؤ..... میں جانتا ہوں ملکہ تم پر اعتماد کرتی ہے۔“
”بے دین“ اسے تاکید کر دو۔ رات کے کھانے سے پہلے یہ دوا بادشاہ کو ضرور پلا دے.....
”میں اب دیر نہ کروں۔ ہماری نجات اسی دوا“

میں مضمر ہے۔“

آبری سکیمنٹ نے سرخ سیال کی شیشی جیب میں ڈالی اور چپ چاپ سے باہر نکل گیا..... اب بوڑھے اسقف نے کانرڈ کو مخاطب کیا۔

”مارکو کیس..... تم جانتے ہو یہ ناخوشگوار فرض کس قیمت پر ادا ہوں.....؟ فلف آگسٹ نے عکا کی فتح اس کی قیمت ٹھہرائی ہے..... تم اس

پیغام لے کر آئے تھے نا۔ اگر یکم جولائی کے حملہ عام کی کمان اس کے پاس تو وہ اس حملہ میں شہر فتح کر لے گا۔ جا کر اسے کہہ دو ہیو برٹ والٹر نے

پورا کر دیا اور رچرڈ کو اس کے رستہ سے ہٹا دیا ہے۔ اب وہ اپنا وعدہ کرے اور عکا فتح کر کے دکھائے۔ میرے کان فتح کی خوشخبری سننے کے

بے تاب ہیں۔ اگر وہ اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا..... تو آئندہ کے لیے اس کی سپہ سالاری

خطرے میں پڑ جائے گی.....

”کیونکہ..... رچرڈ زیادہ دیر تک بیمار نہ رہ سکے گا۔“

”ہولی فادر.....“

وہ بولا۔

”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں اہل عکا اس حملہ کی تاب نہ لا سکیں۔“

کل آپ فتح کی نوید سن لیں گے۔“

”خداوند کرے ایسا ہی ہو.....“

آبری سکیمنٹ نے کہا۔

اور..... انگریزی کیمپ میں ہاؤ ہو کی آوازیں بڑھتی ہی جا رہی تھیں۔ بادشاہ کے خیمہ کی طرف آئی تو اس کی نگاہیں جیسے بجلی کی چمک سے چندھیا کے

زہر نوشی

برنگیریا کی آنکھوں میں ایک بجلی سی کوند کے رہ گئی۔

وہ نظر کا دھوکا تھا، کوندے کی لپک یا کسی چھلاوے کی جھلک اسے صرف روشنی کی ایک لکیر سی نظر آئی جو اطلس کے پردوں کی اوٹ میں بجلی کی طرح

تھر تھرا کر اوجھل ہو گئی۔ وہ کئی لمحے حیران اور ششدر کھڑی اس لکیر کے متعلق

پہلے بھی ایک دن جب وہ شہزادی جین کی ہمراہ بادشاہ کے خیمہ سے نکلی تھی

اور پھر رانداری میں چلتے چلتے اس نے اچانک پلٹ کر دیکھا تو اسے اپنے شوہر کی

بارگاہ میں کسی اجنبی عورت کا بس ایک ہیولا سا نظر آیا تھا۔ پھر فوراً ہی اطلی

پردے گرا دیے گئے اور وہ رنگین ہیولا اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گیا تھا۔

اس نے سوچا تھا۔۔۔ ممکن ہے یہ اس کا وہم یا نظر کا دھوکا ہو۔۔۔ ایک

ہی ساعت قبل جب وہ جین کے ہمراہ شاہی بارگاہ سے نکلی تو وہاں بلونڈل شاعر

کے سوا دوسرا کوئی آدمی موجود نہ تھا۔ پھر یہ بھی ہو سکتا تھا بادشاہ نے کسی کنیز کو

طلب کیا ہو مگر آج جب وہ رات کے کھانے سے پہلے ایک خاص مقصد کے تحت

بادشاہ کے خیمہ کی طرف آئی تو اس کی نگاہیں جیسے بجلی کی چمک سے چندھیا کے

وہ بجلی کی ایک چمک ہی تو تھی جو پلک جھپکتے غائب ہو گئی۔

اب تو بس برنگیریا کے ذہن پر ایک روشن لکیر سی تھر تھرا رہی تھی۔ جسے

اس نے بادشاہ کے خیمہ سے بجلی ایسی تیزی کے ساتھ نکلنے اور اطلی پردوں کی

عقب میں روپوش ہوتے دیکھا تھا اور وہ فیصلہ نہ کر پائی تھی۔

وہ عورت کون ہو سکتی ہے جو بادشاہ کی دلچسپی کا مرکز بن گئی اور اس سے

یوں چوری چھپے ملتی ہے؟

بادشاہ اپنے کمرے میں تنہا تھا۔۔۔ تنہا ہی کتنا چاہیے۔ شاہی موبائل بول گئے۔ وہ ہمارے ساتھ ہوگی۔ اس پر وہ بے حد خوش ہوئی اور بھاگ گئی۔“

تک اس کے ذہن سے نکلا رہی تھیں۔
 ”لیکن تم اس وقت کیا چاہتی ہو۔۔۔ اگر کوئی ضروری کام نہ ہو تو پھر باہر بھیج دیا اور شربت پینے میں اندلیٹے لگی۔ اس کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ یہاں بیٹھو میں نے امیروز کو طلب کیا ہے۔ آج وہ صحت کا گیت گائے گی۔ اس حالت میں وہ اندازہ نہ کر سکی کہ سرخ سیال کے آٹھ ہی قطرے شربت میں پیاری برنگیریا کو چند لمحوں کی فرصت ہے؟“

”اوہ۔۔۔ یہ میری خوش نصیبی ہے کہ عالیجاہ مجھے محفل موسیقی میں ڈالے۔ اس نے بڑی ہوشیاری سے شیشی اپنے گریبان میں چھپالی اور پیانا اٹھا کر کا اعزاز بخشیں میں تو صرف آپ کی طبیعت کا حال پوچھنے اور رات کے کمرہ بادشاہ کے سامنے آئی جو امیروز کے گانے میں کھویا ہوا تھا۔
 رچڑا چلا بھی اچھا بربط نواز تھا۔ بادشاہت سے پہلے جب وہ فرانس میں تھا تو کے متعلق دریافت کرنے کے لیے آئی تھی۔“
 رچڑا اچانک خوش نظر آنے لگا۔ اس نے برنگیریا کا ہاتھ تھام لیا اور اس نے پوئیرز (فرانس کے صوبے جو قرون وسطیٰ میں موسیقی، شاعری اور بہادری کے حکم دیا۔ وہ امیروز کو آنے دے۔ نیز شاہی کنیز سے کہے۔ وہ بادشاہ اور ملے شرت رکھتے تھے۔ کیسکینی کے لوگ لاف زنی میں بھی مشہور تھے۔) اور کیسکینی کے مفرح شربت پلائے۔

شاہی موسیقار نے جبکہ کمر سلام کیا اور بادشاہ کے اشارے پر اپنا خون رقصاں تھا اور صوبہ کیسکینی کے لاف زن بہادروں سے اس نے ڈینگیں مارنا سنبھال کر اس کی تاروں کو جھنجھانے لگا۔ اس نے اپنے گانے کا آغاز عربی سیکھ لیا تھا۔ اس کی طبیعت اگرچہ سیماب کی طرح مضطرب تھی اور اس نے نفرت سے کیا جنہیں وہ ایشیاء کے بے دین وحشیوں کے نام سے یاد کرتے تھے۔ پتھانوں کیسکینی کا کہنا تھا۔ حتیٰ کہ جب وہ سپاہیوں کے درمیان ہوتا تو کسی کا کندھا گیت اس نے خود لکھا تھا جس میں بتایا گیا تھا جب مشرق کے بے دین وحشی پتھانوں کیسکینی کو ٹھوکر مارتا ہوا چلتا اور کسی کی کمر میں ہتھ پھنستے گھونہ رسید کر دیتا خدا پر ٹوٹ پڑے اور انہوں نے فرزند ان صلیب کو ہلاک کر دیا تو رچڑا اس کی لابیالی طبیعت کی انتہا تو یہ تھی وہ راہ چلتے روڑوں اور سنگریزوں کو انگلستان میں خون کی لہریں ظاہر ہوئیں اور فضاؤں میں غیبی ہاتھ نمودار ہوئے۔ رچڑا بھی ٹھوکر مار کر اڑا دیتا لیکن کیسکینی کے بہادروں کی مانند محض لاف زن نہ تھا۔ جنہوں نے ایشیاء کی طرف اشارہ کیا دین برحق کا پرستار بادشاہ اپنے کنیز سے اور تلوار کے قبضہ پر اس کی گرفت حیرت انگیز حد تک مضبوط تھی اور وہ سوراؤں کے ساتھ سمندروں کا سینہ چیرنے لگا۔ مگر جب وہ جبل الطارق کا تنائیمیوں آدمیوں کا مقابلہ کر سکتا تھا۔

عبور کر رہا تھا۔ بحیرہ روم کی ہواؤں نے اسے سسلی کے تارمنوں کی بنیاد پر حال سنایا اور انگلستان کی ایک شہزادی کے رنج و اندوہ کا واقعہ گوش گزار کیا۔ رچڑا نے اس کے ہاتھ سے پیانا تھام لیا اور اسے ملکہ کی طرف لہراتے شہنشاہ کے جہاز سسلی کے ساحل پر آگے اور تلواروں سے خون چھیننے لگا۔
 ”پہلے یہ شربت پیاری برنگیریا نوش کرے گی۔۔۔ میری صحت کا امیروز اگرچہ اس سفر میں رچڑا کے ساتھ نہ تھا۔ وہ کافی عرصہ پہلے فلسطین پہنچ چکا اور گائی لو گننان کے لشکروں میں شہزادی کے شوق میں فلسطین پہنچ چکا اور گائی لو گننان کے حالات اس نے بادشاہ کے روزنامے میں ارنول سے سنے اور اپنے مخصوص انداز میں نظم کیے تھے۔ اس کے شاعری کم اور گالیاں زیادہ ہوتی تھیں۔۔۔ بالخصوص عربوں کا ذکر وہ انتہائی و تحارت سے کرتا اور انہیں ایشیاء کی بد روحوں کے خطاب سے پکارتا تھا۔
 امیروز کا گیت جاری تھا کہ بادشاہ کی کنیز ایلزبتھ مفرح شربت

برنگیریا ایک دم بوکھلا اٹھی اور اس کی آنکھیں پریشانی کا اظہار کرنے لگیں۔ ایک لمحہ کے لیے اس کے ذہن میں یہ خیال گزرا کہیں بادشاہ نے اس کی چوری پکڑ تو نہیں لی۔ کہیں اسے شربت میں سرخ سیال ٹپکاتے ہوئے دیکھ تو نہیں لیا۔ فوراً اس نے خود کو سنبھالا اور ایک دلاویز مسکراہٹ کے ساتھ کہنے لگی۔
 ”مگر یہ جام میں نے صرف بادشاہ کے لیے بھرا ہے۔۔۔“

شہ رتیں کاٹا تھیں وہ ٹورون کی چھاؤنی میں بستر علالت پر پڑا تھا۔
رچرڈ نے پیانہ خالی کر کے زور سے کونے میں ٹپک دیا اور بلور کی کرجیاں
ایک چھانکے سے بکھر گئیں۔

برنگیریا گھبرا کر کھڑی ہو گئی۔ ایمبروز کے گیت کی لے ٹوٹ گئی اور اس نے
پہلی مرتبہ حیرت پاش نگاہوں سے بادشاہ کی طرف دیکھا۔ جس کے چہرے پر فانوس
کی روشنیوں کا عکس تھر تھرا رہا تھا۔ اسی لمحے شاہی کنیز الزبتھ بھاگی بھاگی آئی۔

”ایمبروز۔۔۔ اپنا نغمہ جاری رکھو۔۔۔“

بادشاہ نے حکم دیا۔

پھر اس کی نظریں ملکہ کے چہرے پر جائزہ لینے لگیں جو حیران و پریشان کھڑی
تھی۔ سربل الاثر زہر نے فوراً ہی اپنا کرشمہ دکھایا اور رچرڈ کی طبیعت بگڑنے
لگی۔ مگر اس کے چہرے سے دل کی بے چینی کا پتہ نہ چلتا تھا۔۔۔ وہ مسکرا رہا
تھا۔ اپنے آپ کو سنبھال رہا تھا۔ وہ راز جسے برنگیریا نے چھپانے کی کوشش کی
تھی، چھپ نہ سکا وہ سمجھ گیا تھا۔ آج شہرت کا اثر غیر معمولی ہے۔ اس کے دل
کی دھڑکن بتدریج تیز ہو رہی تھی اور زہر خون میں سرایت کر رہا تھا۔
رچرڈ نے مسکرا کر برنگیریا کی طرف دیکھا۔ پھر لپک کر ایمبروز کے ہاتھ سے
بربط خود چھین لیا۔

”تم جاؤ۔۔۔ ایمبروز! ہم اپنی صحت کا گیت خود گائیں گے۔۔۔“

شاہی موسیقار حیران و ششدر خیمے سے باہر نکل گیا۔ رچرڈ نے بربط کو بازو
میں سنبھال کر مضرب کو حرکت دی۔

تار بڑی شدت سے جھنجھنا کر کانپنے لگی اور تیز موسیقی کی ایک چیخ دور تک
ایمبروز کا تعاقب کرتی چلی گئی وہ گھبرا کر بارگاہ کی گلی میں رک گیا۔ کیونکہ بادشاہ
نے ”موت کا نغمہ“ چھیڑ دیا تھا۔

برنگیریا نقش حیرت بنی اس کی عجیب و غریب حرکات کو بغور دیکھ رہی تھی۔
کیس وہ پاگل تو نہیں ہو گیا۔۔۔ کیس دوانے اس کا دماغ تو نہیں الٹ دیا؟

دوسرے لمحے بربط کے تاروں سے پھر ایک چیخ بلند ہوئی اور بادشاہ نے
پوری قوت سے اسے فرش پر دے مارا۔ ایک دھماکے سے بربط کے تار جھنجھنا کر
دوہرے ہو گئے فرش پر ساز کے بجائے اب اس کے ٹکڑے بکھرے ہوئے تھے۔
رچرڈ نے خوفناک قہقہہ لگایا اور چیخ کر بولا۔

بلوری صراحی کے پاس آہنسی میز پر دوسرا پیانہ بھی بھرا رکھا تھا۔ مگر
ہوشیاری سے پیچھے ہٹی اور میز سے پیانہ اٹھا کر شوہر کے پہلو میں آ
ایمبروز اس وقت جزیرہ قبرص میں نوارے کی حسین شنزادی برنگیریا اور
انگلستان کی شادی کا واقعہ سنا رہا تھا اور بربط کے تاروں سے موسیقی پھوٹ
تھی۔۔۔ دور کہیں سے بدست سپاہیوں کی ہاؤ ہو کی آوازیں ہوا کے دوڑ
تیرتی ہوئی شاہی بارگاہ کے خیموں سے مگمگا رہی تھیں اور کھلے درپچے سے
ہوئی چاندنی بھلی لگ رہی تھی۔

برنگیریا نے اپنا پیانہ رچرڈ کے پیانہ سے ٹکرایا۔ مگر اب بادشاہ نے
انوکھی تجویز پیش کر دی۔ وہ اپنا پیانہ ملکہ کو پلائے گا اور اس کا پیانہ خود اپنے
برنگیریا کے ہونٹوں پر مردہ سی ہنسی نمودار ہوئی۔ اس کی تمام ہوشیاری
چالاکی جس کا اس نے ابھی ابھی مظاہرہ کیا تھا دھری کی دھری رہ گئی۔ رچرڈ
اپنا جام پلانے پر مصر تھا۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر اس نے شاہی جام پینے
انکار کر دیا تو بادشاہ کو شبہ ہو جائے گا۔ وہ اس ذلت و رسوائی کے تصور ہی
کانپ اٹھی جو اس صورت میں پیش آتی لیکن اتنی گھبراہٹ بھی کیسی۔ اگر بادشاہ
نے اصرار کیا تو وہ اس کا جام پینے سے انکار نہ کرے گی۔ آخر وہ زہر آلود
نہیں فقط یہی ہو گا۔ شوہر کی بجائے چند روز وہ خود بیمار رہے گی۔

رچرڈ کا جام اس کے ہونٹوں سے چھونے لگا۔ وہ عشق انگیز لمبے میں بولا۔
”پیاری برنگیریا۔۔۔ میرے ہاتھ سے ہو۔“

اور آنکھیں بند کر کے برنگیریا نے ایک گھونٹ بھر لیا۔ پھر اسی لمحے اپنا
بادشاہ کے ہونٹوں سے لگایا۔ اس نے بھی ایک گھونٹ بھرا۔

”اب ہم اپنا جام پیں گے۔“

برنگیریا نے تجویز پیش کی اور اپنا پیانہ ہونٹوں سے لگا لیا۔ ”مجبوراً“ رچرڈ
بھی اپنا جام پینا پڑا۔

”برنگیریا۔۔۔ برنگیریا۔۔۔ !! آج میں بہت خوش ہوں۔۔۔ آج تم
پہلی مرتبہ ساقی گری کی ہے۔“

ایمبروز کا نغمہ جاری تھا۔ اس نے بحری ہواؤں کے ناخوشگوار اثرات
مشرق کے منخوس ساحلوں کا ذکر چھیڑ دیا۔ جہاں دین صلیب کا پرستار شہنشاہ
دبا کا شکار ہوا اور ٹھیک اس وقت جب اسے فاول پر سوار ہو کر دشمنان

ملکہ اور بادشاہ کی بے ہوشی کی خبر آنا "فانا" پھیل گئی۔ شنزادی جین، گرینا کیرو پیز ٹینی سینہ سوس شنزادی ور جینا اور کنیزیں بھاگتی ہوئی شاہی بارگاہ میں داخل ہوئیں۔ وہ سب حیران و پریشان اور افسردہ و ملول تھیں۔

جشن صحت کے موقع پر بادشاہ کی اچانک بیماری ایک معمہ تھی۔ شاہی خیمہ میں لوگوں کا ہجوم بڑھنے لگا۔ بادشاہ کے مصاحب اور تیمار دار جمع ہوئے ان میں آرج بشپ ساسبری، کاؤنٹ ہنری، گائی لو گنٹان، بالڈون ڈی کرو، آبری کلیمنٹ بادشاہ کا ذاتی بشپ ولیم آف پوشو شاہی موسیقار ایمبروز شاہر خاص بلوندل سردار ڈی مینڈول اور دیگر معزز انگریز ناٹ اور سردار شامل تھے۔

رچرڈ ابھی تک بے ہوش تھا۔ شاہی ڈاکٹر کے اس انکشاف نے سب کو حیران کر دیا۔ ان کے محبوب بادشاہ کو زہر دیا گیا ہے۔ مگر یہ امر اطمینان بخش تھا۔ بروقت قے ہو جانے سے زہر کی کثیر مقدار جسم سے خارج ہو چکی تھی۔۔۔

الزبتہ اور ایمبروز کے بیانات کے مطابق بادشاہ اور ملکہ نے برادر سلطان ملک العادل کا بھیجا ہوا شربت پیا تھا اور اس وقت سے دونوں بے ہوش تھے۔ کنیز نے برنگیریا سے بادشاہ کے توہین آمیز سلوک کا ذکر جان بوجھ کر نہیں کیا تھا۔ اچانک آرج بشپ آف ساسبری نے اعلان کیا۔

"مجھے پہلے ہی شبہ تھا عرب حکیم کی دوا زہر آلود ہے۔ بعض زہر کچھ وقفہ کے بعد اچانک اثر انداز ہوتے ہیں۔ میں نے بادشاہ کو مشورہ دیا تھا۔ وہ ابن ہشام کی دوا استعمال نہ کریں۔ مگر انہوں نے میری بات نہ مانی۔۔۔"

انگلستان کے شاہی خیموں پر اچانک غم و افسردگی کی فضا چھا گئی۔ انگریزی کیمپ میں جشن صحت یکنخت سوگواری میں تبدیل ہو گیا اور لوگوں کے چہرے قمقمے مرگوشیوں میں بدلتے چلے گئے۔

آدھی رات کے وقت ملکہ برنگیریا کو ہوش آ گیا اور وہ خالی خالی نگاہوں سے کنیزوں کے چروں کی طرف دیکھنے لگی۔ لیکن بادشاہ بدستور بے ہوش تھا۔ اس کا جسم تیز بخار سے پھنک رہا تھا۔ دل کی دھڑکن بھی غیر معمولی تھی۔ وہ بے حس و حرکت پڑا تھا۔ شاہی ڈاکٹر کا خیال تھا اگر قے نہ ہو جاتی تو زہر اس کے کلیجے کو چاٹ چکا ہوگا۔ کیونکہ وہ بے حد سریلج الاثر تھا۔

"برنگیریا۔۔۔ پیاری برنگیریا۔۔۔! اسی طرح زندگی کے ساز ٹوٹ جائے اور انسان ہمیشہ کے لیے خاموش ہو جاتا ہے۔۔۔"

اس کا چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھیں شعلوں کی مانند دھکنے لگی تھیں۔۔۔ نوارے کی سینہ نے اس کی بگڑتی ہوئی حالت کو بھانپ لیا اور لپک کر اس کے قدموں سے لپٹ گئی۔

"رچرڈ۔۔۔ تم کیسی باتیں کر رہے ہو۔۔۔ میرا دل کانپ اٹھا ہے۔"

رچرڈ کے ہونٹوں پر پھر ایک قہقہہ تڑپنے لگا اور زہر آلود ہنسی کی لہر سمندر کی وحشی موجوں کی طرح برنگیریا کے ذہن سے ٹکرائیں۔

"بے وقوف عورت۔۔۔ تو یہی چاہتی تھی ساز ٹوٹ جائے۔"

پھر برنگیریا گیند کی طرح اچھل کر دور جا پڑی۔ بادشاہ کے پاؤں کی ایک ہی ٹھوکر نے اس کے ہوش و حواس چھین لیے۔۔۔ آنکھیں بند ہو گئیں اور بے حس و حرکت جسم ایک طرف لڑھک گیا۔۔۔ شاہی کنیز باز کی طرح جھپٹی اور بے ہوش ملکہ پر جھک گئی۔ مگر اسی لمحے بادشاہ کی گردار آواز نے اس پر لرزہ طاری کر دیا۔

"کنیزوں کو بلاؤ اور ملکہ کو اس کے کمرے میں پہنچا دو۔"

الزبتہ آندھی کے جھونکے کی مانند لڑکھڑاتی ہوئی راہداری میں بھاگتی چلی گئی۔ رچرڈ فوراً آگے بڑھا۔ اس نے بے ہوش برنگیریا کا جسم ٹولا اور اس کے گریبان سے سرخ زہر کی شیشی نکال کر دیکھنے لگا۔ پھر وہ شیشی اس کی جیب میں چلی گئی۔ شاہی گارڈ ولیم کے ساتھ ایمبروز بھی کمرے میں آ گیا مگر بادشاہ کی خشکیں آواز سن کر وہ پھر پلٹ گئے۔

جب کنیزیں بے ہوش ملکہ کو اٹھا کر لیے جا رہی تھیں۔ رچرڈ کا سرتیزی سے گھومنے لگا۔ ذرا ہی وہ خیمہ کے سرخ ستون کو تھام کر بیٹھ گیا اور نے کرنے لگا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اس کا کلیجہ الٹ کر باہر آ جائے گا۔ ولیم اور ایمبروز دیوانوں کی طرح اس کے قریب پہنچ گئے۔ بادشاہ کے حلق سے ابھی تک زرد۔۔۔ پیلا۔۔۔ رکیک سا مادہ خارج ہو رہا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو سنبھالنے کی بہت کوشش کی لیکن جلد ہی بے ہوش ہو کر لڑھک گیا۔ شاہی کنیزیں اور غلام جمع ہو چکے تھے۔ انہوں نے بے ہوش بادشاہ کو بستر پر لٹا دیا فوراً ہی "نوکر شاہی ڈاکٹر کو بلانے کے لیے بھاگ گئے۔"

151
اس نے بستر سے اٹھ کر چلنے کی کوشش کی لیکن ٹانگیں لڑکھڑا کے رہ گئیں اور اسے پھر بستر پر لٹا دیا گیا۔

شاہی خیموں میں کوئی بھی آرام نہ کر سکا تھا۔ جین بے حد متفکر اور پریشان تھی۔ اس کے ساتھ گرٹا، ورجینا، بیڑ ٹینیٹنی شزادی اور خادمہاؤں نے بھی شب بیداری کی تھی۔ بادشاہ کو بتایا گیا ملکہ برٹگیرا آدھی رات تک بے ہوش رہی مگر اب وہ ہوش میں ہے۔ اور ہسپانوی کنیز سوبانیا اس کی خدمت میں مصروف ہے۔ اطلاع بھی دی گئی ملکہ بادشاہ کے متعلق بے حد متفکر اور پریشان تھی۔ اسے یہ کہہ کر مطمئن کر دیا گیا کہ عالی جاہ آرام کر رہے ہیں۔

رچرڈ نے برٹگیرا کے بارے میں کسی دلچسپی کا اظہار نہیں کیا۔۔۔ جیسے وہ اس سے بیگانہ ہو چکا تھا۔ البتہ کچھ دیر کے بعد اس نے بیڑ ٹینیٹنی شزادی سوسن کو اپنے قریب بلایا اور حکم دیا۔ وہ برٹگیرا کے پاس رہے اور اسے تسلی دے کیونکہ وہ جلد گھبرا جانے والی کمزور دل عورت ہے۔

قبرصی دو شیزہ اسی وقت ملکہ کے خیموں میں چلی گئی۔ اچانک رچرڈ نے شاہی کنیز ایلزبتھ کے متعلق دریافت کیا تو جواب ملا۔
”وہ اس وقت بالڈون ڈی ک سے رو کی حراست میں ہے۔“
”کیوں۔۔۔ اس نے کیا جرم کیا ہے؟“

رچرڈ نے حیرت پاش نگاہوں سے اپنی بہن کی طرف دیکھا اور ٹکلیوں کے ساتھ ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔
جین نے جواب دیا۔

”میں نہیں جانتی۔ امیروز کا بیان ہے۔ شربت وہی لے کر آئی تھی۔ جسے پینے کے بعد ملکہ اور آپ دونوں بے ہوش ہو گئے۔ پھر آرج بشپ نے ایلزبتھ کی نگرانی کا حکم دیا۔“

”وہ بوڑھا گدھ شاہی خیموں میں حکم چلاتا ہے۔۔۔؟“
رچرڈ کی غصیلی آواز بگولے کی طرح لہرائی سب لوگ دم بخود رہ گئے۔
آرج بشپ آف سلسبری ملاقاتی نگے میں موجود تھا اور یقیناً ”اس نے بادشاہ کا فقرہ سنا تھا۔ فوراً“ شاہی گارڈ کا افسر خیمے میں نمودار ہوا اس نے ”ہولی فادر“ کی حاضری کے لیے اجازت طلب کی۔

یوہرٹ والٹر پریشانی کے عالم میں اندر آیا۔ رچرڈ نے آرج بشپ پر قہر آلود

152
شنزادی جین اور گرٹا کیرو بے حد پریشان تھیں۔ انہیں آرج بشپ کے اس بیان سے ایک فیصد بھی اتفاق نہ تھا کہ ابن ہشام کی دوا زہر آلود ہو چکی ہے۔ مگر بادشاہ کو زہر بہر حال دیا گیا تھا۔ وہ دونوں یہ بھیج جانے کے لیے با تآب تھیں کہ زہر کس نے دیا ہے؟
شاہی کنیز ایلزبتھ جو بادشاہ اور ملکہ کے لیے شربت لے کر آئی بالڈون ڈی کیرو کی تحویل میں تھی۔

حملہ

یکم جولائی کو صبح ہی صبح فوجی بگل چلانے لگے۔ بڑے بڑے دماے رعد کی مانند گونجے پھر ہر طرف بینڈ باجوں کا شور سنائی دینے لگا۔
ٹوروں کے ہر محلے اور ہر سیکڑ میں سپاہی اپنے خیموں چھو لدا ریوں اور کچی بارکوں سے باہر نکل آئے۔ ساحل سمندر پر انسانوں کا ایک سمندر ٹھاٹھیں مارنے لگا۔ جس طرف نگاہ جاتی آدمی ہی آدمی دکھائی دیتے تھے۔ جن کے درمیان سرخ صلیبی پرچم اور یورپ کے بادشاہوں ڈیوکوں، نائٹوں اور سرداروں کے مختلف المون نشان اڑ رہے تھے۔

تین لاکھ سے زائد صلیبی لشکر عکا پر حملہ کرنے کے لیے ہتھیاروں سے لیس تھے۔ بکتر بند سپاہیوں کے دستے اپنے اپنے مخصوص پرچموں کے نیچے جمع تھے۔ ان کی کثرت پر ہڈی دل کا گمان ہوتا تھا۔

انگریزی کیمپ میں بھی سوار اور پیادہ مارچ کے لیے تیار کھڑے تھے اور سابق کی طرح آج بھی صلیبی لشکروں کی کمان فرانس کے شہنشاہ فلپ آگسٹ کے ہاتھ میں تھی۔ آرج بشپ آف سلسبری مارکوئیس کانرڈ اور آبری کلیمنٹ کی سازش کامیاب ہوئی تھی اور رچرڈ شیردل پھر بستر پر بیمار پڑ گیا تھا۔

وہ پورے اڑھائی پہر بے ہوش رہا تھا۔ بحری کے وقت جب اس نے آنکھیں کھولیں تو ان لوگوں کی جان میں جان آئی جو ساری رات اس کے آس پاس بیٹھے رہے۔ پھر اس کی طبیعت بتدریج سنبھلنے لگی اور صبح تک اچھی طرح گفتگو کرنے کے قابل ہوا۔ اب وہ جسم شدید طور پر نقاہت محسوس کرنے لگا تھا

نگاہیں ڈالیں اور غضب ناک لہجے میں بولا۔
 ”فادر والرز۔۔۔ تم نے کس حیثیت سے ایلزبتھ کی گرفتاری کا حکم دیا تھا۔“

بوڑھا اسقف بادشاہ کے اس عجیب و غریب سلوک پر بوکھلا کے رہ گیا۔
 اس نے جرات سے کام لے کر جواب دیا۔
 ”شاہی ڈاکٹر کا خیال تھا آپ کو زہر دیا گیا ہے اور اس وقت ایلزبتھ بادشاہ کی خدمت کر رہی تھی۔“
 ”مگر تم تو کہتے تھے زہر ملک العادل کے حکیم نے دیا ہے۔“
 ”بے شک! میرا یہی خیال ہے!“
 ”پھر ایلزبتھ کی گرفتاری کیا معنی رکھتی ہے۔“

آرچ بشپ کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ اچانک رچرڈ کا غصہ کانور ہو گیا اور بڑے دھیمے لہجے میں بولا۔
 ”ہولی فادر۔۔۔ میں پہلے بھی کہہ چکا ہوں صلاح الدین مجھے میدان میں طلب کر رہا ہے۔ مگر نوروں میں بعض لوگ مجھے بستر پر ہلاک کرنا چاہتے ہیں پھر بتاؤں گا۔ مجھے زہر کس نے دیا تھا؟“
 پھر اس نے چلا کر حکم دیا۔
 ”ولیم۔۔۔ ایلزبتھ کو یہاں بلاؤ۔۔۔!“

ملاقاتی خیمے میں انگریز نائٹوں کے علاوہ رچرڈ کا بھانجا کاؤنٹ ہنری بھی موجود تھا۔ بادشاہ نے ہنری کے ساتھ بالڈون ڈی کیرو اور کرٹل آبری سکیمٹ کو طلب کیا وہ سب کے سب بادشاہ کی بحالی صحت پر خوش تھے۔ لیکن یہ امر بے افسوسانک تھا اپنے منصوبہ کے مطابق وہ جنگ میں شریک ہو سکتا نہ فوجوں کا کمان کر سکتا تھا۔

نوروں کی چھاؤنی بینڈ باجوں کی شور انگیز صداؤں سے گونج رہی تھی۔ پھر بدستے فیصل کی طرف حرکت کر رہے تھے۔ رچرڈ نے درپے کا پردہ ہٹا کر انگریزی لشکروں پر نظر ڈالی۔

پھر کاؤنٹ ہنری سے مخاطب ہو کر بولا۔
 ”میں جانتا ہوں، فلپ کو صرف ناموری کا شوق ہے وہ عربوں کی دہشت قوت کا مقابلہ نہ کر سکے گا۔ پھر بھی آج کی لڑائی فیصلہ کن ہونی چاہیے۔“

فرانسیسی کیمپ میں شاہی خیموں کے سامنے ایک اونچے بانس پر سرخ پھول اور سنہری صلیب والا سفید پرچم لہرا رہا تھا۔۔۔ بانس کی بلندی کسی مینار سے کم نہ تھی۔ اوپر نیچے کئی بانس ریشی ڈوریوں سے باندھے گئے تھے۔ جنہوں نے فلک بوس لاٹ کی شکل اختیار کر لی تھی۔ اس لاٹ کی چوٹی پر لہراتا ہوا سفید پھیرا کئی میل سے دیکھا جاسکتا تھا!

پہلے کی طرح آج بھی یہ مقدس پرچم ایک خنجر گاڑی میں نصب کر دیا گیا جس کے ارد گرد فرانس کے منتخب شمشیر زن نکلی تلواروں سے حلقہ باندھے چاق و چوبند کھڑے تھے۔ گاڑی کے آگے قیس و بطارقہ اپنے ہاتھوں میں انجیلیں اور ملیں اٹھائے قطار در قطار اُستادہ تھے۔

ہیرلڈ ولیم کے بقول سنہری دھوپ میں مسلح سپاہیوں کے نیزے بکتر بند پادوں کے چکیلے خود، غازی گھوڑوں کی سفید زینیں اور نائٹوں کے علم شمار نہیں کیے جاسکتے تھے۔

فلپ شاہ فرانس چکیلا خود اور بھاری زرہ جوشن پہنے نقرہ گھوڑے پر سوار جس پر سفید اطلس کی حاشیہ دار چادر جھول رہی تھی۔ اپنے محافظ نائٹوں کے ہمراہ پرچم کے سامنے نمودار ہوا جن کے گھوڑے بجلیوں کی طرح حرکت کر رہے تھے۔ فوجی بگل ترم دماے اور طبل بدستور گونج رہے تھے۔

بینڈ باجوں کا شور سپاہیوں کے دلوں میں جنگی وحشت کا جوش ابھار رہا تھا۔ یک لخت شاہ فرانس نے تلوار کو حرکت دی اور روانگی کا اشارہ کیا۔ فضا قرناؤں کے شور سے تھر تھرا اٹھی۔ سب سے پہلے تیر اندازوں اور برق اندازوں کے دستے آگے بڑھے۔ ان کے پیچھے لوہے میں غرق سواروں نے جنبش کی۔ جن کے

پہلو بہ پہلو نیزہ بردار پیادے روانہ ہوئے۔۔۔ پھر بکتر بند دستوں میں ہوئی۔

بھاری منجیتوں، نئے کوہ پیکر دباؤں اور قلعہ شکن آہنی انجنوں کے

کی گھبر۔۔۔ چر۔۔۔ چر۔۔۔ چر۔۔۔ چوں۔۔۔ چوں۔۔۔ کی آوازیں دور دور تھیں۔

تک گونج رہی تھیں۔۔۔ فخر گاڑی جس پر شاہ فرانس کا عظیم پرچم اڑ رہا تھا۔

تواریوں کے حلقے میں رسالوں کے عقب میں حرکت کر رہی تھی۔

قربانوں کی آواز کے ساتھ ہی انگلستان کا شاہی رسالہ بجلی ایسی سرعت سے

نکلا اور اپنے معاون و محافظ نیزہ برداروں کو جلو میں لیے جنوب کی طرف پکارا اور اپنے آہن پوش جہازوں، جنگی شکاریوں اور آتشیں سامان سے لدی ہوئی

کے ہمراہ تیر اندازوں کی ٹولیاں تھیں۔

وہ سب سے پہلے ٹورون کی فسیل کے دروازے پر پہنچا۔

پھر گائی لو گنٹان ٹپلوں کا لشکر لے کر جھپٹا۔ سوئڈن، ڈنمارک اور ہالینڈ فرنگی سپاہیوں کے غول خشکی اور سمندر کی طرف شہر کی جانب بڑھ رہے تھے۔

کے ہمار اس کے جلو میں تھے۔

مارکوئس کانزڈ کی کمان میں اطالیہ کی ریاستوں کے دستے اور صور کے

گزرین صلیبوں کے غول بھی تھے۔

سینڈے نیویا کے بیس ہزار ہماروں سے بمشکل تین سو جوان باقی بے بدوش مشہور انگریز کرنل اور جنرل گھوڑے بڑھائے چل رہے تھے۔ جن میں

تھے۔ کیونکہ عکا کے خومیں معرکوں میں سینڈے نیویا اپنے تمام سپاہی موت کے لٹن ڈی کرو، ولیم آف پیرو آبری کلیمنٹ سردار ڈی مینڈول شیل کے ہمار

حوالے کر چکا تھا۔ بقیۃ السیف تین سو ہمار فرانس کے بکتر بند دستوں کے پیچڑا کے ایلن اور ٹوکس ریز ڈی مارن کے نام قابل ذکر ہیں۔ پھر ایل آف یسٹر

پیچھے رہاں تھے۔

سپین کے فوجی دستے انگریزوں کے دوش بدش چل رہے تھے۔ ان کے ہاتے صلیبی لشکروں کی پہلی صف میں نظر آتے تھے۔ عکا کے آس پاس گرد و

عقب میں ایرک آف رمنز۔۔۔ کاؤنٹ آف برین ہفری آف ٹورون ہمار کے بادل لہرا گئے۔

مارکوئس آف سینٹ فیرات صیدا، جیل، جرمانیہ کے بادشاہ اور شہزادے

کمانی ہفری نواب لینڈ گریو آف تھور جینا شاوٹ کلیرا مونٹ، ہائے مالین اور ہائے

پیرو، فلائڈرز کے نواب اور شہسوار کاؤنٹ ہالیاٹ، ہالیاٹ آف ایلین۔ ہالینڈ اور کڈے دار کمانوں سے آتشیں تیروں کی بوچھاڑ ہونے لگی۔ عکا کا شہر گرد

کا ناٹ سردار گاریڈ ڈی نیل، نرکو پوز، ہمز آف ایوز فلائڈرز ہالینڈ کا داروغہ اور دعوئیں کے بادلوں میں چھپ گیا۔ گرد و غبار کے طوفان میں صلیبی مجاہد

بولیس کا صحت مند اسقف اور اس کا بھائی رابرٹ ہشپ آف بینکان۔ آرج

سلسبری ہیورٹ والٹر جو سلسبری اور کنٹری کے لڑاکے راہبوں اور انگریز

کلیساؤں کی فوج کا راہنما تھا۔ جرمن لینڈ گارف اور دوسرے معزز کاؤنٹ

ناٹ اپنے اپنے دستوں کے ہمراہ مارچ کر رہے تھے۔

قراوش اور امیر قلعہ سیف الدین مشہوب شہر پناہ پر نمودار ہوئے ان کے انگریزی لشکروں کے عقب میں تباہی مچا دی جو قلعہ پر حملہ کر رہے تھے۔ میں خدار تکواریں تھیں۔ انہوں نے فصیل کے شکستہ حصوں میں بہادر غازی سیکڑوں نہیں ہزاروں صلیبی خاک و خون میں تڑپنے لگے۔ متعین کیا اور ترک برق اندازوں کو بڑی شدت سے آگ برسانے کا حکم دیا۔ سلطان گھوڑے پر سوار دونوں لشکروں کی کمان بہ نفس نفیس کر رہا تھا۔ آگے بڑھ گئے۔

بندرگاہ میں امیر البحر حام الدین لولو نے انگریزی یلغار کو روکا اور بہادر غازی اور تقی الدین نے حملہ آوروں کو بے دریغ قتل کیا۔ آخر فرانس کے کی چوکی سے یورپ کے جہازوں اور شکاروں پر روغن نفت کی ہانڈیاں بہنے پر جم کی گاڑی ٹورون کی طرف حرکت کرنے لگی۔ صلیبی شام کے اندھیرے سے پھنپھنے لگیں۔ مگر انگریزی جہاز بدستور آگے بڑھے آ رہے تھے۔

شہر پناہ کی حالت زیادہ ابتر تھی۔ انگریز اور فرانسیسی سوار فصیل کے سلطان صلاح الدین کے لشکروں نے انگریزوں کو ایک مرتبہ پھر قلعہ سے ہٹا گھوڑے دوڑائے پھر رہے تھے۔ لیکن ان میں بہت کم زندہ بچ سکے۔ یا لیکن یہ کوئی حیرت انگیز کامیابی نہ تھی۔ حملہ میں عام فصیل کو بہت نقصان پہنچا محصورین نہ کسی سے رحم کے طالب تھے نہ کسی پر رحم کرنا چاہتے تھے۔ انگریزوں نے مسلمان شہید اور عیسویوں زخمی ہوئے تھے۔

نے فصیل سے روغن نفت کی پچکاریاں چلائیں اور آہن پوش انگریزی سوار ابھی دشمن کی چوکیاں نہ صرف قائم بلکہ فصیل کے کچھ اور قریب آگئی بھون دیا۔ ان کے آہنی لباس آگ میں پھل گئے وہ چیختے چلاتے وہیں تھے۔ قلعہ شکن بمبیتیں بھی شہر پناہ سے دور نہ تھیں اور اس وقت بھی ہو گئے۔ اس کے باوجود شہر پناہ کے شکستہ حصے ٹوٹ ٹوٹ کر گر رہے تھے۔ انگریزوں کے بکتر بند دستے ان کی حفاظت کر رہے تھے۔

عرب سپاہی پرے باندھے کھڑے ہو جاتے تھے۔ تاکہ دشمن قلعہ کے اس حملہ عام سے اہل قلعہ کی قوت مدافعت بہت بری طرح مجروح ہوئی۔ حصوں کو نہ دیکھ سکے۔ اس کوشش میں عیسویوں غازی جام شہادت نوش کر لے بلکہ سمندر میں برج دباب کی چوکی سے امیر البحر حام الدین لولو نے صلیبی ملیسیوں کا حملہ ہلاکت آفریں تھا۔ وہ عکا کی ہر شے کو نیست و نابود کر دیے کے کئی جنگی شکارے غرق کر دیے تھے۔

پر تلے ہوئے تھے۔ جب انگریز ناٹ اور شمسوار فرانسیسی پرچم کی گاڑی کے پیچھے ٹورون ناگہا پہاڑوں پر ڈھول اور نثارے پیٹے گئے۔ صلاح الدین کو انگریزی فوج داخل ہوئے تو ان کی آنکھوں میں فرانسیسیوں کے لیے چیلنج تھا۔ آج کی خبر پہنچ گئی تھی۔ وہ عرب بلاؤں کو جلو میں لے کر پہاڑوں سے اترا۔ کردہنگ میں انہوں نے اپنی عسکری برتری واضح کر دی اور گھوڑے دوڑائے فصیل اور درویش سوار بگولوں کی طرح اڑتے ہوئے آئے اور بجلیوں کی طرح ٹپک چاہتے تھے۔ جہاں سے انہیں ترک اور عرب برق اندازوں نے مار بھگایا کی چھاؤنی پر ٹوٹ پڑے۔

ملک العادل کے کرد اور مملوک دستے کچی فصیل میں شکاف کر کے اٹھانے لگے۔ جنگی شعور رکھتا تو آج انہیں یوں سپاہی اختیار نہ کرنا پڑتی۔ غبار کے بادل لہراتے صلیبی سپاہیوں کو قتل کرنے لگے۔ ٹورون کے مشرقی عرب حملہ آوروں نے ٹورون کے مشرقی پشے کو کئی مقامات سے ادھیر دیا کے فرانسیسی سردار نے حملہ آوروں میں اس عرب حکیم کو پہچان لیا جو اور مشرقی چوکیوں میں لرزہ خیز جاہی چائی تھی۔

پہلے انگلستان کی شہزادی کے ہمراہ ٹورون میں داخل ہوا تھا۔ کرد رسالہ کی خندق بھی کئی جگہ سے پر کردی گئی تھی۔ شکستہ پشے کے آس پاس ابھی تک اسی کے ہاتھ میں تھی۔ وہ اپنے بہادر سواروں کے ہمراہ مشرقی چوکیوں میں لاشیں بکھری ہوئی تھیں جنہیں رضا کار اٹھا رہے تھے۔ اس حملہ میں عرب سوار سیکڑوں ملیسیوں کو گرفتار بھی کر کے لے گئے چلا گیا۔

سلطان کے بھتیجے یکہ باز تقی الدین عمر اور بیٹے ملک الظاہر غیاث الدین نے مشرق کی سمت چومیوں کی حفاظت و نگرانی کا فرض فرانسیسی ادا کر رہے

تھے۔ حملہ کی زد بھی ان ہی پر پڑی تھی۔

انگریزوں نے شاہ فرانس کو اس ناکامی اور پسپائی کا پوری طرح سے ٹھہرایا۔

وہ۔۔۔

”انگلستان پر سینٹ جان کی رحمت ہو۔“

اور۔۔۔

”رچرڈ شیردل زندہ“ باد کے نعرے لگاتے انگریزی کیمپ میں داخل ہو

گریٹا کی گمشدگی

بالڈون ڈی کیرو اپنے بادشاہ کو آج کے ناکام حملہ کی روداد سنانے کے شاہی خیموں کی طرف بڑھا لیکن ابھی وہ گھوڑے سے اتر کر دو چار قدم ہو گا کہ اسے رک جانا پڑا، شاہی گارڈ کے ایک کیپٹن نے آگے بڑھ کر افسوس ناک خبر سنائی اس کی بیٹی گریٹا غائب ہے اور تلاش کے باوجود ابھی نہیں مل سکی۔

”کیا بکواس کرتے ہو۔۔۔؟“

”میں نے بالکل صحیح عرض کیا ہے۔ جناب! شام کے بڑھتے ہوئے اندھ میں جب عرب سوار نوروں سے لوٹے تو انہوں نے کئی لوگوں کو گرفتار کر گھوڑوں پر ڈال لیا اور پہاڑوں کی طرف نکل گئے۔ گریٹا بھی ایک عرب کے ہاتھ لگ گئی تھی۔“

”جان ریڈ!۔۔۔ تمہارے ہوش تو سلامت ہیں۔۔۔ شاید آج تم نے زیادہ پی لی ہے۔“

”نہیں جناب! ہوئی ورجن کی قسم آج میں نے شراب چھوٹی بھی نہیں پھر یہ ہسکی ہسکی باتیں کیوں کرتے ہو۔ عربوں نے مشرقی چوکیوں پر اور تباہی مچا کر لوٹ گئے تھے۔ جب وہ انگریزی کیمپ تک پہنچ نہ سکے تو انہوں نے گریٹا کو کہاں سے گرفتار کر لیا۔“

”یہ بالکل ٹھیک ہے جناب۔۔۔ لیکن فادر بولاری نے بادشاہ کو یہی

ہے وہ اس وقت بھی شاہی خیمہ میں موجود ہیں۔“

کیپٹن ریڈ کی زبان سے ایک افسوس ناک اطلاع سن کر بالڈون ڈی کیرو تیزی سے شاہی خیمہ کی طرف لپکا۔

فانوس کی زرد روشنی میں اس نے بادشاہ کے چہرے پر فکر و تشویش کے آثار دیکھے جو بستر پر نیم دراز راہب بولاری کا بیان سن رہا تھا۔ اس نے سر کے اشارے سے بالڈون کے سلام کا جواب دیا اور سرد لہجے میں بولا۔

”تمہارے لیے کوئی اچھی خبر نہیں بالڈون۔۔۔ گریٹا بہت دیر سے غائب ہے اور اب یہ انکشاف ہوا ہے۔ وہ عربوں کے ہاتھ جا گئی۔“

یکنٹ بالڈون کے ہوش اڑ گئے اس نے جان ریڈ کی اطلاع کو کوئی اہمیت نہ دی تھی لیکن بادشاہ نے اس منحوس خبر کی تائید کر کے اسے ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔۔۔ وہ شدت صدمہ سے دل تھام کے رہ گیا۔ پھر بھی اس نے اپنے حواس برقرار رکھے۔

”میں گریٹا کا باپ ضرور ہوں عالیجاہ لیکن اس پر شاہی خاندان کا حق زیادہ ہے۔ حضور ہی کو اس کی گمشدگی اور گرفتاری کی فکر زیادہ ہوگی۔ میں ابھی تک نہیں سمجھ سکا وہ عربوں تک کیسے پہنچ گئی؟“

رچرڈ نے فادر بولاری کو اشارہ کیا۔ بوڑھے راہب نے کہا۔

”جب عربوں نے نوروں کے مشرقی پٹے پر بلہ بول دیا اور چھاؤنی میں خطرے کے الارم گونجنے لگے تو لوگ گھبرا کر خیموں سے باہر نکل آئے تھے۔ انگریزی کیمپ سے محافظ سپاہیوں کا ایک دستہ فوراً مشرقی فسیل کی طرف روانہ ہو گیا۔ یہ تیسرے پہر کا واقعہ ہے، چھاؤنی کی صورت حال معلوم کرنے کے لیے میں بھی باہر نکلا اس اثناء میں شاہی اصطبل سے ایک سوار باہر آیا۔ فاصلہ کی دوری کے باعث میں اسے اچھی طرح پہچان نہ سکا لیکن یہ جان کر بے حد حیران ہوا وہ ایک لڑکی ہے۔ اس نے نہ صرف مردانہ لباس پہن رکھا تھا بلکہ سر کے بالوں کو سپاہیوں کی طرح ایک فولادی ٹوپی میں چمپا لیا تھا۔ میں اس کی ایک جھلک ہی دیکھ سکا۔ مجھے شبہ ہوا وہ گریٹا کیرو ہے۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور مشرقی فسیل کی طرف روانہ ہو گئی۔ ممکن ہے میرا شبہ غلط ہوتا لیکن جب میں نے شاہی گارڈ کے افسر سے اپنے شبے کا اظہار کیا اور شاہی خیموں سے گریٹا کا پتہ کیا تو واقعی وہ غائب تھی۔ پھر شام کے وقت مشرقی چوکیوں سے جو لوگ واپس

آئے ان میں سلسبری کے کلیسا کا ایک قس بھی تھا۔ اس نے بتایا فیصل کے پاس سب سے زیادہ جاہی ابن ہشام کے کرد رسالہ نے پھیلائی۔

اس نے اپنی آنکھوں سے ابن ہشام کو سپاہی پر کند پھینکتے ہوئے دیکھ گھوڑے پر سوار ایک ٹیلہ پر کھڑا تھا۔ دوسرے لمحے اس کے سر سے فولادی اتر کر نیچے جاگری اور سنہری بال شانوں پر بکھر گئے۔ وہ دراصل کوئی انگریز تھی جسے کرد افسر اپنے گھوڑے پر لاد کر ہوا ہو گیا۔ لڑکی کی چیخیں دور تک دیتی رہیں۔

بالڈون کو یہ افسانہ بہت عجیب و غریب معلوم ہو رہا تھا۔ اگر اس کا راز فادر بولاری نہ ہوتا جو آرج بشپ آف سلسبری کا ایک معتمد نائب اور کیمپ میں پہنچ جانا چاہیے۔ اگر عربوں نے کل تک گریٹا کو واپس نہ کیا تو عکا کی خاندان کا "ہاؤس پادری" تھا تو اس پر ہرگز یقین نہ کرتا۔

بالڈون ڈی کیرو سے بولاری کے دیرینہ مراسم ہی نہیں بلکہ اس نے گریٹا انجیل کے درس بھی دیئے اور اس کے ساتھ ہمیشہ بڑی شفقت سے پیش آیا۔

جب پوشو کے وحشی تیغ زن پنپو نے گریٹا پر ہاتھ ڈالا اور عرب حکیم کی تلوار لقمہ بن گیا تو فادر بولاری نے بالڈون کو تاکید کی تھی وہ بیٹی کی خاص حفاظت کرے۔ ہو سکتا ہے پنپو کا کوئی ساتھی انتقام لینے کی کوشش کرے۔ پھر اس نے مختلف خیالات کی آماج گاہ بن گیا۔

بنت کیرو پر جھاڑ پھونک کا روحانی عمل بھی کیا تھا کہ وہ دشمنوں سے محفوظ رہ سکے۔ اب وہی فادر بولاری اسے ایک حیرت انگیز کہانی سنا رہا تھا۔

گریٹا کا مردانہ لباس پہن کر شاہی اصطبل سے گھوڑا نکالنا۔۔۔ مشرقی چوکیدار کی طرف جانا۔۔۔ ابن ہشام کا اسے کند پھینک کر گرفتار کر لینا۔۔۔ یہ سب ابن ہشام جیسے نوجوان کی لغزش کا باعث بن سکتا ہے۔ پھر جنگ میں کیا کچھ نہیں ہوتا۔ لیکن سوال یہ تھا۔ گریٹا مردانہ لباس پہن کر اور گھوڑے پر سوار ہو کر

مشرق چوکیدار کی طرف کیا لینے گئی تھی۔ جب وہاں قتل و خون کا بازار گرم تھا۔ کس گریٹا خود ہی تو ابن ہشام سے دلچسپی نہیں رکھتی؟

انکشاف

مائل شام کی جس آلود چاندنی رات میں رچرڈ شیر دل عجیب و غریب خیالوں میں الجھا ہوا تھا۔ کینز خاص الزبتھ پھر شاہی خیموں میں نظر آ رہی تھی اور

ابھی بادشاہ نے کوئی جواب نہ دیا تھا کہ شاہی گارڈ نے ایک سپاہی کو مار دیا۔ اس کے ہاتھ میں سرخ رنگ کا ایک زنانہ بوٹ تھا اس نے بیان کیا یہ بوٹ اسے مشرقی پٹنے سے باہر خندق کے کنارے پڑا ہوا ملا ہے۔

بوٹ کو دیکھتے ہی بالڈون دنگ رہ گیا۔ یہ بوٹ واقعی اس کی بیٹی کا تھا۔ فادر بولاری نے بھی تصدیق کر دی۔۔۔ "میں نے بھی یہ بوٹ کئی مرتبہ گریٹا کے پاؤں میں دیکھا تھا۔ میرا خیال ہے یہ بوٹ اس وقت گرا ہو گا جب ابن ہشام

اس وقت بادشاہ کے سرہانے کھڑی پنکھا جھل رہی تھی۔
بادشاہ چاہتا تھا فلسطین کی اس گرم رات کو جو کی ٹھنڈی شراب پی کر
کرے لیکن اسے اپنے عرب معالج ابن ہشام کی تاکید یاد آ جاتی تھی۔
چند روز تک ہر قسم کی شراب سے ممانعت کی تھی۔ پھر کل ہی تو اسے
تھا۔ ممکن ہے بے اعتدالی کوئی اور مصیبت پیدا کر دے۔
اسی لمحے ہسپانوی کنیز سوبانیا نے خیمہ میں داخل ہو کر ملکہ برنگیریا کے

اجازت طلب کی۔ کل سے اس وقت تک بادشاہ نے اس سے ملاقات
تھی۔ سوبانیا دو تین مرتبہ پہلے بھی حاضر ہو چکی تھی اور اپنی مالکن کی خواہش
انکار کر چکی تھی کہ وہ عالی جاہ سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔
خیال تھا برنگیریا کو فی الحال آرام کرنا چاہیے۔ وہ بستر پر لیٹا سارا دن جگ
رپور نہیں سنتا رہا جنہیں کاؤنٹ ہنری تھوڑے تھوڑے وقفہ کے بعد بھیجتا رہا اس زہر کی طرح میرے کلیجے کو کاٹتا رہا ہے۔
اس لیے وہ دن بھر کسی سے بھی ملاقات نہ کر سکا۔
پھر نورون کی مشرقی تفصیل پر عربوں کے حملہ اور بنت کیرو کی عجیب و غریب

گمشدگی نے حیران کر دیا تھا۔ تمام دن کی ذہنی الجھنوں نے اسے تھکا دیا اور
وقت وہ آرام کرنا چاہتا تھا۔ لیکن سوبانیا تو ایک طویل عرضداشت لے کر
تھی۔ آخر اسے ملکہ کو حاضری کی اجازت دینا ہی پڑی۔
برنگیریا اپنی خادمہ کے سارے ہولے چلتی کمرے میں داخل ہو کر
رچڑیہ دیکھ کر حیران رہ گیا وہ آٹھ پہر کے اندر بے ہوش ہو گئی تھی۔
ہفتوں کی بیمار ہو۔ اس نے شاہی قواعد کے مطابق جھک کر سلام کیا پھر آگے سرشار ہوا جاتا تھا۔ اس کی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے موتیوں کی طرح
کر بے اختیار بادشاہ سے لپٹ گئی۔
سوبانیا جا چکی تھی۔

رچڑ نے پیار سے اس کا سرا پر اٹھایا۔ اس کی آنکھوں سے آنسو کے دو پٹے تیار کرے۔
تھے اور ہونٹوں پر دلخراش سسکیاں کراہ رہی تھیں۔ فطری کمزوری نے
دل موم کر دیا وہ برنگیریا کے آنسوؤں کی حرارت سے پگھلنے لگا۔
شیر دل ہونے کے باوجود وہ عورت کو روتے ہوئے نہ دیکھ سکتا تھا۔
نے محبت آمیز شفقت سے ملکہ کے عارضوں کو اپنی ہتھیلیوں میں تھام لیا۔

”پیاری برنگیریا۔۔۔ یہ آنسو کس لیے ہیں۔۔۔؟“
ملکہ جذبات کی شدت سے دو چار تھی۔ اس کے سارے بدن
مراچی اور پیانوں کو دیکھا جن میں سرخ رنگ کا شربت جھلک رہا تھا اور بے
انتظار اس کا ذہن گزشتہ رات کے واقعہ کی طرف منتقل ہو گیا۔ کل بھی تو ایلزبتھ

ی شربت کی صراحی لے کر آئی تھی۔ لیکن اس کی بجائے خود برنگیرا بھرے تھے۔ پھر جو کچھ بھی ہوا اس کے تصور ہی سے انگریز ملکہ کا دل لگا۔ اس کے چہرے پر کسی انجانے خوف کی ہلکی سی پرچائیں تھر تھرائیں۔ وہ سوچ رہی تھی شربت کے ان پیمانوں کو دیکھ کر کہیں بادشاہ رات کا واقعہ یاد نہ آجائے اس لیے کوئی ایسی بات چھیڑ دے جو اس کے دل سے کہیں اور اڑا کر لے جائے۔ لیکن افسوس وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکی۔ کیونکہ ابھی وہ کسی دلچسپ بات کے متعلق غور کر رہی تھی کہ رچرڈ نے میز کی طرف انگلی اٹھا دی اور بولا۔

”پیاری برنگیرا۔۔۔! کل رات بھی یہی شربت تھا، یہی پیانے۔۔۔ تم نے میرے نہیں انگلستان۔۔۔ بلکہ پوری دنیائے صلیب کے اعتماد کو مجھے اسی شربت میں زہر دیا گیا تھا۔۔۔“

”زہر۔۔۔؟ کیا۔۔۔ واقعی وہ۔۔۔ زہر تھا۔۔۔؟“

رچرڈ کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ایسی مسکراہٹ جو شکاری کے ہونٹوں پر اس وقت دکھائی دیتی ہے جب شکار پوری طرح گرفت میں ہو۔ پھر وہ ملکہ کی خوفزدہ آنکھوں میں جھانکتا ہوا بولا۔

”میری پیاری برنگیرا اتنی انجان اور سادہ لوح نہیں ہو سکتی۔ وہ دل شکستہ نہ ہونے دیا اور زہریلا جام پی لیا۔ قدرت نے مجھے کیوں بچا لیا۔۔۔ پہچان نہ سکے۔ میں پوچھتا ہوں تم نے یہ حرکت کس کے اشارے پر کی تھی؟ میں نہیں جانتا بہر حال اگر تم واقعی میری زندگی سے بیزار اور موت کی برنگیرا ایک دم اچھل کر پرے ہٹ گئی۔ سانپ نے یک لخت اپنی اشد ہمت کو یہ زہراٹھاؤ اور آج میری آنکھوں کے سامنے پیانے میں انڈیل اتار چھینکی اور نوارے کی نازک دل حسینہ اچانک اس کی پھٹکار سن کر کانپ اٹھ گئی۔ میں زہریلی کرشمہ آغوش میں دم توڑ دوں گا۔“

رچرڈ نے فوراً اس کی کلائی دبوچ لی۔ ملکہ کے بدن میں نام کی حرارت باقی نہ تھی۔ وہ برف کی طرح سفید اور ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ جیسے اور والہانہ انداز میں اس کے ٹھنڈے ہونٹوں اور عارضوں کو چومنے لگا۔ برنگیرا نبضوں سے سارا خون نچوڑ لیا گیا ہو۔ دہشت اور وحشت سے اس کی کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اسے اپنا حلق سوکھتا ہوا محسوس ہوا۔ کسی غیر جانبدار کے تحت اس کے ہونٹ آپ سے آپ تھر تھرائے۔

”کیا۔۔۔ آپ کا شبہ۔۔۔ مجھ پر ہے۔“

”پھر اور کون ہو سکتا ہے۔۔۔؟“

یہ کہہ کر رچرڈ نے اپنے تکیہ کے نیچے سے وہی شیشی اٹھائی جو اس رات برنگیرا کے گریبان سے نکالی تھی اور زہر آلود مسکراہٹ کے ساتھ بولا۔

”ذرا پہچانو تو سہی پیاری۔۔۔ کیا یہ وہی شیشی نہیں جو کل رات

رہا تھا اور نگاہوں کے سامنے عجیب و غریب ڈراؤنی شکلیں ناچ رہی تھیں۔ اچانک اس کے جسم میں ایک غیر معمولی کپکپی پیدا ہوئی۔ وہ بید مجنون کی کانپ گئی۔ آنکھوں سے وحشت و دیوانگی جھانکنے لگی۔ ہونٹوں کے گوشے سے تڑپنے، پھرنے لگے اور ایک دلدوز چیخ مار کر بادشاہ کے بازوؤں سے ہو گئی۔

رچرڈ اس کے چہرے اور بدن کے غیر معمولی ارتعاش کو بغور دیکھتا رہا۔ اس نے برتگیریا کی سیاہ زلفوں میں انگلیاں پوسٹ کر دیں اور اس کا سراپا ملکہ کا چہرہ آنسوؤں سے تر ہو چکا تھا۔ اس نے گلوگیر آواز میں رک رک کر کہا۔

”میں نہیں جانتی تھی۔ وہ زہر ہے۔ ہولی فادر نے مجھے یقین دلایا تھا۔ ایک بے ضرر سی دوا ہے جس کے استعمال سے بادشاہ کی طبیعت ذرا نرم پڑ جائے گی اور وہ کل میدان جنگ میں نہ جاسکیں گے۔“

ہیوبرٹ والٹر چاہتے تھے صلیبی فوجوں کی کمان کے سوال پر کہیں ان اور فرانس میں پھر جنگ نہ چھڑ جائے اس خطرہ کو ٹالنے کے لیے انہوں نے صلیب کے نام پر مجھ سے قربانی طلب اور میں نے۔۔۔“

رچرڈ نے ایک جھٹکے سے برتگیریا کو فرش پر دے مارا اور نفرت آواز میں بولا۔

”ذلیل عورت! تو نے اپنے شوہر کا اعتماد ہمیشہ کے لیے کھو دیا۔ اب یہ دل میں تمہارے لیے کوئی جگہ نہیں۔۔۔“

پھر اس نے ایلزبتھ کو طلب کیا اور حکم دیا ملکہ برتگیریا کی پالتو بلی پیش جائے۔ چند لمحوں کے بعد اپنی کثیر ملکہ کی وہاری دار بھوری بلی کو گورڈ اٹھائے حاضر ہوئی جو واقعی ”شیر کی خالہ“ معلوم ہوتی تھی۔ بادشاہ نے دودھ کٹورا منگوایا۔ اس میں شیشی سے سرخ سیال کے چند قطرے ٹپکائے اور دودھ کٹورا بلی کی طرف بڑھا دیا۔ دودھ چٹ کر جانے کے بعد بلی نے ایک جھرمٹ لی اور آنکھیں میچنے لگی۔۔۔ زیادہ دیر نہ گزری تھی۔ وہ فرش پر تڑپنے مگر وہ آوازیں نکالنے لگی۔۔۔ دوسرے لمحے اس کا جسم ہمیشہ کے لیے ٹپک کر ہو گیا۔ کزنیں بہت حیرت پاش نگاہوں سے یہ نظارہ دیکھ رہی تھیں۔ وہ نہیں تھیں بادشاہ کو کیا سوچھی اور اس نے ملکہ کی پیاری اپنی بلی کی جان بچا دی۔

”نہیں۔۔۔“ ملکہ انگلستان اسے سچ بولنے پر مجبور کر دے گی۔

”وہ ملکہ جو خود شریک جرم ہے؟“ رچرڈ نے تیکھی اور زہریلی نگاہوں سے اسے گھورا۔

”ایک غلطی کے بعد اب دوسری غلطی نہ کرو برتگیریا۔۔۔ کیا تم چاہتی ہو شاہ فلیپ اور کانز کو میری ہنسی اڑانے کا موقع ملے۔ خبردار تمہاری زبان پر

آرچ بشپ کا نام بھی نہ آتا چاہیے۔ آج کے بعد تم اس واقعہ کو بھول جاؤ
اس کی یاد بھی اپنے ذہن سے اتار پھینکو۔ اگر انگیزوں کو سازش کا علم ہو
آرچ بشپ اور آبری کلیمنٹ کے ساتھ وہ شاہ فرانس کی بھی بوٹیاں اڑا
گے۔ جس کی سپہ سالاری قائم رکھنے کی خاطر مجھے زہر دیا گیا ہے۔ آئندہ
بھول کر بھی اس واقعہ کا ذکر نہ کرو اور اپنے خیمہ میں جا کر آرام سے سو
یروشلم کی فتح کے بعد شائد میں ہیو برٹ والٹر سے جواب طلب کروں۔ اس دور
تمہیں خاموش رہنا چاہیے۔“

انوکھی سفارت

یہ کہہ کر اس نے بازو لہرایا اس کا مطلب یہی تھا اب وہ تحلیلہ چاہتا ہے
برنگیریا نے جھک کر سلام کیا اور جب سر اٹھایا تو اس کی پلکوں پر آنسو لرز رہے تھے۔
رچرڈ نے منہ پھیر لیا۔

راہداری میں برنگیریا کے قدموں کی چاپ دور تک سنائی دیتی رہی۔

بالڈون ڈی کیرو منہ اندھیرے ٹوروں سے نکلا اور اسلامی چھاؤنی کی طرف
چل دیا۔ اس کے ہمراہ انگریزی رسالہ کے بیس منتخب سوار تھے۔
صبح کے جھللاتے اور ٹٹماتے ستاروں کی روشنی میں انہوں نے فرانسیسی
بکپ میں ایک ہلچل اور سرگرمی کے آثار دیکھے تھے۔ پھر اچانک کیتھڈرل کی
گھنٹیوں کا شور بلند ہوا اور اس شور میں فرانس کے جنگی طبل بجنے لگے۔

تھوڑی دیر بعد شمال سے جنوب تک ٹوروں کے ہر سیکڑ میں فوجی ہنگوں اور
بیز باہوں کا شور جاگ اٹھا۔ فلپ آگسٹس عکا پر ایک اور حملہ کرنے جا رہا تھا۔
فرخت بخش ہوا میں گھوڑے سرپٹ دوڑتے رہے۔ مشرقی آسمان پر ایک
سین صبح اپنے جلوے بکھیر رہی تھی۔ جبل خروبہ سے ایک میل ادھر اچانک
نہوں نے گھوڑوں کی عنائیں کھینچ لیں اور تحیر و تعجب کے ساتھ کوہستانی راستوں
پر نظریں جما دیں ٹوروں سے وہ جن ارادوں کے ساتھ روانہ ہوئے ان کی
غلط و ناکامی سامنے دکھائی دے رہی تھی۔ سلطانی رسالہ کے یکہ تاز سوار
حملہ اڑاتے اور پتھروں کا سینہ روندتے پہاڑوں سے اتر رہے تھے۔ آگے آگے
عرب کے مایہ ناز جرنیل تقی الدین عمر کا خاص نشان اڑ رہا تھا اور عقب میں
غھوڑے غھوڑے فاصلے پر کئی پرچم، کئی پھریرے صبح کی روشنی میں لہراتے
پڑ پڑاتے تیزی کے ساتھ حرکت کر رہے تھے۔ ان میں عباسیہ کا سیاہ علم جسے
صلاح الدین ہر جنگ اور ہر حملہ میں ساتھ رکھتا تھا۔ سب سے بلند اور نمایاں
تھا۔ رسالہ کے پیچھے جوشیلے ترک اور شامی عرب نفیریوں اور ڈھول تاشوں کی
جذبات انگیز موسیقی پر مارچ کر رہے تھے۔ جن کے شور سے کوہستانی وادیاں
کوچ اٹھی تھیں اس موسیقی کے درمیان جو لحظہ بہ لحظہ قریب آ رہی تھی دور
سے آتی ہوئی کردوں کے جنگی دھونسوں کی گرج بھی سنائی دے رہی تھی۔

اسلام صلاح الدین یوسف کے دستہ خاص کا محافظ حلقہ سمجھے جاتے تھے۔ نفیروں کی آواز پر گبولوں کی طرح اڑے آرہے تھے۔

جوں ہی ملک العادل کے پرچم پہاڑی کی بلندی سے نیچے اترے بالذون نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور سفید جھنڈا لہراتا پہاڑی موڑ پر جا پہنچا۔۔۔ چند مصری سواروں نے انگریزی دستہ کو دور ہی سے دیکھ لیا تھا۔ وہ گھوڑے دوڑاتے آندھی کے جھونکوں کی طرح سر پر آن پہنچے۔

پھر ایک مملوک افسر آگے بڑھا اور فوجیوں کے کرخت کھردرے لہجے میں بولا۔

”شاید تم کوئی پیغام لے کر آئے ہو لیکن یہ سفارت کا کون سا موقع ہے۔۔۔؟“

بالذون نے بتایا وہ عرب کے معزز نائب سیف الدین ملک العادل کے لیے رچڑ شیر دل شاہ انگلستان کا ایک ضروری پیغام لے کر آیا ہے۔ پھٹے ہوئے ڈھول کی طرح مصری مملوک کا قہقہہ دھون۔۔۔ دھاں۔۔۔ کی آواز میں بکھر گیا۔

”اپنے بادشاہ سے کہو، اب وہ میدان جنگ میں ملاقات کرے۔“

”ہمارا بادشاہ جنگ سے نہیں ڈرتا لیکن وہ بیمار ہے۔۔۔“

”ہائیں۔۔۔“ بھاری بھرکم مملوک افسر کے گلے کی رگیں پھول گئیں۔

”ابن ہشام کے ہاتھوں صحت پانے والے مریض دوبارہ بیمار نہیں ہوا کرتے۔۔۔ خیر تم کیا چاہتے ہو؟“

”میں اس وقت صلح کا پیغام نہیں لایا۔“

”پھر۔۔۔؟“

”میرے پاس بادشاہ کا ایک ذاتی پیغام ہے میں اپنی آمد کا مقصد ملک العادل ہی کے حضور بیان کر سکتا ہوں۔“

”بندہ خدا یہ کیسے ممکن ہے۔ امیر سفر کے دوران کسی سے ملاقات نہیں کرتے۔“

اس اثناء میں مملوک شہسواروں کا حلقہ کچھ اور قریب آگیا جن کے گھوڑوں پر انگریز اور فرانسیسی نائٹوں کی طرح حاشیہ بردار رنگین چادریں جھول رہی تھیں۔ سبز پرچم کے نیچے ملک العادل اپنے سفید گھوڑے پر سوار ان سب

اسلامی لشکروں کی خلاف توقع پیش قدمی نے بالذون کو مایوس اور غمزدہ دیا۔ اب نہ تو وہ ملک العادل سے ملاقات کر سکے گا نہ اسے بیٹی کی کوئی خبر سکے گی۔ جب سلطان بہ نفس نفیس اپنے سیاہ پرچموں کے ساتھ فوج میں شریک تو اس کا نائب کماندار ملک العادل سیف الدین جس نے صلیب و ہلال معرکوں میں کئی کارہائے نمایاں سرانجام دیے تھے چھاؤنی میں آرام نہیں کر سکتے۔۔۔

یقیناً وہ بھی مصری مملوکوں کے ہمراہ اس پیش قدمی میں شامل ہوگا بالذون بے حد پریشان نظر آنے لگا۔ وہ ہر قیمت پر گرگٹا کی خبر معلوم کرنا چاہتا تھا۔ اچانک اس کی آنکھیں چمک اٹھیں۔۔۔ ملک العادل سے ملاقات کی ایک عجیب و غریب تجویز سوچھ گئی تھی۔

اس نے اپنے نائب افسر کو سفید جھنڈا اکھولنے کا حکم دیا جس پر انگلستان کی شاہی نشان موجود تھا۔ پھر سواروں کو لے کر اس راستہ کی طرف بڑھا جدھرے اسلامی لشکر طوفانوں کی طرح گونجتے گرجتے چلے آتے تھے۔ پہاڑ کے دامن میں پہنچ کر وہ ایک ٹیلے کے پاس رک گیا اسلامی رسالہ کے سوار صرف ڈیڑھ فرلانگ کے فاصلے سے اڑتے چلے گئے۔ ہزاروں گھوڑوں کی ٹاپوں سے زمین کی چھاتی دہل اٹھی ان کے پیچھے ہی پیچھے ترک اور شاہی عرب خمدار تلواریں لہرائے گزرے۔ پھر سانولے کرد لہجے بھالے اٹھائے اور کندھوں پر رنگین ڈھالیں لٹکائے پہاڑوں سے اترتے دکھائی دیے۔ کردوں، ترکوں اور شاہی عربوں کے دستے دراصل اسلامی رسالہ ہی کے پیدل حلقے تھے۔ جو دائیں بائیں رہ کر حریف پر پہلی ضرب لگاتے اور اسے یکے تاز سواروں کے منہ میں دھکیل دیتے تھے۔

صبح کی سنہری روشنی میں مصر کے بکتر بند مملوکوں کا پہلا حلقہ نظر آیا جو عموماً گھوڑوں پر سوار چٹانوں کے سینے میں دھک پیدا کرتے چلے آتے تھے۔ عقب پر برادر سلطان ملک العادل کا سبز ہلالی پرچم لہرا رہا تھا جسے سلطان کی طرف سے صلیبی حکمرانوں کے ساتھ مراسلت اور گفتگو کے اختیارات حاصل تھے۔ کوئی افرنگی بادشاہ یا سفیر براہ راست سلطان سے ملاقات نہ کر سکتا تھا۔ پہلے اسے ملک العادل کے حضور باریاب ہونا پڑتا تھا۔

مملوک لشکر کے بازوؤں پر کرد رسالہ اور درویشوں کے دستے حرکت کر رہے تھے۔ مصری مملوکوں کے عقب میں زر و عبادوں والے غازی جو سلطان

میں ممتاز تھا۔

ناگماں اس کی نظر سفید جھنڈے پر جا پڑی۔۔۔ اس نے انگریز سواروں دیکھا اور گھوڑے کو ایڑ لگا دی۔

مملوک افسر ابھی بالڈون سے ملاقات کا مقصد ہی پوچھ رہا تھا کہ ملک العادل بلائے ناگمانی کی طرح نازل ہوا۔

مصری گھبرا کر پیچھے ہٹا اس نے بتایا انگریز سفیر اپنے بادشاہ کا ذاتی پیغام لے کر آئے ہیں۔۔۔

ملک العادل کے ہونٹوں پر تبسم بکھر گیا۔ پھر بالڈون سے مخاطب ہوا کہ ”ساتھ ساتھ چلتا اور شاہ انگلار کا پیغام سنا رہے۔ کیونکہ پیچھے سلطان معظم کی سواری آرہی ہے اور وہ سر راہ ایک پل کے لیے بھی نہیں رک سکے۔

بالڈون کو ساتھ ساتھ سفر کرنا پڑا۔ اس نے بادشاہ کی طرف سے بیمار پری اور علاج کا شکریہ ادا کیا۔ پھر گریٹا کی گرفتاری کا قصہ سنایا۔ جسے اس کے بقول ابن ہشام نے اپنی کند میں جکڑ لیا تھا۔

ملک العادل حیرت و تعجب سے سنتا رہا۔ آخر میں بالڈون نے رچڑکے الفاظ دہرائے۔

”اگر گریٹا کو سر شام واپس نہ کیا گیا تو عکا کی تاریخ میں ایک زہر مگداز واقعہ کا اضافہ ہو جائے گا۔ شائد بادشاہ کسی عرب قیدی کو زندہ نہ چھوڑیں۔ انہیں گریٹا کی اسیری سے بہت صدمہ پہنچا ہے۔“

ملک العادل کی پیشانی پر ناگواری کی سلونیں نمودار ہوئیں۔

”کیا وبائی مرض سے صحت یابی کے بعد بادشاہ کسی دماغی بخار میں مبتلا ہو گیا ہے؟“

”ایسا تو نہیں جناب۔۔۔۔“

”پھر وہ دیوانگی کی باتیں کیوں کرتا اور دھمکیاں کسے دیتا ہے۔ جنگ سے واپسی پر ابن ہشام میرے ساتھ تھا اور اس کے ساتھ کوئی لڑکی نہ تھی۔ پھر اسے کسی لڑکی کو گرفتار کرنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ یہاں بیسیوں لڑکیاں کند کے بغیر ہی اس کی اسیر ہیں۔ لیکن وہ اس مزاج کا آدمی نہیں۔ بادشاہ نے انگریز لڑکی کے اغوا کا الزام لگا کر میرے دوست کی توہین کی ہے۔ کیا وہ اپنے محسنوں اور دوستوں کے ساتھ یہی سلوک کرتا ہے؟“

بالڈون کا دل نیچے ہی نیچے ڈوبنے لگا۔ وہ برادر سلطان کے بیان کو جھٹلانے کی جرات نہیں کر سکتا تھا۔ ممکن ہے فادر بولاری کو غلط فہمی ہوئی ہو۔۔۔ لیکن گریٹا کا سرخ بوٹ ٹورون کی خندق پر کیسے جا پہنچا تھا؟

معا” اسے ملک العادل کی آواز سنائی دی۔

”جاؤ۔۔۔ اپنے بادشاہ سے کہہ دو، مسلمان عورتوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ ان کا شکار نہیں کھیتے۔ دوستی کے عوض اگر وہ دھمکیوں پر اتر آیا ہے تو ہم بھی کالج کے پتلے نہیں۔ ہمارے بازوؤں میں قوت ہوئی تو اسے روک لیں گے۔“

سورج کا آتشیں دائرہ نارنجی تھال کی طرح پہاڑ کے عقب میں ہولے ہولے ابھر رہا تھا۔۔۔!

بالڈون اپنے دل میں حزن و یاس کے اندھیرے لیے ٹورون کی طرف لوٹا۔ وہ امیدیں لے کر آیا تھا اور حسرتیں سمیٹ کر واپس جا رہا تھا۔

مصری لشکر سے کٹ کر انگریز سواروں نے اپنے گھوڑے سریت چھوڑ دیے۔ وہ عرب حملہ آوروں سے پہلے ہی ٹورون میں داخل ہونا چاہتے تھے۔

عرب لشکر ہلاکت آفرین طوفان کی طرح گونجتے گرجتے اور پہاڑوں کا سینہ دھاتے چلے آ رہے تھے۔

کردوں کے جنگی دھونسوں کی کڑک تیز ہو گئی تھی۔۔۔ درویشوں کے حلقے نفیروں کی وجد آور لے پر طوفانی موجود کی طرح رواں دواں تھے۔۔۔ اور یکے تاز نقی الدین عمر کے رسالہ کی ٹاپیں الدبار کے میدانوں میں گونج رہی تھیں۔

معبر کے

بہاؤ الدین ابن شداد صلاح الدین کی سیرت میں لکھتا ہے۔

۷ جمادی الاول ۵۸۷ھ کو منگل کے دن میں نے سلطان کو نماز فجر کے بعد بھانڈائی سے کوچ کرتے دیکھا۔ میں اس روز بیماری کے باعث ہم رکابی کا شرف حاصل نہ کر سکا اور کوہ لبنان کی پہاڑی بستی تل عیاضیہ میں اپنے خیمہ سے میدان

جنگ کا نظارہ کرتا رہا۔
مورخ بیان کرتے ہیں ثورون کی خندق کے آس پاس جنگ اپنی پوری ہولناکی کے ساتھ جاری تھی اور صلاح الدین لشکروں کے درمیان گھوڑا اڑائے پھرتا تھا۔ اس کی زبان پر اسلام کا نام تھا اور آنکھوں میں آنسو۔۔۔

جب کبھی اسلام کی نصرت و حفاظت کا مقام آیا صلاح الدین کا دل موم کی طرح لچل جاتا۔۔۔ آنکھیں بھیگ جاتیں اور پلکوں سے آنسوؤں کے ستارے نکلنے لگتے۔ وہ اپنے دل میں اسلام کا سچا درد رکھتا اور اس کی حفاظت میں جان دینا باعث عزت سمجھتا تھا۔

وہ سر اٹھا کر عکا کی طرف دیکھتا۔ گرد غبار اور دھوئیں کے بادلوں میں محصور غازیوں کے سائے شہر پناہ پر حرکت کرتے نظر آتے جنہیں صلیبی اپنے دشمنانہ حملوں سے نیست و نابود کرنے پر تلے ہوئے تھے۔ جب دشمن کی مملکت سنگھاری سے شہر کا کوئی حصہ ٹوٹ کر گرتا اور سیاہ دھبے گرد و غبار میں لڑھک جاتے تو صلاح الدین کسی زخمی پرندے کی مانند تڑپ اٹھتا اس کی پلکوں سے آنسو ٹوٹ کر گرتے پھر تلوار لہراتا ہوا دشمن پر ٹوٹ پڑتا اور اپنے سالاروں کو شدید حملوں کا حکم دیتا تھا۔ اس کا فرمان تھا ثورون کی دیوار گرا دی جائے یا اسے چھید کر مسلمان صلیبی چھاؤنی میں ٹھس جائیں۔

سلطانی نقب انداز کی فصیل میں نقب نہ لگا سکے۔ درمیان میں چوڑی اور گہری خندق حائل تھی اور افرنگی خندق کی حفاظت میں کٹ کٹ کر گر رہے تھے۔

تقی الدین عمر کا رسالہ موت کے قاصد کی طرح فصیل کے آس پاس منڈلا رہا تھا۔ اس کے معاون حلقے تیر اندازی میں مصروف تھے۔

دوسری طرف ملک العادل کے مملوک دستے، ملک الظاہر کے حلی بہادر اور ابن ہشام کے کرد سوار خندق پار کرنے میں کامیاب ہو گئے اور عرب تیر اندازوں نے فصیل پر سینکڑوں افرنگی بہادروں کے سینے چھید ڈالے۔

سواروں نے گھوڑے چھوڑے اور لپک کر سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ جنہیں معاون حلقوں نے فصیل کے ساتھ لگا دیا تھا۔ نقب لگانے والوں کی آہنی ضربوں سے مٹی کا پشتہ کانپنے لگا۔ کئی جگہ شکاف ہو گئے۔ گرد و غبار کے بادل لہرائے۔ کرو سوار گھوڑوں سے اتر کر موت کے سایوں کی طرح شکافوں میں رینگ گئے اور طوفان غبار میں روپوش ہو گئے۔ اچانک گرد کے بادلوں میں سبز پرچم بلند

جنگ کا ہر منظر بخوبی دیکھا جاسکتا تھا۔ صلیبی لشکروں نے صبح سویرے عکا پر حملہ کر دیا تھا۔ اس متوقع حملہ کے پیش نظر سلطان نے صبح کی نماز سے فارغ ہوتے ہی لشکروں کو شہر کی طرف بڑھایا۔

پہلے تقی الدین عمر کا رسالہ اپنے نیزہ بردار پیادہ حلقوں کے ساتھ پہاڑوں سے اترتا۔ اس کے بعد مصر کے بکتر بند مملوکوں کے دستے ملک العادل سیف الدین کی کمان میں روانہ ہوئے اور ملک الظاہر غیاث الدین کا حلی لشکر اور حارث ابن ہشام کا کرد رسالہ اس کے دائیں بائیں حرکت کر رہا تھا۔

سلطان نے اس روز کچھ نہ کھایا۔۔۔ وہ بہت متشکر دکھائی دیتا تھا۔۔۔ شام طیب عرض گزار ہوئے۔

”سلطان معظم۔۔۔ آپ کا خالی معدے گھوڑے پر سوار ہونا اور جنگ کے لیے نکلنا مناسب نہیں۔“

سلطان نے شربت کے دو پیالے نوش کیے۔ پھر اللہ کا نام لے کر روانہ ہوا۔ زرد پوش سواروں کا حلقہ اس کے ارد گرد قائم تھا اور عباسیہ کا سیاہ علم بڑی شان سے فضا میں سپاٹے پھرتا جا رہا تھا۔

کل کے حملہ عام میں عکا کی شہر پناہ اور محصورین کی قوت مدافعت کو شدید نقصان پہنچا تھا۔ اب صلاح الدین اس کے بدلے میں ثورون کے پشتے پر ٹوٹا۔ سلطان نے اپنے لشکروں کی وافر تعداد کو افرنگی چھاؤنی پر حملہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ وہ بنفس نفیس فوج کی قیادت کر رہا تھا اور ابن شداد کے بقول اس عورت کی طرح سخت بی چہن تھا جس کا بچہ گود سے چھین لیا گیا ہو اس کی زبان پر ایک نا نعرہ تھا۔

نصر الاسلام اسلام کی کامیابی کے لیے جنگ لڑو۔

تقی الدین عمر کا رسالہ سمندری ریلے کی طرح موج و موج ثورون کی کج فصیل سے ٹکراتا رہا۔ افرنگی پشتے کی اوٹ سے سنگھاری، آتش افگنی اور تیر اندازی میں مصروف تھے۔ یورپ کے بہترین لڑاکا دستے فصیل اور خندق کی حفاظت پر مامور تھے اور ان کی تباہ کن تیر اندازی حملہ آوروں کا راستہ روک رہی تھی۔ تقی الدین کے سوار خندق عبور کر کے فصیل سے جا ٹکرائے۔ عرب کماندار اور ترک برق انداز دشمن پر تیر اور آگ برسا رہے تھے۔

ہوئے اور اللہ اکبر کے فلک شکاف نعروں کے درمیان عرب نقاروں دھوں۔۔۔ دف۔۔۔ دف تیز ہو گئی۔

نورون کی فیصل کے آس پاس جنگ کی بھیٹی پوری شدت اور حدت
ساتھ گرم تھی۔ سوار گھوڑوں سے کود کود کر شکافوں میں داخل ہو رہے
جہاں ملیوں کے غول ان کا راستہ روکنے کے لیے خون آشام تلواریں
موجود تھے۔

خندق کے ساتھ ساتھ افرونگی خط مدافعت پیچھے ہٹ رہا تھا۔ بے شمار زندہ انسانوں کی فہرست سے خارج کر دیے گئے۔ فرانسیسی بہادر جو کسی حریف خاطر میں نہ لاتے تھے۔ عرب تلواروں کے زخم کھا کر خاک و خون میں نہ لگے۔

موت آتشی تیروں میں بیٹھ کر فیصل کی طرف اڑ رہی تھی۔ درویش کے خون چشیدہ خنجر اپنا کام کر رہے تھے۔ غازیوں کی تلواریں بجلی کی طرح کڑک رہی تھیں اور بیسیوں حفاظ بلند آواز میں قرآن مجید کی تلاوت کر رہے تھے۔ کلام الہی کا ہر لفظ مجاہدوں کے خون میں حدت اور دلوں پر ہیبت الہی طاری رہا تھا۔

پورے محاذ پر حفاظ کی صدائیں گونج رہی تھیں۔

اسے بھی قتل کر دیا۔ اس کی چوٹی کمان سلطان کے حضور پیش کی گئی۔
 کچی فصیل جگہ جگہ سے منہدم ہو کر گری اور مجاہدین کے ریلے شگافوں سے
 نکل کر صلیبی چوکیوں میں گھتے چلے گئے۔ سوار اپنے گھوڑے چھوڑ کر افرنگی
 چھاؤنی میں پہنچے۔ قبائلی بدو جو ہمیشہ موقع کی تاک میں رہتے تھے۔ تلواریں
 لراتے لوٹ مار میں مصروف ہو گئے۔ وہ خیموں میں گھس کر مال و اسباب کے
 پتارے باندھتے اور خندق پر چھوڑ کر پھر لوٹ جاتے تھے۔ پٹنے کے اندر افرنگی
 خیموں میں تباہی پھیل گئی۔

شام کے اندھیرے میں اچانک قلعہ پر حملہ کرنے والے افرنگی لشکروں کے غول اپنی چھاؤنی کی حفاظت کے لیے پلٹے۔ انہیں ٹورون پر نازل ہونے والی تباہی کی خبر مل گئی تھی۔ وہ جیلوں کی طرح اڑتے ہوئے آئے اور عربوں پر جھپٹے۔

اسی اثناء میں تازہ دم ریزرو افرنگی سپاہ بھی مقابلے پر آگئی اور شام کی
کھاتی ہوئی روشنی میں اہل صلیب کی حالت سنبھلنے لگی۔ متعدد صلیبی غول کئی
ہمتوں سے ٹوٹ پڑے۔ لاتعداد خیموں کو تباہ و برباد کر کے اور سینکڑوں دشمنوں
کو موت کے گھاٹ اتار کر عرب پیچھے ہٹے۔ افرنگی تیر اندازوں نے فوراً "پشتے پر
دوبارہ چوکیاں قائم کر لیں اور حملہ آوروں پر آتشیں تیروں کی باڑھ مارنے
لگے۔

اُترتے ہوئے اندھیرے میں عرب سپاہی تیروں کی زد سے پیچھے ہٹ آئے تھے۔

عکا کے شہر پناہ پر ایک بھیا تک سنا طاری تھا۔ اپنی چھاؤنی کی حفاظت کے پیش نظر افرنگی فوجیں قلعہ سے ٹل گئی تھیں صرف فضا میں جلتے ہوئے چوٹی شہتیروں اور سوختہ منجھتوں کا دھواں چکر کھا رہا تھا۔ سلطان نے بھی واپسی کا ترم بجایا اور اپنے لشکروں کو لے کر پہاڑوں کی طرف لوٹ گیا۔

ابن شداد کہتا ہے وہ عشاء کے وقت لشکر گاہ میں واپس آیا اور اس قدر ٹھکانا ماندہ اور پریشان تھا کہ نماز ادا کرنے کے بعد اسی طرح بستر پر لیٹ گیا۔۔۔ اس نے کمر کی پٹی بھی نہیں کھولی تھی۔

انگلستان کے شاہی موسیقار ایمروز نے اس جنگ کے متعلق بعض عجیب غریب حکایتیں بیان کی ہیں جو صلیبی تعصب کا شکار ہیں۔ وہ عربوں کو نفس کا لالچ دیتا ہے مگر ابن شداد کی وہ روایات جو اس نے حملہ میں شریک ہونے والے غازیوں کی زبان سے سنیں کافی دلچسپ ہیں۔۔۔ وہ بیان کرتا ہے۔

ایک گرانڈیل فرانسیسی خندق پر کھڑا مسلمانوں پر سنگباری کر رہا تھا۔
تیر اندازوں نے پچاس مرتبہ اسے نشانہ بنایا لیکن وہ اپنی جگہ پر قائم رہا۔
ایک برق انداز نے اس پر آتش سیال کا برتن کھینچ مارا اور وہ زندہ ہی جل مرا۔
ایک سبز پوش نصرانی عورت پٹتے کی اوٹ سے تیر برسائے جاتی تھی۔
نے کئی مسلمان زخمی کر دیے۔ جب عرب سپاہی سیڑھیاں لگا کر پٹتے پر چڑھ گئے

۳ جولائی کی صبح کو جب سورج نے کوہ لبنان کی بلندیوں سے جھانک کر
تو صلاح الدین یوسف اپنے سواروں اور پیادوں کے ساتھ میدان جنگ
موجود تھا اور عکا کے تمام محاذوں پر خون آشام معرکے لڑے جا رہے تھے۔
اس روز سلطان بحری کے وقت بیدار ہوا۔ اگرچہ وہ کل کا تھکا ماما
نڈھال تھا۔ مگر نماز فجر ادا کرتے ہی اس نے زر کماشوں کو دوڑایا اور طبل
پر چوٹ لگانے کے بعد گھوڑے پر سوار ہوا۔ سپاہی پرندوں کی طرح اڑتے
اس کے گرد جمع ہونے لگے۔ اس نے اپنے پیچھے تقی الدین عمر کے رمل
آگے آگے بھیجا۔ اس کے بعد ملک العادل کے مملوک دستے روانہ کیے۔
گھوڑے کو ایڑ لگائی اور باقی ماندہ لشکروں کو اپنی کمان میں لے کر چل دیا۔
طلوع آفتاب کے وقت وہ بنفس نفیس غازیان اسلام کے ساتھ دشمن
چھاؤنی پر حملہ آور تھا اور اس کے حکم اور اشارہ پر آسائے ہلاکت کی گردش
ہوئی جاتی تھی۔ عکا کے تینوں محاذوں پر جنگ کے شعلہ بار بادل گرہنے اور
دخون کے ہنگامے گرم تھے۔ صلیبیوں کے غول ہر شے کو تباہ و برباد کرنے پر
ہوئے تھے۔ فلپ آگسٹس نے لشکروں کو تین حصوں میں تقسیم کر دیا تھا۔
پہلا حصہ جس کی کمان فرانسیسی جرنیل کے سپرد تھی۔ نوروں کی حفاظت
مامور تھا جس طرح افرنگی عکا کی شہر پناہ کو مسمار کرنے اور شہر میں داخل ہونے
سر توڑ کوشش میں مصروف تھے۔ اسی طرح جوانی طور پر عربوں نے نوروں
صلیبی چھاؤنی کو اپنے حملوں کا مرکز بنا رکھا تھا اور وہ کچی فسیل کو ڈھا کر پورے
صلیبی معسکر کو روند ڈالنا چاہتے تھے۔ سلطان کی یہ جنگی تدابیر اکثر کارگر
ہوئی اور قلعہ پر افرنگی حملوں کا زور ٹوٹا رہا تھا۔
صلیبی لشکروں کا دوسرا حصہ یورپ کے بہترین بحری بیڑوں پر مشتمل
عام فرنگ کے جانناز بحری لڑاکے، سمندروں کے کیرے ملاح اور طوفانوں
نکرانے والے امیر البحر اپنے آہن پوش جہازوں کو لے کر عکا کی بندرگاہ پر
کرتے لیکن مسلمانوں کی بحری چوکی برج ذباب سے ان پر آتش سیال بھیجی
اور عرب ملاح افرنگی حملہ آوروں کو مار بھگاتے یا بحیرہ روم کی عمیق گہرائیوں
میں غرق کر دیتے تھے۔ اسلامی امیر البحر حسام الدین لولو نے بحری جنگ میں ان
جہاز رانوں کا ہر حملہ پسپا کر دیا تھا۔
تیسرے حصہ میں فرانس اور انگلستان کے نامی گرامی شہسواروں کے

کے بہترین جنگجو سردار شامل تھے اور ان کی قیادت شاہ فرانس کے ہاتھ
میں تھی۔ اطالوی شہزادہ مارکوئیس کارڈاس کا نائب کماندار تھا۔
یورپ سے آنے والا ہر صلیبی عربوں کو نیست و نابود کر دینے کے جنون میں
بتلا تھا۔ وہ اپنی کثرت پر نازاں تھے اور غول بیابانی کی طرح عکا کے شہر پناہ پر
چبھنے لیکن قلعہ میں محصور مٹھی بھر مسلمانوں نے دشمنوں کے خون سے ایک نئی
تاریخ مدافعت لکھی تھی۔ جس کے سامنے روم و یونان کے تاریخی معرکے بھی بچ
نہ تھے۔
عرب اور ترک سپاہی موت کے فرشتوں کی طرح اب بھی شہر پناہ پر
منڈلاتے، دھوئیں اور گرد و غبار کے بادلوں میں وہ بالکل "موت کے سائے" نظر
آتے تھے۔ ہماء الدین قراقوش اور سیف الدین شلوب اپنے دیوانے مجاہدوں
کے درمیان بجلیوں کی طرح کوندتے پھرتے اور انہیں دشمنوں کے مقابلے میں
سنگ و آہن کے پیکر بنا دیتے تھے۔ لیکن قلعہ کے اندر سامان حرب اور خوراک
کے ذخیرے تیزی کے ساتھ ختم ہو رہے تھے۔۔۔ اور اسلامی چھاؤنی سے انہیں
کوئی مدد نہ پہنچ سکتی تھی۔
عکا اور سلطانی چھاؤنی کے درمیان ساڑھے تین لاکھ صلیبیوں کے لشکر حائل
تھے۔ سلطان بھی حالات کی نزاکت سے بے خبر نہ تھا۔ وہ ہر قیمت پر اہل قلعہ
سے رابطہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا لیکن افرنگی لشکر اسے راستہ دینے پر تیار نہ
تھے۔
نوروں کے پشتے کے پاس گھوڑے کی پیٹھ پر بیٹھا وہ قلعہ کی طرف دیکھتا تو
اسے محصور مسلمانوں کے دھندلے دھندلے سائے نظر آتے جو وحشی اور غیر
مہذب افرنگیوں کو فسیل سے دور رکھنے کی خاطر اپنی جانوں پر کھیل جاتے۔
وہ خود سنگ و خشت کے پیکر بن کر شہر پناہ کے منہدم رخنہ اور شکافوں کو
ذخایہ لیتے تھے۔
پھر دشمنوں کی وحشیانہ سبکداری سے فسیل کا کوئی شکستہ حصہ گرنا تو اس کے
ساتھ بمباروں کے لاشے بھی گرد و غبار کے بادلوں میں زمین پر لڑھکتے نظر آتے۔
یہ منظر خوفناک تھا۔
فسیل کے شکستہ حصے گرتے رہے اور میدان کارزار لاشوں سے اٹا ہی چلا
بار رہا تھا۔

یہ جگر دود منظر دیکھ کر صلاح الدین قزو غصہ کا پیکر بن جاتا۔ اس کے علاوہ کوئی خاتون بادشاہ کے حکم کا مطلب سمجھنے سے قاصر تھی۔ بعض عورتوں کا خیال تھا صنف نازک کے خلاف شاہ رچڑ کی پرانی وحشت پھر جاگ اٹھی ہے۔۔۔۔۔ لیکن کیوں۔۔۔؟

”کیوں ملکہ برنگیریا سے تو کوئی غلطی سرزد نہیں ہوگئی؟“

اس کے باوجود ۲ مئی کی رات کو شہزادی جین پھر بادشاہ کے خیمے میں موجود تھی اور بالڈون ڈی کیرو نے صبح ہی اسے ملک العادل کے جواب سے مطلع کر دیا تھا۔ جس پر وہ چند لمحے بڑی بے چینی سے بستر پر کروٹیں بدلتا رہا۔ پھر اس نے صراحت کر دیا۔۔۔ ”شہابی جاسوس فرانسیسی کیمپ کی نگرانی کریں ہو سکتا ہے پنڈو کے ساتھ۔“

لیکن شام کے وقت شہابی جاسوس یہ خبر لائے پنڈو کے کسی ساتھی نے اس کی موت پر افسوس نہیں کہا بلکہ سب خوش ہیں۔ کیونکہ پنڈو بے وجہ انہیں جھڑکتا، گالیاں دیتا اور مارتا پینتا تھا۔ بالخصوص آخری تین روز میں تو اس کی اوباشانہ وحشت انتہا کو جا پہنچی تھی۔ قتل کی رات اس نے سب سے پہلے اپنے ہی سیکرٹری میں رنج و الم کی لٹا طاری تھی۔ بادشاہ کی نئی بیماری اور گریٹا کی گمشدگی کے تمام منغلے اس سے نفرت کرنے لگے۔ ان حالات میں پنڈو کے کسی ساتھی کا شہزادی جین کو بے حد اداس اور پر اگندہ خاطر کر دیا تھا۔ اس کے نزدیک اتفاقی کارروائی کرنا فہم و قیاس سے بعید ہے۔ اس کے باوجود شہابی جاسوس بڑی بولاری کا بیان احمقانہ اور غلط فہمی کا نتیجہ تھا۔۔۔۔۔ لیکن گریٹا کہاں گئی۔۔۔؟

بالڈون ڈی کیرو اس روح کی طرح اداس اور مضطرب تھا جو دیوالوں کی بھٹکتی اور اپنی حیات گزشتہ کے ارضی ٹھکانے تلاش کرتی ہے۔ ملکہ برنگیریا اپنے دل پر شوہر کی بے اعتمادی کا چر کا کھا چکی تھی۔ اسے آواز نہیں اٹھایا، پھر کون لے گیا۔۔۔؟ کیا وہ جادو کی پتلی تھی۔۔۔ کہ آپ سے

بشپ آف سالبری پر رہ رہ کر غصہ آ رہا تھا جس نے ملکہ کو فریب دیا اور بالڈون کی نظروں میں پیکار کر دیا تھا۔ اب وہ اپنے محبوب شوہر کا کھویا ہوا اعتبار طرہ بحال کر سکے گی۔ اس نے ایک مرتبہ پھر بادشاہ کی حاضری کے لیے اجازت طلب کی۔ لیکن اسے مایوس ہونا پڑا۔ بادشاہ کے خیمے میں کینڑوں کا داخلہ کیا گیا تھا۔

داروغہ محلات کا حکم تھا۔

”تمام عورتیں بادشاہ سے دور رہیں۔“

اس حکم پر برنگیریا تڑپ کر رہ گئی۔ وہ اس حکم کی وجہ جانتی تھی۔

فادر بولاری آرچ بشپ آف سالبری کا روحانی نائب اور ذاتی طور سے

پارسا آدمی تھا۔ دوسرے گواہ بھی معتبر اور قابل اعتماد تھے۔ بھلا انہیں بادشاہ حضور غلط بیانی کی ضرورت ہی کیا تھی۔

اب کے انہوں نے پورے وثوق سے شہادت دی کہ جس لڑکی کو میں نے مشرقی چوکیوں کے قریب گرفتار کیا وہ یقیناً ”گریٹا کیرو ہی تھی اور اس ناقابل تردید ثبوت بنت کیرو کا وہ سرخ بوٹ تھا جو ٹورون کی مشرقی خندق ہوا ملا تھا۔ ابھی فادر بولاری کا بیان جاری تھا کہ شاہی گارڈ نے بادشاہ کے مرشد روحانی بشپ ولیم آف پوشو کے لیے اجازت طلب کی۔ رچرڈ نے خدشہ پیشانی سے اس کا خیر مقدم کیا اور اسے اپنے قریب جگہ دی۔ بشپ ولیم نے کہا ”عالی جاہ۔۔۔! بعض سپاہیوں نے بھی انگریز لڑکی عربوں کو اٹھاتے اور زبردستی لے جاتے ہوئے دیکھا تھا۔ لیکن وہ بادشاہ کے حضور گواہی دینے سے ڈرتے ہیں۔“

”کیوں۔۔۔ اس میں ڈرنے کی کیا بات ہے؟“

”ان کا خیال ہے ہمیں انگریزوں سے عرب زیادہ عزیز ہیں اور ان کی خوشنودی کے لیے ہم انگریز لڑکیوں کا اغوا بھی برداشت کر سکتے ہیں۔“

یہ ایسا خطرناک الزام تھا جس کی بناء پر رچرڈ شیردل ایسا ہر دل عزیز بادشاہ بھی لوگوں میں بدنام ہو سکتا تھا اور انگریز اپنے محبوب حکمران سے نفرت کرنے مجبور ہو جاتے۔ سننے والے دم بخود رہ گئے۔ خود اسقف ولیم بھی پریشان خاطر نظر آنے لگا۔

لیکن۔۔۔ اس کا مقصد ہی شاید عربوں کے خلاف بادشاہ کی نفرت کو مشتعل کرنا تھا۔ وہ اس مقصد میں توقع سے کہیں زیادہ کامیاب رہا تھا۔ رچرڈ قہر آلود لہجے میں کہنے لگا۔

”ہولی فادر۔۔۔ ہم نے سلطان سے ملنے کی تمنا ضرور کی تھی لیکن اس نے یہ عذر پیش کیا جب دو بادشاہ ایک میز پر مل بیٹھتے ہیں تو ان کے درمیان جگہ باقی نہیں رہتی۔“

”خداے مصلوب کی قسم! ہمیں صلاح الدین کا جواب پسند آیا۔ اسی نے ہم نے اس کے بھائی کے ذریعے صلح کی کوشش کی لیکن ملک العادل چند مہینے کر کے اگر ہمیں مرعوب اور خائف کرنا چاہتا ہے تو اس کی بھول ہے۔ جو لوگ ہمیں بے بس سمجھتے ہیں وہ احمق اور بے وقوف ہیں۔ ہم اپنے بھائیوں کے ایک

ایک تندر خون کا حساب لیں گے اور عربوں سے اس وقت تک لڑتے رہیں گے جب تک یروشلیم پر صلیب کے پرچم نہیں لہراتے۔“

جوش اور غصہ کے مارے رچرڈ کا سانس پھول گیا۔ وہ بہت جلد مشتعل اور برہم ہو جانے والا انسان تھا۔

ایک لمحہ ٹھہر کا اس نے بے چینی کے ساتھ اپنی دائیں ران تپتھپائی۔۔۔ اس بات کی علامت تھی۔ وہ جذبات کی شدت سے دو چار ہے۔ پھر فادر بولاری کی طرف انگلی اٹھا دی اور کہا۔

”فادر بولاری۔۔۔ گریٹا اگر واقعی عربوں کی قید میں ہے اور ملک العادل نے ہمیں دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے تو آج کے بعد کسی عرب کو ہم سے رحم کی توقع نہ کرنی چاہیے۔ صلیب یسوع کی قسم۔۔۔ ہم انہیں تہس نہس کیے بغیر انگلستان واپس نہ جائیں گے۔“

بادشاہ کے اس بیان پر سب لوگ مطمئن اور خوش ہو گئے۔ اسقف ولیم اور فادر بولاری کی آنکھیں صحرائی قدیلوں کی طرح چمک اٹھیں۔

اچانک بولاری نے تجویز پیش کی۔

”اگر شاہ معظم مناسب سمجھیں تو کسی جاسوس کو اسلامی چھاؤنی کی طرف روانہ کر دیا جائے جو وہاں جا کر گریٹا کا کھوج لگائے۔“

”مرد کی بجائے کوئی عورت یہ کام بہتر طریق سے ادا کر سکتی ہے۔ کیونکہ عرب کسی فرنگی مرد پر ہرگز اعتبار نہ کریں گے۔ اس کے برعکس عورت حرم سراؤں میں بھی جاسکتی ہے۔ گریٹا یقیناً کسی حرم سرا میں نظر بند ہوگی۔“

اس تجویز کو بادشاہ نے بھی پسند کیا لیکن ایسی عورت کا انتخاب آسان نہ تھا جو عرب حرم سراؤں میں جاسوسی کی خدمات سرانجام دے سکے۔ اس مقصد کے لیے رچرڈ نے یروشلیم کے سابق بادشاہ گائی لوگنن کو طلب کیا اور صورت حال کی وضاحت کے بعد ایسی عورت کی فرمائش کی جو اسلامی چھاؤنی میں جاسوسی کر سکے۔

گائی کو یاد آیا ملکہ سبل کی لبنانی کنیزوں میں سلومی نہ صرف حسین طرح دار بلکہ قابل اعتماد بھی ہے۔ وہ شام کے عیسائی بردہ فروشوں کے ہمراہ پانچ سال پہلے یروشلیم آئی اور صحرائی رقص و نغمہ کی خوبی کے باعث شاہی محل میں داخل کر لی گئی۔ سبل نے اسے آٹھ ہزار درہم میں خریدا تھا۔ شاہی دعوتوں میں صلیبی

نائب اس کے صحرائی رقص بڑے شوق سے دیکھتے مگر ملکہ سبل کی اچانک دھڑکنے کے بعد جب سرداران صلیب نے یروشلم کی خیالی سلطنت کا تاج اس کی پہچان سے اڑا لیا تو شاہی ورثہ کے ساتھ سلوی بھی گائی نے کہا۔

”صرف سلوی ایک ایسی عورت ہے جو عرب بادیہ نشینوں کو مسحور کر لیتی ہے اور امیروں کی حرم سراؤں میں جا سکتی ہے۔ وہ عربی زبان بڑی روانی سے بولتی ہے۔ عربی گانے موثر لے میں گاتی اور شاہی آداب کو سمجھتی ہے۔“

”کیا تم سلوی کو چند روز کے لیے مانگ نہیں سکتے۔۔۔؟ ازائیل چاہے ہم اس کی قیمت بھی ادا کر دیں گے۔“

گائی لو گمنان کے چہرے پر مایوسی نے کروٹ لی۔

”جناب! آپ کو علم نہیں ازائیل کے خیموں میں آج کل عجیب و غریب نائک کھیلا جا رہا ہے۔ مارکوئیس کانزڈ نے اسے ہفزی آف ٹوروں سے برگشتہ کر دیا ہے۔ شاید تھوڑے دنوں تک ازائیل اس اطالوی شیطان سے شادی بھی کر لے۔۔۔“

رچرڈ بستر پر اچھل کر سیدھا ہو گیا۔ اس وقت خیمہ میں ان کے علاوہ اور کوئی نہ تھا۔

”یہ تو ایک عجیب خبر سنائی ہے تم نے۔۔۔“

”کانزڈ کا خیال ہے ازائیل سے شادی کرنے کے بعد وہ خود بخود یروشلم کے تخت و تاج کا مالک بن جائے گا۔۔۔“

”خوب۔۔۔“ رچرڈ در پیچے کے خلا میں جھانکتے ہوئے کہنے لگا۔

”کانزڈ محبت کی کند تخت کے پایوں سے باندھنا چاہتا ہے لیکن اس کا یہ خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا۔ تمہاری زندگی میں ہم کسی دوسرے کو یروشلم کا بادشاہ تسلیم نہیں کر سکتے۔۔۔“

”میں بے حد ممنون ہوں جناب رچرڈ۔۔۔ آپ مجھے ہمیشہ اپنا وفادار پائیں گے۔“ اچانک حسین سلوی رچرڈ کے خیالی دائروں میں رقص کرنے لگی، اس نے فوراً بات کا رخ بدل دیا۔

”اس وقت ہمیں صرف سلوی سے دلچسپی ہے۔ آہا۔۔۔ یہ نام تو ارض

مقدس سے خاص نسبت رکھتا ہے۔ غالباً بارہ سو سال پہلے یہودیہ کے بادشاہ ہیرودیس کی اس محبوبہ کا نام بھی سلوی تھا جس نے سردربار رقص کیا اور یوحنا نیا کا سر طلب کیا تھا۔“

گائی لو گمنان نے چونک کر بادشاہ کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر ایک عجیب سی مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

وہ زیر لب کچھ بڑبڑاتا رہا۔ پھر بلند آواز میں بولا۔

”بارہ سو سال کے بعد ایک بادشاہ کو پھر سلوی کی خدمت درکار ہے۔ کیا تم اسے حاصل کر سکتے ہو۔۔۔؟“

”میں بتا چکا ہوں۔ سلوی آج کل ازائیل کے اختیار میں ہے اور ازائیل خود کانزڈ کے اختیار میں۔۔۔ اگر کانزڈ کے کانوں میں بھٹک بھی پڑ گئی تو سلوی کا ملنا نامکن ہو جائے گا۔ وہ میرا ہی نہیں آپ کا بھی دشمن ہے لیکن میرے پاس سلوی کو بلانے کا دوسرا راستہ بھی ہے وہ ایک نوجوان افسر الفرڈ کو چاہتی ہے اور اس کے حکم پر جان کی بازی لگا دینے سے دریغ نہ کرے گی۔“

گائی لو گمنان نے اسی رات لبنانی کینز کو رچرڈ کے حضور پیش کر دیا۔ اس کے نقش واقعی بڑے چمکے دلکش اور سحر انگیز تھے۔ شکل و صورت بھی شاہی اور شہزادی سی ملتی جلتی تھی۔ وہ شاہی آداب و دستور سے بھی واقف تھی۔ رچرڈ نے بہ نفس نفیس اسے ہدایات دیں اور رخصت کر دیا بادشاہ اور گائی لو گمنان کے علاوہ صرف بالڈون ڈی کیرو اور قادر بولاری اس کے نئے فرائض سے آگاہ تھے۔ لیکن انہیں ایک پانچویں ہستی بھی سلوی کا راز جانتی تھی اور وہ تھی شہزادی جین جو گرینا کیرو کی گمشدگی کے بعد بہت اداس اور غمگین ہو گئی تھی۔

شہزادی جین اور گرینا کے درمیان جسم اور روح کا تعلق تھا۔ اس کی پر اصرار گمشدگی کے بعد شہزادی ایک محرم راز سے محروم ہو گئی تھی۔ نہ جانے کیوں اس کا دل یہ بات تسلیم کرنے سے انکار کر رہا تھا کہ گرینا عربوں کے ہاتھ چلی گئی ہے۔ اگر اسے کسی عرب نے گرفتار کیا ہوتا تو اس وقت تک یقیناً ”گرینا کی کپ میں پہنچ چکی ہوتی۔ وہ پچشم خود عرب تہذیب و معاشرت کی جھلک دیکھ لیتی تھی۔ وہ لوگ عورتوں کی عزت اور حفاظت کرتے تھے۔ پھر کرد افسر ابن ہشام کے بارے میں تو یہ خیال احقانہ ہی تھا کہ گرینا کو اس نے اغوا کیا ہوگا۔ ضرور قادر بولاری غلط فہمی کا شکار ہے۔

جین کا دل کہہ رہا تھا۔ اس کی محرم راز سہیلی یقیناً کسی بھیانک خطرے
شکار ہو گئی ہے۔ لیکن اس ”بھیاک خطرہ“ کے متعلق وہ کچھ بھی نہ جانتی تھی
جو بلائے ناگمانی کی مانند گرینا کو اچک لے گیا تھا۔

آبری کلیمنٹ

شاہ انگلستان رچرڈ شیردل اپنے بستر پر نیم دراز تھا اور انگریز ٹائٹ آبری
کلیمنٹ جس نے بادشاہ کے خلاف ایک خطرناک سازش میں حصہ لیا تھا۔
دایاں گھٹنا فرش پر ٹیکے اس وقت رچرڈ کے حضور اپنی صفائی پیش کر رہا تھا۔ اس
نے ایک طویل بیان دیا۔ جس میں آرج بشپ آف ساسبری اور مارکوئس کانز
کی ملاقات کا ذکر کرنے کے ساتھ اپنی اور ملکہ برتگلیا کی بے گناہی بھی ثابت
تھی۔ رچرڈ بڑے غور سے اس کا بیان سنتا رہا۔ آبری نے خود ہی اپنے جرم
کفارہ ادا کرنے کے لیے ایک عجیب و غریب پیش کش کی تھی۔
آرج بشپ آف ساسبری ہیورٹ والز اور مارکوئس آف مانسٹر
کانز کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ۔

رچرڈ نے شعلہ باز آنکھوں سے اس کی طرف دیکھا۔
”کلیمنٹ۔۔۔ شاید تم پاگل ہو چکے اگر تمہارے ارادے کا کسی کو علم
ہو گیا تو صلیبی لشکروں میں خونریز تصادم ہو جائے گا۔ بوڑھا والز لومڑی کی طرح
ہو شیار ہے۔“

”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں عالی جاہ۔۔۔ کل غروب آفتاب تک دونوں
آدمیوں کے سر آپ کی ٹھوکر میں ہوں گے۔ یا آپ میری شکل نہ دیکھ پاؤ گے۔۔۔“
”کلیمنٹ۔۔۔! بادشاہ کے لہجہ میں سرزنش تھی۔۔۔“ ”تم تو چلانے لگے
قتل کے منصوبہ کا اعلان نہیں کیا جاتا۔“

”معافی چاہتا ہوں عالیجاہ۔۔۔ لیکن میری تلوار آپ کے دشمنوں کو
نہیں کر سکتی۔“
آبری کلیمنٹ کی آواز فرط جوش میں ابھی تک مرتعش تھی اور اس

آنکھوں سے نفرت کی چنگاریاں اڑ رہی تھیں۔
بادشاہ نے لہجہ کی تلخی اور تیزی سے اس کے دلی جوش و خروش کا اندازہ
لگایا اور کہا۔

”اگر تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے تو ہمیں تمہاری بے گناہی پر یقین آ
ئے گا۔ خبردار۔۔۔! کسی کو تمہارے ارادے کی خبر نہیں ہونی چاہیے۔“

پھر اس نے آبری کلیمنٹ کو رخصت کر دیا اور خود دربیچ کے خلا سے شر
اب لفظ میں لہراتے ہوئے گردوغبار اور دھوئیں کے بادلوں کو دیکھنے لگا۔ کبھی کبھی
اچانک دوش پر اڑتے ہوئے نعروں اور چیخوں کا شور بھی اس کی سماعت سے
راجاتا تھا۔

عکاس جنگ اپنی پوری ہولناکیوں کے ساتھ جاری تھی اور رچرڈ کے دل
میں یہ خواہش دمدم جوان ہوتی جا رہی تھی۔
کاش۔۔۔ وہ اس وقت میدان جنگ میں ہوتا۔۔۔

اسی لمحے کاؤنٹ ہنری کا قاصد آ پہنچا۔ اس نے کہا جزوی عرب دستے ہماری
پادہ فوج کو تسنن کر رہے ہیں۔
یہ خبر سننے ہی رچرڈ مشتعل ہو گیا اور جوش غضب میں چلایا۔
”ہمارا بستر میدان جنگ میں لے چلو۔“

شاہی گارڈ کے افسر بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے بیک
زبان عرض کی۔

”بادشاہ کی طبیعت ناساز ہے۔ انہیں اپنے خیمہ میں آرام کرنا چاہیے۔“
”ہم آرام نہیں کر سکتے۔۔۔ ہمیں میدان جنگ میں لے چلو۔۔۔“

رچرڈ کی مشتعل آواز دور دور تک لہراتی چلی گئی۔ کسی کو بھی حکم عدولی کی
برائت نہ ہو سکتی تھی۔ فوراً شاہی خدمت گاروں نے کماروں کی مانند اس کا بستر
اٹھایا اور میدان جنگ کی طرف چل دیے۔ بیمار کو اس طرح محاذ جنگ کی طرف
آتے دیکھ کر انگریز سپاہیوں میں جوش و خروش پھیل گیا اور ایک سرے سے
”سرسرے“ تک آنا ”فانا“ یہ خبر ہر سپاہی تک پہنچ گئی کہ بیمار بادشاہ میدان
جنگ میں آ پہنچا ہے۔
پھر ہر طرف۔۔۔

”شاہ رچرڈ زندہ باد۔۔۔“

میں داخل ہو سکتے تھے۔ لیکن عرب تیر انداز یہاں سے ہر حملہ پسپا کر دیتے تھے۔ رچرڈ نے اپنی فوج کو اسی برج پر حملہ کرنے کی ہدایت کی تھی۔

انگریزوں نے بڑی ہوشیاری سے برج کی بنیادوں میں سرنگ لگا کر نیچے چوٹی اچانچ کھڑا کر دیا تھا تاکہ اسے جلا کر راکھ کا ڈھیر بنا دیا جائے۔ جب لکڑی کے اچانچ میں آگ لگائی گئی تو برج کے روزنوں اور سوراخوں سے دھوئیں کے مرغولے چھوٹ پڑے۔ اس کے ساتھ آگ کے شعلے بلند ہوئے اور برج کی عمارت ہولے ہولے ایک سمت جھکنے لگی۔ آخر زمین کے سارے ٹھہر گئی۔

انگریز نقب زنوں نے برج اتصال کی تباہی میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی تھی۔ لیکن یہ دیکھ کر ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔۔۔ عمارت گری نہیں صرف ایک طرف جھک گئی۔ برج کی بجائے انگریزوں کے ارادے کی دیوار دھڑام سے نیچے آگری۔ انہوں نے خوف و دہشت سے ”منحوس برج“ کی طرف دیکھا جس نے ملیوں کی پیش قدمی روک دی تھی اور حیرت و تعجب کے بت سے بنے رہ گئے۔

بید کی تیلیوں کی کمین گاہ سے رچرڈ نے اپنی فوج کی دل شکستگی کو بھانپ لیا تھا اس نے فوراً ”شاہی خدمت گاروں کو طلب کیا اور حکم دیا وہ انگریزی لشکر میں اعلان کریں۔ جو بہادر اس ”برج منحوس“ سے پتھر اکھاڑ کر لائے گا۔ اسے فی پھر دود روئی دینار انعام میں دیا جائے گا۔“

انگریز نقیب بگل بجاتے ہوئے ٹیلے پر نمودار ہوئے انہوں نے سپاہیوں کو بادشاہ کا فرمان سنایا۔

رچرڈ کا خیال تھا۔ انعام کی منادی سنتے ہی انگریز برج کی طرف دوڑ پڑیں گے۔ دو ہینر ٹپنی دینار کوئی لالچ نہ تھا۔ اس کے باوجود سپاہیوں میں جنبش تک نہ ہو سکی۔ انعام کی بجائے انہیں وہ موت زیادہ قریب معلوم ہو رہی تھی جو عرب سپاہیوں کی شکل میں برج پر کھڑی تھی۔ ان کے تیر قضا کے قاصد تھے۔ کسی انگریز کو برج کی طرف قدم بڑھانے کا حوصلہ نہ ہو سکا۔

رچرڈ نے یہ کیفیت دیکھی تو غصہ میں کمان فرش پر دے ماری اور انعام بٹا دیا۔ اب فی پھر تین دینار صلہ مقرر ہوا۔ سپاہی بدستور امید و بیم کی کش مکش میں مبتلا تھے۔ پھر مناد نے فی پھر چار دینار کا اعلان کیا اور سپاہیوں میں ہلکی سی امید پیدا ہوئی۔

اور ”انگلستان پر سینٹ جارج کی رحمت ہو۔۔۔“ کے نعرے گونجنے پھیلنے لگے۔

بادشاہ کے لیے ایک ٹیلے پر بستر لگا دیا گیا۔ جہاں بید کی تیلیوں کا خوبصورت کمین کھڑا تھا۔ چھت بھی بید کی تھی۔ دیوار کے روزن سے اتصال کی چوٹی اور عکا کی دیواریں نظر آتی تھیں اور اس کی انگریز فوج کی قدمی کا نظارہ بھی کیا جاسکتا تھا جو ”برج منحوس“ پر یلغار کر رہی تھی۔

میدان جنگ میں قیامت کا شور مچا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا جیسے یوم د پہنچا اور کروڑوں انسانوں کی روحمیں فریاد و فغاں کر رہی ہوں۔ رچرڈ بار کمین کے سارے لیٹا سپاہیوں کو لڑتے، کٹتے اور گرتے ہوئے دیکھ رہا تھا۔ پیکر و بابے اور قلعہ شکن سمجھتی بدستور شہر پناہ کی طرف حرکت کر رہی تھیں ان کے پیروں کی گھوں۔۔۔ گھوں۔۔۔ گھر۔۔۔ گھر کی مترنم چیخیں بڑبڑانے کے آروں و رموں کی چر چر آہن گروں کے لوہا کوٹنے کی کھٹ کھٹ سپاہ کے ہتھیاروں کی بھیانک جھکار اور نعروں کی ولولہ انگیز صدائیں فضا میں گھل کر اس کی سامعت سے ٹکرا رہی تھیں۔

کبھی کبھی دور سے آتی ہوئی حفاظ اور درویشوں کی تلاوت کا آواز بھی دے جاتی تھی۔ جب وہ پیادہ رہمتوں پر نظر دوڑاتا جو بڑی بہادری سے عا کی یورش روکے کھڑی تھیں تو بے چین ہو جاتا تھا۔ کیونکہ پیادہ صفیں تباہ دو چار تھیں۔ اس نے سلطان کے سیاہ پرچموں اور ملک العادل کے سبز پھریا کو اسی جانب لہراتے دیکھا اور چلا اٹھا۔

”میری کمان لاؤ۔“

خدمت گاروں نے فوراً ”رچرڈ کی خاص کمان “Cross Bow“ بٹا کر دی جس میں علیحدہ گز چلتا تھا۔ جنگ پوری شدت سے جاری تھی اور عرب ملیوں کی پیادہ فوجوں کو پیچھے دھکیل رہے تھے۔ اس نے چلہ چڑھایا اور ہاتھ مہارت سے شت باندھ کر تیر برسانے لگا۔

فرط جوش سے خون اس کی نبضوں میں تیزی سے سرسرا رہا تھا۔ لیکن اس کی تیر اندازی بھی پیادہ فوج کو تباہی سے نہ بچا سکی۔ اس نے گروں موڑ کر انگریز فوج کی طرف دیکھا جو برج اتصال کی جانب پیش قدمی کر رہی تھی۔ اگر افرقی اس برج کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو بے روک ٹوک

طرح دھندلی سی چاندنی میں وہ خندق پر کرتے رہے لیکن۔۔۔ اس کوشش میں
اسی افترنگی کئے ہوئے تنوں کی مانند لڑکھڑا کر ڈھیر ہو جاتے۔ دور قلعہ کی فصیل پر
عرب محافظوں کے دھندلے دھندلے سائے ان کی تاک میں بیٹھے تھے۔
نید اور فاقوں کے مارے ہوئے عرب محصورین جو مسلسل جنگ، شب
بیداری اور کم غذا کی وجہ سے نحیف و زار ہو چکے تھے اور انسانوں کے ہزار
مطم ہوئے تھے۔ موت کے ہر خطرے سے بے پروا تھے۔ شاید انہیں زندگی سے
کوئی دلچسپی نہ تھی۔

وہ موت کے فرشتوں کی طرح شہر پناہ پر نمودار ہوتے۔ خندق کے اس پار
دشمن کی ہراساں اور سرسراہٹ کو دیکھتے اور موت کے تیر چٹکی سے چھوڑ دیتے
تھے۔ جوئی حریف کے سپاہی خاک و خون میں لوتے یا بھاگ جاتے قلعہ کا مہیب
دروازہ کھلتا۔۔۔ عرب سپاہیوں کی ٹولیاں باہر نکلتی اور خندق کے پرشدہ حصوں کو
خالی کرنے لگ جاتی تھیں۔ وہ گھوڑوں اور انسانوں کی لاشوں کو باہر نکالتے
جنہیں افترنگی پھینک جاتے تھے۔ برجھوں سے ان کے دو دو تین تین ٹکڑے کیے
جاتے۔ سپاہی انہیں اٹھا کر لے جاتے اور عکا کے کوچوں اور بازاروں سے
گزرتے ہوئے سمندر میں پھینک آتے۔

۳ جولائی بارہ بجادی اثنی کی رات کو یہ ”خاموش معرکہ“ تیسرے پرتک
جاری رہا۔

دوسری طرف انگریز سپاہی ساری رات ”برج منحوس“ کے پتھر اکھاڑتے
اور موت کا شکار ہوتے رہے۔ عرب تیر انداز برج کے کنگوروں کے پاس گھات
لگائے بیٹھے تھے۔ مسلسل تین راتیں جاگتے رہنے کے باعث ان کی آنکھوں میں
نید کا شمار گھوم رہا تھا۔ لیکن اس حالت میں بھی وہ اپنے فرض سے غافل نہ
تھے۔

نصف رات کے بعد جب چاند کا نقری بجرا بحیرہ روم کی موجوں پر رواں
آ رہا۔ انگریزوں کی چوکیوں سے سینکڑوں سائے نمودار ہوئے اور کدالیں ہتھوڑے
برج کی طرف بڑھنے لگے۔ عرب سردار نے تیر اندازوں اور برق
کھم کو ہوشیار کیا۔

برج کی دیوار جھک جانے کے باعث پھریداروں کی تعداد گھٹا دی گئی تھی۔
موت کے تیس تیس آدمی موت کی اس چوکی پر پہرہ دے رہے تھے مگر یہ

چند ٹولیاں آگے بڑھیں۔۔۔ انہوں نے تلواریں میانوں میں ڈالیں
ہتھوڑے اور لوہے کی سلاخیں لے کر برج کی طرف دوڑیں۔ اچانک
سنناتے ہوئے تیروں میں چھپ کر ان کے استقبال کو آگے بڑھی اور کسی
لڑکھڑا کر ڈھیر ہو گئے۔ عرب تیر انداز برج سے زہریلے تیروں کی بوچھاڑ کر
تھے اور کسی حملہ آور کو زندہ سلامت چھوڑنے پر راضی نہ تھے۔ بیسیوں
پیکان قضا کا لقمہ بن گئے۔ باقی موت کی دہشت سے بھاگ اٹھے۔ صرف چند
تھے جو زخم کھانے کے باوجود برج کے قاعدے تک جا پہنچے۔ انہوں نے جلد
پتھر اکھاڑنے اور افتال و خیزاں واپس ہوئے لیکن موت بدستور ان کے قتل
میں تھی۔ اکثر لوتے وقت تیروں کا شکار ہوئے۔ بادشاہ کی خدمت میں گئی
چند پتھر پیش کیے جا سکے۔ جن کے عوض بیسیوں انگریز خاک و خون میں لوٹ
ٹھنڈے ہو گئے تھے۔

○

شام کے اندھیرے میں برج اتصال کی شکستہ چوٹی صاف نظر آ رہی تھی
عربوں نے اس کی حفاظت کرتے ہوئے سینکڑوں انگریزوں کو موت کی آغوش
سلا دیا تھا۔ رچڑ تیلیوں کی کین گاہ میں ماہی بے آب کی طرح تڑپتا رہا۔
اڑتی سنناتی ہوئی موت بھی اسے ہراساں نہ کر سکی۔ اس کا حکم تھا ”برج منحوس“
کو تباہ کر دیا جائے۔“ انگریزوں نے دیوانے بادشاہ کے حکم پر جانیں قربان
دیں۔ وہ رات کے اندھیروں میں بھی برج پر یلغار کرتے رہے۔ عکا کے میدان
میں جنگ کے ہنگامے خاموش ہو چکے تھے۔ عرب لشکر ملیسیوں پر کاری ضرب
کر کو مستانی مسکروں کو لوٹ گئے اور لڑائی دوسرے دن پر ٹل گئی۔
آٹھویں بجادی اثنی کی چاندنی میں ایک عجیب و غریب معرکہ اب بھی جاری
افترنگی سپاہی ویران قبرستانوں میں خیالی رقص کرنے والے بھوتوں کی
اپنی چوکیوں سے نکلتے اور دبے قدموں شہر پناہ کی طرف حرکت کرتے رہے۔
میدان میں بکھرے ہوئے ادھ جلتے شہتیروں، بڑے بڑے پتھروں اور
مقتولین کی لاشوں کو کھینچے ہوئے لے جاتے اور خندق میں پھینک کر لوٹ
ان کے ساتھ تنگی تلواریں نیزے اور تیر اٹھائے آس پاس پہرہ دیتے تھے۔

وہ اپنے منصوبہ کی ناکامی پر زخمی شیر کی مانند تڑپ کے رہ گیا۔
تیسری خبر یہ تھی۔

”گرٹا کیرو کی گمشدگی سے شہزادی جین کی حالت بے حد خراب ہے۔“
چوتھی اطلاع نے اسے بالکل مشتعل کر دیا۔

آبری کلمنٹ صبح ہی صبح حاضری کا طلب گار تھا۔ وہ ابھی تک اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا اور آرج بشپ آف سلسبری کا کوئی ضروری پیغام لے کر حاضر ہوا تھا۔ رچرڈ نے نفرت سے منہ موڑ لیا اور چلا کر اعلان کیا وہ کسی سے ملاقات نہیں کر سکتا۔

ٹورون کی جھڑنی میں جگہ جگہ فوجی بگل اور بینڈ باجے شور مچا رہے تھے اور صلیبی لشکر حلقہ در حلقہ عکا کی طرف رواں تھے۔

کل کی طرح رچرڈ آج بھی بید کی کمین گاہ میں موجود تھا۔ اس کیبن سے میدان جنگ کا ہر منظر بخوبی دیکھا جاسکتا تھا۔ اس کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو رہا تھا اور کسی خدمت گار کو اس سے ہمکلام ہونے کی جرات نہ تھی۔

بالڈون ڈی کیرو دروازہ کے قریب سر جھکائے کھڑا تھا۔

عکا کے ہر محاذ پر صلیبی فوجیں پیش قدمی کر رہی تھیں۔ برساتی کیڑوں کی طرح انگریزی موج در موج اور فوج در فوج عکا کی طرف حرکت کر رہے تھے۔

دبابوں اور منجیقوں کو شہر پناہ کی سمت دھکیلا جا رہا تھا۔ جن سے لگاتار پتھر اور جلتے ہوئے چوبی شہتیر برسائے جا رہے تھے۔ انگریز لشکر حلقہ در حلقہ برج اتصال کی جانب رواں تھے۔

ان کے آگے آگے آئر لینڈ اور سکاٹ لینڈ کے نقب زن کاندھوں پر تھوڑے کدالیں اور قلعہ شکن آلات اٹھائے مارچ کر رہے تھے۔ رچرڈ نے علم دیا تھا آج ہر قیمت پر برج منخوس کو پیوند زمین کر دیا جائے۔ اس کے نزدیک آج قلعہ کی مدافعت کا آخری دن ہوگا۔

۴ جولائی۔۔۔ ۹ جمادی الثانی کو جمعرات کو روز عکا کے محصور و مجبور مسلمانوں کے لیے یوم حشر سے کم نہ تھا۔ انگریزی فوج کے پیادہ حلقوں نے برج اتصاد پر شدید ترین حملہ کیا۔ نقب زن بھاگ کر تیسروں کی زد سے نکل گئے اور انہوں نے برج کے قاعدے پر تباہ کن ضربیں لگائیں۔

رچرڈ کیبن کے روزن سے لڑائی کا نظارہ کر رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے

قلیل سی تعداد سینکڑوں حملہ آوروں کی یلغار روکنے سے قاصر تھی۔

چاندنی رات میں اڑتے ہوئے تیسروں کی سنناہٹ یوں سنائی دی بانسوں کے جھنڈ سے ہوا کا تیز جھونکا گزرتا ہے۔ فوراً ہی رات کا سناہٹ چینوں سے ٹوٹ گیا اور انگریز اپنے سپاہیوں کی لاشوں کو روندتے ہوئے ہر طرف بڑھے۔

تیسروں کی دوسری بازو میں چند حملہ آور پھر ڈھیر ہوئے۔ لیکن ان کی میں کوئی فرق نہ آیا۔ اب وہ برج سے زیادہ دور نہ تھے۔

اچانک کنکروں کی اوٹ سے پھٹلی ہوئی آگ کی پچکاریاں ماری گئیں۔ کے دامن میں جیسے سینکڑوں ستارے ٹوٹ کر بکھر گئے ہوں۔۔۔ پھر لرزہ بھیانک چپٹیں تڑپنے لگیں۔۔۔ یوں معلوم ہوتا تھا۔

جنم کا کوئی دروازہ کھل گیا ہو اور چیختی چلاتی مقبور و معتبوب روہیں ز پر پھینک دی گئی ہیں۔ آگ کے بتے ہوئے شعلوں نے بجلی ایسی سرعت ساتھ حملہ آوروں کو بھون کر رکھ دیا۔۔۔ شاید ہی کوئی آدمی بھاگ نکلے!

کامیاب ہوا۔ وہ سب کے سب برج کے قاعدے کے آس پاس جل مرے تھے۔

برج اتصاد افریگیوں کے لیے واقعی ”برج منخوس“ ثابت ہوا تھا۔

اس اندوہناک حادثہ کے بعد کسی انگریز کو برج کی طرف بڑھنے کا حوصلہ ہوا۔ تھوڑی دیر کے بعد عرب پہرے دار برج سے نیچے اترے اور افریگیوں لاشیں سمندر میں پھینکنے لگے۔

عکا کے مینار سے فجر کی اذان بلند ہوئی اور موزن نے نئی صبح کا اعلان کر دیا۔

۴ جولائی کا دن قیامت آفریں ہنگاموں کے ساتھ طلوع ہوا۔

رچرڈ شیردل رات کے لرزہ خیز حادثہ کی اطلاع سن کر کانپ اٹھا۔ اس ذہن کے دیرانہ میں کئی خیال بگولوں کی طرح اڑ رہے تھے۔ سینکڑوں انگریزوں روح فرساموت کے ساتھ اس نے دوسری خبر سنی۔

”عربوں نے سلوی کو گرفتار کر لیا۔۔۔“

ایسے نازک وقت میں بڑے بڑے جنگجو بھی جانوں کی امان طلب کرتے یا معمولی سی مدافعت کے بعد ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ جب دشمن کی تعداد کئی گنا زیادہ ہو تو معمولی مدافعت کا بھی سوال پیدا نہیں ہوتا لیکن حیرت انگیز امر تو یہ تھا چار ساڑھے چار ہزار فائدہ کش اور مسلسل تین راتوں کے جاگے ہوئے مجاہدین اسلام تلواریں سونتے تین لاکھ فرزند ان صلیب سے جنگ آزمائی پر آمادہ تھے۔

کیا اس حالت دیوانگی میں کوئی انسانی لشکر موت کے ان فرشتوں سے لڑ سکتا تھا؟ ہر محاذ پر جنگ کی بھی دہک رہی تھی۔

برج کے شکاف کو ڈھانپنے والے بہادر ابھی سنبھل نہ پائے تھے کہ ان کے سروں پر بھاری پتھر اور جلتے ہوئے شہتیر ٹوٹنے لگے۔ دھوئیں اور گردوغبار کے بیولوں میں چند مجاہد لڑکھڑاکر گرتے اور دنیا سے ان کا رشتہ حیات ہمیشہ کے لیے منقطع ہو جاتا تھا۔

ملک سنگباری نے فیصل میں جگہ جگہ شکاف پیدا کر دیے۔ ملیوں کی سنبھیلیں اور آہنی کلیں شہر پناہ کے قریب پہنچ گئی تھیں اور اب اہل قلعہ بھی ان کے گھر۔۔۔ گھر کی آوازیں سن رہے تھے۔ وہ فیصل کے منہدم حصوں میں مورچے بنا کر شکافوں کو ڈھانپ لیتے اور پوری وحشت و دیوانگی سے حملہ آوروں کا مقابلہ کر رہے تھے۔

خندق کئی جگہوں سے پاٹ دی گئی تھی۔ انگریز، فرانسیسی، اور اطالوی شہسوار شہر پناہ کے آس پاس گھوڑے دوڑاتے پھرتے اور عرب مورچوں پر حملے کرتے تھے۔ ملیوں کے ان چھاپے مار دستوں کی کمان ارل آف لیسٹر آرل آف ٹوٹیکنی آرج بٹپ آف سائبرری اور مارکوئیس کانزڈ کر رہے تھے۔

افرنکی سپاہی گڑھوں، پتھروں، ٹیلوں کو پھلانگتے ہوئے موت کے قاصد بن کر قلعہ پر جھپٹتے لیکن عرب تلواروں کے زخم کھا کر پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ عربوں کی روح مدافعت اگرچہ کمزور ہو چکی تھی پھر بھی وہ شکست قبول کرنے پر راضی نہ تھے۔

سلطانی لشکر آج بھی صبح ہی صبح میدان جنگ میں آہنچے اور صلیبی حصار کو کٹ کر عکا کے محصور مسلمانوں تک پہنچنے کی کوشش کر رہے تھے۔
تقی الدین عمر کا رسالہ آج پھر نوروں کے پستے کے ساتھ ساتھ افرنگی خط کو کٹا ہوا آگے بڑھا۔ ملک العادل، ملک الافضل، ملک الظاہر، ابن ہشام، عماد

سامنے کئی انگریز عربوں کی آتش سیال کا لقمہ بن گئے تھے۔ اس نے گھبرا کر دوسری طرف پھیر لیا۔ شاید اپنے سپاہیوں کے زندہ جل مرنے کا بھیاںک منظر دیکھ سکتا تھا۔

اچانک ”اڑادھم“ کا شور بلند ہوا۔۔۔
رچڑنے کھڑے کھڑے گردن گھمائی۔ برج اتصال کی عمارت جس نے مدافعت نے سینکڑوں انگریز بہادروں کو نگل لیا۔ ٹوٹ کر گر گئی تھی اور فضا پر گردوغبار کے کثیف بادل لہرا گئے تھے۔ اس گردوغبار میں ان عرب اور ترک محافظوں کے لاشے بھی لڑھکتے نظر آئے۔ جو برج کے کنگوروں کی اوٹ سے حملہ آوروں پر آتشیں تیر اور آگ برساتے رہے تھے۔

انگریزوں نے جوش مسرت میں۔۔۔ ”یا مزار مسیح“ کا فلک شکاف نعرہ بلند کیا اور شہر پناہ کے مشرقی محاذ تک ملیوں کے نعرے گونجتے چلے گئے۔ خندق کے ساتھ ساتھ ان کے دبا بے اور انجی شہر پناہ پر تباہ کن سنگباری میں مصروف تھے۔ برج اتصال کے گرتے ہی ملکی شہر پناہ میں بہت بڑا شکاف پیدا ہو گیا۔ اب انگریز حملہ آوروں کے لیے قلعہ میں کھس جانا کچھ مشکل نہ تھا۔ مگر اسی لیے انہوں نے ایک عجیب و غریب منظر دیکھا۔

کرد امیر سیف الدین مشبوب چھلاوے کی طرح اچانک شہر پناہ پر نمودار ہوا اور اس نے ہمسار و منہدم برج کی طرف تلوار لہرائی۔ آن واحد میں چار پانچ عرب مجاہدین تلواریں اور ڈھالیں سنبھالے شکستہ حصے کی طرف لپکے اور شکاف کو ڈھانپ کر کھڑے ہو گئے۔

سنگ و خشت کی بجائے انسانی جسم منہدم فیصل میں نصب کر دیے گئے۔ خود بھی اس وقت سنگ و آہن کی پیکر نظر آ رہے تھے اور ان آنکھوں کے گوشوں سے موت جھانک رہی تھی۔

یہ حیرت افروز نظارہ دیکھ کر انگریزوں کے بوھے ہوئے قدم رک گئے۔ آج تک دنیا کی کسی تاریخی جنگ میں کسی بہادر سے بہادر قوم نے بھی ایسا انوکھی شجاعت کا مظاہرہ نہ کیا تھا۔

یہ جنگ محاصرہ اور تاریخ شجاعت کا ایک تحیر زا اور انوکھا باب تھا۔ جسے عرب سوراؤں نے اپنے گوشت پوست اور خون سے مرتب کیا تھا۔ دراصل ہمارا اتصال کی شکست و ریخت کے ساتھ ہی وہ عکا کی جنگ ہار بیٹھے تھے۔

الدین زندگی، علاؤ الدین خرم شاہ، حسام الدین سیارہ، سلیمان بن حیدر، بدرالدین الدروم، عزالدین ابن مقدم، علم الدین قصر، مظفر الدین ملک المعظم مجاہد الدین نقش ظہیر الدین البشکری مجدد الدین صاحب، طبلک دوسرے امیران فوج والیان ریاست اپنے اپنے حلقوں اور دستوں کے ہمراہ سلطان کے دائیں بائیں مصروف جماد تھے۔

یوں تو ہر جگہ خونریز جنگ جاری تھی لیکن لشکر اسلام اور قلعہ کے درمیان اہل صلیب نے جو پیادہ حصار قائم کر دیے تھے موت کا اصل بازار وہیں کھلا تھا۔ یہی وہ راستہ تھا جسے کٹ کر شہر تک رسائی ہو سکتی تھی۔ معلوم ہوتا تھا کہ صلیبی ایک ایک کر کے کٹ جائیں گے۔ لیکن راستہ نہیں چھوڑیں گے۔ فرانس پیادہ فوج کا حلقہ قائم رکھنے کے لیے دستے پر دستے بھیج رہا تھا۔

ایسٹ اور شو گینی کے ارل چھاپہ مار دستوں کو لے کر قلعہ کی تفصیل سے لگے۔ مارکو نیس کانزڈ اور آرچ بشپ آف سلسبری گلے پھاڑ پھاڑ کر سپاہیوں آگے دھکیل رہے تھے۔ ان کے امتیازی علم شہر پناہ کے ساتھ اڑ رہے تھے۔ رچرڈ شیردل بید کی کمین گاہ سے جنگ تفصیل کا نظارہ کر رہا تھا۔ انگریز بھی ”برج منخوس“ کو پیوند زمین کر دینے کے بعد قلعہ کے حفاظتی مورچوں حملہ آور تھے۔

اچانک بادشاہ چونک اٹھا اور اس کی مشتاق آنکھوں میں امید و بیم کے دو رنگ اور سیاہ عکس تیرنے لگے۔ انگریز نائٹ آف آبری کلیمنٹ اپنے چند سواروں کے ہمراہ ٹھیک آرچ بشپ آف سلسبری کے عقب میں نمودار ہوا تھا۔ آج کے وعدہ کا آخری دن تھا اور اسے عیسائی فوج میں سے دو بڑے نام انسانوں کی فرست سے خارج کر دینا تھا۔

آرچ بشپ آف سلسبری اور مارکو نیس کانزڈ رچرڈ نے دیکھا۔ آبری کلیمنٹ آرچ بشپ کی پشت پر پہنچ چکا تھا اور ان کی شمشیر فضا میں لہرا رہی تھی۔ اچانک وہ سب گرد و غبار کے بادلوں میں گم گئے۔ تفصیل کا ایک حصہ مملکت سنبھاری سے ٹوٹ کر زمین پر آ رہا اور اس

ماجھ ہی عربوں کی ایک کٹری خمدار تلواریں گھماتی ہوئی حملہ آوروں پر ٹوٹ پڑیں۔

قلعہ تفصیل سے حملہ آوروں کی پچھلی صفوں پر سیالی آگ کی پچکاریاں ماری گئیں اور وہ جلتے تڑپتے اور بلبلاتے ہوئے واپس بھاگ اٹھے ان میں کئی بری طرح جھلس گئے۔ کئی وہیں جل مرے، کئی بھاگتے بھاگتے رستے میں ڈھیر ہو گئے۔

ٹھیک اسی لمحے امیر عکا ہماؤ الدین قراوقش کے ایک دستہ فوج کے ہمراہ شہر پناہ کے شگاف میں نمودار ہوا۔ اس نے آتے ہی افرنگیوں پر اس قیامت کا حملہ کیا کہ ان کے پاؤں اکھڑ گئے اور وہ تیزی کے ساتھ پیچھے ہٹے۔ اسی لمحے جب افرنگی ہمدار شہر پناہ سے ہٹ رہے تھے۔ شاہ انگلستان نے خلاف توقع ایک حیرت ناک اور ناقابل یقین منظر دیکھا۔ آرچ بشپ آف سلسبری بجلی ایسی تیزی کے ساتھ مڑا اور ناگہان اس کی شمشیر کرنل آبری کلیمنٹ کی پسلیوں میں اتر گئی جو اس کے پہلو میں شاید خود بھی کسی ایسے ہی موقع کی تلاش میں تھا۔ مگر قیامت کا وہ لمحہ آبری کلیمنٹ پر گزر گیا۔ جس نے آج غروب آفتاب تک آرچ بشپ اور کانزڈ کے سر کاٹنے کی قسم کھا رکھی تھی۔

بوڑھے اسقف اعظم نے آبری کی خون آلود نعش پر نفرت سے ٹھوکر لگائی اور آگے بڑھ گیا۔ بھاگتے ہوئے افرنگیوں میں سے کوئی بھی نہیں جانتا تھا۔ ان کے عقب میں کیا حادثہ ہو گزرا ہے۔ ساڑھے تین لاکھ صلیبی لشکروں میں شاید رچرڈ واحد یعنی گواہ تھا جس نے آرچ بشپ ہیورٹ والز کو انگریز نائٹ آبری کلیمنٹ کو قتل کرتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس نے عجلت سے اپنا منہ پھیر لیا۔

افرنگیوں کا سیل رواں سمندری لہروں کی مانند عکا کی فصیل سے ٹکرانے لگا۔ وہ جوش سرت میں نعرے بلند کر رہے تھے۔
”ہم نے عکا فتح کر لیا.....“

اب عکا کا سقوط ہولے ہولے حقیقت میں تبدیل ہو رہا تھا اور مجاہدین بعض ٹکاف چھوڑ کر بلند ٹیلوں سے مسلک تیر اندازی کر رہے تھے۔ متعدد صلیبی فصیل پر جا چڑھے مگر وہ اپنا پرچم نہ نصب کر سکے۔ چار ہزار مسلمانوں کی موت یقینی نظر آ رہی تھی۔

سیف الدین مشطوب

اچانک میدان جنگ کا نقشہ ایک آن میں تبدیل ہو گیا۔ عرب برق انداز آتش سیال کی ہانڈیاں اور پچکاریاں لے کر آ پہنچے تھے۔ انہوں نے آتے ہی حملہ آوروں پر آگ برساتنا شروع کر دی۔ افرنگی سپاہی آنا ”فانا“ جل اٹھے۔ وہ تلواروں کے زخم کھا کر پیچھے ہٹ جاتے تھے۔ عربوں کی روح مدافعت اگرچہ کمزور ہو چکی تھی پھر بھی وہ شکست قبول کرنے پر راضی نہ تھے۔ انہوں نے فولادی خود اور جوش آتش سیال سے پگھل کر سڑتے ہوئے جسموں کے ساتھ چپک گئے اور وہ جنہی روحوں کی طرح پیچھے چلا تے ڈھیر ہو گئے۔ لپکتی آگ نے بیسیوں نہیں سینکڑوں افرنگیوں کو بھون ڈالا اور وہ بری طرح پسا ہو کر بجائے۔

وہ پر جوش صلیبی جو فصیل پر چڑھ آئے تھے۔ بھاگنے میں کامیاب نہ ہو سکے اور ان کے لاشے مٹی کی ڈھیریوں پر لڑھکا دیے گئے۔

شام کے اندھیرے میں عکا کے ہر مورچے پر انگریز، فرانسیسی اور دوسرے صلیبی بہادر جلتی لپکتی ہوئی موت سے دو چار تھے۔ عربوں نے آخری تباہ کن حملہ کر کے انہیں ایک مرتبہ پھر مار بھگایا اور شام ہوتے ہی جنگ دوسرے دن پر ٹل گئی۔

عکا کے محصور و مجبور مسلمانوں نے اپنی بہادری اور جاں نثاری کا ایک ناقابل فراموش معرکہ لڑا۔ جسے دشمن بھی خراج تحسین ادا کرنے لگا۔ کاش..... یہ لوگ عیسائی ہوتے؟“

رچڑ اپنے خیمہ خاص میں دیر تک عربوں کی جنگ مدافعت پر اظہار خیال کرتا رہا۔ انہوں نے قلعہ بچا لیا تھا۔ لیکن کس قیمت پر.....؟
اپنی آخری قوت بھی میدان میں جھونک کر وہ اٹھ کھڑے ہوئے۔ پاؤں

”مزار مسیح“..... ”مزار مسیح“

دیوانے صلیبوں کا نعرہ بادلوں کی گرج کی طرح بلند ہوا اور ہزار ہا عیسائی خندق عبور کر کے شہر پناہ کی طرف بڑھے۔

عکا کے محصور مسلمانوں نے انگریز لشکر اور صلیبوں کے چھاپہ مار دستہ حملہ ناکام بنا دیا تھا اور وہ عارضی طور پر فصیل سے ہٹ آئے تھے مگر قلعہ اہل قلعہ کی حالت قطعی مخدوش ہو چکی تھی۔ اب ان دونوں میں کسی تازہ منظم حملے کو روکنے کی استطاعت باقی نہ تھی۔ افرنگی ان کی کمزوری سے فائدہ آگاہ ہو چکے تھے۔ انہوں نے انجنوں اور دباؤں کی چھت سے قلعہ کی اندر خرابی کے آثار بھی بھانپ لیے جگہ جگہ سے شکستہ و منہدم فصیل کے ٹکڑے ان کے سامنے تھے جہاں عربوں نے مورچے سنبھال لیے تھے۔

یہی وجہ تھی انہوں نے بمبھیتوں کو کچھ اور آگے بڑھایا اور رسالہ کے بہ پہلو بکتر بند دستے روانہ کیے۔

یہ حملہ بڑا منظم، پر جوش اور تباہ کن تھا۔ خندق پار کرنے کے بعد انہوں نے چند ٹکڑیوں میں بٹ گئے۔ پھر انہوں نے عرب مورچوں پر حملے شروع کر دیے۔ صلیبی پرچم قلعہ کی فصیل کے ساتھ لہرانے لگے۔ مجاہدین اسلام نے ہمیشہ کی طرح اس مرتبہ بھی حملے کو روک لیا اور دشمن پر جوابی وار کرتے رہے۔ لیکن انہوں نے دشمن کی پہلی یلغار پسا کر دی۔ لیکن دوسرا حملہ وسیع و شدید تھا۔ صلیبی سپاہی کیڑے کوڑوں کی طرح خندق عبور کر کے فصیل کی سمت بھاگ رہے تھے۔ شہر پناہ کے کمزور حصے اب بھی گزرتے اور دھول کے بادلوں میں پیچھے ہٹ کر نئے مورچے بنا لیتے۔

جہانے میں کامیاب ہو گئے تھے لیکن اس حملہ نے انہیں بے حد کمزور و نحیف
تھا۔

ہرے دار بجلی تلواریں لیے چاق و چوبند پہرہ دے رہے تھے۔ اس وقت کوئی
فصل بارگاہ سلطانی میں داخل نہ ہو سکتا تھا۔
قاصد ایک المناک خبر لے کر آیا تھا۔ صلاح الدین کے کلبے میں گویا اڑتے
ہوئے خنجر اترنے لگے..... کیا مشغوب نے ہمت ہار دی.....؟ کیا ناقابل
ثقت قزاقوں نے شکست قبول کر لی.....؟

اسی روز سیف الدین مشغوب کا ایک قاصد سمندر عبور کر کے
چھاؤنی تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا۔ اس نے سلطان اسلام کی خدمت میں
دی اور بولا۔

”اعلیٰ حضرت! اگر کل تک ہمیں رسد اور کمک نہ پہنچائی گئی تو ہم
جان کے معاہدے پر ہتھیار ڈال دیں گے۔“

”نہیں..... تم ایسا نہیں کر سکتے..... اسلام کے لیے کٹ مرو.....
شکست کی ذلت قبول نہ کرو.....“

صلاح الدین بھر کر کھڑا ہو گیا۔ جسم کا سارا خون جیسے اس کے چہرے
سمٹ آیا تھا۔ قاصد نے گردن جھکا کر اپنا دایاں ہاتھ سینے پر لہرایا۔ پھر اسے
کے قریب حرکت دی۔ پھر ایک جھٹکے کے ساتھ پیشانی کی طرف بلند کر دیا۔
اور بولا۔

”سلطان معظم! ہمارے پاس اسلحہ ختم ہو چکا۔ ہم دو روز سے بھوکے
نیند نے ہماری آنکھوں سے ناطہ توڑ لیا ہے۔ عکامیں کوئی شخص تین راتوں
نہیں ہو سکا۔ ہم نے جائیں بھیلی پر رکھ کر قلعہ کی حفاظت کی اور ہزار
دشمنوں کی لاشیں گرا دی ہیں۔“

”بڑا اک اللہ“
لیکن ہم مجبور ہیں..... اسلحہ کے سب ذخیرے جنگ کی بھیجی میں
دیے گئے۔ اب ہماری بھینٹیں خاموش اور کمائیں بے کار ہیں۔ قلعہ کی
میں کئی شکاف پیدا ہو چکے ہیں اور ہم زیادہ دیر شہر پناہ کی حفاظت نہ کر
سکتے۔“

سلطان نہایت بے تاب اور بے چینی کے ساتھ کمرے میں ٹھہرنے لگا۔
خیموں کی بارگاہ پر موت کا شائاطاری تھا۔ چند بڑے بڑے سردار اور امیر
کے حضور خاموش و غمگین کھڑے تھے اور باہر رہداری میں کرد اور
نہیں اسے کہہ دو مسلمانوں پر موت کا خوف مسلط نہ کرے۔“
”ہم موت سے نہیں ڈرتے سلطان عالی! لیکن خود کشی اسلام میں حرام
ہے۔ ہمیں ہتھیار دیجئے، غذا مہیا کیجئے۔ ہم یہ لڑ جائیں گے۔“
”کل ہم آخری کوشش کریں گے اور نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہے۔“

یہ کہہ کر اس نے قاصد کو روانہ کر دیا لیکن ساری رات سخت بے چین
اور مضطرب رہا۔ وہ بار بار بستر سے اٹھا اور بگولے کی طرح خیمے کے اندر چکر
کٹنے لگا۔ زر کماش پردوں کی اوٹ سے جھانکتے اور پلٹ جاتے تھے۔ آدمی

کارڈ اسی وقت گھوڑے پر سوار ہوا اور اپنے محافظ سپاہیوں کے ہمراہ عرب سرداروں کے دوش بدوش فراہمی کیپ کی جانب روانہ ہوا۔
فلپ آگنس کو معلوم ہوا قلعہ کا عرب کمانڈر بنفس نفیس صلح کی بات چیت

کرنے آیا ہے اور مارکوئیس کارڈ اس کے ساتھ ہے تو یقیناً اسے اپنی اہمیت کا احساس ہوا۔ اگرچہ آج کے حملہ عام میں بھی اہل فرنگ نے شکست فاش اٹھائی اور ہزاروں لاشیں شہر پناہ کے پاس چھوڑ آئے تھے لیکن انگریزی لشکر نے برج اتصال کو گرا کر فصیل میں ایک بہت بڑا شگاف پیدا کر دیا تھا۔ پھر مہنگی شہر پناہ کئی بجوں سے شکست و منہدم ہو چکی تھی اور ایک معمولی سپاہی بھی سمجھتا تھا اس حالت میں عرب شہر کی حفاظت نہیں کر سکتے۔

۹ جمادی الثانی کی رات کو کرد سردار سیف الدین مشطب قلعہ سے ایک محافظ دستہ کی معیت میں افرنگی کیپ کی طرف چل دیا۔
عراق عرب کے گھوڑے نکھری ہوئی چاندنی میں وکی چال سے رواں تھے۔ ان کے آگے آگے ایک سوار سفید جھنڈا لہراتا جا رہا تھا۔ عرب دستہ سے پہلے شہر پناہ کی قریبی چوکیوں اور حملہ کے نگران مارکوئیس کارڈ کے میں پہنچا۔ کارڈ نے عرب سردار کا شایان شان استقبال کیا۔ امیر مشطب اسے واضح غیر مبہم الفاظ میں بتایا۔
”میں شاہ فرانس سے صلح کی بات چیت کرنے آیا ہوں۔ اگر اس آبرومندانہ شرائط قبول کر لیں تو میں قلعہ سے دستبردار ہو جاؤں گا۔ بھلا دیکر جب تک ایک مسلمان بھی زندہ ہے وہ مدافعت کا فرض ادا کرتا رہے گا۔“
”امیر محترم! آپ نے اپنی بساط سے زیادہ شجاعت و مردانگی دکھائی۔ بلاشبہ جنگ محاصرہ میں روم اور یونان کی مشہور لڑائیاں بھی آپ کی مدافعت سامنے سچ ہو گئی ہیں۔ میں تمہ دل سے آپ کی بہادری کا معترف ہوں۔ اگر کوئی خدمت سرانجام دے سکا تو میں یقیناً“ دریغ نہ کروں گا۔ مجھے خوشی اس مرتبہ صلح کی گفتگو کے لیے آپ نے صحیح آدمی کا انتخاب کیا..... شاہ فرانس ہی صلیبی فوجوں کے امیر کبیر ہیں..... میں آپ کو ان کی خدمت میں لے جاؤں گا۔“

”اس لیے کہ جب کوئی قلعہ ایک طویل اور خطرناک جنگ کے بعد بزور شمشیر فتح کیا جائے تو اس کے محافظوں کو یہ تیغ کر دیا اور تمام مال و اسباب لوٹ لیا جاتا ہے۔ جب ہم طاقت سے شہر پر قبضہ کریں گے تو کسی کو رعایت کیوں دیں۔“

امیر مشطب نے محسوس کیا۔ شاہ فرانس کو سمجھانے کے لیے دوسرا لہجہ اختیار کرنا پڑے گا۔ وہ درشت اور کرسٹ فوجی انداز میں بولا۔

”اس بات کو نظر انداز نہ کرو ہم نے بھی اہل صلیب کے بیشتر قلعے بزور شمشیر فتح کیے تھے۔ لیکن غلبہ و قبضہ کے بعد ان کی جان بخشی کی اور انہیں مال و اسباب تک لیجانے کی اجازت دے دی۔ مارکوئیس کارڈ اس فیاضی کے چشم دید گواہ ہیں۔ کیونکہ بیشتر قلعوں کے مفتوح عیسائی عزت و آبرو کے ساتھ صورت ہی

کارڈ کا جواب حوصلہ افزا تھا۔ کرد امیر نے کہا اگر وہ فریقین میں آہن مصالحت کرا سکے تو دس ہزار دینار اس کے لیے مخصوص ہوگا۔

جائیں۔ ہمیں تو مرنا ہی ہے لیکن ہم زیادہ سے زیادہ دشمنوں کو کاٹ کر
دے دیں گے۔ شاہ فرانس اپنے لشکروں کی تعداد گن لو ایک دو روز کے بعد یہ تعداد
بڑھ جائے گی۔“
کرد امیر بگولے کی طرح خیسے سے نکلا۔

اس کے الفاظ موت کی گھنٹیوں کی طرح فلپ آگسٹس کی سماعت سی ٹکراتے
رہے۔ جب عرب گھوڑوں پر سوار ہو کر قلعہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ تو کانرڈ
نے ہر سکوت توڑ دی۔

”جناب آگسٹس.....! آپ نے صلح کا ایک بہترین موقع کھو دیا۔ ممکن ہے
اب وہ رچرڈ سے گفتگو کریں وہ بلا حیل و حجت ان کی شرائط تسلیم کر لے گا۔
نہ آپ نہیں جانتے آج کی جنگ میں سب سے زیادہ نقصان انگریزوں نے
ٹھاپا ہے اور وہ عربوں کی آگ سے خوفزدہ ہیں..... ہم اس تباہ کن ایجاد میں
زک مناہوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ آج انہوں نے ہزاروں انگریزوں کو فیصل
”میں عکا میں اڑھائی لاکھ مسیحیوں کی قبریں بچشم خود دیکھ چکا ہوں۔“
کے بدلے چار پانچ ہزار عربوں کو قتل کر کے اپنے انتقام کی پیاس نہ بجھاؤں۔“
شک سلطان نے مفتوح مسیحیوں کی جان بخشی کی ہوگی لیکن یہ سب پرانی
ہیں۔ وہ عیسائیوں کو صور میں جمع کر کے ہلاک کر دینا چاہتے تھے۔ میرے پاس
کے مسلمانوں کے لیے تلوار کے سوا اور کوئی تحفہ نہیں۔ اگر ہم قلعہ
کریں گے تو کسی کو امان نہ دیں گے۔ یہ میرا آخری فیصلہ ہے۔“
کرد امیر نے غضب آلود نگاہوں سے فلپ کو دیکھا اور جواب دیا۔

”پھر مسلمان بھی گوسفندوں کی طرح تلواروں کا لقمہ نہ بنیں گے۔“
کی موت پر شہادت کو ترجیح دیتے ہیں۔ جب تک ان کے جسم میں زندہ
آخری رقت باقی ہے۔ وہ مدافعت کا فرض ادا کرتے رہیں گے۔ اور بہت
اپنی مجنونانہ خواہش کا انجام دیکھ لو گے۔ ہم لڑنا ہی نہیں میدان جنگ میں
جانتے ہیں۔“

یہ کہہ کر وہ اپنی عبا لہراتا ہوا تیزی سے مڑا۔
فلپ آگسٹس نے آواز دی۔
”امیر مشلوب!..... آپ کے لیے میرے پاس پناہ ہے..... آپ کی
بخشی کا میں وعدہ کرتا ہوں.....“
”مجھے اس پناہ کی ضرورت نہیں جس کے عوض میرے بھائیوں کے

شاہ فرانس کسی گہری سوچ میں ڈوب گیا۔
”عربوں کی مدافعت کا انداز دیکھ چکا تھا۔“
آج قلعہ کی فتح میں وہ کون سی کسر رہ گئی تھی.....؟ اگر گئی بہادر تلواریں
لے کر لوگوں کو پیچھے ہٹاتے فیصل پر جا پہنچے تھے اور کوئی دم میں قلعہ سر ہوا چاہتا

عکا کی فسیل کے آس پاس بھی ہولناک جنگ جاری تھی اور صلاح الدین اپنے سفید گھوڑے پر سوار شہر پناہ کو گردوغبار اور دھوئیں میں لپٹے ہوئے دیکھ رہا تھا۔

رچڑ کے سفیر میدان جنگ ہی میں سلطان کی خدمت میں پیش کیے گئے۔ انہوں نے صلح کے لیے عجیب و غریب شرائط پیش کی تھیں۔ صلاح الدین نے شرائط صلح ٹھکرا دیں۔ انگلستان کے شاہی کیمپ میں برف پڑنے پانی اور پھلوں کے ذخیرے ختم ہو چکے تھے۔ انگریز سفیروں نے اپنے پیارے لیے ان اشیاء کی درخواست کی سلطان نے یہ درخواست منظور کر لی اور رچڑ کے لیے برف اور پھل روانہ کیے۔ اس روز بھی لڑائی کا کوئی فیصلہ نہ ہو سکا۔

۶ جولائی کو ہفتہ کے دو تین لاکھ فرنگی ہتھیاروں سے لیس ہو کر میدان میں آئے سلطان اپنے دستوں کے ہمراہ محاذ پر پہنچ چکا تھا ناگاہ صلیبی فوجوں کے ہجوم نے چالیس سوار سفید جھنڈیاں لہراتے ہوئے آگے بڑھے اور تھوڑی دیر بعد کردار کاٹھن جو ان سردار ابن ہشام سلطان کے رو برو پیش ہوا۔ اس نے بتایا۔ ”صیدا کا بادشاہ صلیبیوں کا سفیر بن کر آیا ہے اور ذرا عہد عالی سے ملاقات کا قیام ہے۔“

ہم نے صلح کی گفتگو کا اختیار ملک العادل کو دے رکھا ہے۔ اسے کہو ہماری جائے ملک العادل سے بات چیت کرے۔“

”مگر وہ سلطان معظم ہی سے ملنا چاہتا ہے۔“

”مسودہ صلح تیار ہونے سے پہلے ہم کسی صلیبی بادشاہ سے ملاقات نہیں کریں گے۔“

مجبوراً ”شاہ صیدا کو ملک العادل کے حضور حاضری دینی پڑی اور وہ ایسی شرائط لے کر آیا تھا جنہوں نے برادر سلطان کو مشتعل کر دیا۔

مسلمان تمام ساحلی شہر فی الفور افریقیوں کے حوالے کر دیں۔ یروشلم کو خالی کر دیا جائے وہ شہر مسیح ہے۔ اس پر عیسائیوں کی حکومت رہے گی۔ صلح کی صورت میں عرب بھی پر امن شہری بن کر رہ سکتے ہیں۔

صلیبی العلوب عیسائیوں کو لوٹادی جائے۔

تھا کہ ناگماں عرب برق انداز آتش سیال لے کر پہنچ گئے اور انہوں نے دیکھ دیکھتے ہزاروں افریقیوں کو بھون ڈالا۔ وہ عربوں سے لڑ سکتے تھے۔

لیکن..... اس بہتی ہوئی آگ کا مقابلہ کرنے کی ہمت نہ رکھتے تھے۔ آن کی آن میں افریقی سپاہیوں کو بھون ڈالتی تھی۔

اب اگر زندگی سے مایوس عربوں نے آتش سیال ہی کو مدافعت کا ذریعہ لیا تو واقعی عکا کی ایک خواب پریشان میں تبدیل ہو جائے گی۔

اور..... شاہ انگلستان رچڑ اس کا مذاق اڑائے گا۔ چند ہی لمحوں میں قلب آگش کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ وہ ہر قیمت پر عکا کو فتح کرنا چاہتا تھا۔

لیکن..... امیر مشوب سے پھر رابطہ قائم کرو..... اسے کہو۔ اگر وہ کے صلیبی قیدیوں کو رہا کر دے۔ سلطان سے کہہ کر صلیب العلوب لوٹا دے۔

تاوان جنگ ادا کر دے تو اہل قلعہ کی جان بخشی کا وعدہ کیا جاتا ہے۔ اسے قیامت پر صلح کی گفتگو میں الجھاؤ..... صرف یہی ایک فریب دے کر ہم قلعہ قبضہ کر سکتے ہیں.....“

”بہت بہتر جناب آگش! میں کوشش کروں گا۔“

یہ کہہ کر کانڑ نے بھی رخصت لی اور خیمہ سے باہر نکل گیا۔

عکا ختم ہوا

دوسری صبح جنگ کا بازار گرم ہو گیا۔ لشکر اسلام نے اس قدر سخت کوشش کی کہ سواروں، پیادوں اور برق اندازوں نے صلیبی فوجوں کی طرف الٹ دیں۔ بالخصوص اس لشکر کے ساتھ قیامت کا رن پڑا جو غازیان اسلام قلعہ کے درمیان حائل تھا۔ مگر افریقی بھی قلعہ کی کمزور مدافعت سے آگاہ ہو چکے تھے۔

وہ بڑی بہادری سے کٹتے اور مرتے رہے۔

سلطانی لشکر کو قلعہ تک پہنچنے کا راستہ نہ مل سکا۔

۴۔ وہ تمام صلیبی فوراً رہا کر دیے جائیں جو عربوں کی قید میں ہیں۔ ملک العادل نے جواب دیا افرنگی اگر اپنی سلامتی چاہتے ہیں تو لوٹ جائیں بصورت دیگر فلسطین کی سرزمین ان کے لیے گورستان بن جائے۔ شاہ صیدا کی سفارت ناکام لوٹ گئی اور عکا کے تمام محاذوں پر جنگ شروع ہو گئی۔ رچرڈ اب تندرست ہو چکا اور گھوڑے کی سواری کر سکتا۔ سیاسی مصلحت کے باعث اس نے سپہ سالاری کے لیے فلپ سے جھگڑا بدستور بانسی تیلیوں کی کمین گاہ میں بیٹھا رہا وہ انگریز فوج کو یہیں سے بھواتا تھا۔

اہل شر اپنے مال و اسباب اور اسلحہ کے ذخیرے ملیوں کے حوالے کر دیں۔

دو لاکھ دینار نقد فدیہ ادا کریں۔

ڈیڑھ ہزار صلیبی قیدیوں کو رہا کرائیں۔

اس امر کا ذمہ اٹھائیں کہ سلطان سے کہہ کر صلیب اعظم اہل صلیب کو لوٹا دیں گے۔

صلاح الدین کو اہل عکا کی فکر پریشان کر رہی تھی۔ اتوار کے روز مسلمان تیراک بحیرہ شام کے اس حصے کو عبور کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ افرنگی بیڑے قابض تھے۔ ایک لمبا چکر کاٹ کر وہ سلطانی بارگاہ میں داخل ہو شہر سے امیر سیف الدین مشطب اور بھاء الدین قراقوش کا پیغام لے کر آیا۔ ”سلطان عالی! آپ دشمن سے جس طرح چاہیں نمٹ لیں۔ ہماری کریں۔ ہم کسی بھی قیمت پر قلعہ دشمن کے حوالے نہ کریں گے اور پیاسے آخری دم تک لڑتے رہیں گے۔ افرنگی ہماری لاشوں کو روند کر ہی داخل ہو سکتے ہیں۔“

”اللہ اہل عکا کی حفاظت کرے۔“

اس جواب کی ساتھ پیغامبر کو لوٹا دیا گیا۔

۱۱ جولائی تک فریقین کے درمیان خونریز معرکے ہوتے رہے۔ محصور مجاہدوں کی رہی سہی قوت مدافعت بھی ختم ہو چکی تھی۔ اس کے باوجود پناہ کی حفاظت کر رہے تھے۔

انہوں نے ایک رات افرنگی چوکیوں پر شبخون مار کر کچھ غذا بھیجی لی تھی۔ فصیل کے شکستہ حصوں کی مرمت بھی جاری تھی۔ لیکن برج انہ شگاف پر کرنا آسان کام نہ تھا۔ اب وہ افرنگی لشکروں کے طوفانی دستوں ردک سکتے تھے۔ جو ہر روز فصیل پر چھاپے مار رہے تھے۔ ابن شاد

ارغوانی رنگ کے بارہ خیموں پر مشتمل بارگاہ سلطانی کی ڈیوڑھی میں رانڈیل مملوک اور کرد محافظ زرد قباؤں میں ملبوس خمدار تلواریں لیے حفاظت فرض ادا کر رہے تھے۔ ایک مملوک سردار کے ہمراہ مسلمان تیراک رہداری کے گزر کر خیمہ سلطان میں داخل ہوا اس نے اپنے سلطان کا مخصوص سلام ادا کرنے کے بعد انکشاف کیا۔

”اہل قلعہ نے حفظ جان کے معاہدے پر افرنگیوں سے مصالحت کر لی۔“

صلاح الدین نے تغیر و تعجب کے ساتھ یہ دشمن خبر سنی۔ پیغامبر صلح کے شرائط بیان کرنے لگا۔ جب وہ تمام شرائط بیان کر چکا تو سلطان چوٹی تخت سے اتر کر قلعہ پر چھاپے بچھا ہوا تھا۔ گبولے کی طرح نیچے اترا اور بلند آواز میں گرجنے لگا۔

رہے رہے۔

اڑھائی لاکھ لاشوں کا نذرانہ پیش کرنے کے بعد بالاخر افریقیوں نے فتح حاصل کر لی تھی۔ عکا مفتوح ہو چکا تھا اور صلیبی لشکر نعرے لگاتے شور و غل مچاتے اور سرت سے کلکاریاں مارتے ہوئے موج در موج شہر میں داخل ہو رہے تھے۔ عکا کی فضا سرخ پرچوں سے شفق رنگ بادلوں کا نظارہ پیش کر رہی تھی۔ چپے عکا کے افق سے لہرائی ہوئی آگ کے دھارے پھوٹ نکلے ہوں۔

مسلمان حیران و ششدر افرنگی بینڈ باجوں کا شور و غل سنتے اور سرخ پرچوں کو غول در غول شہر پناہ میں داخل ہوتے دیکھتے رہے۔ ان کے دل دو نیم ہو گئے اور سروں پر کوہ الم ٹوٹ پڑا۔ تمام اسلامی چھاؤنی میں درد و کرب اور غم و اندوہ کی لہر دوڑ گئی تھی۔ بے شمار مسلمان بھاگ کر نیلوں پر جا چڑھے۔ کئی آنکھیں ایک آلود تھیں اور متعدد آدمی جو اس صدمہ کی تاب نہ لا سکے شدت سے بے ہوش ہو کر گر گئے تھے۔ سقوط عکا ایک ایسا ہی جگرگداز سانحہ تھا جس نے بیشتر مسلمانوں کے ہوش سلب کر لیے۔

صلاح الدین یوسف جس نے پہاڑوں کے جگر چھید ڈالے اور دشمنوں کے بڑے بڑے سنگین قلعوں کے پرچے اڑا دیے۔ جس نے شام و فلسطین سے صلیبی یلغار کا رخ موڑ دیا اور حریف کے طوفان بدوش لشکروں کو اپنی تلوار کے دھار سے روک دیا۔ عکا کی شکست کو نہ روک سکا۔

گریٹا کا پر اسرار سفر

گریٹا کی زندگی میں یکنخت ایک حسین و رنگین تبدیلی رونما ہوئی تھی اور جین نے محسوس کیا تھا عرب مہمان ابن ہشام کی واپسی کے بعد وہ کچھ کھوئی کھوئی کی رہنے لگی ہے۔ اس روز جب افرنگی چھاؤنی میں جگہ جگہ عربوں کے حملہ کا خوف انگیز ذکر ہو رہا تھا۔ شہزادی جین نے ابن ہشام کی بات چھیڑ کر گریٹا کے دل کا چور پکڑ لیا تھا۔

کرد سردار کے نام پر اس کے شہابی عارض آپ سے آپ متمتا اٹھے اور جب شہزادی کے ہونٹوں پر ایک شریر سی مسکراہٹ نمودار ہوئی تو بنت کیرو بے

”نہیں..... ہمیں یہ معاہدہ منظور نہیں..... ہم اس کی توثیق نہ کتے۔“

”سلطان عالی..... شاہ فرانس نے کہا تھا۔ اگر ہم نے قلعہ بزور شہر تو تمام مسلمانوں کو قتل کر دیں گے۔ اس لیے امیر سیف الدین مشوبہ جان کا معاہدہ ضروری سمجھا۔“

”ہم ذلیل معاہدے کی منظوری نہیں دے سکتے۔“ سلطان بدستور تھا۔

امراء لشکر فیصلہ کریں گے۔ ہمیں کیا جواب دینا چاہیے۔“

پھر اس نے جنگی کونسل کے انعقاد کا اعلان کیا اور زرگماشوں کو حکم سرداران فوج اور والیان ریاست کو خیمہ مشاورت میں حاضری کا پیغام سلطانی خدام اپنی قبائیں لہراتے باہر لپکے اور امیران فوج کی طرف بھاگے گئے۔

شام کے اندھیرے میں سلطان سخت اداس، پریشان اور غمگین نظر آ رہا وہ بار بار اپنی بھوری داڑھی کھجاتا اور بے قراری کے عالم میں چکر کاٹتا تھا۔ کی آنکھوں سے گہرا غم جھانک رہا تھا۔ پھر وہ مجلس شوریٰ کے لیے دوسرے میں جا پہنچا۔

کسی شخص کو اس سے ہمکلامی کی جرات نہیں تھی۔ خاندان ایوبی کے شہزادے اور بہادر جرنیل تلواروں کے قبضوں پر ہاتھ رکھے مہربان والیان ریاست امیر درویش مملوک اور کرد معاہدے پر بحث کرنے لگے۔

ان کی تیز آوازوں میں جھنجھلاہٹ نمایاں تھی۔

اچانک عکا کی طرف بے پناہ شور بلند ہوا۔ ایک سلوک افسر بھاگا بھاگا میں داخل ہوا۔ اس نے خبر دی۔

”سلطان معظم.....! افرنگی لشکر شہر میں داخل ہو رہے ہیں۔ آپ ان نعرے کی آواز سن سکتے ہیں۔ عکا مسلمانوں کے ہاتھ سے جاتا رہا۔“

یہ خبر بجل بن کر گری صلاح الدین نے انا للہ وانا الیہ راجعون مند سے اتر آیا۔ کئی سردار باہر لپکے ان کی نظریں شہر پر دوڑتی چلی گئیں عکا کے میناروں اور برجوں پر ریڈ کر اس کے صلیبی جھنڈے لہرا رہے تھے۔ پر جگہ جگہ روشنیاں جگمگانے لگی تھیں۔ شاید افرنگی جشن فتح منانے کی تیاریاں

طاری ہوئی تھی۔ اس کی کیفیت حوط خانے میں لائی جانے والی لاش سے مختلف نہ تھی۔ مگر وقفہ کے بعد ”اس لاش“ میں ایک مرتبہ پھر زندگی کی حرکت پیدا ہوئی اور گریٹا کے ذہن پر چھائی ہوئی دھند رفتہ رفتہ چھٹنے لگی۔ پھر اسے یوں محسوس ہوا جیسے کوئی اسے شانوں سے پکڑ کر جھنجھوڑ رہا ہے۔

لیکن اس کے حواس پر عجیب سی غنودگی مسلط تھی۔ وہ چاہتی تھی ذہن پر اڑتی ہوئی دھند بالکل صاف ہو جائے اور وہ آنکھیں کھول دے۔ اس خواہش کے باوجود نہ تو اس کے ذہن سے خواب آفریں دھند صاف ہو سکی نہ وہ آنکھیں کھول سکی۔

شاید وہ محرو طلم کے ہیولوں میں جکڑی جا چکی تھی۔ ایک عجیب سا غماز عجیب سا نشہ تھا۔ اس کے شانے بدستور ہلائے جا رہے تھے۔ وہ نیند کی طلسمی لہروں کے خلاف جدوجہد کرنے لگی۔ ذہن پر چھائی ہوئی خواب آور سی دھند بکھرنے اور اڑنے لگی پھر..... اس نے آنکھیں کھول دیں لیکن اسے کچھ سمجھائی نہ دیا۔ ارد گرد منہمند اندھیروں کے خیمے تنے ہوئے تھے۔ اس نے بار بار پلکیں جھپکائیں اور نگاہیں ہر مرتبہ تاریکیوں سے الجھ کر رہ گئیں۔ ذہن میں ایک نیا خطرہ کروٹ لینے لگا۔

کیس اس کی قوت بینائی تو ختم نہیں ہو گئی۔

کیس وہ اندھی تو نہیں ہو گئی۔ اسے نظریوں نہیں آتا۔

یہ خیال بڑا جا گسل تھا۔ لیکن اچانک جب اس نے اوپر نظر اٹھائی تو آسمان پر ستاروں کی منہمی منی قدیلیں جھللاتی دکھائی دیں۔ آنکھوں کا نور محفوظ تھا۔

اس کا مطلب یہ تھا اس وقت خیمے کی بجائے وہ کھلی فضا میں آسمانوں کی ہمت کے نیچے آرام کر رہی ہے۔ مگر وہ خیمے کے اندر لیٹی تھی پھر اپنے اوگھٹتے ہوئے ذہن سے سوچنے لگی کہ خیمے سے باہر کیسے نکلی اور اس وقت کہاں ہے؟

یہ بھی عجیب بات تھی۔ اس کے شانے بڑی دیر سے ہلائے جا رہے تھے اور وہ اسی مسلسل عمل سے بیدار بھی ہوئی تھی۔ لیکن آس پاس کوئی وجود نظر نہ آتا تھا۔ نیند کی ہلکی ہلکی لہریں ابھی تک ذہن کے اوپر دھوئیں کی طرح تیری پھری تھیں اور مسلسل جنبش و حرکت سے شعور بیدار بھی ہو رہا تھا۔

اس نیم بیداری کی حالت میں اس نے انھنے کی کوشش کی لیکن سینے پر جیسے ہاڑوں کا بوجھ آ پڑا۔ اس کوشش میں اس کے..... دونوں ہاتھ چوبی دیواروں

طرح شرما کر اپنے خیمہ کی طرف بھاگ اٹھی۔ سرخ کتان کی راہداری میں بھاگ ہوئے وہ شہزادی ورچینا سے ٹکرائی جو بیڑ نشینی جیسے ”مگل سوسن“ سے مل کر رہی تھی۔ اسے ہرنی کی مانند متوحش اور بدحواس دیکھ کر نازک اندام درپردہ ٹھنک سی گئی۔ مگر گریٹا رسمی سی معذرت کر کے بھاگتی چلی گئی۔

کتانی راہداری کے موڑ کاٹتی وہ اپنے خیمے میں داخل ہوئی اور کمرہ خواب میں آ کر دھم سے مسری پر گر پڑی اس کا سانس پھول رہا تھا۔ جیسے کوسوں کی مسافت طے کر کے آئی ہو۔ بستر پر لیٹے لیٹے اچانک اسے محسوس ہوا۔ کمرہ میں ایک عجیب سی خوشبو رچی بسی ہے۔ غیر معمولی تیز خوشبو جس سے کمرہ کی فضا مہک رہی تھی اس نے نتھنے سکوڑ کر وہ عجیب سی مہک سونگھی۔ خوشبو کے تیز بھکے بستر کے نکیہ سے اڑ رہے تھے۔ جس پر وہ سر رکھے لیٹی تھی۔ اس کے ذہن میں ایک سوال لٹو کی طرح گھومنے لگا۔

”یہ عجیب سی خوشبو کس نے بکھیری ہے۔ یہاں کون آیا ہے؟“

خادمہ بھی غائب تھی اور سامنے گول چوبی میز پر انجیل مقدس پڑی تھی۔ فوراً اسے خیال آیا آج منگل ہے اور اسے فادر بولاری سے انجیل کا سبق لینا تھا۔ تو کیا..... فادر بولاری اسے موجود نہ پا کر واپس چلے گئے اور یہ خوشبو..... اس کا ذہن پھراڑتی ہوئی مہک میں الجھ گیا۔ جو مشام جان کو معطر کر رہی تھی۔

دماغ پر ایک خواب آور غنودگی چھا گئی۔ گرد و پیش کی ہر چیز دھندلی دھندلی نظر آنے لگی۔ سر کو جھٹک کر اس نے اپنے حواس کو بیدار کرنا چاہا لیکن کمرے میں پھیلتے ہوئے اندھیرے میں اس کا ذہن تیزی سے خوابی تاریکیوں میں ڈوبتا چلا گیا اور آنکھیں آپ سے آپ بند ہو گئیں۔

کتانی درپچہ کے اعلیٰ پردہ کی ایک چھوٹی سی جھری سے دوچمکتی ہوئی آنکھیں اسے گھور رہی تھیں۔ اچانک پردہ کو حرکت ہوئی اور ایک بے ہنگم ساہ اندھیرے میں آگے بڑھا۔ پھر دو ہاتھ جن پر بڑھاپے کی جھریوں نے جال ساہنا دیا تھا۔ گریٹا کے بے ہوش جسم کو ایک لبادہ میں لپیٹنے لگے۔



گریٹا کا ذہن اندھیروں میں ڈوب چکا تھا۔ اس پر نیند گہری بے ہوشی بن کر

بنت کیرو ہوش میں آنے کے بعد پھر بے ہوش ہو گئی۔ اس پر غشی کی نیند لائی تھی لیکن قبر تابوت کا پر اسرار سفر جاری تھا اور وہ نامعلوم آدمیوں کے ہاتھوں پر نامعلوم منزل کی جانب رواں تھی۔



دوسری مرتبہ ہوش آنے پر بھی اس نے اپنے آپ کو اسی قبر نما تابوت میں پایا اور کا ڈھکنا اب بھی کھلا تھا اور اس خلا سے آسمان کی طویل و عریض پٹی پر ستاروں کی قدیمیں بدستور جھللاتی تھماتی نظر آ رہی تھیں۔ البتہ ایک نمایاں تبدیلی ضروری وقوع میں آ چکی تھی۔ تابوت کی مسلسل جنبش و حرکت ایک بہاؤ میں منتقل ہو گئی اور یوں محسوس ہو رہا تھا کہ آدمیوں کے کندھوں کی بجائے جیسے سمندر کی ابھرتی ڈوبتی لہروں پر آپ سے آپ بہتا جا رہا ہو۔ کیونکہ جب دوبارہ ہوش آیا تو ہچکولوں کی جگہ اس نے سمندری لہروں کے تیرتے ہوئے بہاؤ محسوس کیا تھا۔

سمندر کے ڈاکر آنے اور کراہنے کا مخصوص شور سنا تھا۔ طوفانی موجیں وحشی لہروں کی طرح پھنکار رہی تھیں۔ اس کا دل ایک نئے خطرے کی دھمک محسوس کرنے لگا۔

نجانے تابوت میں لیٹی وہ کب سے سمندر میں بہہ رہی ہے اور ساحل سے کتنی دور نکل آئی ہے۔ پھر طوفان کے خوف اور غرقابی کے خطرہ نے اس کے دل میں وحشت کی نئی سرسراہٹ پیدا کر دی تھی اور وہ ٹھنڈے پسینے میں بھیگتی رہی۔ سمندر کی عمیق ترین گہرائیوں میں اتر جانے کا خیال ہی انتہائی وحشت مثير تھا۔ اس نے ایک خوف آمیز جھرجھری لی۔ بدن تیزی سے کپکپایا اور موت سے مقابلہ کا احساس انگڑائیاں لیتا ہوا جاگ اٹھا۔

یہ کوئی وہم یا خواب نہ تھا۔ اس نے بھانگی ہوش و حواس تابوت کی دیواروں کو چھوا۔ سمندر کی پر ہول گر جیس سنیں اور نقاہت و کمزوری کے باوجود اندر کیڑے بندھ گئی۔ پھر تابوت کے کناروں سے سر ابھار کر گرد و پیش کا جائزہ لیا۔ پہلی رات میں حد نظر تک سمندر کی دیوانی لہریں ابھرتی ڈوبتی دکھائی دیں۔ واضح وہ کھلے سمندر کے وحشی پانیوں کے درمیان تھی۔ لیکن یہ امر یقیناً کسی

سے نکرا گئے ان دیواروں کا فاصلہ اتنا مختصر اور خطرناک تھا کہ ذہن ایک اچھل کر خوالی غلاف سے باہر نکل آیا۔

اس نے گھبرا کر دائیں بائیں دیکھا۔ چوبی دیواروں کو ٹٹولا..... اور فرار حیرت اور ازدیاد خوف سے خون اس کی نبضوں میں منہمند ہونے لگا۔

دراصل وہ ایک تابوت میں بند تھی جو ڈیڑھ دو فٹ سے زیادہ چوڑا نہ تھا۔ اوپر کا ڈھکنا کھلا تھا جس کے خلا سے آسمان کی پٹی نظر آ رہی تھی۔ اس کے ساتھ ہی شانے ہلائے جانے کا معمہ بھی حل ہو گیا۔ یہ تابوت کی مسلسل جنبش و حرکت تھی۔ جسے چند آدمی کندھوں پر اٹھائے نامعلوم منزل کی طرف رواں دواں تھے۔ تابوت کی ہر جنبش کے ساتھ وہ بھی ہل رہی تھی۔ جس پر شانے ہلانے کا گمان گزار تھا۔

احساس و شعور کی اس بیداری نے خوف اور دہشت کو بھی جگا دیا اور اس کا دل شدت خوف سے بیمار فاختہ کی مانند ترپنے لگا۔

کیسی بھیانک اور لرزہ خیز حقیقت تھی۔ جس سے وہ ہوش میں آتے ہی دو چار ہوئی..... تابوت کا تصور اس کے قلب و ذہن کو بری طرح مجروح کیے دیتا تھا۔ وہ تو آج سہ پہر کے بعد اپنے خیمہ میں..... اپنے بستر پر لیٹی تھی اور ایک عجیب سی خوشبو سونگھتے ہوئے اچانک گہری نیند میں کھو گئی۔ پھر خیمے سے کب نکلی..... باہر کیسے آئی؟ اور اس قبر نما تابوت میں کس طرح منتقل ہو گئی۔

ان تمام سوالات کا جواب خوف و دہشت کی اثراتی ہوئی لہر تھی جو ذہن کے گوشوں پر تیزی سے مسلط ہو رہی تھی۔ یہی لہر ذہن سے اتر کر ریڑھ کی ہڈی میں سرسراتی چلی گئی اور نبضوں میں خون کا دورہ رک رک کر چلنے لگا۔

اس نے ڈر کے مارے چیخا چاہا..... لیکن فرط دہشت سے آواز خلق میں

انک کر رہ گئی۔ دماغ پر سینکڑوں کوندے سے لپکے جن کے بعد طلسمی اندھیرے

سیلاب کی وحشی موجوں کی مانند اٹھ آئے.....

خواب آور کرنے بسرعت ذہن کو ڈھانپ لیا۔ فہم و شعور کی قوتیں ایک

مرتبہ پھر دل و دماغ کا ساتھ چھوڑ گئیں..... ایک بھیانک اور خوف آگیں سکوت

نے ہوش و حواس سلب کر لیے اور اس کا حسین و نازک پیکر جو ابھی ابھی گہری

نیند سے بیدار ہوا تھا۔ ایک مرتبہ پھر اس بے حس و حرکت لاش میں تبدیل

ہو گیا۔ جو عمل خنوط کے لیے کسی نمی خانے میں لائی جاتی ہے۔

اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھا..... نہ جانے ایک سایہ کہاں سے نمودار ہو کر پتوار کی طرف بڑھا اور جرفی گھما کار جہاز کا رخ بدلنے میں مصروف ہو گیا۔ جہاز پر ایک آدمی کی موجودگی معنی خیز تھی۔ وہ ڈر گئی یقیناً "اس آدمی نے گرٹا کو دیکھ لیا تھا۔ کیونکہ پہلے تو وہ کچھ چونکا، پھر کھانسنے لگا اور تھوڑی دیر کے بعد اس کی آواز سنائی دی۔"

"بت کیرو..... شب بخیر!....."

اگرچہ خوف اور دہشت کے مارے گرٹا کا برا حال تھا اور اس کے ہاتھ پاؤں تک ٹھنڈے ہوئے جا رہے تھے لیکن غیر اختیاری طور پر اس کے ہونٹ کپکپائے اور اس نے جواب دیا۔

"شب بخیر....."

اس کے الفاظ میں زندگی کی امید کپکپا رہی تھی۔ دوسرے لمحے پر اسرار جہاز کے نامعلوم آدمی نے حلق سے عجیب و غریب آواز نکالی اور ناقابل فہم زبان میں کسی کو آواز دی فوراً ہی بادبان کے رسوں سے جھولتا ہوا ایک سایہ دھم سے عرش پر آکودا اور سیدھا پتوار کی طرف بڑھ گیا..... گرٹا نے پلٹ کر دیکھا۔ مستول کے آس پاس دو مزید سیاہ دھبے بادبان کا رخ تبدیل کرنے میں مصروف نظر آئے۔ گویا اس "ویران" جہاز پر اس کے علاوہ چار ملاح بھی موجود تھے۔

یہ انکشاف حیرت انگیز بھی تھا اور امید افزا بھی..... بحری جوتوں کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ وہ نامعلوم آدمی جو چرفی گھماتے ہوئے مخاطب ہوا تھا۔ پتوار ایک کالے کلوٹے سائے کے سپرد کر کے خود گرٹا کی طرف چلا آ رہا تھا۔

شاید وہی جہاز کا کپتان تھا۔ گرٹا نے سر اٹھا کر دیکھا تو کپتان..... یا جو کوئی بھی وہ تھا اس کے سامنے کھڑا تھا اس کی موٹی موٹی آنکھیں درندے کی طرح چمک رہی تھیں۔ اور سر پر ایک عجیب سی ٹوپی تھی جس کا بھاری پھندا بائیں کان کی لو کے قریب لٹک رہا تھا۔ گرٹا کو دیکھتے ہی وہ کہنے لگا۔

"بت کر..... مجھے افسوس ہے۔ تمہیں اپنی مرضی کی خلاف سفر کرنا پڑا۔ لیکن میں حکم سے مجبور ہوں..... تمہیں بحفاظت جانا پہنچانے کے بعد میں اپنی ذمہ داری سے سبکدوش ہو جاؤں گا۔"

قدر اطمینان بخش تھا کہ اس کا تابوت ایک بادبانی جہاز کے عرشہ پر رکھا تھا۔ بحری ہوا سے بادبان غباروں کی طرح پھول گئے تھے۔ چٹکی ہوئی چاند قریب کی ہر چیز صاف نظر آ رہی تھی۔ لیکن جہاز پر کوئی انسان دکھائی نہ دے شاید ملاحوں کی مدد کے بغیر محض بادبانوں کے سہارے یہ پر اسرار جہاز آپ آپ کھلے سمندر میں بھاگا جا رہا تھا۔ یہ نئی صورت حال بھی کچھ کم خطرناک تھی۔ جہاز کو دیکھ کر ایک لمحہ پہلے جو اطمینان نصیب ہوا تھا وہ جھاگ کی ماہر فانا" اڑ گیا۔ اب نگاہوں کے سامنے موت کے خطرے غول بیابانی کی طرح ناپنے لگے اور دل نیچے ہی نیچے ڈوبتا چلا گیا۔

دماغ پر اگرچہ ابھی تک غموگی کا بوجھ تھا۔ مگر معاملہ کی سنگینی نے پوری طرح بیدار کر دیا تھا۔

وہ ابھی تک یہی عقدہ حل نہ کر پائی تھی کہ اپنے خیمے سے کبھے باہر دشمن کون تھا جس نے تابوت میا کیا۔ پھر اسے تابوت میں ڈال کر انگشتن شاہی خیموں سے لے نکلا اور تابوت بغیر ملاحوں کے جہاز میں رکھ کر سمندر بہا دیا۔

آخر یہ سب کیا تھا.....؟ کیا کوئی پر اسرار وحشت و ویرانی تھی۔ ویران ہولناکی کا احساس لمحہ بہ لمحہ شدید تر ہوتا جا رہا تھا۔

گرٹا کو یوں لگ رہا تھا جیسے جہاز ایک بڑا تابوت ہے۔ جو موت کی آفرینیوں کو دامن میں سمیٹنے، بحر فنا کا سفر طے کر رہا ہے۔ یا قدیم مصری عقیدہ کے مطابق رب رع کی وہ کشتی جو موت کے تیرہ و تار سمندروں کی ظلمات میں سفر کرتی اور گناہگار روحوں کو قرمانی بلاؤں جنسی عفریتوں کے چاروں طرف میں پھنک کر آگے بڑھ جایا کرتی تھی۔

آسمان پر ستاروں کے "ترنگل" اور جال دیکھ کر یہ اندازہ لگانا مشکل تھا کہ رات نصف سے زیادہ گزر چکی ہے۔ ویران جہاز شمال سے جنوب کی بہہ رہا تھا۔ لیکن ساحل کا کوسوں پتہ نہ تھا۔

چاروں طرف بھرا ہوا کالا اور بھیاک سمندر وحشی جانوروں کی طرح رہا تھا۔ پھرے ہوئے کالے سمندر کے درمیان تنہائی کا احساس بڑا دہشت اور لرزہ خیز تھا۔ وہ روحوں کی سی آہستی کے ساتھ ایک سمت چلنے لگی۔ بشکل تین چار قدم چلنے کے بعد ٹھنک کر رہ گئی۔

.....؟ گریٹا کا ذہن ادھر ادھر بھٹکنے لگا..... !
 پھر اس نے پوچھا۔

”تم مجھے کیوں لے جا رہے ہو اس پر تو عربوں کا قبضہ ہے۔“
 ”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ میرے نزدیک عرب اور افریقی مسلمان اور
 ان دونوں برابر ہیں۔ میں حکم کا بندہ ہوں..... مجھے یہی حکم دیا گیا تھا۔ تمہیں
 انہیوں سے اغوا کروں اور مخالفت جانا پینچا دوں۔ اس کی بجا آوری میں
 چار آدمیوں کو خاصی مشقت اٹھانا پڑی ہے۔ وہ تمہارا تابوت کندھوں پر
 لے چھ میل تک پیادہ پا چلتے رہے۔ اس وقت وہ چاروں کیمپ کے اندر سو
 رہے ہیں۔ کیونکہ انہیں وہی مشقت دوبارہ کرنی پڑے گی.....“
 اب گریٹا کو چند اور سائے بھی دکھائی دیے جو دو قطاروں میں بیٹھے چپو
 رہے تھے۔ اس نے ابھی تک ان پر دھیان ہی نہ دیا تھا۔
 ”ہم صبح تک جانا پہنچ جائیں گے اور میرے چار آدمیوں کو ایک مرتبہ پھر
 تابوت اٹھا کر سفر کرنا ہو گا.....“

”کیا جانا کا شہر ساحل سے کافی فاصلے پر ہے۔“

”نہیں..... اس قلعہ کی دیوار تو سمندر میں اترتی ہے۔ شہر بھی نزدیک
 صرف ہماری منزل دور ہے۔ جہاز کے اندر ہی تم دوبارہ گہری نیند سو جاؤ
 اور ہماری آنکھ قسریا قوت کے کسی کمرے میں کھلے گی.....“
 لیکن گریٹا بھڑک کر کھڑی ہو گئی۔ وہ تحکم آمیز لہجے میں کہنے لگی۔
 ”تم نہیں جانتے..... میں انگلستان کے شاہی گھرانے کی رکن سمجھی جاتی
 ہوں۔ تم نے مجھے اغوا کر کے اپنی موت کو آواز دی ہے۔ انگریز جاسوس میرے
 نام میں روانہ ہو چکے ہوں گے اور جلد یا بدیر مجھے ڈھونڈ لیں گے۔ پھر ہمارے
 ساتھ قتل و غصب تمہیں پس کر رکھ دے گا۔“

ہاتھ کی آنکھیں شعلوں کی طرح چمکنے لگیں اور چہرہ غصہ سے سرخ
 ہو گیا۔ وہ فرط جوش میں دانت پیتا ہوا بولا۔

”کسی بادشاہ میں اتنی طاقت نہیں کہ وہ شمعوں ربی
 کے نام پر ہاتھ ڈال سکے۔“

گریٹا دم بخود رہ گئی..... شمعوں ربی..... وہ کون ہے..... جس کے حکم
 کے تحت اس کی چھاؤنی سے جانا جا رہی ہو؟ فلسطین کے یہود کا پیشوائے روحانی جو جانا

اس کا لب و لہجہ ان جہاز رانوں سے ملتا جلتا تھا جو عکا کی صلیبی چھاؤنی
 ملک ملک کی شہزادوں اور عورتیں اتارتے رہتے تھے۔ اس نے رومی زبان
 گفتگو کی تھی جو فلسطین میں صلیبی لشکروں کی مشترکہ بولی بن گئی تھی۔
 گریٹا سوچنے لگی۔

ممکن ہے وہ یورپ سے آنے والا کوئی صلیبی رضا کار ہو لیکن
 انگلستان کے شاہی کیمپ سے اغوا کرنے اور جانا پہنچانے کا کیا مقصد ہو
 ہے.....“

اچانک اس کے ذہن پر ایک نیا خیال کوندے کی طرح لپکا۔ جانا تو مسلمان
 کا شہر ہے۔ جس پر سلطانی فوج کا قبضہ ہے۔ کپتان اگر فرنگی یا شاہی عیسائی ہو
 اسلامی چھاؤنی کا رخ کیوں کرتا..... پھر وہ کون ہے.....؟

دوسرے ہی لمحے اس نے کسی قدر جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے پوچھ لیا۔
 ”تم کون ہو.....؟“

”تمہیں اس سے مطلب نہ ہونا چاہیے۔“

پھر وہ کرخت اور کھردرے لہجے میں بولا۔

”میرے ساتھ آؤ۔“

یہ کہہ کر وہ چپ چاپ جہاز کے چوٹی کیمپ کی طرف چل دیا اور خوف
 سہی ہوئی گریٹا ایک سحرزدہ پیکر کی مانند اس کے پیچھے پیچھے ہوئی۔ عرشہ مخمر
 تھا اس کی لمبائی زیادہ سے زیادہ پندرہ بیس قدم ہوگی۔ کیمپ کی دیوار کے
 ہی لکڑی کا بیچ پڑا تھا۔ کپتان جاتے ہی اس پر بیٹھ گیا۔ گریٹا نے بھی اس کی ہیر
 کی اس کے جسم میں ٹھنڈی لہرس سرسرا رہی تھیں.....
 کپتان کسی تمہید کے بغیر کہنے لگا۔

”تم نے پوچھا تھا..... میں کون ہوں..... میں کسی سوال کے جواب کا
 نہیں پھر بھی تمہیں بتاؤں گا۔ سنو..... میرا نام ہاتھاری ہے..... بیروت سے۔
 کرغزہ تک تمام ساحل کے لوگ عرب ہوں یا افریقی۔ سب ہی اس نام کو جانتے
 ہیں۔ بس میرے متعلق اتنا ہی تعارف کافی ہے۔“

اس کا لہجہ پیشہ ور ملاحوں کی طرح سپاٹ اور ٹیکھا تھا۔ گریٹا حیرت
 نگاہوں سے اسے گھورنے لگی.....

”ہاتھاری.....“ یہ نام اس نے کہیں نہ کہیں سنا ضرور تھا۔

کے قریب قلعہ داؤد میں رہتا ہے۔ تم قلعہ داؤد میں رہو گی.....“
 گریٹا پر ایک نئی دہشت طاری ہوئی۔ اس نے پوچھا۔
 ”عکا اور جانا کے درمیان کتنے کوس کا فاصلہ ہے۔“
 ”کم و بیش ۷۰ کوس کا.....“

”پھر تو انگریز سوار دوسرے ہی دن یہاں پہنچ جائیں گے۔“
 اپنے آپ سے باتیں کر رہی ہو۔

طوفان

جہاز سمندر کی متلاطم لہروں پر جنوب کی طرف رواں تھا۔ بحری ہواؤں میں
 ذریعہ تیز ہو رہی تھیں۔ نمی محسوس ہونے لگی۔ جنوب مغرب کی جانب
 میں موج کے آثار صاف نظر آ رہے تھے اور ایسی گڑگڑاہٹیں سنائی دے
 تھیں۔ جیسے بادل گرج رہے ہوں۔ اسی لمحے وسطی مستول کی چوٹی پر بیٹھا
 ایک دھڑنگ سیاہ فام آدمی کسی ناقابل فہم زبان میں چلانے لگا۔ اس نے
 کو کسی خطرے سے آگاہ کیا تھا۔ کیونکہ اس کی آواز سن کر ہاتاری کے
 پر یلخت ناخوشگوار تاثرات نمودار ہوئے۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے
 کپتانوں ایسے تیز و تند اور کھردرے لہجہ میں کوئی حکم دیا۔ جسے سنتے ہی
 بے گوشہ سے نکل کر ایک ملاح قریباً ”دوڑتا ہوا آیا اور مستطیل کیبن میں
 ہو گیا۔“

ہاتاری کے چہرے پر اضطراب و تشویش کے سایوں کو کروٹ لیتے ہوئے
 رگڑانے میں اندازہ لگایا۔

انگلستان کے شاہی خیموں میں اس کی گمشدگی اور اغوا کا راز فاش ہوتے ہی
 دو جہاز شروع کر دی گئی ہوگی اور کیا عجب شاہی بحریہ کا کوئی تیز رفتار جنگی
 اس جہاز کا تعاقب کرتا ہوا قریب آ پہنچا ہو۔

عرشہ پر عجیب سی بے چینی اور افراق فوری دکھائی دینے لگی۔ ملاح کے کیبن
 سے کچھ لے کے چند لمحوں بعد چار آدمی کمرے سے باہر آئے اور کپتان کے سامنے
 پہنچے۔ انہوں نے عیسائی راہبوں کی طرح لمبے لمبے سیاہ چننے پہن
 تھے۔ اگرچہ اس وقت وہ حالت بیداری میں تھے۔ لیکن آنکھوں میں نیند کا
 ابھی تک لڑکھڑاہٹ تھا۔

ہاتاری نے ایسی زبان میں جو گریٹا کی سمجھ سے بالا تھی۔ انہیں سخت ست

مردوں میں دفن کر دیا گیا تھا۔ شاہ یروخلیم بالذون اول کے زمانہ ہی میں بچے کی طرح یہودی مردوں نے بحری قزاقوں کا پیشہ اختیار کر لیا تھا۔ ان کا مقصد صرف ملیوں سے ان مظالم کا بدلہ لینا تھا۔ جو اندھی حکمرانی اور جوش تعصب نے یہودیوں پر توڑے جا چکے تھے۔ حتیٰ کہ بالذون جذائی کے عہد میں جو اس زمانہ کا آخری بادشاہ تھا۔۔۔ یہودی قزاق ہاتاری نے لوٹ مار کا بازار گرم کر رکھا تھا۔ وہ افریقیوں کے اکا دکا جہازوں کو گھیر کر لوٹ لیتا۔ مرد، بوڑھے، بچے، عورتیں سب قتل کر دیے جاتے اور عیسائی عورتوں کو گرفتار کر کے بردہ فروشوں کے ہاتھ بیچ دیا جاتا تھا۔

حالات و واقعات کی یہ لہر اس طوفان سے کم ہولناک اور لرزہ خیز نہ تھی۔ اس نے آنا "فانا" پر اسرار جہاز کو گھیر لیا تھا۔

اب گریٹا کو اپنی موت یقینی نظر آ رہی تھی۔ پھر بھی ایک بات حیرت انگیز تھی۔ یہودی قزاقوں نے خاص طور پر اسے ہی کیوں اغوا کیا۔ جبکہ انگریزی کیپٹن انگلستان کی ملکہ اور شہزادیاں بھی موجود تھیں۔ گریٹا ہی کی طرح وہ انہیں باغی اغواء کر سکتے تھے۔

یہ ایک ایسا سوال تھا جو اسے رہ رہ کر پریشان کیے دے رہا تھا اور اسے بے خواب نہ سوچ رہا تھا۔

پانی کی ایک دبیز طوفانی لہر جو کئی فرلانگ طویل تھی۔ سطح سمندر سے مہیب عظیم دھڑلے کی طرح ابھری اور پندرہ بیس فٹ کے ابھار پر جہاز سے آگے بڑھی۔

اس طویل، مہیب اور اونچی آبی دیوار نے جہاز کو جیسے بلندی سے نشیب میں لٹکا دیا تھا۔ اگر ملاحوں نے فوراً ہی چپوؤں سے مدافعت نہ کی ہوتی تو وہ سب کے سب جہاز سمیت غرق ہو جاتے۔ اب طوفانی لہروں کا تسلسل سا قائم رہتا تھا۔ ایک کے بعد دوسری اور دوسری کے بعد تیسری آبی دیوار جو پندرہ فٹ تک بلند ہوتی کھولتے ہوئے لاوے کی طرح ابھرتی تھی۔ جہاز ان لہروں کی حقیر تھکنے کی مانند معنوم سمت میں بہہ رہا تھا۔

فضا میں آبی غبار اس کثرت سے پھیل گیا تھا کہ چاندنی کی روشنی بھی مدھم مدھم گئی۔ جہاز کے ارد گرد تاریکی کے بھوت رقص کرنے لگے۔

شوکتی، غراتی ہواؤں کا جنمی شور ماحول کی دہشت انگیزی میں مزید اضافہ کر

کھا۔ پھر جلد جلد ہدایات دیں جنہیں سنتے ہی وہ چاروں اپنے اپنے مستولوں کی طرف لپکے اور بندروں کی مانند قلائیں بھرتے اوپر چڑھ گئے۔ ہی انہوں نے ہوا سے پھولے ہوئے بادبانوں کا رخ بدل دیا جو فضا میں کی طرح جھولتے اور کبھی کبھی پھڑپھڑا کر ڈھول کی مانند بج اٹھے تھے۔ جہاز ہولے ہولے مشرق کی سمت رخ کاٹنے لگا۔ لیکن گریٹا کی امید کی جو کرن جھلکائی تھی۔ وہ فوراً ہی مایوسیوں کے اندھیرے میں گئی۔ پر اسرار جہاز نے تعاقب کے خوف سے نہیں بلکہ اس ہولناک خطرہ کے پیش نظر اپنا رخ تبدیل کیا تھا۔ جو جنوب مغرب میں تھوڑے پر گرج رہا تھا۔

بحری ہوائیں بدروحوں کی مانند چیخنے لگیں۔ بھری ہوئی لہروں کے اب صاف سنائی دے رہے تھے۔ وحشی موجوں کے چھیننے عرش کو جھگڑا جہاز سمندر کی لہروں پر ڈول رہا تھا۔ ہاتاری کو اب گریٹا کی بھی کوئی پروا تھی وہ کولہوں پر ہاتھ ٹکائے چلا چلا کر ملاحوں کو ہدایات دے رہا تھا۔

اچانک جیسے اندھیری رات میں بجلی چمکتی ہے۔ گریٹا کیرو کا حافظہ جب اسے جون کی وہ گرم اور جس۔ آلود رات یاد آئی۔ جب وہ شہزادی جہاز پیغام لے کر رچڑ کے خیمہ خاص میں داخل ہوئی اور وہاں یروخلیم کا سابق بادشاہ گاٹی آف لو سنگان اسے ایک یہودی قزاق کی کمائی سنا رہا تھا۔ جس کے دنوں میں صلیبوں کا غلہ بردار جہاز لوٹ لیا اور تمام عیسائی ملاح محافظوں کو قتل کر کے لاشیں سمندر میں پھینک دی تھیں۔

گاٹی نے اس کا نام ہاتاری ہی بتایا تھا۔۔۔ ہاتاری۔۔۔

یہ لفظ اب ایک رقصیدہ و لرزیدہ شعلے کی طرح اس کے دماغ کے تاریک گوشے میں ناچ رہا تھا۔ اس کے جسم میں خوف کی سرسراہٹ تھی۔ لہروں میں یکجہت غیر معمولی اضافہ ہو گیا اور دل و دماغ پر تشنگ کے جھٹکے ہوئے۔

یقیناً وہ فلسطین کے ان یہودی قزاقوں کے ہاتھ لگ گئی تھی جنہوں نے دور حکومت میں نہ صرف یروخلیم بلکہ فلسطین کے اکثر شہروں سے نکل کر وطن کیا گیا تھا۔ مال اسباب لوٹ لیے اور جوانوں کو ہمیشہ کی گمراہی

مری ہاتاری کے عقب میں کھڑی اسے چواری کی چرخی گھماتے دیکھنے لگی۔ پھر

”پکتان۔۔۔ کیا میں بھی تم لوگوں کی کوئی مدد کر سکتی ہوں۔۔۔“

ہاتاری نے شاید اس کی آواز نہ سنی۔ طوفان کے عفریتی شور میں انگریز
ہاتاری کی آواز بھی شباب عاقب کی مانند ٹوٹ کر غائب ہو گئی تھی۔ اس نے پوری
ت سے اپنا جملہ دہرایا۔ مگر ہاتاری کے چہرے سے کسی قسم کے تاثر کا اظہار نہ
آتا تھا۔ اس نے ہاتھ لہرا کر کمرے کی طرف اشارہ کیا اور درشت لہجہ میں بولا۔
”تم کہیں میں جاؤ۔۔۔ اور اس خداوند سے نجات کی دعا کرو جو خود
بہ پر چلاتا اور گونگراتا رہا۔۔۔“ ”ایلی ایلی لما سبتی“ تم ہماری کیا مدد کر سکتی

مری نے اس کے لہجے میں نفرت و حقارت کی تلخی محسوس کی۔ یہ یہود کا
وہ طرز تفحیک تھا۔ اس نے قہر آلود نگاہوں سے ہاتاری کی طرف دیکھا۔
فرط غم سے اس کی آنکھیں بھیگ گئیں۔۔۔ وہ یہاں کر بھی کیا سکتی تھی۔
ایک ایک ملاح نے ہاتاری کی طرف انگلی اٹھائی اور عبرانی زبان میں چلا کر کہا۔
”پکتان! یہ سب نحوست اسی لڑکی کے طفیل آئی ہے۔ اسے اٹھا کر سمندر
چمک دو۔ رب یہود کی قسم! ہم طوفان سے بچ نکلیں گے۔“

نجانے اس جملے میں کون سی کشش تھی۔ تمام ملاح چپو چھوڑ کر کھڑے
ہوئے۔ کچھ آدمی عقبی گوشوں سے نکل آئے اور انہوں نے بہ یک زبان نعرہ

”لڑکی کو سمندر میں پھینک دو۔“

ہاتاری نے بڑی پھرتی کے ساتھ چرخی کو سنبھالے رکھا۔۔۔ کیا یہ لوگ
نجات پر آمادہ ہیں۔۔۔

وہ حکمانہ لہجے میں بولا۔۔۔ ”چپو سنبھالو۔۔۔“

”مگر پہلے اس لڑکی کو سمندر کی نذر کر دو۔۔۔“

”کیوں۔۔۔؟“

ہاتاری کی آواز میں کوڑے کی شوکار تھی۔

”یہ محسوس ہے۔۔۔“ اسی ملاح نے جواب دیا۔ جس نے سب سے پہلے

مری کو سمندر میں پھینک دینے کا مشورہ دیا تھا۔

رہا تھا۔ اڑتے ہوئے چھینٹے جیسے موسلا دھار مینہ برسانے میں مصروف
تاریکی ہوا اور سمندر کے طوفان میں پر اسرار جہاز کے ملاح اسے بچانے
امکانی جدوجہد میں مصروف تھے۔ بادبان بہت پہلے اتار لیے گئے تھے ورنہ
ہوا کے تھپڑے کھا کر پرزہ رزہ ہو جاتے جب جہاز لہروں کی دیوار پر پندرو
فٹ تک ابھر کر تیزی کے ساتھ نشیب میں اترتا تو پندرہ چھوڑوں کی قطار
وقت حرکت میں آتی اور ملاح ایک طرف جھکتے اور ڈولتے ہوئے جہاز کو
آگے لے جانے میں کامیاب ہو جاتے۔ پکتان نے چواری خود سنبھال رکھی تھی
بڑی مہارت کے ساتھ جہاز کو دائیں بائیں گھما رہا تھا۔ انہوں نے مشرقی ساحل
طرف سے بٹنے کی پوری کوشش کی جو اندازہ کے مطابق پندرہ بیس میل
فاصلے پر تھا لیکن طوفان میں گھر جانے اور ”آبی غبار“ کے ساتھ تاریکی سی
چھا جانے کے باعث آسمانی قدلیں نظروں سے اوجھل ہو چکی تھیں۔ اب
بھی نہیں جانتے تھے جہاز کس سمت بہہ رہا ہے۔ ایک غیر یقینی اندازہ کے
اس کا رخ جنوب مشرق کی طرف تھا۔

گر گیا اپنے بھائی کے متعلق کسی شک و شبہ میں مبتلا نہ تھی۔ وہ
تھی کہ یہودی قزاق جو عیسائیوں کے بدترین دشمن تھے۔ اس کے ساتھ
وحشیانہ سلوک کریں گے یا اسے بروہ فروشوں کے ہاتھ فروخت کر دیں گے
وہ بکتی بکاتی نہ جانے ایسیاء کے کس ملک میں پہنچ جائے۔

ان لرزہ خیز حالات میں رہائی کی ایک موہوم سی امید کبھی کبھار
طرح چمک اٹھتی پھر چاروں طرف اندھیرے چھا جاتے۔۔۔ اسے خیال آتا تھا
جاسوس اس کی تلاش میں نکل چکے ہوں گے اور عین ممکن ہے کوئی نہ کوئی ان
اس کا کھوج لگانے میں کامیاب ہو جائے۔ مگر یہ سب کچھ انتہائی خوش فہمی
منحصر تھا۔ اگر تقدیر واقعی اس کا ساتھ دیتی تو وہ حالات کے اس روح فرما
ہی میں کیوں پھنستی؟

جہاز میں کوئی بھی آدمی اس کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ سب کے
خطرناک طوفان سے جنگ لڑ رہے تھے۔ مریٹا ہولے ہولے چلتی پکتان کے
پہنچی۔۔۔ اس وقت وہ سب ایک ہی کشتی میں سوار تھے اور زندہ بچنے
امید ہر لحظہ کم ہوتی جا رہی تھی۔ کیونکہ طوفان کی رفتار ہر آن بڑھ رہی تھی
طوفانی ہواؤں کا جہنی شور کانوں کے پردے پھاڑے دیتا تھا۔

”اگر یہ غرق نہ کی گئی تو ہم سب غرق ہو جائیں گے۔“

”ایک لڑکی کی نحوست ہم سب کو لے ڈوبے گی۔۔۔ واہ۔۔۔“

ہاتاری چلایا۔

”سردار۔۔۔ کیا تم نہیں جانتے جب خدائے اسرائیل نے یونس نبی کو بے میں جا کر نبوت کرنے کا حکم دیا تو اہل نینوہ کے خوف سے یونسؑ جافا کو بھاگا۔ کی بندرگاہ میں ترسیں کا ایک جہاز لنگر اٹھانے والا تھا۔ یونس بھی اس جہاز پر سوار ہو گیا تاکہ ترسیں چلا جائے۔ جب جہاز کھلے سمندر میں پہنچا۔ سخت طوفان برپا ہوا اور یوں محسوس ہونے لگا جیسے جہاز اور مسافر سب تباہ ہو جائیں گے۔ اس وقت جب ملاح مایوس و ہراساں تھے۔ قرعہ ڈالا گیا کہ طوفان کا عذاب کس مسافر کی وجہ سے نازل ہوا ہے۔ قرعہ یونس کے نام نکلا اس نے بتایا کہ میں خداوند کی نافرمانی کی اور نینوہ میں جا کر لوگوں کو سمجھانے کی بجائے ترسیں طرف بھاگ رہا تھا۔ تم مجھے اٹھا کر سمندر میں پھینک دو، اس طرح عذاب طوفان سے بچ جاؤ گے جو میری وجہ سے آیا ہے۔ اہل جہاز نے مشورہ کے پر یونس کو سمندر میں پھینک دیا اور طوفان اسی وقت ختم گیا۔ کیونکہ یونس کو بچھلی نے نگل لیا تھا۔

یہ کہہ کر یہودی ملاح آگے بڑھا اور ہاتاری کے قریب پہنچ کر پھر کہنے لگا۔ ”یہ عیسائی لڑکی جو ابن مریم کو خدا سمجھتی ہے۔ ہمارے جہاز کے قریب منحوس ثابت ہوئی ہے۔ اگر اس مشترکہ کو سمندر کے حوالے کر دیا جائے طوفان ختم جائے گا۔ ورنہ ہم سب ڈوب جائیں گے۔“

”یوشع۔۔۔“ ہاتاری کی آواز گرجی۔۔۔ ”گریٹا ہمارے ربی کی اہلیہ ہے۔ جب تک میں اسے مقدس شمعوں کے حضور پیش نہ کر لوں اپنے ذریعے سے سبکدوش نہیں ہو سکتا۔“

تمام ملاح سردار کو کینہ توڑ نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ گریٹا اگرچہ ان زبان سے نا آشنا تھی لیکن اتنا ضرور سمجھ گئی کہ ملاحوں کی نیت میں آچکا ہے۔ وہ محض اس کی خاطر سردار سے بغاوت پر آمادہ نظر آتے ہیں۔ گریٹا کو ان کی مرضی کے مطابق سمندر میں پھینک دینے پر رضامند نہ تھا۔ ارادی طور پر وہ کپتان ہاتاری کے ساتھ لگ کر کھڑی ہو گئی۔ جہاز پر وہی کا محافظ اور حمایتی نظر آتا تھا۔ کپتان نے ایک مرتبہ پھر ملاحوں کو گرجی آواز

”یوشع۔۔۔! بیوقوف نہ بنو۔۔۔ چپو سنبھالو اور جہاز کی حفاظت کرو۔“

مگر یوشع دکھائی نہ دیتا تھا۔ سمندر کی بھری ہوئی طوفانی لہروں پر جہاز آپ بے آپ ہچکولے کھا رہا تھا۔ کبھی کبھی وہ ایک طرف اتنا جھک جاتا جس سے شبہ ہوتا جیسے سمندر کی غصیلی موجوں کا لقمہ بن رہا ہو۔ اس وقت ہر ایک کو مستول کے رسوں کا سہارا لینا پڑتا۔ گریٹا تو ایک مرتبہ گرتے گرتے پچی۔ اگر ہاتاری سے سنبھال نہ لیتا تو یقیناً وہ عرشہ پر سے لڑھکتی ہوئی سمندر کے پیٹ میں اتر جاتی۔

”لڑکی کو سمندر میں پھینک دو۔۔۔ مقدس ربی کو ہم سمجھالیں گے۔“

یہ یوشع کا آخری فیصلہ تھا اور ہاتاری نے کئی ملاحوں کی آنکھوں میں بغاوت کی چمک دیکھی تھی۔۔۔ وہ بدستور چرنی کو سنبھالے کھڑا تھا۔ اچانک اس نے اذیوں کے نام پکارے۔ چھ آدمی الگ کھڑے ہو گئے۔

اس کا مطلب تھا وہ سردار کے وفادار ہیں۔ لیکن باقی دس یوشع کا ساتھ اپنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔ یہ صورت حال دیکھ کر ہاتاری غصہ سے کانپنے لگا۔ فرط دش میں اس نے جہاز کی چرنی چھوڑ دی اور وحشی بھینے کی طرح پھنکارتا ہوا آگے بڑھا۔ اس نے پہلے ہی کے سے یوشع کو تارے دکھا دیے۔

یوشع لڑکھاتا ہوا گرا لیکن اپنی پشت پر لٹکتے ہوئے رسہ کو تھام کر فوراً اٹھا اور پاگل اونٹ کی طرح بلبلاتا ہوا ہاتاری پر ٹوٹ پڑا۔ پھر اس کے اشارے پر اس کے دس ملاح اپنے چھ ساتھیوں سے الجھ گئے۔ جو ان سے نکل کر سردار سے جا ملے تھے۔

جہاز پر ایک عجیب و غریب جنگ شروع ہو چکی تھی۔۔۔ ہر شخص اپنے انجام سے بیگانہ معلوم ہوتا تھا۔

طوفانی موجوں پر جہاز زندگی اور موت کی کشمکش میں مبتلا تھا۔ ہوا کی تند و تیز لہروں کا شور پہلے سے بڑھ گیا تھا۔ جیسے جہنم کے عفریت چیتنے چلاتے بدروحوں کے تعاقب میں بھاگے آرہے ہوں۔

ہوا کے تھپیڑوں کے ساتھ پانی کے چھینٹے دور تک اڑتے جہاز موجوں کی لہروں سے نیچے اترتا تو سمندر میں لڑھکتا ہوا دکھائی دیتا۔ پانی چوبی دروازوں کو پھونکتا ہوا ایک طرف سے اندر گھس آتا اور دوسری جانب سے باہر نکل جاتا

مزدور اور ایک ہاتاری کا ملاح تھا۔ آوارہ موجیں ان کی لاشیں بھی بہا کر لے گئیں۔ ہاتاری تیزی سے چرخی کی طرف بھاگا اور اس کی گردار آواز نے سب لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔۔۔۔۔ وہ جنگ جیت چکا تھا۔ یوشع کی موت کے ساتھ ہی باغیوں کی سرکشی مدھم پڑ گئی اور پکتان کے حکم پر انہوں نے اپنی تلواریں پھینک دیں۔۔۔۔۔

جہاز پر اب ایک زلزلہ کی سی کیفیت طاری تھی۔ چوبی کمرہ کے تختے چرچا کر ٹوٹ رہے تھے۔ ایک زبردست دھچکے سے وہ سب کے سب فرش پر آ گرے۔ جہاز ایک خطرناک بھنور کی گھومتی اور رقص کرتی ہوئی لہروں پر چکر کھانے لگا۔

گریٹا بے ہوش ہو چکی تھی گرتے وقت اس کا سر چرخی سے ٹکرا کر زخمی ہو گیا تھا۔ اب جہاز کو بچانے کی ہر جدوجہد بے کار معلوم ہوتی تھی۔ وہ موت کے حاشیوں پر گردش کر رہا تھا۔ ہاتاری ابھی تک چرخی کو ادھر ادھر گھما کر اسے محیط اہل سے نکال لے جانے کی آخری جدوجہد کر رہا تھا۔ اچانک وہ خوفناک آواز میں گر جا۔

”راسو۔۔۔۔۔ چوبی۔۔۔۔۔ کشتی سمندر میں اتار دو۔۔۔۔۔ فوراً“

دو ملاح رسوں اور چوبی کناروں کا سہارا لیتے ہوئے عقبی حصہ کی طرف بھاگے۔ جہاں ایک چھوٹی سی حفاظتی کشتی رسوں سے بندھی ڈول رہی تھی۔ راسو اور چوبی نے رے کھول کر اسے سمندر میں اتار دیا۔

پانی کے فراٹوں کی وجہ سے سب لوگوں کے کپڑے بھیک چکے تھے۔ جہاز پر بدستور زلزلہ طاری تھا۔ پکتان نے حکم دیا۔

”ضروری سامان جہاز سے نکال لو۔۔۔۔۔“

چند ملاح گرتے پڑتے چوبی کیمبن کی طرف لپکے۔ جس کے تختے چرچا کر ٹوٹ رہے تھے کہ یلکھت پکتان نے چرخی چھوڑی اور بے ہوش گریٹا کو جس کے کپڑے پانی سے شرابور ہو رہے تھے بازوؤں پر اٹھا کر عقبی سمت بھاگنے لگا۔

چرخی چھوٹے ہی جہاز جھٹکے کھانے لگا۔ اپنے ساتھیوں کی مدد سے گریٹا کو کشتی میں منتقل کرنے کے بعد ہاتاری خود بھی جہاز سے کود گیا۔ راسو اور چوبی کے علاوہ صرف تین ملاح کشتی میں سوار ہو سکے۔ بڑا مستول گرنے کی وجہ سے

تھا۔

ہاتاری کے گھونسوں نے یوشع کو چند ہی لمحوں میں بے جان کر دیا لیکن اس کا اپنا حال بھی خراب تھا۔ وہ لڑتے لڑتے جہاز کی مشرقی دیوار سے جا لگے۔ لیکن ڈولنے اور ڈگمگاتے ہوئے جہاز پر جو بھری موجوں پر ایک گیند کی مانند اچھل رہا تھا۔ لڑائی آسان نہ تھی۔

ہر ایک کو لڑکھڑانے اور گرنے کا خطرہ درپیش تھا۔

مغیر گریٹا نے لپک کر چرخی کو سنبھالنے کی کوشش کی جو آپ سے آپ گھومے جا رہی تھی۔ اس کوشش میں اسے اپنے جسم کی پوری قوت صرف کر پڑی۔۔۔۔۔ یوشع نے دو تین بار اس کی طرف بڑھنے کا ارادہ کیا لیکن پکتان کے گھونسوں نے ہر مرتبہ اسے بے بس کر دیا۔

ملاحوں نے تلواریں اور خنجر نکال لیے وہ قبل از تاریخ کے وحشی آدمیوں کی طرح ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے تھے۔ گریٹا نے یوشع کے ساتھیوں کی لاشیں مستولوں کے تنے ہوئے رسوں پر گرتے دیکھیں اور خوف سے اپنی آنکھیں بند کر لیں اس لڑائی میں بھی ہاتاری کے وفادار ملاحوں کا پلہ بھارڈ تھا۔

پانی کے ریلے جہاز کے عرشہ پر دوڑتے ہوئے گزرنے لگے۔ ایک بھانک تاریکی چاروں اطراف سے اٹھ آئی تھی۔ چنچنی چلائی ہوئیں اور وحشی موجیں جہاز سے ٹکرا کر شور قیامت پیدا کر رہی تھیں۔ جیسے وہ جہاز کو ٹھوکریں مارنے نکلی ہوں۔

سرکش موجوں کے ایک زبردست ریلے سے کیمبن کے چوبی تختے چرچائے۔ جہاز کئی فٹ اچھل کر ایک سمت جھٹکا چلا گیا۔ رسوں میں اغلی ہوئے دونوں لاشیں لڑکھڑا کر فرش پر گر گئیں پھر تیزی سے پھسلتی ہوئی سمندر میں گر گئیں۔

جہاز اب کوئی دم کا مسمان نظر آتا تھا۔ پکتان ہاتاری نے اس کی محدود حالت کو بھانپ لیا تھا۔ اس نے حریف کے پیٹ میں ایک چچا تلامکا رسید کر وحشی ہواؤں کے شور میں یوشع کی بھیانک چیخ ابھری اور ہاتاری کی دوسری لاش نے اس کا منہ جسم طوفانی سمندر میں لڑھکا دیا۔ اس اثناء میں تین آدمی اور گر چکے تھے۔ جن میں دو یوشع کے ساتھی

جہاز پر نہ صرف زبردست دھماکا ہوا بلکہ وہ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور کے ساتھ ہی باقی ماندہ ملاح اور مزدور بھی سرکش موجوں کا لقمہ بن گئے۔

اہل کشتی تین اور ساتھیوں کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ جو طوفانی لہروں میں غوطے کھاتے اور چوبی تختوں کے سہارے زندہ رہنے کی کوشش کرتے کشتی سمت آ رہے تھے۔ سمندر کی کف آلود موجوں پر شکستہ جہاز کے ٹکڑے اور ادھر تیرتے گھومتے پھر رہے تھے۔ بڑا مستول جس کی چوٹی پر آخر وقت تک ہر پھریرا لہراتا، پھڑپھڑاتا رہا تھا۔ دو آدمیوں کے ہاتھ لگ گیا اور وہ مستول کے ساتھ ساتھ کھلے سمندر کی جانب بہتے چلے گئے۔ انہوں نے کشتی کی طرف آخر کی خاطر اپنی آخری طاقت بھی صرف کر دی لیکن بے رحم دھارے انہیں دھکیل کر لے گئے۔ اچانک ایک آبی فصیل نے دونوں کو ڈھانپ لیا۔ پھر ان سایہ بھی نظر نہ آ سکا۔ وہ مستول سمیت محیط بحر میں غرق ہو گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد مستول تو پانی کی ناہوار سطح پر ابھر آیا۔ لیکن اس سہارا لینے والے اجل کی عمیق ترین گہرائیوں میں اتر چکے تھے۔

ہاتاری نے بڑی ہوشیاری سے کشتی آگے بڑھائی اور اسے موت کے او حاشیوں سے نکال لایا جہاں ابھی ابھی رقا ص اجل نے ہیمانہ رقص کیا تھا، آٹھ ملاحوں کے چپو بجلی ایسی سرعت سے چل رہے تھے اور ہاتاری کشتی کی بڑا سنبالے اسے میب دھاروں سے بچانے کی کوشش میں مصروف تھا۔

جہاز کے مقابلہ میں کشتی کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ طوفان کی وحشت اور ہولناکی میں ابھی تک کمی نہ آئی تھی۔ وہ سرکش لہروں کے ٹشیب و فراز میں نزل کے حقیر نیلے کی طرح ہچکولے کھاتی اور موت کے فاصلوں کو قطع کرتی نامعلوم سمت رواں تھی۔

گریٹا ابھی تک بے ہوش پڑی تھی۔ اسے کچھ خبر نہ تھی جہاز کے ساتھ کیا بیت گئی۔ اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب صبح صادق کا اجالا پھیل رہا تھا اور کشتی ساحل کے ساتھ ساتھ ایک طویل کھاڑی سے گزر رہی تھی۔ اس کے ارد گرد وہی چرے تھے جنہیں وہ جہاز پر دیکھ چکی تھی۔

ہاتاری نے بتایا۔۔۔

”جوں ہی تمہیں کشتی سے اتارا گیا جہاز کے پر نچے اڑ گئے۔ یوشع اور ان کے تمام ساتھی اس وقت تک سمندری مچھلیوں کی خوراک بن چکے ہوں گے۔

جہاز پر نہ صرف زبردست دھماکا ہوا بلکہ وہ ٹوٹ کر ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور کے ساتھ ہی باقی ماندہ ملاح اور مزدور بھی سرکش موجوں کا لقمہ بن گئے۔

اہل کشتی تین اور ساتھیوں کو بچانے میں کامیاب ہو گئے۔ جو طوفانی لہروں میں غوطے کھاتے اور چوبی تختوں کے سہارے زندہ رہنے کی کوشش کرتے کشتی سمت آ رہے تھے۔ سمندر کی کف آلود موجوں پر شکستہ جہاز کے ٹکڑے اور ادھر تیرتے گھومتے پھر رہے تھے۔ بڑا مستول جس کی چوٹی پر آخر وقت تک ہر پھریرا لہراتا، پھڑپھڑاتا رہا تھا۔ دو آدمیوں کے ہاتھ لگ گیا اور وہ مستول کے ساتھ ساتھ کھلے سمندر کی جانب بہتے چلے گئے۔ انہوں نے کشتی کی طرف آخر کی خاطر اپنی آخری طاقت بھی صرف کر دی لیکن بے رحم دھارے انہیں دھکیل کر لے گئے۔ اچانک ایک آبی فصیل نے دونوں کو ڈھانپ لیا۔ پھر ان سایہ بھی نظر نہ آ سکا۔ وہ مستول سمیت محیط بحر میں غرق ہو گئے۔

تھوڑی دیر کے بعد مستول تو پانی کی ناہوار سطح پر ابھر آیا۔ لیکن اس سہارا لینے والے اجل کی عمیق ترین گہرائیوں میں اتر چکے تھے۔

ہاتاری نے بڑی ہوشیاری سے کشتی آگے بڑھائی اور اسے موت کے او حاشیوں سے نکال لایا جہاں ابھی ابھی رقا ص اجل نے ہیمانہ رقص کیا تھا، آٹھ ملاحوں کے چپو بجلی ایسی سرعت سے چل رہے تھے اور ہاتاری کشتی کی بڑا سنبالے اسے میب دھاروں سے بچانے کی کوشش میں مصروف تھا۔

جہاز کے مقابلہ میں کشتی کی کوئی اہمیت نہ تھی۔ طوفان کی وحشت اور ہولناکی میں ابھی تک کمی نہ آئی تھی۔ وہ سرکش لہروں کے ٹشیب و فراز میں نزل کے حقیر نیلے کی طرح ہچکولے کھاتی اور موت کے فاصلوں کو قطع کرتی نامعلوم سمت رواں تھی۔

گریٹا ابھی تک بے ہوش پڑی تھی۔ اسے کچھ خبر نہ تھی جہاز کے ساتھ کیا بیت گئی۔ اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب صبح صادق کا اجالا پھیل رہا تھا اور کشتی ساحل کے ساتھ ساتھ ایک طویل کھاڑی سے گزر رہی تھی۔ اس کے ارد گرد وہی چرے تھے جنہیں وہ جہاز پر دیکھ چکی تھی۔

ہاتاری نے بتایا۔۔۔

”جوں ہی تمہیں کشتی سے اتارا گیا جہاز کے پر نچے اڑ گئے۔ یوشع اور ان کے تمام ساتھی اس وقت تک سمندری مچھلیوں کی خوراک بن چکے ہوں گے۔

پھر جنگے کی اس سمت موٹی موٹی گول آنکھوں بھاری مونچھوں اور دوہرے لبوں والا ایک خوفناک چہرہ نمودار ہوا۔ اس نے عبرانی زبان میں راسو سے کچھ مانا اور جب یہ سنا کہ کشتی میں سردار ہاتاری خود موجود ہے تو فوراً ہی اس نے کھل دیا۔

کشتی کو دھکیل کر جنگے میں داخل کر کے دروازہ پھر بند کر دیا گیا۔ آبی رنگ اب ایک درے میں بہہ رہی تھی۔ ایک طرف پتھروں کی قدرتی دیوار

سری جانب اونچی فصیل اوپر ڈھلوان بیضوی چھت تھی۔ کشتی دھکیل کر سیاہ پتھروں کے اس زینہ کے ساتھ لگا دی گئی۔ جس کی چھٹی بیڑھی پر فصیل کی بغل میں ایک لمبی جھری دروازے کی نشاندہی کر رہی تھی۔ سب سے پہلے کپتان زینے پر اترا۔ پھر گرینا اور کشتی اس مسافت درہ کی رف بڑھ گئی۔ جو غالباً "کسی خندق سے ملحق تھا۔ فصیل کا بغلی دروازہ چوڑا کم

رہا زیادہ تھا جس کی حفاظت کے لیے ایک نیزہ بردار محافظ موجود تھا۔ جوں ہی ہاتاری اور گرینا اندر داخل ہوئے ان کی پشت پر محافظ نے دروازہ بند کر دیا۔۔۔ فصیل کے ساتھ ساتھ انہیں ایک اور طویل زینہ عبور کرنا پڑا

اس کی پر بیچ بیڑھیاں ختم ہونے میں نہ آتی تھیں۔ گرینا یہ دیکھ کر حیران و ششدر رہ گئی۔ وہ اس وقت ایک مضبوط اور کٹھن قلعہ میں تھی جو الف لیلہ کی طلسمی داستانوں کی طرح چاروں طرف سے بازیوں میں گھرا ہوا تھا اور اونچی فصیل کے چوگرد ایک گہری خندق تھی جس میں بحیرہ شام کا پانی لہریں لے رہا تھا۔ قدرتی عمودی چٹانوں اور ٹیڑھی اونچی پٹی پہاڑیوں نے اس کا یوں احاطہ کر لیا تھا کہ وہ ایک طلسماتی قلعہ بن کے رہ گیا تھا۔ سمندر یہاں سے قریباً "چار پانچ میل کے فاصلہ پر تھا۔ جنوب کی طرف جانا کی حسین بندرگاہ، قلعہ اور شہر تھا۔ لیکن چند لوگوں کے علاوہ شاید کوئی بھی نہیں جانتا تھا ان پہاڑیوں کے قلب میں کوئی قلعہ بھی موجود ہے۔۔۔ جو کئی صدیوں پرانا ہے۔

جانا کے دامن میں یہودیوں کا یہ قدیمی مامن و مسکن عجائبات ارضی میں شمار ہوتا تھا چونکہ یہ قلعہ شہر سے دور اور لوگوں کی نگاہوں سے پوشیدہ تھا۔ اس لیے جب صلیبی حکمرانوں نے یہودیوں پر مظالم توڑے تو اکثر یہودی ربی یہاں آچھپے

رکھ لیے اور خود کشتی میں لیٹ گئے۔ ہاتاری کی ہدایت پر گرینا کو بھی ان پر کرنا پڑی۔ یہاں پانی کا بہاؤ تیز ہو گیا تھا اور کشتی بہاؤ کے رخ آپ سے جا رہی تھی حتیٰ کہ وہ ڈیڑھ دو فٹ تاریک خلاء میں دغل ہو گئی۔ جھیل کی سطح پر سورج کی اولین شعاعیں میں سنہرے پرندوں کی طرز کر رہی تھیں۔

شمعون ربی

گرینا کو یوں محسوس ہوا غار کے تنگ دہانہ کی بجائے وہ کشتی سمیت خوفناک قبر کی لحد میں اتاری جا رہی ہے۔

اندر گھپ اندھیرا تھا۔ کشتی غار کی دیواروں کے ساتھ ساتھ بڑھی ہوئی تھی اوپر پتھروں کی قدرتی چھت ہلال قوس بناتی دیواروں پر جھکی پڑی تھی۔ لہریں بے ترتیب پتھروں سے ٹکرا کر اچھلتی تو پانی کے چھینٹے چھت تک از غار کا ہر پتھر بھیگا ہوا تھا۔

دو ملاحوں نے دائیں بائیں اپنے چپو پتھرلی دیواروں کے ساتھ لگا دیا تاکہ لہروں کے ہچکولے کھا کر کشتی کہیں دیواروں سے ٹکرا کر ٹوٹ نہ جائے۔ جوں جوں آگے بڑھتے چلے گئے غار کی چھت بلند ہوتی گئی۔ حتیٰ کہ پندرہ فٹ کے بعد غار ایک پہاڑی سرنگ میں تبدیل ہو گیا۔

اب وہ دوبارہ اپنی اپنی جگہوں پر آ بیٹھے اور ملاحوں نے چپو سنبل پانی کا بہاؤ معمولی تھا لیکن کشتی غیر معمولی رفتار کے ساتھ اندھیری گلی میں جا رہی تھی۔ قریباً "پون میل کا فاصلہ طے کرنے کے بعد آبی سرنگ پہاڑی اندر ہی اندر شمال کے رخ گھوم گئی۔

موڑ کاٹنے کے بعد سرنگ کا پاٹ کسی قدر چوڑا ہو گیا۔ نصف فاصلہ عبور کر کے کشتی ایک چوٹی جنگے کے پاس رک گئی۔

کپتان کے حکم پر راسو اور جونی نیم تاریک سرنگ میں اترے پانی ان کو چھو رہا تھا۔ جنگے کے قریب پہنچ کر راسو نے حلق سے عجیب و غریب نکالی۔ چند ہی لمحوں کے بعد دوسری طرف کسی کے پانی میں چلنے کی آواز

مریٹا کو یوں لگا جیسے شمعون ربی کی تیز فوکیلی اور گرسنہ نگاہیں کپڑوں کو
بہتی ہوئی اس کے سرخ و سفید بدن میں پیوست ہوتی جا رہی ہیں۔ وہ اسے
دیکھ رہا تھا جیسے قصاب کسی بھیڑ بکری کو دیکھتا اور اس کے گوشت کا جائزہ لیتا

مریٹا نے اپنی گردن جھکا دی۔ کپڑوں کے باوجود اپنے آپ کو عیاں محسوس
رہی تھی۔ مقدس رہنما چند لمحے دنیا و مافیہا سے بے خبر مریٹا کے حسین
دل اور پرکشش جسم کو دیکھتا رہا۔ کمرے پر ایک بوجھل سکوت طاری تھا اور
اضطراب انگیز خاموشی میں بت کیرو کے دل کی دھڑکیں تک سنی جاسکتی
ن۔ اچانک یہودی رہنما کے ہونٹ کپکپائے اور وہ ہاتاری کی طرف دیکھ کر پر
رت آواز میں بولا۔

”رب یہودی قسم۔۔۔! تم نے ایک قابل فخر کارنامہ سرانجام دیا ہے۔ یہ
لی واقعی بیکر جمال ہے۔“

ایک لمحہ خاموش رہ کر اس نے کپتان کو آنکھوں ہی آنکھوں سے خراج
بین پیش کرتے ہوئے دریافت کیا۔۔۔

”اے اغوا کرتے ہوئے تمہیں کسی مشکل و پریشانی کا سامنا تو نہیں کرنا
پڑا؟“

”نہیں۔۔۔ سارا معاملہ بخیر و خوبی سرانجام پا گیا تھا لیکن۔۔۔“ ہاتاری کے
سے پر کرب و اذیت کے آثار ظاہر ہوئے۔

”یوشع کو میرے ہمراہ بھیج کر آپ نے اچھا نہ کیا۔“
مریٹا ان کی گفتگو سمجھنے سے قاصر تھی۔ عبرانی زبان اس کے لیے عربی ہی
طرح ناقابل فہم تھی۔ ہاتاری کی زبان سے یوشع کا فکر سن کر بوڑھے ربی کی
غول میں الجھن سے پیدا ہوئی۔ اس نے پوچھ۔

”یوشع کہاں ہے؟“
”جہنم میں۔۔۔“ ہاتاری کے لہجے سے نفرت نپک رہی تھی۔۔۔ ”اس نے
نبوت کو دعوت دی تھی۔“

شمعون ربی اچھل کر ایک قدم پیچھے ہٹ گیا اور ڈوبی ہوئی مدھم آواز میں
”تو تم نے اسے ہلاک کر دیا۔۔۔“

شاہ یروشلم بالذون جذامی کے عہد میں ایک یہودی سردار شمعون
اسرائیلیوں کا مذہبی رہنما بھی تھا۔ اس قلعہ پر قبضہ کر لیا اور صلیبوں
لینے کے لیے بحری قزاقوں کا ایک گروہ تیار کیا جو انطاکیہ، بیروت اور
درمیان بحری سفر کرنے والے صلیبی جہازوں کو لوٹا اور انتہائی ہوشیاری
کین گاہ میں لوٹ آتا تھا۔

بالذون جذامی کی موت تک صلیبی حکومت کو بحری قزاقوں کا سراغ
نہیں مل سکا۔ لیکن ملکہ سبل اور گائی لو گمنان کے عہد میں ایک بحری قزاق ہاتاری
شہرت پانے لگا۔ گائی تقدیر کی زد میں تھا۔

مصر اور شام کے مسلمان سلطان صلاح الدین کی قیادت میں متحد ہوئے
اور اسلامی جہاد کی لہر فلسطین کی طرف بڑھ رہی تھی۔ صلیبوں کی پیہم
اور سلطانی فتوحات نے یروشلم اور فلسطین کی قیمت کا پانسہ ہی پلٹ دیا۔

ہاتاری شمعون ربی کا دست راست اور شامی سمندروں کا سب
قزاق تھا۔ جس کا نام سن کر عیسائیوں پر لرزہ طاری ہو جاتا کیونکہ جنگ
دوران یہودی قزاقوں نے لاتعداد صلیبوں کو انتقام کا نشانہ بنایا تھا۔ اب ان
کے شاہی خیموں سے بالذون ڈی کیرو کی بیٹی مریٹا کیرو کا اغوا بھی شاید
مشن کا کوئی پر اسرار باب تھا۔

مریٹا کسی روح یا خوابی پیکر کی طرح یہودی سردار کے ساتھ قلعہ کی
پر تپچ گلیاں، رہداریاں اور محرابیں غلام گرد شیش عبور کرتی ایک آراستہ
کمرے میں داخل ہوئی۔ انہیں جگہ جگہ مسلح پہرے دار ملے جو ہاتاری کو
ہی سرنگوں ہو جاتے تھے۔

ارد گرد کی پہاڑیوں پر سورج کی قرمزی شعاعیں رنگ بکھیر رہی تھیں
قلعہ داؤد کے کین اپنی کوشکوں اور بارکوں سے نکل کر ایک وسیع و عریض
میں جمع ہو رہے تھے۔



سفید ریش یہودی رہنما نے سردار ہاتاری کو خوش آمدید کہا اور ان
نظریں دوڑ کر نصرانی دوشیزہ پر مرکوز ہو گئیں۔

”میں خود بھی مشورہ دینے والا تھا۔“

”تو جاؤ وہ اس وقت قصر بنیامین میں بیٹھا جہاز کی واپسی کا انتظار کر رہا ہے۔
اسے ہمراہ چند ساتھی بھی ہوں گے۔ جنہیں شاید وہ حفاظت کے پیش نظر ہر
ان کے پاس رکھتا ہے۔ لیکن۔۔۔! تم جانتے ہو ان ساتھیوں کی موجودگی میں
تو اپنا فرض کس طرح ادا کرنا چاہیے۔“

”مطمئن رہیں۔۔۔ سانپ بھی مر جائے گا اور لاشی بھی نہیں ٹوٹے

شمعون ربی نے اپنا بازو لہرایا۔

ہاتھ نہایت تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا۔ گریٹا کیرو ان کی گفتگو کا
بھی فقرہ نہ سمجھ سکی تھی۔ جب ہاتھری جا چکا تو اسے بوڑھے پیشوا سے
محسوس ہونے لگا۔ جو اسے کینہ توڑ نگاہوں سے گھور رہا تھا۔ گریٹا نے
دل میں ایک سرد لہر سرسراتی ہوئی محسوس کی۔

ایک لرزش خفی جو سارے جسم پر طاری تھی۔۔۔ نہ جانے یہ لوگ اسے
ان اغوا کر لائے ہیں۔۔۔

بوڑھے ربی نے دوسرے ہی لمحے اس کی حیرتوں میں اضافہ کر دیا۔ گریٹا کی
ذہنی کلائی کو اپنی گرفت میں لے کر وہ کہنے لگا۔

”تمہیں خوش ہونا چاہیے۔ تخت اسرائیل پر جلوس فرمائی کی مبارک رسم
کرنے کے لیے قدرت نے تمہارا انتخاب کیا ہے۔۔۔“

بنت کیرو ابھی تک گم سم تھی۔ کسی نے اس کی قوت گویائی چھین لی ہو۔ وہ
نہ زندہ نگاہوں سے بوڑھے یہودی کو دیکھنے لگی جو اس کے دل و دماغ پر
ت کا پر اسرار دھند لکا بن کر چھا رہا تھا۔ وہ اس کے الفاظ کا مطلب سمجھنے سے
محروم تھی۔ تخت اسرائیل پر جلوس فرمائی کے لفظ اس کی سماعت سے ضرور
بائے تھے۔ لیکن وہ ان الفاظ کی اہمیت سے قطعی نا آشنا تھی۔

”اسرائیلی تخت“ صدیوں پہلے خواب و خیال ہو چکا تھا اور گریٹا نے اس کا
صرف بائبل میں پڑھا یا اپنے ہاؤس پادری سے سنا تھا۔ جنوں اور پریوں کی
مذہبوں داستانوں کی طرح ”اسرائیل کا تخت“ بھی ایک افسانے میں ڈھل چکا
تھی۔ کبھی کبھی اسے خیال آتا شاید وہ کوئی بھیاںک خواب دیکھ رہی تھی۔

واقعات جو اسے پیش آئے یقیناً ”کسی خواب ناک افسانے کی کڑیاں معلوم

”ہاں۔۔۔ اس نے آپ کی امانت کو سمندر میں پھینک دینے پر
اور جہاز کے ملاحوں کو ساتھ ملا کر بغاوت کر دی تھی۔“

پھر ہاتھری نے مختلف الفاظ میں جہاز کی غرقابی کی روداد سنائی۔
”یوشع اگر بغاوت نہ کر دیتا تو میں جہاز کو طوفان سے نکال لاتا اس
مصیبت اور پریشانی میں مبتلا کر دیتا تھا۔ مجبوراً قلعہ تک آنے کے
سرنگ کا رستہ اختیار کرنا پڑا۔ وہ صیہونیت کا باغی و سرکش اور آپ کی

سے متفق نہ تھا۔ وگرنہ گریٹا کی غرقابی پر ضد نہ کرتا۔۔۔“
صیہونی بزرگ حیرانی اور اضطراب کے عالم میں ہاتھری کے سفر کی
روداد سنتا رہا۔ پھر پاکستان کا شانہ چھتیا کر بولا۔

”تمہارا خیال غلط نہیں۔۔۔ کئی دن سے اس کی باتوں سے بغاوت
رہی تھی۔ تم نے اسے ختم کر کے میری بہت بڑی پریشانی دور کر دی۔“
”لیکن یوشع اکیلا تو ہرگز نہ ہوگا۔۔۔“ ہاتھری نے ایک نئے خطر
کر کے بوڑھے ربی کو خوف زدہ کر دیا۔۔۔

”میرا مطلب ہے قلعہ کے اندر اس کے کچھ ساتھی ضرور ہوں۔
آپ کی تخت نشینی کے مخالف ہوں گے۔“

”ہو سکتا ہے مجھے جیکب کے اطوار و آثار بھی مشتبہ معلوم ہوتے ہوں۔
نہ رات مجھ سے التجا کی تھی کہ ابھی مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان
فیصلہ کن جنگ نہیں ہوئی اس لیے تخت نشینی کی تقریب کچھ عرصہ کے
کر دی جائے۔“

”آہا۔۔۔ تو جیکب خود بادشاہ بننا چاہتا ہے۔۔۔“
ہاتھری کا مقصد کمرے کی فضا میں دیر تک گونجتا رہا۔ پھر وہ کہنے لگا۔

”میں جانتا ہوں یوشع یعقوب اس کا خاص آدمی تھا اور آج اس
قتل کر کے جہاز پر قبضہ کرنے کی کوشش کی تھی۔ میرا خیال ہے وہ مجھے
اسرائیلی بن کر اسے بہت فائدہ پہنچا سکتا تھا۔۔۔“

شمعون ربی کی آنکھیں فرط تعجب سے چمک اٹھیں۔۔۔ ”تمہارا
نہیں کل سے یعقوب اس کے لمحے میں نمایاں تبدیلی آچکی ہے۔
موت کی خبر پھیلنے سے پہلے ہی اسے گرفتار کر لینا چاہیے۔ میں
گرفتاری کا اختیار دیتا ہوں۔“

کا اٹھار تھا۔ شمعون چلا اٹھا۔

ہاتاری۔۔۔ اس خبیث کو زندان میں ڈال دو اور یہ لڑکی یوم موعود تک کی نگرانی میں رہے گی۔

یہ کہہ کر شمعون ربی بوڑھے سانپ کی طرح پھنکارتا ہوا کمرے سے نکل

ہاتاری نے اسیر کو ان سپاہیوں کے حوالے کر دیا جو دہلیز کے اس پار کھڑے کے حکم کے منتظر تھے۔

اور خود شمشیر کو میان میں ڈالتا ہوا گریٹا کی طرف بڑھا۔۔۔ جو تصویر حیرت انگیز تھی۔

”بیہ۔۔۔ اپنی دلچسپ باتوں سے تمہارا غم غلط کر دے گی۔“

ہاتاری نے کہا۔

اچانک ”تصویر“ کے ہونٹ حرکت میں آئے۔

پھر۔۔۔ وہ نفرت آلود لہجے میں بولی۔

”بوڑھا ربی کہتا ہے۔ تم لوگ مجھے خرید کر لائے ہو۔۔۔ کیا یہ بات سچ ہے۔۔۔؟“

ہاتاری تعجب آمیز نظروں سے اسے دیکھتا رہا۔

پھر اس کے چہرے پر ایک معنی خیز تبسم بکھر گیا۔

”اب ان باتوں سے کیا فائدہ۔۔۔؟“

اس نے دھیرے سے کہا۔

”جو کچھ میں پوچھتی ہوں۔ صرف اس کا جواب دو۔“

وہ غرائی۔

کیا مطلب۔۔۔“

ہاتاری کی آنکھیں فرط حیرت سے کھلیں۔

”کیا واقعی تم نے میری قیمت ادا کی ہے۔“

اس نے دوبارہ سوال دہرایا۔

”بھلا تمہاری قیمت کون ادا کر سکتا ہے تم انمول ہو۔۔۔“

ہاتاری نے مسکرا کر بات ٹال دی اور گریٹا تڑپ کے رہ گئی۔ اچانک ایک

سراں آواز نے انہیں چونکا دیا۔

ہوتے تھے۔ جس نے اسے یوشع اور اس کے خوفناک ملاحوں سے بچایا۔ کسی ایک کا بھی جواب نہ دے سکی۔ جواب کیا دیتی۔۔۔ سوالات ہی سمجھ سے بالا تھے۔۔۔ اس کی نبضوں میں لہو کی رفتار یکثرت مدھم مدھم مچی اور ٹھنڈے پسینے میں بھگی گیا۔ بڑی مشکل سے اس نے اپنے ہونٹوں کو جبر اور جیسے کسی عیقت ترین کنوئیں کی گہرائیوں سے بولی۔

”مجھے اغواء کیوں کیا گیا ہے۔۔۔؟“

”اغواء۔۔۔؟“ بوڑھے ربی کا شکن آلود چہرہ حیرت سے سکڑ کر استفہامیہ نشان بن گیا۔۔۔

”ہم نے تجھے اغواء ہرگز نہیں کیا بلکہ قیمت دے کر خریدا ہے۔“

گریٹا یوں اچھلی جس طرح بے دھیانی میں اس کا پاؤں سانپ کے پڑا ہو۔ بوڑھا کہہ رہا تھا۔

”ہم تیری زندگی اور خوبصورتی کی قیمت ادا کر چکے ہیں اور ہاتاری ہتیلی پر رکھ کر تجھے انگریزی کیمپ سے نکال لایا ہے۔“

گریٹا کے ذہن پر ہتھوڑے برس گئے وہ پاگلوں کی طرح چلائی۔

”اس آدمی کا نام بتاؤ جس نے مجھے فروخت کیا۔ میری قیمت وہ کی۔۔۔؟“

شمعون اسے دلچسپ نظروں سے گھورتا رہا۔۔۔ پھر بولا۔

”تم غصے میں زیادہ خوبصورت دکھائی دیتی ہو۔۔۔“

اسی اثناء میں ہاتاری ایک ادھیر عمر گراندیل آدمی کو ریشمی ڈوری جکڑے اندر داخل ہوا۔ سیدھی شمشیر کی نوک ابھی تک اسیر کی پسلیوں میں

رہی تھی۔ بوڑھا شمعون بجلی ایسی تیزی سے پلٹا اور گریٹا کی کلائی چھوڑ کر والے کی طرف متوجہ ہوا۔ پھر اس کا قہقہہ کسی اژدھے کی پھپکار کی مانند گونجا

”آہ۔۔۔ میں یعقوب آس کو اس حالت میں دیکھ رہا ہوں۔ اگر یوشع لڑکی کو قتل کر کے ہاتاری کو گرفتار اور جہاز پر قبضہ کر لیتا تو یقیناً اس وقت

داؤد میں تمہاری حکومت ہوتی اور تم نے مجھے پھانسی پر لٹکا دیا ہوتا لیکن ہم حریف کو صرف یوم تخت نشینی تک نظر بند رکھیں گے۔۔۔“

ادھیر عمر اسیر جس کی آنکھوں سے شعلے برس رہے تھے۔ قہر آلود سے بوڑھے ربی کی طرف دیکھتا رہا۔ پھر اس نے منہ پھیر کر تھوک دیا۔

عفا کے بازاروں میں رقص گاہوں، عشرت کدوں اور مے خانوں میں

فتح کے بعد صلیبی لشکر شہر پر ٹوٹ پڑے۔ انہوں نے مکانوں اور دروازوں

نہیں وہ بھی حسین ازائیل کے سامنے کانڑ کے گن گاتی اور قصیدے پڑھتی رہتی تھیں۔ جن کے نتیجے میں دونوں کی خفیہ ملاقاتیں بڑھ گئیں اور جنگ و جدل کی ہولناکیوں کے باوجود ایک نیا رومان پروان چڑھتا رہا۔

اس سلسلہ میں اطالیہ کی چالاک لومڑی لورینا کٹنی نے بڑا اہم رول ادا کیا۔ وہ محرم راز بن کر نہ صرف ان کے درمیان پیغام رسانی کا فریضہ بجالاتی بلکہ ہاشخانہ ملاقاتوں کا اہتمام بھی کرتی تھی۔

ازائیل کے پہلے خاوند اور ٹورون کے نواب صفری کا قصہ تو اسی وقت تمام ہو گیا تھا۔ جب کانڑ نے صور کے آرچ بشپ سے ان کی غیر قانونی شادی کے خلاف مذہبی فتویٰ حاصل کر کے اور اس پر علمائے صلیب کی تصدیقی مہریں لگوا کر نثر کر دیا تھا۔

ازائیل اور نواب صفری کی شادی شام کے قلعہ کرک میں جس کی بلندی کے باعث عرب اسے ”نجم السعویا نجم السعرا“ کے نام سے یاد کرتے اس وقت ہوئی تھی جب ازائیل کی عمر صرف ۱۳ برس تھی۔ کانڑ نے بزرگان دین صلیب سے جو فتویٰ لکھوایا وہ ان نکات پر مشتمل تھا۔

۱۔ شادی کے وقت ازائیل صرف ۱۳ سال کی نابالغ لڑکی تھی۔۔۔ اور کلیساء کے قابون کی رو سے نابالغ لڑکی کی شادی جائز نہیں۔۔۔

۲۔ یروشلم کا شاہی خاندان شادی سے ناراض تھا یہی وجہ تھی شاہی خاندان کا کوئی فرد اس میں شریک نہ ہوا۔

۳۔ یہ شادی خفیہ طور سے سرانجام پائی اور اس کی تقریب یروشلم کے محلات کی بجائے کرک کے قلعہ میں منعقد ہوئی تھی۔

۴۔ ان واقعات سے صاف ظاہر ہے ازائیل اور نواب صفری کی شادی نہ صرف بالذون خاندان کے خلاف ایک سازش بلکہ کلیسائی قانون کی بھی خلاف ورزی تھی۔

شروع شروع میں تو خود ازائیل نے اس فتوے کا تسخیر اڑایا اور اپنے خاوند نواب صفری کو ”شاہ یروشلم“ بنانے کی تدبیریں سوچتی رہی لیکن کانڑ کی نیرکینوں نے اسے شوہر سے بیزار سا کر دیا۔

۵۔ بیزار کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ ملکہ سبل کی وفات کے بعد بھی گائی ولسکنان یروشلم کی بادشاہت سے دست بردار ہونے پر تیار نہ ہوا اس کے مقابلہ

عیاشی، بدمستی اور بے حیائی کے وہ مظاہرے پیا ہوئے کہ چشم فلک نے لرز زمین پر اس کی مثال پہلے کبھی نہ دیکھی ہوگی۔

سلطان کے سیکرٹری العماد کاتب کا بیان ہے۔

”جزائر یورپ سے تین سو عورتیں جمع ہو کر عکا پہنچیں۔ یہ فرنگی عورتیں حنین و جمیل اور جوانی کی شراب میں بدمست تھیں۔ وہ اس لیے آئی تھیں کہ وہ اپنے جسموں سے سپاہیوں کی جنسی پیاس بجھائیں اور انہیں خوش کر دیں (الفتح اقصیٰ ۲۲۷-۲۲۹) یورپ سے عیاش عورتوں کی کئی ایسی ٹولیاں پہنچیں۔

یہ تھی ریگینی، عیش کوشی اور بے حیائی کی زندگی جس میں فرزندان ملکہ فتح عکا کے بعد ڈوب گئے اور یہ تھا مسیحی تہذیب کا عملی نمونہ جو اسلام اور اسلام کو نیست و نابود کر دینے کے ناپاک اور مذموم منصوبے کے کرشمات فلسطین پر حملہ آور ہوئی تھی۔



۱۔ اطالوی شہزادہ مارکوئیس کانڑ جو یروشلم کی بادشاہت کے خواب لے کر مانسٹرٹ سے روانہ ہوا اور خوبی قسمت سے ساحل شام پر لنگر انداز ہونے کے بعد صور کا حاکم بن بیٹھا تھا۔ ایک مرتبہ پھر کامیاب و کامران ہوا تھا۔

۲۔ شہر پر قبضہ اور سیف الدین مشغوب سے معاہدہ صلح کرانے میں اس کا ہاتھ تھا۔ اس نے اپنی محبوبہ ازائیل ملکہ یروشلم سے جو وعدہ کیا تھا پورا کر دیا۔

۳۔ عکا کی شہر پناہ پر سب سے پہلے وہی صلیبی پرچم نصب کرے گا۔ اس فتح ازائیل کے دل و دماغ میں یروشلم کی مہوم سلطنت کے خاکے پھر اجاگر کر دیے تھے۔ وہ سوچنے لگی۔

”کیا عجیب کانڑ کی معیت میں اپنی بہن سبل کی طرح وہ بھی چمکے گی؟ بن جائے اور اس کے دم قدم سے یروشلم پر بالذون خاندان کی حکومت ایک پھر بحال ہو جائے۔

ان ہی خیالات کے پیش نظر کانڑ کی طرف اس کا میلان روز بروز بڑھتا گیا۔ صور کے چالاک شاطر نے اس کے پیچھے یورپ کی جو عیار کشتیاں لگا دی

شادی کے خلاف فتویٰ دے دیا اور عکا کے کلیسائی حلقوں میں اضطراب و انتشار کا دھواں اڑنے لگا۔ چلاک کانرڈ نے یہاں بھی کسی کی پروا نہ کی اور صور کے آرج بشپ نے نئے کیتھڈرل میں ان کی شادی کا اعلان کر دیا۔۔۔ شہنشاہ فلپ آگسٹس اور کانرڈ کے دوست سردار اور نواب شادی کی تقریب میں موجود تھے۔

عکا کے ایک محل میں جس پر کانرڈ نے قبضہ کر لیا تھا۔ ساری رات رقص و موسیقی اور شراب و کباب کی محفل گرم رہی۔ بے فکرے نائٹوں نے کانرڈ اور ازاتیل کے ارد گرد ڈانس کیا اور مارکوئیس کانرڈ۔۔۔ شاہ یروٹلم کے نعرے لگائے گئے۔ ان نعروں کی آواز گائی لو سگنان بھی سن رہا تھا۔

تیسری صلیبی جنگ گائی لو سگنان ہی کی قیادت میں شروع ہوئی تھی لیکن ملکہ سبل کی اچانک وفات کے بعد حالات نے عجیب و غریب صورت اختیار کر لی اب ازاتیل اور کانرڈ کی شادی کے بعد وہ شخص دو حریف یروٹلم کی صلیبی مملکت کے دعویدار بن گئے تھے۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں۔

پوری صلیبی ریاست مسلمانوں کے قبضہ میں تھی۔ لیکن عکا کی فتح کے بعد اب یہ امید ابھر آئی تھی کہ عیسائی لشکر عنقریب یروٹلم اور اس کے مفتوحہ شہروں کو عربوں سے واکزار کرالیں گے اور فلسطین کی صلیبی مملکت پھر بحال ہو جائے گی لیکن سوال یہ تھا اس مملکت کا تاجدار کون ہوگا۔۔۔؟

گائی لو سگنان۔۔۔ یا۔۔۔ مارکوئیس کانرڈ؟
عکا کے ایوان حکومت میں شاہان صلیب یروٹلم کی نام نہاد بادشاہت کا جھگڑا نمٹانے کے لیے جمع ہوئے۔

جنگ مقدس میں شریک ہونے والے تمام یورپی بادشاہ، شہزادے، نواب، ڈیوک اور، کاؤنٹ سردار اور سپہ سالار موجود تھے۔ دنیائے صلیب کے بڑے بڑے اساقف و بطارقہ جن کے اشاروں پر کلیساؤں کے دروازے کھلتے اور بند ہوتے تھے۔ اپنے روحانی اعزاز و منصب کے لحاظ سے ایک طرف تشریف فرما تھے۔

ایوز آف فلانڈرز نے یروٹلم کی مقدس بادشاہت کا استغاثہ پڑھا۔۔۔ اور حاضرین کو بتایا۔

ملکہ سبل کی حسرتاک وفات کے بعد قانون وراثت کے پیش نظر امرائے

میں نیا بادشاہ ہنری ایک کمزور و ناپسندیدہ آدمی تھا۔ پھر ٹمپلز اور ہاسپٹلرز جماعتیں بدستور گائی لو سگنان کی حامی تھیں۔ اس لیے ازاتیل نے سوچا۔

گائی سے تخت و تاج حاصل کرنے کے لیے اسے کسی مضبوط سہارے کی ضرورت ہے اور یہ مضبوط سہارا مارکوئیس کانرڈ حاکم صور کا روپ دھارے خود بخود اس کے قریب آگیا تھا۔ فوجی طاقت کے اعتبار سے بھی کانرڈ اپنے حریف گائی سے کم نہ تھا۔ اس لیے ازاتیل یروٹلم کے خیالی تاج و تخت کی خاطر غریب سے علیحدگی اختیار کر کے کانرڈ کے ساتھ محبت کی پیٹنگیں بڑھانے لگی۔ حتیٰ کہ سقوط عکا کے بعد اس نے اپنے شوہر سے باقاعدہ طلاق حاصل کر لی۔

اب کانرڈ کا راستہ صاف تھا۔ اس نے شہنشاہ فرانس فلپ آگسٹس کی حمایت بھی حاصل کر لی تھی تاکہ شادی کے بعد ملکہ ازاتیل جب اسے ”شاہ یروٹلم“ اعزاز بخشے تو کسی حریف کو مقابلہ کی جرات نہ ہو سکے۔

عکا کے بڑے کیتھڈرل میں ازاتیل اور مارکوئیس کانرڈ کی شادی کا اعلان اس روز کیا گیا۔ جس دن یروٹلم کا اسقف اعظم ہر کلیس پطرس اپنے دینی قافلہ کے ہمراہ یورپ سی لوٹ کر آیا اور ایک اپنی جہاز سے عکا کی بندرگاہ پر اڑا تھا۔

بزرگ اسقف تیسری صلیبی جنگ کی دعوت لے کر یورپ پہنچ گیا۔ وہاں مختلف ملکوں میں گھوم کر بادشاہوں اور لوگوں کو جماد صلیب کا وعظ سنانا اور عربوں کے مظالم کے فرضی قصے دہرا کر عیسائی دنیا میں جنگ صلیب کی آگ بھڑکا رہا تھا۔ اس کی لڑکی جولیا جو سفر یورپ کے دوران پر اسرار طور سے اغوا کر گئی۔

سب سے پہلے کانرڈ ہی کی دراز دستیوں کا شکار ہوئی تھی۔ جس کے بعد دین صلیب اور عیسائی بادشاہوں سے متغیر ہو گئی۔

(یروٹلم کے اسقف اعظم پطرس دوم ہر کلیس اور اس کی راہبہ بیٹی جولیا کے بیٹے یورپ اور سردار ٹوپی کے ہاتھوں فرانس کے شاہی کلیساء سے جولیا کے پر اسرار اغوا انتہائی دلچسپ داستان قمر جلالوی کے تاریخی ناول ”سلطان“ میں پڑھئے جو ”جنگ مقدس“ کے سلسلے کی پہلی کڑی ہے۔ (ادارہ)

یہی سبب تھا ہر کلیس پطرس نے جہاز سے اترتے ہی ملکہ ازاتیل اور کانرڈ

”میں عکا میں داخل ہوتے ہی ازاتیل اور کانرڈ کی شادی کو ناجائز قرار دے دیا تھا لیکن افسوس آپ نے میرے اعلان کی مخالفت کی اور اپنی موجودگی میں یہ نامبارک عقد کرایا۔ میرے اعلان کی نافرمانی کر کے آپ نے لارٹن محل کے مقدس پیشوائے صلیب کی نافرمانی کی ہے۔ کیونکہ میں اس کروسیڈ کا داعی اور انبیاء میں بابائے روم کا نائب ہوں۔“

بوڑھے اسقف اعظم کے یہ الفاظ سن کر شاہ فلپ گھبرا سا گیا۔۔۔ ”مقدس باپ آپ نے یہ تو نہیں بتایا تھا۔ شادی کیوں نامبارک ہے؟“

”اس لئے کہ کانرڈ پہلے ہی شادی شدہ ہے اور ایک نکاح کی موجودگی میں دوسرا نکاح نہیں ہو سکتا۔۔۔“

اس انکشاف پر ایوان میں سنسنی پھیل گئی اور ایک ساتھ بیسیوں نگاہیں دوڑ کر کانرڈ کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔

وہ بے طرح بوکھلا گیا تھا۔۔۔ اچانک گائی لو گمنان کے بھائی جافری نے آواز بلند کی۔

”ہولی فادر۔۔۔ لوگ کانرڈ کی پہلی شادی کی رویداد سننا چاہتے ہیں۔۔۔“

”کانرڈ کی پہلی شادی اطالیہ کی ریاست مانسٹرٹ میں ایک امیرزادی سے ہوئی تھی۔ مجلس کبیر کے معزز ارکان چاہیں تو مانسٹرٹ کے کلیسا سے اس شادی کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ جب کانرڈ جہاد صلیب کے لیے روانہ ہوا۔ اس نے بیوی کو اپنی ریاست ہی میں چھوڑ دیا۔

ارض فلسطین آنے کی بجائے وہ اپنے جہازوں کے ہمراہ قسطنطنیہ چلا گیا۔ جہاں اس نے قیصر روم اسحاق کی بہن سے رومان لڑایا اور ایک کلیسائے آیا سوفیہ میں رومی شہزادی سے شادی کر لی۔ قیصر نے عقد کی اس لیے اجازت دے دی کہ وہ کانرڈ کی پہلی شادی کے متعلق کچھ بھی نہ جانتا تھا۔

کچھ عرصہ وہ قسطنطنیہ کے شاہی محلات میں اپنی رومی بیوی کے ساتھ داد میٹ دیتا رہا۔ پھر بحری بیڑہ لے کر صور آ گیا۔ اب اس نے ملکہ ازاتیل سے نیری شادی رچائی تاکہ اس کی وساطت سے یروشلم کے تخت و تاج پر قبضہ کر لے مگر سب لوگ اندھے نہیں۔ کلیساء کا کوئی بزرگ راہب کانرڈ کی ان شادیوں کو جائز ٹھہرا سکتا ہے؟“

”ہرگز نہیں۔۔۔ ہرگز نہیں۔۔۔“

صلیب کی مجلس نے بالڈون پنجم کی دوسری بیٹی ازاتیل کو وراثت تخت و تاج نہ کر لیا تھا اس اعلان کے ساتھ ہی یروشلم کی مملکت سے جناب گائی لو گمنان حق اقتدار بھی ختم ہو جاتا ہے۔ مگر وہ اختیارات ترک کرنے پر آمادہ نہیں۔ ملکہ ازاتیل نے نواب ہنری سے طلاق لے کر مارکوئیس کانرڈ حاکم صور۔ عقد کر لیا ہے اور ملکہ چاہتی ہیں جس طرح ان کی بہن سبن کے شوہر کو یروشلم بادشاہ قرار دیا گیا تھا۔ اسی طرح ان کے شوہر جناب کانرڈ کو شاہ یروشلم تسلیم کیا جائے۔

اس اعلان کے بعد شاہ فرانس کی جانب بیٹھنے والے نوابوں نے آوا اٹھائی۔

”ملکہ ازاتیل کا مطالبہ بالکل جائز ہے۔ کیونکہ بالڈون خاندان میں اب وہ تخت و تاج کی وارث ہیں۔“

”ہمیں بے حد خوشی ہوگی۔ اگر مارکوئیس کانرڈ کو ”شاہ یروشلم“ مان لیا جائے وہ دین صلیب کے پر جوش خادم اور لاکھوں عیسائیوں کے نجات دہندہ ہیں۔ انہوں نے سلطانی لشکروں کے مقابلہ میں فتح کا پہلا پرچم لہرایا تھا۔ شیردل کانرڈ مقدس صلیبی مملکت کے جائز حقدار ہیں۔۔۔“

پھر شاہ فرانس نے اپنا فیصلہ نافذ کر دیا۔

”مبارک۔۔۔ کانرڈ کو شاہ یروشلم بننا مبارک ہو۔“

کانرڈ کی آنکھیں فرط مسرت سے چمک اٹھیں اس نے کس آسانی کے ساتھ یروشلم کے تخت و تاج کی بازی جیت لی تھی۔

اچانک گائی لو گمنان کے بھائی جافری نے تلوار سونت لی اور کانرڈ کو ڈبل لڑنے کی دعوت دی۔ مگر لوگوں نے اسے تھام لیا۔ پھر بزرگ اساقفہ کے طبقے سے یروشلم کا بوڑھا اسقف اعظم ہرکلیس پطرس اپنی کھلی آستین والے بازو لہرا ہوا اٹھا اور شاہ فرانس سے مخاطب ہو کر بولا۔

”جناب آگسٹس! یروشلم کی مقدس سلطنت لیبروں کا مال نہیں ہے آپ

یوں بانٹ رہے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“

شاہ فلپ کی پیشانی پر ناگواری کی سلوٹیں نمودار ہوئیں۔۔۔ پطرس بارہ نے جواب دیا۔

”پھر دین صلیب کی خلاف ورزی اور بے حرمتی کرنے والا شخص کی مقدس سلطنت کا تاجدار کس طرح بن سکتا ہے؟“

آرچ بشپ کی تقریر نے کانزڈ کی جیتی ہوئی بازی شکست میں بدل دی۔ لوگ ان شادیوں کے بارے میں معلومات چاہتے تھے۔ آخر خود کانزڈ کو دھوکہ دینا پڑی اس کی آواز صدمہ کے مارے تھر تھرا رہی تھی۔ اس نے کہا۔

”مانسٹرٹ کی رئیس زادی کو میں نے روانگی سے پہلے ہی طلاق دے دی تھی اور قسطنطنیہ میں رومی شزادی سے اس لیے شادی کر لی تھی کہ قیصر کو صلیب پر آمادہ کر سکوں مگر جب وہ جہاد پر تیار نہ ہوا تو رومی شزادی سے نکاح بھی ٹوٹ گیا۔۔۔“

”یہ غلط ہے۔۔۔“

شاہ رچرڈ نے جواب تک خاموش تھا۔ پہلی مرتبہ گفتگو میں حصہ لیا۔

”روم کی ایک شزادی موہن قبرص سے میرے ساتھ آئی ہے میں اسے کانزڈ اور قیصر کی ہمیشہ کے عقد کی تصدیق کر چکا ہوں۔ وہ نکاح آج ہی ہوا ہے اور رومی شزادی قسطنطنیہ میں بیٹھی اپنے شوہر کانزڈ کی واپسی کا انتظار کر رہی ہے۔“

اس انکشاف سے کانزڈ پر گویا بجلی گر پڑی۔۔۔ وہ جانتا تھا اگر یہ بات ثبوت کو پہنچ گئی تو ازاتیل کو اس سے علیحدگی اور طلاق کا قانونی حق حاصل جائے گا۔ وہ مردہ سی آواز میں بولا۔

”ہو سکتا ہے۔ قبرصی شزادی کو فتح مناکت کا علم نہ ہو۔ لیکن میں کبیر کو یقین دلاتا ہوں۔ قیصر روم کی ہمیشہ سے اب میرا کوئی تعلق نہیں۔“

شاہ فلپ نے فوراً اس کی حمایت کی۔

”کچھ بھی ہو اس جھگڑے کا تصفیہ بعد میں ہو سکتا ہے۔ اس وقت مارکوٹ کانزڈ اس عورت کا جائز اور قانونی شوہر ہے۔ جو یروشلم کے تخت کی وارث ہے۔ اس لیے اب کانزڈ ہی صلیبی مملکت کا بادشاہ ہو سکتا ہے۔“

رچرڈ جوش جذبات میں اپنی سرخ عبائر اتار رہا تھا اس نے شاہ فرانس فیصلے کو ٹھکرا دیا اور کہا۔

”مذہبی ریاستوں کے حکمران مذہبی عذر کے بغیر تبدیل نہیں ہو سکتے۔“

”وقت کے بعد ازاتیل کی جانشینی کا فیصلہ غلط اور سراسر احمقانہ تھا۔ کیونکہ جیتی ہوئی زندگی و سلامت ہے اور اس کی زندگی میں کوئی دوسرا نواب یا شہزادہ نہیں بن سکتا۔“

”کیوں نہیں بن سکتا۔۔۔؟“

شاہ فلپ کی آنکھوں میں ایک چیلنج تھا۔

”جناب فلپ! ہم ایشیاء میں عسکریں بانٹنے اور بادشاہتیں تقسیم کرنے نہیں چاہتے۔ ہماری آمد کا مشترک مقصد جہاد صلیب اور شاہ یروشلم گائی لو گننان کے ہاتھوں کو بحال کرنا تھا۔ جس کی سلطنت عربوں نے چھین لی تھی۔ جس طرح گائی لو گننان کا مقصد تبدیل نہیں ہوا۔ اسی طرح گائی کو بھی بادشاہت سے الگ نہیں کیا جاسکتا۔ اگر کوئی شخص اس قسم کا ارادہ کرتا ہے تو اسے اپنی تلواروں کا شمار کرنا چاہیے۔ تلوار ہی بادشاہوں کو تخت پر بٹھاتی اور تلوار ہی انہیں معزول اور طرف کر سکتی ہے۔“

رچرڈ کے ان الفاظ پر ایوان میں جیسے زلزلہ سا آگیا۔۔۔ پھر ٹپلوں نے ب زبان نعرہ لگایا۔

”شاہ یروشلم گائی لو گننان کے لیے تلواریں بلند کرو۔۔۔“

دسج و عریض ایوان میں ایک سرے سے دوسرے سرے تک تلواریں بلند ہو گئیں۔ ان میں رچرڈ شیردل کاؤنٹ ہنری اور بالیان آف ایلین کی تلواریں بھی شامل تھیں صرف فرانس، مانسٹرٹ آف پیزا کے سرداروں، نائٹوں کی تلواریں بلند نہ ہو سکیں جن کی تعداد ایک چوتھائی سے بھی کم تھی۔

کانزڈ کی آنکھوں میں دیرینا رقص کرنے لگیں۔ ایوان کی بھاری اکثریت نے گائی لو گننان کے حق میں فیصلہ دے دیا تھا۔ شاہ فرانس کو بھی اپنی قیادت کا علم سرنگوں ہوتا نظر آیا۔

وہ غصہ میں بیچ و تاب کھاتا ہوا اٹھا۔

”رچرڈ! تم مجھے تلواریں دکھا کر مرعوب کرنا چاہتے ہو۔ مگر یاد رکھو میں تلواروں سے نہیں ڈرتا۔ آج تمہیں جہاد صلیب کا مقصد یاد آیا لیکن خود ایک سال تک کیا کر رہے ہو۔۔۔؟ اسی سفر کے دوران تم نے سسلی پر حملہ کیا اور پراگریزی پر چم لہا دیے۔ ان جزیروں پر قبضہ کرتے وقت تمہیں کردیڈ کا مقصد کیوں یاد نہ آیا۔ تم گائی لو گننان کی بحالی کو ایک مشترک مقصد قرار دیتے

ہو۔ کیا اسی مشترک مقصد کے تحت قبرص کی فتح سے فرانس کو بھی حصہ تیار ہو؟“

رچرڈ کے ہونٹوں پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ نمودار ہوئی۔۔۔ وہ اپنے ہاتھ لہراتے ہوئے بولا۔

”شیر تو اپنے شکار سے دوسروں کو حصہ دینے کا عادی ہے۔ میں قبرص نصف حصہ شاہ فرانس کی نذر کرتا ہوں۔“

شاہ انگلستان اس کے ایک فقرے نے تمام جھگڑے کا خاتمہ کر دیا۔ لوگوں نے تالیاں بجائیں اور فلپ نے محسوس کیا کانرڈ کے شاہی استغاثہ کے وہ اپنی سپہ سالاری کا مقدمہ بھی ہار چکا ہے۔ کیونکہ ایوان کی تین چار تلواریں رچرڈ کی حمایت میں بلند ہوئی تھیں۔

مجلس کبیر نے اپنا پہلا فیصلہ واپس لے لیا جس میں ازائیل کو سب کی جگہ قرار دیا گیا تھا اور گائی آف لوگنن کو یروشلم کا بادشاہ تسلیم کر لیا۔ فلپ رچرڈ کی باہمی مفاہمت سے اس فیصلہ میں یہ اضافہ بھی کیا گیا کہ زندگی بھر شاہ یروشلم رہے گا۔ لیکن اس کی وفات کے بعد مارکوئیس کانرڈ یا اس کا بیٹا جو ازائیل کے بطن سے ہوگا۔ تخت و تاج کا وارث قرار دیا جائے گا۔ اگر گائی کی زندگی ہی میں فوت ہو جائے اور اس وقت ازائیل کے بطن سے اس کوئی لڑکا نہ ہو تو شاہ انگلستان رچرڈ شیردل کو اختیار ہوگا وہ جسے چاہے یروشلم بنادے بشرطیکہ اس وقت رچرڈ خود بھی ایشیاء میں موجود ہو۔

تمام لوگوں نے اس فیصلے پر اتفاق کیا کہ کانرڈ اگرچہ اپنی بازی ہار بیٹھا مگر آئندہ کے لیے یروشلم کے تخت و تاج کا وہ اکیلا ہی امیدوار تھا۔ یہی بات اس کے اطمینان کا باعث ہوا تھا۔ جب وہ شاہ فرانس کے ہمراہ ایوان سے باہر تو سرگوشیانہ لمحے میں بولا۔

”جناب آگنس، جزیرہ قبرص کا حصہ طلب کرنے کی بجائے آپ نے قبرصی شہزادی کا مطالبہ کیا ہوتا تو کیا خوب تھا۔ وہ واقعی ایک جنگلی مگال ہے میرا خیال ہے رچرڈ سارے جزیرہ سے دستبردار ہو جاتا لیکن سوسن کو کبھی اس سے نہ جانے دیتا۔۔۔“

نہ چلتے چلتے رک گیا پھر کانرڈ کو گھورتے ہوئے کہنے لگا۔
”مارکوئیس جو بادشاہ حسین عورتوں سے پیار کرتے ہیں۔ سلطنت سے“

”بہنٹے ہیں۔“ کانرڈ کے دل پر ایک دھچکا سا لگا۔ اچانک اس نے محسوس کیا اس کی اپنی ذلت و ناکامی کا باعث بھی چند حسین عورتیں ہی تھیں۔

دوسرے روز کانرڈ ملکہ ازائیل کے ہمراہ صور روانہ ہو گیا۔ اس کے پیچھے قلب آگنس نے بھی جو ذہنی طور پر بیمار ہو چکا تھا۔ علاج و آرام کے لیے موری کا سفر کیا جہاں کانرڈ نے اس کا شاہانہ استقبال کیا۔

”عرب سفیر شرف باریابی چاہتے ہیں۔ ان کا سردار وہ عرب حکیم ہے، جس کا نام جہ کا علاج کیا تھا۔“

”آہا..... ابن ہشام خود آگیا..... خداوند کی قسم یہ تو کوئی معجزانہ تصرف ہے۔“

تھوڑی دیر بعد کرد رسالہ کا سردار اپنے چار ساتھیوں کے ہمراہ کمرے میں حاضر ہوا، اس نے بادشاہ کو سلام کیا۔ مزاج پوچھا اور اپنے آقا ملک العادل کا رخصت کیا۔ رچڑ نے پوچھا۔

”ابن ہشام کیا تم صلیب مقدس، زر فدیہ اور ہمارے قیدی لے کر نہیں جاتے، جن کی واپسی کا وعدہ سلطان نے کیا تھا؟“

”میں سلطان معظم کا پیغام لے کر آیا ہوں۔ وہ فرماتے ہیں، ایک بات دو باتوں میں سے آپ قبول کر لیں یا تو پہلی قسط کی ادائیگی کے ساتھ ایک تہائی سال قیدی بھی رہا کر دیئے جائیں یا پھر زر فدیہ عیسائی قیدیوں اور صلیب کے لئے میں ہمیں ضمانت دی جائے کہ ان چیزوں کو وصول کرنے کے بعد ہمارے لوگوں کو رہا کر دیا جائے گا۔ سلطان عالی چاہتے ہیں، ضمانت آدمیوں کی ہونی ہے۔ جو ہمارے پاس بطور یہ غمال رہیں گے۔ مسلمانوں کی رہائی کے ساتھ ہی ہم بھی رہا کر دیا جائے گا۔“

یہ سنتے ہی رچڑ مشتعل ہو گیا۔

”اس کا مطلب ہے سلطان لیت و لعل کر رہے ہیں، انہیں چاہیے۔ وہ زر فدیہ ادا کریں۔ ہمارے قیدی چھوڑ دیں۔ صلیب الصلوب لوٹا دیں اور مسلمانوں کے متعلق ہمارے وعدے پر اعتبار کریں۔“

”افسوس ہے سلطان ضمانت لیے بغیر اب نصرانیوں کے کسی وعدے پر اعتبار نہیں کر سکتے۔“

”تو تم سفیرین کر عکا میں ہماری جاسوسی کرنے آئے ہو؟“ اچانک رچڑ نے لشکر کا رخ بدل دیا۔ پہلی مرتبہ جب تم جین کو چھوڑنے آئے تو تمہارا اصل مقصد قلعہ کے عرب افسروں کو خوراک کے ذخیرہ سے مطلع کرنا تھا۔۔۔ کیوں نہ یہ درست ہے نا؟“

الین نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ رچڑ کہنے لگا۔

”دوسری مرتبہ تم نے اپنے سواروں کے ہمراہ ٹوردن کی چھاؤنی پر حملہ کیا

رومال اور آنسو

رچڑ ابھی ابھی اپنے فوجی جرنیلوں اور مارشلوں کو رخصت کر کے ہوا جن سے وہ نئے محاذ اور نئی جنگ کے متعلق مشورے کرتا رہا تھا۔ بالڈون ڈی کیرو کی بیٹی گریٹا کی پراسرار گمشدگی کے بارے میں انگریز جہاز کے افسر اعلیٰ الین اسٹیل کی رپورٹ سن رہا تھا جو تھوڑی دیر قبل عکا کی چھاؤنی سے اہم خبریں لے کر آیا تھا۔

عکا کے شاہی محل میں تاؤ کے درختوں کے سائے طویل ہو گئے تھے۔ کی چھتریوں کی ٹھنڈی چھاؤں محل کے دروازوں اور درپچوں پر بھول رہی اور کمرہ خاص کے اندر بادشاہ کے عقب میں کھڑی شامی کینیزیں مورچہ لگ رہی تھیں۔ فلسطین کی روایتی گرمی نے شاہ انگلستان کو پریشان کر رکھا تھا کیونکہ اور ٹھنڈے پانی کا ذخیرہ جو عرب سلطان سے بطور تحفہ حاصل کیا جاتا تھا۔

الین اسٹیل نے جو کئی روز سے گریٹا کی تلاش و جستجو میں سرگرداں بادشاہ کو بتایا کہ بنت کیرو عربوں کی چھاؤنی میں موجود نہیں۔ اس لئے شہر جین بھی آہنچی وہ اپنی عزیز از جان سیلی کے لیے بے حد غمگین و پریشان اچانک بادشاہ نے ایک شبہ کا اظہار کیا۔

”ہو سکتا ہے ابن ہشام نے اسے بغداد یا دمشق روانہ کر دیا ہو۔“

”مگر مجھے پتہ چلا ہے، ابن ہشام نے کسی انگریز لڑکی کو گرفتار کر لیا تھا۔“

”تو کیا فادر بولاری کا بیان غلط ہے۔“

رچڑ نے خشمگین لہجے میں کہا اور الین کے چہرے پر نگاہیں گاڑ دیا۔

اثنا میں شاہی گارڈ ولیم نے حاضری دی اور بتایا۔

اف۔۔۔۔۔ دل کی دھڑکن نہ جانے کیا کہہ رہی ہے۔ اس نے گلابی پردے پر ہاتھ سے ہٹایا اور کانپتا ہوا ہاتھ ہولے سے دروازے پر رکھا۔ فوراً ہی اس نے چل گیا دروازہ اندر سے بند ہے کنیز نے اسے بتایا تھا دروازے کے دروازے والا درپچہ کھلا رہتا ہے جس کے آگے دبیز پردہ لگتا ہے۔

برنگیریا ہولے ہولے درپچے کے پاس پہنچ گئی۔۔۔ تیز تیز گمرے سانوں کی آواز نے اس کے خون کی حرکت تیز کر دی تھی۔ یقیناً وہ گمری نیند سو رہا ہے اس نے درپچے کا دبیز پردہ ہٹایا اور قدیلوں کی روشنی میں جو گمرے کے اندر چلی تھی۔ بادشاہ کی مسمری پر نگاہ ڈالی۔

افوہ۔۔۔۔۔ اس کی نظروں کے سامنے ایک سرخ ہیولا سا تھر تھرا کے رہ گیا۔ یہ سرخ ہیولا جسے وہ ٹورون کی چھاؤنی میں بھی بادشاہ کے خیمہ خاص کے آس پاس لراتے دیکھ چکی تھی۔

برنگیریا کے ہوش و حواس پر جیسے بجلی می گر پڑی کیونکہ وہ سرخ ہیولا کوئی نام نہ نہ تھا۔ کوئی خواب نہ تھا۔

سرخ لباس میں ملبوس ایک دوشیزہ تھی۔ جس نے درپچے کا پردہ ہٹتے ہی بادشاہ کی مسمری پر حرکت کی۔ اسی لمحے بادشاہ خود بھی کسی زخمی شیر کی طرح اب کراٹھا۔ درپچے کے خلاء میں اس نے برنگیریا کا چہرہ دیکھ لیا تھا جو کسی مورتی مانند ساکت و جامد کھڑی تھی۔

برنگیریا۔۔۔۔۔ برنگیریا۔۔۔۔۔

بادشاہ کی آواز کپکپا رہی تھی۔ لیکن برنگیریا اس کی طرف متوجہ نہ ہو سکی۔ تو کم سم کھڑی اس سرخ ہیولے کو دیکھ رہی تھی۔ جس نے ہولے ہولے اپنی شہزادی گل سوسن کی شکل اختیار کر لی تھی۔

تو اس کا شوہر۔۔۔۔۔ انگلستان کا بادشاہ اس قبرصی حسینہ سے محبت کرتا ہے۔ وہ بطور پرنسپال ساتھ لایا تھا۔۔۔۔۔

آہ وہ ننھا سا خطرہ۔۔۔۔۔ جو ٹورون کی چھاؤنی میں ناگن کی طرح سرسراتا ہے۔ آج راز محبت بن کر فاش ہوا تھا۔

یہ نظارہ برنگیریا کے ہوش و حواس چھین لینے کے لیے کافی تھا۔ بادشاہ کے ایک اجنبی دوشیزہ تھی۔ جو اب سمٹ سمٹا کر جنگلی گلاب کی شاخ کی طرح

ہسپانوی کنیز نے اس کے بال سنوارے۔ رنگین جوڑا پہنایا۔۔۔۔۔ بال خوشبو لگائی، گالوں پر غازہ ملا اور ہونٹوں پر سرخی لگا کر انار کے پھولوں کی سرخ بنا دیا۔ برنگیریا واقعی پہلی رات کی دلگن نظر آنے لگی۔۔۔۔۔ جب آئینے میں عکس دیکھا تو اپنے حسن و جمال کو دیکھ کر اس کے لبوں پر ہلکا سا بکھر گیا۔

”میرا خیال ہے وہ مجھے اس لباس میں دیکھ کر تڑپ اٹھے گا۔“
”خداوند۔۔۔۔۔ آپ بادشاہ کا دل جیت لیں۔۔۔۔۔“ اس دعا کے ساتھ نے اپنی مالکن کو رخصت کیا۔



شاہی محل پر آج خلاف معمول جلد ہی خاموشی چھا گئی۔ اگست کی رات ناگن کی مانند ہولے ہولے ریگ رہی تھی۔ بادشاہ کے کمرہ خاص ملحقہ غلام گردش میں قدیلوں روشن تھیں۔ جن کی مدھم مدھم روشنی خواب بن کر انگڑائیاں لے رہی تھی۔

گلابی پردے ساکت و صامت تھے اور قدیلوں کی شعاعوں میں ان کی سلوٹیں روشن لکیروں کی طرح چمک رہی تھی۔ شائد بادشاہ کی کنیز خاص بھی رخصت ہو چکی تھی۔ کیونکہ کمرے کے آس پاس کسی ذی روح کا سایہ نظر نہ آتا تھا۔ اس کے سکاٹ محافظ یقیناً صدر دروازے پر پردہ دے رہے گے کیونکہ وہ رات کو ایک لمحہ کے لیے بھی آرام نہ کرتے تھے۔

برنگیریا ایسے نرم قدموں سے غلام گردش میں چلنے لگی۔ کہیں بادشاہ کے پاؤں کی چاپ سن کر بیدار نہ ہو جائے۔ وہ جانتی تھی جس رات وہ براہ ہوتا ہے۔ زیادہ دیر تک نہیں جاگتا بلکہ جلد سو جاتا ہے۔ پھر بھی اس کی نیند سی ہوتی ہے جو معمولی سرسراہٹ پر بھی چونک کر آنکھیں کھول دیتی ہے۔

برنگیریا چاہتی تھی آج رات وہ اپنے محبوب بادشاہ کو خود جگائے۔ خاموشی سے جا کر اس کے ہونٹوں پہ اپنے ہونٹ رکھ دے جن کے گرم لمس سے وہ خود بخود بیدار جائے۔ اس کے دل میں سینکڑوں میں تمنائیں لہروں کی مانند ابھر ڈوب رہی تھیں اور پاگل دل و فور مسرت سے بری

ریشی پردوں کے عقب میں کھڑی تھی۔

بادشاہ دریچہ کے سامنے پہنچ چکا تھا اور اس کی آنکھوں سے نم
چنگاریاں سی از رہی تھیں۔۔۔

”برنگیریا۔۔۔ تو کیوں آئی تھی یہاں۔۔۔ کس نے بلایا تھا تجھے۔“

یہ سوال احقانہ ہی تھا۔۔۔ برنگیریا نے کوئی جواب نہ دیا اور نماز
کے ساتھ واپس مڑی، بادشاہ نے اس خطرے کو بھانپ لیا۔

اب برنگیریا کی رفتار ایک ملکہ کی رفتار تھی۔ پر وقار۔۔۔ پر تمکن
کسی بے ہودہ منظر کو دیکھنے کی تاب نہ رکھتی تھی۔ کسی بے ہودہ سوال کا
دینے کے لیے تیار نہ تھی۔

بادشاہ نے لپک کر دروازہ کھولا اور غلام گردش میں تیز تیز قدموں
واپس جاتی ہوئی ملکہ کو آواز دی۔۔۔

”برنگیریا۔۔۔ ٹھہرو۔۔۔“

نوارے کی حسینہ جو تھوڑے دن پہلے رچرڈ کی محبوبہ تھی۔ رک گئی۔
اس نے پلٹ کر نہیں دیکھا۔

وہ اپنے عقب میں بادشاہ کے قدموں کی چاپ سنتی رہی۔ جو بدترجی تو
اور قریب آ رہی تھی۔ پھر وہ چپ چاپ اس کی پشت پر آکر رک گئی۔ اب
نے بادشاہ کی آواز سنی وہ کہہ رہا تھا۔

”برنگیریا۔۔۔ ہم تم سے کچھ باتیں کرنا چاہتے ہیں۔“

وہ ایک لمحہ خاموش رہ کر کمال متانت سے بولی۔

”بادشاہ اس وقت ملکہ انگلستان سے مخاطب ہیں۔۔۔“

رچرڈ کی نبضوں میں خون کی روانی مدھم پڑ گئی۔۔۔ کچھ سوچ کر اس
جواب دیا۔

”بادشاہ ملکہ انگلستان کے ساتھ اپنے کمرہ میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں۔“

دونوں پلٹے اور آگے پیچھے چلتے ہوئے کمرہ میں واپس آئے۔ برنگیریا

حیرت سے ادھر ادھر دیکھا۔

سرخ بیولا۔۔۔ جنگلی گلاب کی شاخ کمرے میں موجود نہ تھی۔

لیکھت اسی طرح غائب ہو چکی تھی۔ جس طرح ٹورون کے شاہی میوں
چھلاوے کی مانند روپوش ہو جاتی تھی۔ بادشاہ نے خود ہی اس کی حیرانی

”وہ جا چکی ہے اور ہم اطمینان سے باتیں کر سکتے ہیں۔“

”اطمینان۔۔۔“

ملکہ درد انگیز لہجے میں بولی۔

”وہ تو اس کے جانے سے پہلے ہی رخصت ہو چکا۔۔۔“

”برنگیریا! ہم چاہتے ہیں تم کسی سے بھی اس واقعہ کا ذکر نہ کرو۔۔۔“

”کیا بادشاہ کے بستر پر ایک اجنبی عورت کی موجودگی جرم نہیں۔۔۔“

”ملکہ کا بادشاہ کو زہر پلانا بھی تو جرم تھا۔۔۔“

برنگیریا سمجھ گئی۔ وہ اس غلطی کی قیمت طلب کر رہا ہے۔ جو اس سے آرج

آف سلسبری کی ایکٹ پر سرزد ہو چکی ہے۔

وہ سوچ میں پڑ گئی۔ بادشاہ پھر بولا۔

”اگر تم انگلستان کی ملکہ رہنا چاہتی ہو تو اپنی زبان پر قفل ڈال دو، جو کچھ

نے دیکھ لیا ہے وہ کسی کو معلوم نہ ہونا چاہیے۔“

برنگیریا کانپ اٹھی۔۔۔ رچرڈ نے اس سے بہت بڑی قربانی طلب کی تھی۔

ایسی قربانی جو عورت کی طاقت اور فطرت سے بعید ہے۔ اس کے ہونٹ

اے اور آنسوؤں کے دو موٹے قطرے گلابی عارضوں پر بنے لگے۔

”بادشاہ کو مطمئن رہنا چاہیے۔ آج کا واقعہ راز ہی رہے گا۔“

برنگیریا نے جواب دیا۔

”ا وہ برنگیریا۔۔۔“

پاری برنگیریا۔۔۔“

رچرڈ نے والہانہ انداز میں ملکہ کو آغوش میں لے لیا۔۔۔ اور گلابی رومال

اس کی آنسو پونچھنے لگا۔

بیز ٹین شہزادی افراتفری اور گھبراہٹ کے عالم میں اپنا گلابی رومال مسہری

ناگئی تھی۔

عربی سفارت

تیسرے روز عربوں کی طرف سے ایک اور سفارت آئی۔ عرب پچاس سواروں کا ایک دستہ وفد کی حفاظت کے لیے ساتھ آیا تھا۔ جب نے اسلامی وفد کو آتے ہوئے دیکھا تو مسرت انگیز قیاس آرائیاں کرنے لگا "شاہ سلطان نے صلیب اعظم بھیج دی ہے۔"

سفارتی وفد میں عموماً "پانچ سات ارکان شامل ہوتے تھے۔ لیکن پچاس سے زائد سواروں پر مشتمل تھا۔ اس لیے افرنگی یہی سمجھے "الصلوب لے کر آ رہے ہیں۔ جب وہ عکا کے دروازے پر پہنچے تو افرنگ ہو گئے۔ عرب سواروں کے پاس صلیب الصلوب کی بجائے چمکتے ہوئے تھے۔

شاہ فرانس اپنے حلیف شہزادہ مارکوئیس کانزڈ کے ہمراہ صور کی طرف ہو چکا تھا۔ جہاں کانزڈ کی میزبانی قبول کرنے کے علاوہ اسے جنگ صلیب متعلق خفیہ ہدایات بھی دیتا تھیں۔

اگرچہ فلپ سپہ سالاری کی اور کانزڈ بادشاہت کی بازی ہار گئے تھے رچرڈ نے اپنی ضد کے سامنے ان کی ایک نہ چلنے دی۔ لیکن تدبیر کے ترکہ ابھی کئی تیر باقی تھے۔

پہلا تیر شاہ فرانس کی واپسی اور دوسرا تیر کانزڈ کی جنگ سے علیحدگی وہ اپنی فوج اور بحری بیڑے کے ہمراہ عکا سے رخصت ہو گیا تھا۔ دونوں اپنے حصہ کے مسلمان قیدی بھی ہمراہ لے گئے تھے۔ وہ صور میں بیٹھ کر رہے خلاف تیسرے اور آخری تیر، آخری حربہ کے متعلق سوچ بچار کر رہے آخری حربہ "تیر قضا" ہونا چاہیے۔ رچرڈ ان کے ارادوں سے غافل نہ تھا۔ کانزڈ کا قابل اعتماد جاسوس ایلن آف شیل جو کئی دن اسلامی چھاؤنی میں گزارا عربوں کے خطرناک ارادوں کی خبر لایا تھا۔ کانزڈ کا متعمد خاص بن کر اسے ساتھ صور چلا گیا۔ اب رچرڈ کے دور امارت میں عربوں کی پہلی سفارت دروازے پر کھڑی تھی۔ اس نے اپنی شان و شوکت کے اظہار کی خاطر صلیب کو دربار میں حاضری کا حکم دیا اور اپنے فوجی نائب کاؤنٹ ہنری کو سردار کے استقبال کے لیے قلعہ کے دروازے کی طرف روانہ کیا۔

تھوڈی دیر کے بعد جب وہ ملکہ برنگیریا، شہزادی جین، بیڑ غنیمتی شہزادہ سوسن اور اپنی بھانجی ورجینا کے ہمراہ عکا کے ایوان خاص میں داخل ہوئے

شہزادے، نائٹ اور اعلیٰ فوجی جرنیل بصد شان و تمکنت درجہ بدرجہ کے ساتھ پہنچے۔ ایک طرف اساتذہ و بطارقہ اور پیشوایان صلیب لیے لیے پہنچے اور ہاسٹلوں کے خونخوار سردار تنگی تلواریں لیے دروازے کے دائیں اور بائیں طرف قطار ا ستادہ تھے۔ رچرڈ نے دربار کا یہ نقشہ دیکھا تو اس کا سر فخر سے اونچا ہو گیا۔ وہ اس دربار کا میر مجلس اور جہاد صلیب کا بلا شرکت غیر ہونے والا تھا۔ اس کے دونوں حریف صور کی طرف بھاگ گئے تھے۔ وہ وطمطراق کے تخت شاہی پر بیٹھا، ملکہ برنگیریا اس کے شانہ بشانہ اور دو شہزادیاں دائیں بائیں بیٹھیں۔ پھر اس نے عرب سفیر کو حاضری کا حکم دیا۔

سب سے پہلے ایوان میں ایک مصری مملوک داخل ہوا۔ وہ بادشاہ کی طرف آگے آگے قدموں بھاگتا ہوا آیا اور دربار صلیب کے وسط میں پہنچ کر گھٹنوں پر ٹک گیا اور اپنے پیچھے آنے والے عرب سردار کو ترکوں کا مخصوص سلام کرنے لگا۔ اس کا دایاں ہاتھ تیزی کے ساتھ پہلے سینے پر لہرایا پھر لیوے تک "اور "خیالی بوسہ" دیتا ہوا پیشانی کی سیدھ میں بلند ہو گیا۔ بادشاہ کے دربار میں عربی مملوک کی اس گستاخانہ آمد اور تخت شاہی کو تعظیم دینے کی بجائے امیر وفد کا مخصوص سلام پیش کرنے کا طریق اہل دربار کو حیران و ششدر کر دینے کے بہ کافی تھا۔ جس سے انہوں نے ایسی اندازہ لگایا آنے والا سفیر عربوں میں کوئی معمولی حیثیت رکھتا ہے۔

عرب سفیر کے بدن پر زرد عبا اور سر پر سیاہ عمامہ تھا۔ جس کے شملہ سے اس نے اپنا نصف چہرہ ڈھانپ رکھا تھا۔ عقب میں چھ مملوک اور چھ کرد اس کے گرد ایک حلقہ بنائے داخل ہوئے۔ میانوں میں ان کی خمدار تلواریں آویزاں تھیں اور ہاتھ ان کے دستوں پر تھے۔ اپنے سردار کو مخصوص سلام کرنے کے بعد پہلا مملوک بھی ایک طرف ہٹ گیا اور اب عرب سفیر شاہ رچرڈ کے سامنے بادشاہ کھڑا تھا۔ آداب سفارت کے مطابق اس نے بادشاہ کو ہاتھ کے اشارے سے سلام پیش کیا اور پیپرس کا گول کیا ہوا نامہ لہرا کر بولا۔

"سلطان اسلام صلاح الدین یوسف ایہ اللہ کی طرف سے شاہ صلیب رچرڈ کے لیے۔"

اچانک ایک عیسائی نائٹ تخت شاہی کے عقب میں کھسکا ہوا رچرڈ کے قریب پہنچا اور سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔ "عالی جاہ! سفیر کے روپ میں خود صلاح

”ابن ہشام معاہدہ ہی کے متعلق پیغام لے کر آیا تھا۔ مجھے امید ہے اس سلطان عالی کا پیغام پہنچا دیا ہوگا۔“

”ہمیں وہ پیغام منظور نہیں۔ سلطان اپنے اسیروں کا زر فدیہ ادا کریں۔ یہ عظیم لوٹا دیں اور ہمارے تمام قیدی رہا کر دیں۔ جب یہ تمام مطالبات رے ہو جائیں گے، ہم تمہارے قیدیوں کو چھوڑ دیں گے۔“

”لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے۔ مطالبات کی مکمل ادائیگی کے بعد تم رے ساتھیوں کو رہا کر دو گے؟“

”سلطان کو ہمارے وعدے پر یقین کرنا چاہیے۔“

”صرف وعدے پر؟“ ملک العادل کے لہجے میں نشتر کی سی تیزی تھی۔ سلطان معظم نے اس سے پہلے یروشلم کے بادشاہ گائی کے وعدے پر اعتبار کیا تھا۔ اگر اسے رہا کر دیا جائے تو وہ کسی قیمت پر سلطان کے خلاف تلوار نہیں مائے گا لیکن تمہارا صلیبی بادشاہ اس وعدے پر قائم نہ رہا۔“

اس بیان پر گائی لو گمنان کی گردن شرم سے جھک گئی اور ملک العادل چڑ سے مخاطب ہو کر بولا۔

”شاہ انکثار! جب تک تم اپنے وعدہ کی کوئی ضمانت نہ دو۔ سلطان معظم کی وعدہ پر اعتبار نہیں کر سکتے۔“

”ملک العادل! ہم فاتح ہیں۔ سلطان کو ہماری بات تسلیم کرنا پڑے گی اور ہائی قیدیوں کے ساتھ اب یروشلم کے اسقف اعظم مقدس ہرکولیس پطرس کی جان بولیا کو بھی رہا کرنا ہوگا۔ جسے سلطان کے بیٹے ملک الظاہر نے گرفتار کیا تھا۔“

”شاہ انکثار! تم نے خود ثابت کر دیا تمہارے وعدے ناقابل اعتبار ہیں۔ اس کے معاہدہ صلح کا جو لیا سے کوئی واسطہ نہیں۔ مگر اب تم اس کا مطالبہ پیش کر کے اپنے معاہدہ سے منحرف ہو رہے ہو۔ جو لیا کے متعلق میرا جواب سن لو وہ

ہائی بادشاہوں کے مظالم سہتی اور جان تھیلی پر رکھ کر خود لشکر اسلام میں آئی اور بخوشی مسلمان ہو گئی۔ اب وہ جو لیا نہیں کلثوم (جو لیا کی دردناک داستان اور اسلام کا واقعہ قمر اخباری کے ”سلطان“ میں پڑھے) ہے اور ہم مسلمان خواتین کی حفاظت کرنا جانتے ہیں۔“

رچرڈ فرط جوش میں چیخ کر بولا۔ ”ملک العادل! مت بھولو۔ اس جنگ میں پورا یورپ ہمارے ساتھ ہے۔“ پھر اس نے نخوت سے شاہان صلیب کی طرف

الدین حضور کی خدمت میں حاضر ہے۔ سلطان کو ہمیں گرفتار کر لیجئے۔“

رچرڈ کرسی پر یوں اچھلا جیسے اسے کسی بچھو نے ڈس لیا ہو۔ پھر کرسی سے اٹھا اور ہاتھ لہرا کر بولا۔ ”بادشاہوں کے دربار میں سفیر منہ دہ نہیں آیا کرتے۔ سب سے پہلے ہم قاصد سلطان کا چہرہ دیکھنا چاہتے ہیں۔“

سفیر سنبھل کر کھڑا ہو گیا۔

”شاہ انکثار! ہمارا چہرہ دیکھ کر تمہیں ندامت ہوگی۔“

یہ کہہ کر عرب سفیر نے ایک جھٹکے سے سیاہ پنکا چہرے سے ہٹا دیا اور نشستوں پر شنزادی جین کے یا قوتی لبوں پر ایک چیخ سی رزپ کر رہ گئی۔

”ملک العادل۔“

دربار میں کئی ہونٹ تھر تھرائے۔ ”بردار سلطان ملک العادل۔“

”ہاں میں اللہ کا بندہ اور سلطان معظم کا قاصد ملک العادل سیف اور ہوں۔“

(والٹر سکاٹ نے اپنے ناول میں خود سلطان صلاح الدین کو سفیر کے روپ میں دربار میں پیش کیا ہے۔ لیکن یہ قطعی طور پر غلط اور بے اصل ہے۔ نہ تو سلطان نے کبھی نہ حکیم بن کر جیسا کہ بعض مغربی ناولوں اور فلموں میں دکھایا گیا ہے۔ وہ اصل اصول انسان تھا۔ اس کے نزدیک جب دو بادشاہ ایک میز پر اکٹھے ہو جاتے ہیں تو ان درمیان جنگ باقی نہیں رہتی۔ رچرڈ نے سلطان سے ملنے کی درخواست کی تھی۔ مگر اس نے اسے منظور نہ کیا۔ ان کی ملاقات صرف میدان جنگ میں ہوئی۔ قمر اخباری)

”ہم سلطان کے محترم سفیر اور اپنے دوست کو خوش آمدید کہتے ہیں۔“

کہہ کر رچرڈ ایک معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ پھر کرسی پر بیٹھ گیا۔

برادر سلطان نے اہل دربار پر ایک نظر ڈالی۔ پھر رچرڈ کی طرف دیکھا۔

”شاہ انکثار۔ میں مسلمان سفیروں کی بازیابی کے لیے آیا ہوں۔ جنہیں نے نظربند کر دیا تھا۔ سلطان عالی نے کہا ہے۔ عقل مند اور مذہب دار سفیروں کو گرفتار نہیں کرتے۔“

یہ فقرہ سنتے ہی رچرڈ کا چہرہ غصہ سے سرخ ہو گیا۔ وہ کرسی کی تھکی مارنے لگا۔ ”سلطان کو اپنے سفیر عزیز ہیں اور ہم سے معاہدہ عزیز نہیں؟“

اشارہ کیا۔ ”دیکھو، ہم بہت سے ہیں اور صلاح الدین اکیلا۔ ہم اسے رکھ دیں گے اور ایشیاء میں مسلمانوں کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔“
 ”لا حول ولا قوۃ الا باللہ“ ملک العادل نے آسمان کی طرف اٹھ کر کہا۔

شاہ اکتار! شاید تم نہیں جانتے ہمارے ایشیاء میں اہل یورپ کی قبول شدہ زمین بہت وسیع ہے۔ اگر تمہیں سلطان معظم کی شرائط منظور نہیں تو میں آئے کروں تو صرف سفیروں کی رہائی کے لیے آیا ہوں۔ اگر دنیا پر سفیروں اور قاصدوں کی گرفتاری کا اصول رائج ہوتا تو شاید تم مجھے بھی یہاں دیکھتے۔“

دربار پر سناٹا طاری ہو گیا تھا کوئی بھی نہیں جانتا عرب سفیر کب آئے کب گرفتار ہوئے۔ بوڑھے ابن ہنفری کے استفسار پر جب رچڑے تیار ہوئے پانچ عرب سفیروں کا روپ بدل کر آئے تھے۔ جنہیں جاسوسی کے شہر گرفتار کر لیا گیا۔ تو بوڑھے مسیحی سردار نے کہا۔

”بادشاہ سلامت سفیروں کو گرفتار کرنا دنیا کے کسی ملک میں جائز نہیں۔ لیے قیدیوں کو فوراً رہا کر دینا چاہیے۔“

بادشاہ نے بالڈون ڈی کیرو کو حکم دیا وہ ابن ہشام اور اس کے ساتھیوں قید خانہ سے نکال لائے۔ اس دوران بادشاہ ملک العادل سے گفتگو اور اس کی بہادری کی تعریف کرتا رہا کہ بالڈون خوفزدہ اور متعیر لوٹ آیا۔ اس نے بادشاہ کی قیدی فرار ہو چکے ہیں۔ ان کا کمرہ خالی پڑا ہے۔“
 اپنے بیان کی تصدیق کے لیے وہ افسر زندان کو بھی ساتھ لے آیا تھا۔ نے کہا۔

”آج صبح کا ناشتہ پہنچانے کے لیے جب سپاہی ان کی کوٹھڑی کی طرف وہ خالی پڑی تھی اور قیدیوں کا کہیں نام و نشان نہ تھا۔ تھوڑی دیر پہلے کوٹھڑی کی عقبی کھائی سے ایک پریدار رسیوں میں جکڑا ہوا ملا۔ جس کے میں کپڑا ٹھونس دیا گیا تھا۔ اس نے بتایا قیدی نصف رات کو پر اسرار طور باہر نکلے اور مجھے باندھ کر پھینک گئے۔ وہ جنوب مشرقی برج کی طرف تھے۔ افسر قید خانہ حیران تھا جب کوٹھڑی کے قفل کی کنجی بدستور اس کے تھی تو قیدی تالا کھول کر باہر کس طرح نکل گئے۔ شاید ان کے پاس کوئی

ملک العادل کو فرار کی اس کہانی پر یقین نہ آیا۔ اگرچہ رچڑے واقعہ سن کر حیرت میں ڈوب گیا تھا لیکن عرب سفیر اور اس کے ساتھیوں کی آنکھوں سے آنسو جاری تھا۔ بوڑھے ابن ہنفری نے یقین دلایا کہ بادشاہ ٹھیک کرتا ہے۔ پھر بھی جب تک قیدی اسلامی چھاؤنی میں نہیں پہنچ جاتے ہمیں یہاں نہ ہوگا۔ صورت حال اچانک ابھار رخ اختیار کر چکی تھی کہ ملک العادل کو پورا خالی ہاتھ لوٹنا پڑا۔ ایوان خاص سے نکل کر جب وہ قلعہ کے دروازہ کی طرف جا رہا تھا۔ اچانک ایک افرنگی سوار موڑ پر اس کے ساتھ آ ملا اور اپنا ہاتھ اس کے قریب کر کے سرگوشیاں لہجے میں بولا۔

”جان سلطان! ابن ہشام اور اس کے ساتھیوں کو میں نے رہا کیا تھا۔“ یہ سوار نے اپنے چہرے پر جھکی ہوئی چوڑی ٹوپی پرے ہٹائی جس نے اس کے منہ کو ڈھانپ سالیہ تھا۔

”شنزادی جین؟“

سوار نے فوراً ہی اپنی ٹوپی پھر جھکا لی اور عرب سفیر کے ساتھ چلنے لگا۔ واقعی وہ شنزادی جین ہی تھی لیکن اس نے اس خوبصورتی سے نارمن ارا کا روپ بھرا تھا کہ کوئی پہچان نہ سکتا تھا۔ بادشاہ کے حکم پر جب بالڈون ڈی قید خانہ کی طرف گیا جین بھی غالباً اسی وقت دربار سے غائب ہو گئی۔ رچڑے سے باتوں میں منہمک تھا۔ اس لیے کوئی بھی شنزادی کی غیر حاضری پر حیران نہ رہا۔ اس اثناء میں جب ملک العادل نے جین کی طرف دیکھا تو اس کی سست خالی دیکھ کر وہ دل ہی دل میں سوچنے لگا تھا۔ انگریز شنزادی اچانک دربار سے غائب کیوں ہو گئی۔ لیکن عرب قیدیوں کے فرار کی کہانی سننے کے بعد وہ اسے

چلتے چلتے جین نے پوچھا۔ ”جان سلطان! یہ جنگ کب تک جاری رہے گی۔“

”جب تک اللہ چاہے گا۔ جب تک اسلام کا آخری سپاہی زندہ ہے۔“
 ”اے خداوند!“ وہ کرب انگیز لہجے میں بولی۔ ”آپ صلح کی کوشش کیوں نہ کرتے؟“

”کیا صلح تمہیں پسند ہے؟“

”نہ جانے ملک العادل کے اس فقرے میں کون سا جادو تھا۔ شہزادی میں جذبات مچنے لگے۔ اس نے چہرے پر جھکی ہوئی ”تیلیوں کی ٹوکری“ اوپر اٹھایا اور عرب سردار کی طرف عشق انگیز نظروں سے دیکھنے لگی۔“

”یہی ایک صورت آپ کے قریب رہنے کی ہے۔ مجھے وہ دن آج ہے جب چیتے سے ڈر کر میرا گھوڑا موت کی بھیانک کھائیوں کی طرف بھاگا۔ آپ ایک فرشتے کی مانند اچانک نمودار ہوئے تھے اگر آپ نے مجھے گھوڑے پر منتقل نہ کر لیا ہوتا تو گھوڑے کے ساتھ میری بھی موت یقینی تھی۔“

”اوہ۔۔۔ وہ واقعہ تمہیں اب تک یاد ہے۔“

”میں وہ زندگی سے بھرپور لمحہ کیسے فراموش کر سکتی ہوں۔ وہ خوفناک مجھے بھول نہیں سکتا اور اس کا وحشی محافظ بھی جو شام کے اندھیروں میں اس زنجیر تھامے کبوتروں کے غار پر آیا تھا۔ شاید اس کا نام ضحاک ہے۔“

”ہاں۔ تمہارا حافظہ غیر معمولی ہے۔“ ملک العادل کے سرخ و سپید چہرے پر چھوٹی چھوٹی بھوری مائل سیاہ داڑھی جھلی لگ رہی تھی اور شہزادی جین کا بے اختیار اس کی طرف کھنچا جا رہا تھا۔ اچانک اسے کوئی بات یاد آگئی۔

”جان سلطان! میں اپنی سہیلی گریٹا کے لیے بہت فکر مند ہوں۔ کل رات جب میں نے ابن ہشام کو قید خانہ سے نکالا تو اسے بھی اپنے جذبات سے آگاہ دیا تھا۔ اس کے بغیر میں محل میں اداس اور تنہا ہوں۔“

”اگر وہ اسلامی معسک میں ہوتی تو کبھی کی واپس پہنچا دی گئی ہوتی۔“

”میرا یہ مطلب ہرگز نہیں۔ آپ اس ملک اور یہاں کے باشندوں کو ان طرح جانتے ہیں۔ میں نے سنا ہے یہاں بردہ فروش لڑکیوں کی تجارت کرتے ہیں۔ ضرور گریٹا بھی کسی ایسے گروہ کے ہاتھ جا پڑی ہے۔“

”میں اپنے جاسوس اس کی تلاش میں روانہ کروں گا۔“

”شکریہ! میں یہی چاہتی تھی۔“

”قلعہ کا دروازہ قریب آگیا تھا اور یہاں سے انہیں جدا ہونا تھا۔ جین آنکھوں میں کئی سوال تھے۔ ”میں نے صلح کی ایک تجویز بھیجی تھی۔۔۔“

”مجھے افسوس ہے سلطان عالی اس کا مضحکہ اڑائیں گے۔ وہ فلسطین میں افرنگی طاقت کا وجود برداشت نہیں کر سکتے۔ خواہ وہ کسی شہر کے چوتھائی حصہ

درندگی

ابن شداد بیان کرتا ہے عکا کی فتح کے بعد خدا کے بندے رنج و اشتعال سے ڈرانے ہو رہے تھے۔ بعض سردار چاہتے تھے وہ فوراً ”دشمن پر ٹوٹ پڑیں اور اسے فنا کر دیں یا خود فنا ہو جائیں لیکن سلطان جانتا تھا صلیبوں نے اپنی چھاؤنی کو گہری خندق سے محفوظ کر رکھا ہے اور اس حالت میں حملہ کار گر ثابت نہیں ہوگا۔ دوسرے روز اس نے چھاؤنی اٹھائی اور عکا سے کافی پرے ہٹ کر شہر عم میں ڈیرے ڈال دیے۔ مقصد صرف یہ تھا صلیبی یہ سمجھ کر اپنی چھاؤنی سے باہر نکلیں کہ مسلمانوں نے ڈر کے مارے چھاؤنی اٹھالی ہے۔ لہذا ان پر آخری ضرب لگائی جائے مگر صلیبی اپنی چھاؤنی سے باہر نہ نکلے۔ وہ عکا کے شراب خانوں اور غریب گاہوں میں دل بہلاتے رہے۔ جمادی الآخر کا پورا مہینہ اسی انتظار میں گزر

دشمنان کی بادشاہت کے حق میں فیصلہ دے دیا اور دوسرے روز شاہ فرانس
ہارڈ کے ساتھ صور چلا گیا۔ اس نے فرانس واپس جانے کا اعلان کر کے رچرڈ کی
قیادت کا راستہ صاف کر دیا تھا۔ سات رجب ہی کو حارث بن ہشام سلطان کا
لے کر عکا پہنچا تھا۔ جسے رچرڈ نے نظر بند کر دیا۔ ۹ رجب کو دوسری
غارت ملک العادل کی قیادت میں پہنچی۔ ہماؤ الدین ابن شداد کے بقول اسی روز
حسام الدین ابن باریک کے ہمراہ رچرڈ کے دو نمائندے شفرعم میں پہنچے اور
سلطان کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے کہا۔

”شریف ناٹ! ہمیں معلوم ہوا ہے۔ صلیب اعظم بغداد روانہ کر دی گئی
ہے۔“

سلطان نے اسی وقت صلیب الصلوب لانے کا حکم دیا۔ جب غلام صلیب
اعظم اٹھا کر لائے جو سونے کی پتروں سے منڈھی اور ہیرے جواہرات سے مرصع
تھی تو دونوں عیسائی اس کے سامنے سر سجد ہو گئے۔ انہوں نے زمین سے خاک
کی مٹھیاں بھر بھر کر سر پر ڈالیں اور مسیح کے مصائب کو یاد کر کے زار و قطار
رونے لگے۔ پھر صلیب کو بوسے دے کر لوٹ گئے۔

اپنے وعدے کے مطابق تاریخ مقررہ پر سلطان نے اسیران عکا کی رہائی کے
معاوضہ کی پہلی قسط (۱) صلیب الصلوب (۲) افرنگی قیدی (۳) اور ایک لاکھ دینار
میا کرنے کے بعد نصرانیوں کو پیغام بد بجا کہ پہلی قسط لے جاؤ۔ رچرڈ کے
نمائندے شفرعم میں پہنچ گئے۔ مگر مسلمان قیدیوں کی ایک تہائی ساتھ نہ لائے۔
انہوں نے کہا۔ ”سلطان ہمیں یہ سب چیزیں دے دیں۔ عکا میں پہنچ کر وہ قیدیوں
کی مقررہ تعداد (۹۰۰) رہا کر دیں گے۔ صلاح الدین جانتا تھا جو نئی صلیب
الصلوب عیسائیوں کے پاس پہنچ گئی وہ تمام وعدے بالائے طاق رکھ دیں گے۔
اس نے کہا ”یا تو مسلمان قیدیوں کی تہائی لیکر آؤ اور صلیب الصلوب ایک لاکھ
دینار اور اپنے قیدیوں کی تہائی لے جاؤ یا اس امر کی ضمانت دو کہ یہ اشیاء وصول
کرنے کے بعد تم واقعی ہمارے قیدیوں کو رہا کر دو گے۔ جب تک دو میں سے
ایک امر قبول نہ کرو گے ہم صلیب اعظم نہ دیں گے۔“

عیسائی نہ تو قیدی ہمراہ لانے پر تیار تھے نہ ضمانت دینے پر رضامند۔ رچرڈ
کے نمائندے ناکام لوٹ گئے۔ یہ ۱۵ اگست کا واقعہ ہے۔ اسی رات یروشلم کے
انتقف اعظم ہرکولیس پطرس آرچ بشپ آف سالبری، ہیوبرٹ والٹر اور اس

گیا۔ لیکن مینے کی آخری تاریخ کو صلیبی لشکر پوری طرح مسلح ہو کر اپنی جہاز
سے نکلے اور ہینڈ باجے بجاتے سلطانی فوج کے عقب میں جا پہنچے۔

جب دشمن کو اپنے بھٹ سے نکلنے دیکھا تو مسلمان بھی جلد جلد ہتھیار
لگے۔ بہت دنوں کے بعد ان کی تمنا پوری ہوئی تھی۔ دماغے اور دھول
لگے۔ ملیوں نے جنگ کے لیے سلطانی عقب کو پسند کیا تھا۔ وہ جنگی باجوں
آواز پر جھوٹے، فتح کے نشہ میں سرشار ہتھیار لہراتے لشکر اسلام کے عقب
حملہ آور ہوئے۔ عربوں کے پسندیدہ دشمن ٹمپلز اور ہاسپٹلز سب سے آگے
تھے۔ انہوں نے اپنے بازو پھیلا دیے اور نہایت ہوشیاری کے ساتھ دشمن
اپنے گھیرے میں لے لیا۔ پھر اپنے مخصوص نعرے لگاتے اور اللہ اللہ کا
پڑھتے بد قسمت ملیوں کی شہ رگیں کاٹنے لگے۔

سلطان کے سیکرٹری عماد الکاتب (نماذ الکاتب کے الفاظ یہ ہیں۔ ”انتصاف
الاسلام من الکفر فی ذالک الیوم بعض الانتصاف“ (اسلام نے اس
کفر سے بعض بڑے بدلوں میں سے ایک بدلہ لیا) (الفتح القسی ص ۳۷۰) کا بایا
ہے اس روز اسلام نے کفر سے دل کھول کر بدلہ لیا اور کشتوں کے پٹے
دیے۔ پہلے مقابلہ میں ان گنت لاشیں چھوڑ کر صلیبی بھاگ اٹھے۔ لیکن ان
دوسرا بازو ڈٹ کر مقابلہ کر رہا تھا۔ وہ مسلمانوں پر کاری ضرب لگانے کا تہیہ
کے آئے تھے اور حقیقت یہ ہے ان کی ثابت قدمی مسلمانوں کی شکست کے آگے
پیدا کرنے لگی۔ لیکن عکا کی عمارتوں کو دیکھ کر غازیان اسلام نے پوری قوت
”اللہ اکبر“ کا نعرہ بلند کیا اور خونریز رجز پڑھتے اہل صلیب پر ٹوٹ پڑے۔
خونخاک جنگ اور شدید قتل و خون سے ہراساں ہو کر دشمن بھاگ اٹھا۔
مسلمانوں نے خندق تک ان کا تعاقب کیا۔ شفرعم سے ثورون کی چھاؤنی تک
میل کے رقبہ میں صلیبوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ جنہیں کتے اور گدے
نوپتے رہے۔ یہ عکا کی آخری لڑائی تھی۔ افرنگی ذلت آمیز شکست اٹھا کر
خندق کے پرے چھاؤنی میں دبک گئے۔ عکا کی فتح کے بعد پہلی بار انہیں چھاپہ
فلسطین کے میدانوں میں ان پر کیا بیٹنے والی ہے۔

۳۰ جمادی الثانی کے بعد عکا کے میدانوں میں پھر جنگ کے دھول نہیں
لیکن فریقین کے سفیر آتے جاتے رہے۔
۷ رجب مطابق یکم اگست کو عکا کے امراء صلیب کی مجلس کبیرے

عکا سے باہر نکال کر شہر سے دو تل کسان اور تل عیاضیہ کے درمیانی
جہاں چوٹی ستون اور ملیس پہلے ہی نصب تھیں۔ یہ ان
کا قتل تھا جنہوں نے عیسائی بادشاہوں کے وعدے پر اعتبار کر لیا تھا۔
ملیس اور ستون نظر آرہے تھے۔ مسلمان اس منظر کو دیکھ کر سمجھ گئے
کہ ایمان میں پہنچ چکے ہیں۔ عورتیں کانپ اٹھیں اور بچے بلبل کر
نے لگے۔ مگر عیسائی جلاوطنوں نے ان کے سروں پر کھیل ڈال کر ستونوں کے
نزدیک باندھ دیا۔

رچڑ اپنی زندگی کا سب سے زیادہ ذلیل، وحشیانہ اور ہیمانہ حکم نافذ کر چکا
جس کی تعمیل بہر حال ضروری تھی۔ اس بربریت آمیز حکم نے اسے انسانی
ت کی بلندی سے گرا کر جہنم و وحشی درندوں کی صف میں کھڑا کر دیا۔ وہ
ہر درجہ کی شاہانہ بلکہ انسانی صفت سے بھی عاری نظر آتا تھا۔ جو عام آدمیوں
طرح مشتعل ہو کر پونے تین ہزار انسانوں کے قتل کا فیصلہ کرتا ہے۔
جنوب مشرق کی طرف شہر عم کی پہاڑیوں پر اسلامی لشکر کے عقب سے تل
ماں اور عیاضیہ کا وسطی میدان نظر آ رہا تھا۔ جہاں عیسائی لشکروں کے مسلح
دہ اور تماشاویوں کے انبوہ دکھائی دیتے تھے۔ اسلامی رسالہ کا محافظ دستہ جو
رکے عقب میں گشت کرتا رہتا، نہیں جانتا تھا اس میدان میں کیا بھیانک اور
ایت سوز کھیل ہونے والا ہے۔ لیکن وہ چونک کر ملیسوں کے انبوہ کو دیکھتا
یہ سوچ کر ہوشیار ہو جاتا رہا کہ شاید وہ اسلامی عقب پر حملہ کرنے کے لیے
تورہے ہیں۔

دو تے چلاتے ہوئے بچے جنہیں ستونوں کے ساتھ باندھ دیا گیا تھا۔ عیسائی
دروں کی وحشیانہ غراہیں سن کر خوف سے سسم گئے تھے۔ عورتیں بھی باندھی
جنگی تھیں اور اپنی بے بسی و مجبوری پر زار زار روتی آسمان کی طرف دیکھتی
تھیں۔ آنکھوں میں فریاد اور آنسو تھے۔ جن سے ان کے گریبان بھیگ چکے
تھے۔ مرد خاموش و ساکت زیر لب دعائیں پڑھتے تھے۔ پھر قیامت آفریں
رسانیت سوز بربریت کا آغاز ہوا اور عیسائی بہادر بندھے ہوئے بچوں کے پیٹ
پر بڑے گھونپے لگے۔ دردناک چیخیں بلند ہوتی تھیں۔ بچوں کے ماں باپ کانپ
ٹھٹھکیں بند کر لیتے تھے۔ وحشت و درندگی کا پہلا منظر ختم ہو گیا اور تمام بچے
پر تڑپ کر ٹھنڈے ہو گئے۔ پھر عورتوں کو تلواروں کا لقمہ بنایا جانے لگا۔

کے نائب فادر بولاری مناص اجازت پر رچڑ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور
انہوں نے متفق الزبان ہو کر کہا۔

”شاہ صلیب! خداوند آپ پر کرم فرمائے اور دشمنان صلیب پر فتح
ہمیں یقین ہے صلاح الدین صلیب اعظم واپس نہ کرے گا۔ وہ صرف دھوکے
سے اپنے آدمی رہا کرنا چاہتا ہے۔ ان قیدیوں میں سے ہر ایک عربوں کا چتا ہوا
بہادر اور لڑاکا ہے۔ عکا کے محاصرہ کے ایام میں آپ اپنی آنکھوں سے ان کی
حیرت انگیز شجاعت کے نظارے کر چکے ہیں۔ اگر یہ لوگ سلطان کے پاس پہنچیں
تو مقدس لشکر صلیب کے حق میں بے حد خطرناک ثابت ہوں گے۔ اس لیے
بادشاہ انہیں فی الفور قتل کرادیں۔“

رچڑ بغور ان کی گفتگو سنتا رہا۔ پھر اس نے جواب دیا۔ ”یہ اس معاہدہ کی
خلاف ورزی ہوگی جو عرب سردار مشطوب سے کیا گیا تھا۔“
”مسلمانوں سے کیے ہوئے معاہدوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ پھر وہ معاہدہ شاہ
فلپ اور کارڈ نے کیا تھا۔ آپ پر اس کی خلاف ورزی کا الزام نہیں آسکتا۔“
”لیکن اس معاہدہ پر ہم نے بھی دستخط کیے تھے۔“

ہیو برٹ جذباتی لہجے میں بولا۔ ”عکا کی جنگ میں عربوں نے ہمارے دو
اڑھائی لاکھ بہادروں کو موت کی نیند سلا دیا۔ آپ تین پونے تین ہزار عربوں کو
تہ تیغ کرتے ہوئے ہچکچا رہے ہیں۔ ان کے خون سے ہمارے انتقام کی پیاس کچھ
ٹھنڈی ہو جائے گی۔“

رچڑ خاموش رہا اور کسی قسم کا وعدہ کیے بغیر اس نے مذہبی پیشواؤں کو
واپس کر دیا۔ وہ رات اس نے ”جنگلی سوسن“ کے ساتھ داو عیش دے کر
گزاری۔ صبح شاہان صلیب کی مجلس مشاورت طلب کی۔ جب وہ مجلس سے باہر
آیا تو اس نے اپنے معتد افسروں کو حکم دیا وہ تمام عرب قیدیوں کو فی الفور قتل
کر دیں۔

رچڑ کا روزنامچہ نویس ارنول لکھتا ہے۔ یہ خوشی کا حکم سن کر افسر کوڈ کو
کر آگے بڑھے اور بادشاہ کے شکر گزار ہوئے۔ جس نے انہیں مقتولوں کے خون
کا بدلہ لینے کا موقع دیا۔ (بحوالہ لین پول)

۲۷۰۰ جنگی قیدیوں میں سے صرف گنتی کے چند سردار چھوڑ کر باقی سب کو
جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل تھے۔ چمکتی ہوئی تلواروں اور نیزوں کے

رہی رقیبت میں اس نے ایسا خونیں فیصلہ نافذ کر دیا جس پر تاریخ اسے ہمیشہ
مستحقِ ہیرلڈیم اپنی تصنیف The flame of Islam مطبوعہ نیویارک ۱۹۳۰ء
کہتا ہے۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ اس غیر ضروری کشت و خون سے
دنیا کی ناموس و عزت ہمیشہ کے لیے داغ دار ہو گئی۔ (قراخانیوں کی ملامت کرتی رہے)

سلطان نے عورتوں کے رونے اور بچوں کے بلبلانے کی جگر گداز آوازیں
سنیں اور دریچے سے ہٹ آیا۔ وہ اس گریہ و ماتم کا مطلب سمجھتا تھا لیکن جذبات
مطلوب و متاثر ہو کر کوئی ایسا فیصلہ کرنے پر تیار نہ تھا جو اس کے اوصاف
یہ کے خلاف ہوتا۔ مگر یہ کتنا خواتین خیمہ خاص کے قریب سے گزرتی
نہیں بارگاہ کے اس حصہ میں داخل ہوئیں جہاں پردوں کے عقب سے وہ
ظان کو خطاب کر سکتی تھیں۔ لیکن شہدائے عکا کے المیہ نے خود اسے بے حد
نالا اور غمگین بنا رکھا تھا۔

وہ خود بے قرار تھا اور انتقام کی آگ اس کے سینہ میں بھڑک رہی تھی۔
بھی عقل و دانش کا تقاضا تھا وہ کوئی غلط قدم نہ اٹھائے۔ اچانک مصری زر
اش حاضر ہوا۔ اس نے بتایا۔ ”اعلیٰ حضرت! ستم نصیب خواتین آپ سے ملنا
پتی ہیں۔“

”نہیں۔ ہمارے پاس وقت نہیں۔ ہم ان کے آنسو نہیں پونچھ سکتے۔
میں کہہ دو صبر کریں اور لوٹ جائیں۔ یہی اللہ کی رضا تھی۔“

سلطان کا بازو فضا میں لہرا کے رہ گیا اور زر کماش اس کا حکم سنتے ہی نکل
گیا۔ ابھی اسے گئے ایک ساعت بھی نہیں گزری تھی کہ سلطان کے دو بیٹے ملک
افضل اور ملک الظاہر اپنے چچا زاد بھائی ملک المنظر تقی الدین عمر شیردل کے
خدا اور سلام و دعا کے بعد خاموش کھڑے ہو گئے۔ اگرچہ وہ تینوں اپنے اپنے
شہنشاہ کے والی، فوجوں کے سپہ سالار اور لشکر اسلام کے مشہور جرنیل تھے۔
میں رعب سلطانی کے سامنے کسی کو لب کشائی کی جرات نہ ہوئی۔ صلاح الدین
سافودی سلسلہ کلام شروع کیا اور اپنے بھتیجے تقی الدین عمر سے مخاطب ہوا۔

”بارک اللہ! ہمیں ایک ساتھ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ شاید تم کچھ کہنا
چاہتے ہو۔“

”سلطان معظم! ہم آپ کے بیٹے ہیں اور دوسروں کی بہ نسبت اسلام کے

خون کے فوارے اچھلتے اور چھین موت کی خرخراہٹوں میں تبدیل ہوتی
آخر میں مردوں کی باری آئی اور صلیبی جلاہ تلواریں لے کر بھینروں کی مانند
کس و مجبور مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے۔ جگہ جگہ خون کے لوتھڑے جم گئے
خون کی پیاسی زمین سیراب ہو گئی۔ پھر باقی قیدی ملیوں پر لٹکا دیے گئے۔
اس بہیمانہ ظلم و ستم پر کوئی معجزہ ظہور میں نہیں آتا۔ لیکن اسلامی رہا
محافظ دستہ حقیقت حال سے آگاہ اور غصہ میں دیوانہ ہو کر ان ملیوں پر
کرتا ہے جن کے ہاتھوں سے شہیدوں کا خون ٹپک رہا ہے۔ خون شہیدان
لاتا ہے۔ اسلامی رسالہ متحدہ ملیوں کی لاشیں گرا دیتا اور شہیدوں کے
خون ریز معرکہ لڑا جاتا ہے۔ مگر اسلامی رسالہ صرف ڈیڑھ دو ہزار سواروں
مشتمل ہے جو ان گنت افریقیوں کو موت کے آغوش میں سلا کر واپس آ
ہے۔

اس وحشت و بربریت پر دنیا کا ہر مورخ رچرڈ پر لعنت ملامت کرتا ہے
۲۷۰۰ شہیدوں کا خون اکیلے رچرڈ کی گردن پر تھا۔

انتقام۔ انتقام

صلاح الدین ارغوانی خیموں کے دریچے سے آسمان کی خون رنگ ٹٹن
نظارہ کر رہا تھا۔ جب دوش ہوا پر تیرتی ہوئی فریاد و فغاں کی آوازیں اس
سماعت سے ٹکرائیں۔

یہ ان بچوں اور عورتوں کا جلوس گریہ تھا جن کے عزیز و اقارب ملی
کے انتقام کا لقمہ بنے۔ ۲۷۰۰ اسیران عکا، شہیدان عکا جنہیں شاہ انگلستان
شیردل کی وحشت و جہمت نے تمام معاہدے اور عہد نامے بالائے طاق روک
نشانہ ستم بتایا۔ یہ واقعہ عیسائی قوم کی بد عہدیوں اور وعدہ خلافیوں کی
فہرست میں ایک بھیانک اضافہ تھا۔ جس نے رچرڈ شیردل کے ماتھے کی جگہ
نیکہ لگا دیا۔ ہمارے حکمران اور سپاہی دشمن سے میدان جنگ میں انتقام لینے
مجبور قیدیوں کی گردنیں نہیں مارتے۔ جنہیں تحفظ جان کے معاہدے پر مبنی
گیا ہو مگر رچرڈ ایک سبک خیال، کم ظرف اور معاہدہ شکن بادشاہ ثابت ہوا۔

لیے زیادہ غیرت رکھتے ہیں۔۔۔۔۔

”بارک اللہ“

”مگر ہمارے دل گھائل اور زخمی ہو چکے ہیں۔ ہم زخموں کے لیے مزہ طلب گار ہیں۔“

”جان عم۔ تم کتنا کیا چاہتے ہو؟“

”اعلیٰ۔ حضرت! صرف انتقام کا مرہم ہمارے زخموں کو مندمل کر سکتا ہے۔ ہم اپنے مظلوم اور شہید بھائیوں کے خون کا بدلہ چاہتے اور کفار پر اجازت طلب کرنے آئے ہیں۔ بخدا! ہم تینوں شہید ہو جائیں گے یا پھر یہ جنگ سے اس وقت لوٹیں گے جب کفر کے پرچم خاک و خون میں لتھڑے ہو گئے۔۔۔۔۔“

”تقی الدین! سلطان کی آواز رعد کی مانند گرجی اور وہ تیزی کے درپچہ کی طرف گھوم گیا۔“ معاذ اللہ، کیا تم ہمیں قتل کر دینے کا ارادہ لے آئے ہو۔ خدا کی قسم! تمہارے بعد ہم ایک لمحہ کے لیے بھی زندہ نہ رہ سکتے۔۔۔۔۔“

”عمی المکرم! جماد فی سبیل اللہ میں لڑنے اور اسلام کی حفاظت کے کٹ مرنے سے بہتر بھی زندگی کا کوئی مقصد ہو سکتا ہے۔“

صلاح الدین ایک لمحہ خاموش رہا۔ پھر درپچہ کے خلاء میں گھورتے ہوئے بولا۔

”جان عم! جماد اور خود کشی میں فرق ہے۔ کیا تم سمجھتے ہو۔ ہمارا دل گھائل نہیں؟ کیا ہمیں اپنے بہادروں کی موت کا صدمہ نہیں؟ بخدا ہماری روح نم زیادہ بے چین ہے۔ کیونکہ ہم سلطان ہیں اور قیامت کے دن ان کی موت متعلق حق تعالیٰ کے حضور جواب دہ ہوں گے۔ ہمیں خوشی ہے۔ ہمارے لیے اسلام کے لیے غیرت رکھتے ہیں۔ لیکن دشمن اس قلعہ اور چھاؤنی کی فصیلوں کے حصار میں محفوظ ہے اور اس حالت میں اس پر حملہ سودمند نہ اپنے جوش برقرار رکھو اور وقت کا انتظار کرو۔ خدا نے چاہا تو بہت جلد فصیلوں اور خندقوں سے باہر آئے گا اور ہم تمہاری تلواروں کو انتقام کی بجھانے کا موقع دیں گے، انشاء اللہ“

سلطان کی مدلل اور پر حکمت تقریر سن کر تینوں شہزادے لا جواب ہوئے اور اس نے ایک مرتبہ اپنا منہ ان کی طرف موڑ لیا۔ اب وہ کسی قدر مطمئن ہوئے

”نہیں جان برادر! بے شک رنج و قلق سے ہمارے سینے نگار ہیں اور ہم نے ان کی قیدیوں کی حفاظت جان کا وعدہ بھی نہیں کیا لیکن ہمارے نزدیک اسیران ملک کا قتل انسانیت سوز فعل ہے اور ہم کسی قیمت پر ان کے قتل کی اجازت دے سکتے۔ اگر دشمن نے انسانیت کو ترک کر دیا ہے تو ہم اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔ باہر جاؤ اور لوگوں کو سمجھاؤ۔ اسلام جنگی قیدیوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے۔“

”نہیں جان برادر! بے شک رنج و قلق سے ہمارے سینے نگار ہیں اور ہم نے ان کی قیدیوں کی حفاظت جان کا وعدہ بھی نہیں کیا لیکن ہمارے نزدیک اسیران ملک کا قتل انسانیت سوز فعل ہے اور ہم کسی قیمت پر ان کے قتل کی اجازت دے سکتے۔ اگر دشمن نے انسانیت کو ترک کر دیا ہے تو ہم اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔ باہر جاؤ اور لوگوں کو سمجھاؤ۔ اسلام جنگی قیدیوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے۔“

”نہیں جان برادر! بے شک رنج و قلق سے ہمارے سینے نگار ہیں اور ہم نے ان کی قیدیوں کی حفاظت جان کا وعدہ بھی نہیں کیا لیکن ہمارے نزدیک اسیران ملک کا قتل انسانیت سوز فعل ہے اور ہم کسی قیمت پر ان کے قتل کی اجازت دے سکتے۔ اگر دشمن نے انسانیت کو ترک کر دیا ہے تو ہم اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔ باہر جاؤ اور لوگوں کو سمجھاؤ۔ اسلام جنگی قیدیوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے۔“

”نہیں جان برادر! بے شک رنج و قلق سے ہمارے سینے نگار ہیں اور ہم نے ان کی قیدیوں کی حفاظت جان کا وعدہ بھی نہیں کیا لیکن ہمارے نزدیک اسیران ملک کا قتل انسانیت سوز فعل ہے اور ہم کسی قیمت پر ان کے قتل کی اجازت دے سکتے۔ اگر دشمن نے انسانیت کو ترک کر دیا ہے تو ہم اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔ باہر جاؤ اور لوگوں کو سمجھاؤ۔ اسلام جنگی قیدیوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے۔“

”نہیں جان برادر! بے شک رنج و قلق سے ہمارے سینے نگار ہیں اور ہم نے ان کی قیدیوں کی حفاظت جان کا وعدہ بھی نہیں کیا لیکن ہمارے نزدیک اسیران ملک کا قتل انسانیت سوز فعل ہے اور ہم کسی قیمت پر ان کے قتل کی اجازت دے سکتے۔ اگر دشمن نے انسانیت کو ترک کر دیا ہے تو ہم اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔ باہر جاؤ اور لوگوں کو سمجھاؤ۔ اسلام جنگی قیدیوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے۔“

”نہیں جان برادر! بے شک رنج و قلق سے ہمارے سینے نگار ہیں اور ہم نے ان کی قیدیوں کی حفاظت جان کا وعدہ بھی نہیں کیا لیکن ہمارے نزدیک اسیران ملک کا قتل انسانیت سوز فعل ہے اور ہم کسی قیمت پر ان کے قتل کی اجازت دے سکتے۔ اگر دشمن نے انسانیت کو ترک کر دیا ہے تو ہم اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔ باہر جاؤ اور لوگوں کو سمجھاؤ۔ اسلام جنگی قیدیوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے۔“

”نہیں جان برادر! بے شک رنج و قلق سے ہمارے سینے نگار ہیں اور ہم نے ان کی قیدیوں کی حفاظت جان کا وعدہ بھی نہیں کیا لیکن ہمارے نزدیک اسیران ملک کا قتل انسانیت سوز فعل ہے اور ہم کسی قیمت پر ان کے قتل کی اجازت دے سکتے۔ اگر دشمن نے انسانیت کو ترک کر دیا ہے تو ہم اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔ باہر جاؤ اور لوگوں کو سمجھاؤ۔ اسلام جنگی قیدیوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے۔“

”نہیں جان برادر! بے شک رنج و قلق سے ہمارے سینے نگار ہیں اور ہم نے ان کی قیدیوں کی حفاظت جان کا وعدہ بھی نہیں کیا لیکن ہمارے نزدیک اسیران ملک کا قتل انسانیت سوز فعل ہے اور ہم کسی قیمت پر ان کے قتل کی اجازت دے سکتے۔ اگر دشمن نے انسانیت کو ترک کر دیا ہے تو ہم اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔ باہر جاؤ اور لوگوں کو سمجھاؤ۔ اسلام جنگی قیدیوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے۔“

”نہیں جان برادر! بے شک رنج و قلق سے ہمارے سینے نگار ہیں اور ہم نے ان کی قیدیوں کی حفاظت جان کا وعدہ بھی نہیں کیا لیکن ہمارے نزدیک اسیران ملک کا قتل انسانیت سوز فعل ہے اور ہم کسی قیمت پر ان کے قتل کی اجازت دے سکتے۔ اگر دشمن نے انسانیت کو ترک کر دیا ہے تو ہم اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔ باہر جاؤ اور لوگوں کو سمجھاؤ۔ اسلام جنگی قیدیوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے۔“

”نہیں جان برادر! بے شک رنج و قلق سے ہمارے سینے نگار ہیں اور ہم نے ان کی قیدیوں کی حفاظت جان کا وعدہ بھی نہیں کیا لیکن ہمارے نزدیک اسیران ملک کا قتل انسانیت سوز فعل ہے اور ہم کسی قیمت پر ان کے قتل کی اجازت دے سکتے۔ اگر دشمن نے انسانیت کو ترک کر دیا ہے تو ہم اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔ باہر جاؤ اور لوگوں کو سمجھاؤ۔ اسلام جنگی قیدیوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے۔“

”نہیں جان برادر! بے شک رنج و قلق سے ہمارے سینے نگار ہیں اور ہم نے ان کی قیدیوں کی حفاظت جان کا وعدہ بھی نہیں کیا لیکن ہمارے نزدیک اسیران ملک کا قتل انسانیت سوز فعل ہے اور ہم کسی قیمت پر ان کے قتل کی اجازت دے سکتے۔ اگر دشمن نے انسانیت کو ترک کر دیا ہے تو ہم اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔ باہر جاؤ اور لوگوں کو سمجھاؤ۔ اسلام جنگی قیدیوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے۔“

”نہیں جان برادر! بے شک رنج و قلق سے ہمارے سینے نگار ہیں اور ہم نے ان کی قیدیوں کی حفاظت جان کا وعدہ بھی نہیں کیا لیکن ہمارے نزدیک اسیران ملک کا قتل انسانیت سوز فعل ہے اور ہم کسی قیمت پر ان کے قتل کی اجازت دے سکتے۔ اگر دشمن نے انسانیت کو ترک کر دیا ہے تو ہم اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔ باہر جاؤ اور لوگوں کو سمجھاؤ۔ اسلام جنگی قیدیوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے۔“

”نہیں جان برادر! بے شک رنج و قلق سے ہمارے سینے نگار ہیں اور ہم نے ان کی قیدیوں کی حفاظت جان کا وعدہ بھی نہیں کیا لیکن ہمارے نزدیک اسیران ملک کا قتل انسانیت سوز فعل ہے اور ہم کسی قیمت پر ان کے قتل کی اجازت دے سکتے۔ اگر دشمن نے انسانیت کو ترک کر دیا ہے تو ہم اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔ باہر جاؤ اور لوگوں کو سمجھاؤ۔ اسلام جنگی قیدیوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے۔“

”نہیں جان برادر! بے شک رنج و قلق سے ہمارے سینے نگار ہیں اور ہم نے ان کی قیدیوں کی حفاظت جان کا وعدہ بھی نہیں کیا لیکن ہمارے نزدیک اسیران ملک کا قتل انسانیت سوز فعل ہے اور ہم کسی قیمت پر ان کے قتل کی اجازت دے سکتے۔ اگر دشمن نے انسانیت کو ترک کر دیا ہے تو ہم اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔ باہر جاؤ اور لوگوں کو سمجھاؤ۔ اسلام جنگی قیدیوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے۔“

”نہیں جان برادر! بے شک رنج و قلق سے ہمارے سینے نگار ہیں اور ہم نے ان کی قیدیوں کی حفاظت جان کا وعدہ بھی نہیں کیا لیکن ہمارے نزدیک اسیران ملک کا قتل انسانیت سوز فعل ہے اور ہم کسی قیمت پر ان کے قتل کی اجازت دے سکتے۔ اگر دشمن نے انسانیت کو ترک کر دیا ہے تو ہم اس کی تقلید کر سکتے ہیں۔ باہر جاؤ اور لوگوں کو سمجھاؤ۔ اسلام جنگی قیدیوں کے قتل کی اجازت دیتا ہے۔“

جانا القدس سے جانب مغرب خط مستقیم قریباً پچاس میل کے فاصلے پر تھا۔

صلاح الدین کے جاسوس اسے خبر دے چکے تھے۔ اپنے مضبوط بحری بیڑے سے رچڑ ساحلی شہروں کا رخ کرے گا۔ مسلمانوں کے پاس کوئی بحری بیڑہ نہ تھا جو جہاز کشتیاں اور جنگی شکارے موجود تھے وہ عکا میں کام آچکے مسلیوں کے ہاتھ لگ گئے تھے۔ مصر سے جنگی کشتیاں بروقت نہ پہنچ سکتی الفاظ دیگر سلطان ساحلی شہروں اور قلعوں کی حفاظت سے معذور تھا۔

کئی مضبوط بحری بیڑے کے ساحلی قلعوں پر مسلیوں کی بحری یلغار کا مقابلہ تھا۔ اس نے حکم دیا جیضہ جانا اور قیساریہ کے قلعے مسمار کر دیے جائیں جب صلیبی لشکر وہاں پہنچیں تو انہیں کھنڈروں، سنگ و خشت اور مٹی کے ٹکڑوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہ مل سکے۔

آج سے آٹھ صدیاں پیشتر صلاح الدین گوریلا جنگ کی ضرورت و اہمیت کو ثابت و سالم قلعوں سے ان کی توڑ پھوڑ بہتر ہے۔ تاکہ دشمن اس سے انہٹھا سکے۔ عربوں نے بڑے رنج و قلق کے ساتھ اپنے سلطان کے احکام پر تینوں شہر کھنڈر بنا دیے گئے۔ شہروں اور قلعوں کی فضیلیں، بندرگاہوں، فاطمی مورچے اور اہم مقامات دفاع مسمار کر دیے گئے۔

سلطان کے یہ اقدامات اعلان کر رہے تھے۔ وہ دشمن سے فیصلہ کن جنگ کا ارکھتا ہے۔

موسم گرما کے آخری ایام میں جب فلسطین کے ندی نالے خشک پڑے صلیبی لشکر حرکت میں آئے۔ عرب مورخوں کے بقول وہ ۲۹ رجب ۵۲۵ھ کو عکا سے نکلے اور دریا عبور کرنے کے بعد عسقلان جانے والی سڑک پر عکا کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف روانہ ہوئے۔ ان کی پہلی منزل جانا تھی۔ اسے ٹھک ۶۵ میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔ لیکن پہاڑی راستوں کی پیچ و خم ٹیب و فراز کی وجہ سے یہ فاصلہ ایک سو میل سے کم نہ تھا۔

مغربی تاریخ نویس رقم طراز ہیں۔ افرنگی سپاہی عکا کے میکدوں اور عشرت

سائے لوگوں کا جم غفیر ساکت و صامت کھڑا تھا۔ ملک العادل نے اللہ کی سرور کائنات کی تعریف پڑھی۔ پھر جنگ اور جنگی قیدیوں کے متعلق ایک تقریر کی۔ لوگوں کے سر جھک گئے۔ وہ حکم الہی اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ رکھتے تھے۔ شام کی اذان کے ساتھ جب العادل نے تقریر ختم کی تو اہل لشکر اسلام کی روشنی سے بہرہ ور ہو چکے تھے۔ پھر لوگ چھٹتے اور مسجد کا رخ کرنے لگے۔

رچڑ کے ظالمانہ بلکہ وحشیانہ اقدام نے مسلمانوں کے جذبات مشتعل دیے تھے۔ ہر شخص دشمن کے پرچے اڑانے اور اپنے شہیدوں کا انتقام لینے کے لیے بے چین تھا۔ سلطان نے بڑی مشکل سے ان کے جذبات قابو میں رکھے۔ اب وہ منتظر تھے۔ وعدہ خلاف اور عمد شکن صلیبی کب فیصلوں کے د سے باہر نکلتے ہیں۔

صلاح الدین نے ”صلیب الصلوب“ اور افرنگی قیدیوں کی ایک بھاری تعداد بغداد کی طرف روانہ کر دی۔ اسیران جنگ اور صلیب اعظم کی روائگی کا مطلب یہ تھا اب وہ عیسائیوں سے کسی قیمت پر صلح کے لیے تیار نہیں۔ یورپ کے لاکھوں افرنگی صرف دو تمنائیں لے کر آئے تھے (۱) صلیب الصلوب کی واپس (۲) یروشلم کی بازیابی۔ مگر القدس پر اسلام کے ہلالی پرچم لہرا رہے تھے۔ صلیب اعظم بغداد روانہ کر دی گئی تھی اور عکا سے چند میل کے فاصلے پر سلطان صلاح الدین اپنے عسکری بھٹ میں بیٹھا مسلیوں کے باہر نکلنے کا انتظار کر رہا تھا۔ ان کے سردار، جرنیل اور والیان ریاست سمجھ گئے تھے اب وہ صلح سے بیزار اور جنگ شدید پر آمادہ ہے۔ ورنہ صلیب الصلوب کو بغداد روانہ نہ کرتا جو صلیب کے ساتھ صلح کی بنیاد تھی۔

آخر دو ماہ کے صبر آزما انتظار کے بعد رچڑ کی بد قسمتی اسے قلعہ سے لے آئی۔ مغربی مورخوں کے نزدیک شاہ انگلستان ۲۵ اگست ۱۱۹۱ء کو صلیبی لشکروں سمیت عکا سے باہر نکلا اور ساحل سمندر کے ساتھ عسقلان جانے والی سڑک پر جانا کی طرف آگے بڑھا جو بحیرہ شام کے ساحل پر القدس کی مشہور ندی

گاہوں میں اس قدر مگن تھے کہ جنگ کے نام سے جی چرانے لگے تھے۔ ایسے تھے جنہیں عورتوں کی صحبت سے فرصت نہ تھی۔ بے شمار افریقی عربوں کا خوف مسلط ہو گیا تھا اور وہ عکا ہی میں آرام کرنے کو ترجیح دیتے تھے۔ شاہ فرانس فلپ آگسٹس اور مارکوئیس کانرڈ جنگ مقدس سے منہ موڑتے تھے۔ فرانسیسی لشکر بدول اور آوارہ تھے۔ رچرڈ نے نئے سرے سے فراہم سپاہیوں کو بھرتی کیا۔ پھر صلیبی لشکر پھریرے لہراتا جبل کاریل کے دامن میں اور بیس خیمہ زن ہو کر اس نے اپنے مارشل، فوجی افسر اور شعلہ بیان عکا بھیجے کہ وہ بزدل اور خوفزدہ سپاہیوں کو غیرت ولا کر چھاؤنی میں لائیں اور صلیب کے نیچے جمع کریں۔ دو روز تک وہ جبل کاریل کے دامن میں ملیسوں کا انتظار کرتا رہا۔ جنہیں فوجی افسر اور اسقف شرم دلا دلا کر عکا سے نکالتے رہے۔

ایسا ہی ہر اول سے بھی آگے گھوڑے دوڑاتے پھرتے تھے۔ عکا اور حیفہ کے درمیان حائل ساحل کے ساتھ ساتھ دلدلوں، نرسلوں، راز کے چھتری دار درختوں کے جنگل اور جھنڈ آباد تھے۔ جن میں کہیں کہیں بوردوں کے نخلستان بھی نظر آتے تھے۔ نرسلوں اور تاڑ کے درختوں کا یہ جنگل پہاڑی بلندیوں تک پھیلا ہوا تھا۔ ”شاہراہ عسقلان“ انہیں پہاڑوں کے بیچ فرما اور نسیب و فراز سے گزرتی تھی۔ جس پر صلیبی فوجیں رواں تھیں۔ جونہی پہاڑی چھاؤنی اکھڑی، عربوں کا چھاپہ مار رسالہ پھر نمودار ہوا اور ایک ہی حملے میں پانچ سو افریقیوں کا سلسلہ حیات کاٹ کر واپس مڑا۔ عیسائیوں کو اپنی لاشیں بھانسنے کا بھی موقع نہ مل سکا۔ پانچ سو مرنے والے اور پرنسوں کی خیافت کے لیے کھڈوں میں ڈال کر وہ آگے بڑھ گئے۔

افریقی لشکر کی غیر ضروری اور کمزور دل عورتیں واپس عکا بھیج دی گئی سلطان پہاڑوں کی چوٹیوں پر کومتانی چیتے کی طرح گھات لگائے بیٹھا نہیں۔ فوج کو دس دن کا راشن (بسکٹ، شراب اور پانی) تقسیم کر دیا گیا۔ پرچم جونہی رچرڈ اپنے لشکروں کے ہمراہ قلعہ سے نکل کر پہاڑ کی ترائی میں آیا، صلیبی ایک گاڑی پر نصب تھا۔ جس کے گرد نارمن شمشیر زنوں کا حلقہ قائم تھا۔ شکاری حرکت میں آئے اور اسلامی رسالہ کے سوار پہاڑوں کی بلندیوں، ذخائر، ٹپلہ اپنے خاص پھریرے ”بوسیوں“ کو لہراتے مقدمتہ الجیش کی شکل میں پھلانگتے اور چیتوں کی مانند جست لگاتے ہوئے صلیبی خیموں پر ٹوٹ پڑے۔ سب سے آگے تھے۔ پرچم بردار گاڑی ہچکولے کھاتی چلی جا رہی تھی اور سپاہی کے وقت مسلمان سپاہی ”اللہ اللہ“ کا ورد کیا کرتے تھے۔ لیکن اب اس زوراک سے بھرے ہوئے تھیلے کندھوں پر لٹکائے، جھاڑیوں اور نرسلوں کو ”انتقام، انتقام“ کے نعروں کا اضافہ ہو چکا تھا۔

عرب رسالہ باقاعدہ جنگ کے لیے نہیں صرف انتقام کا آغاز کرنے کے لیے بھیڑا تھا۔ سواروں نے کئی دستوں میں منقسم ہو کر صلیبی خیموں پر چھاپہ مارا۔ افریقی سپاہیوں کو بے دریغ قتل کیا اور لوٹ مار مچا کر لوٹ گئے۔ جب تک صلیبی رسالہ ان کے مقابلے پر آتا وہ اپنی تلواریں لہراتے پہاڑوں کی اوٹ میں ہٹا ہو گئے تھے۔

رچرڈ نے سرپیٹ لیا۔ دور دور تک صلیبی صفوں میں ابتری کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ عرب چھاپہ ماروں کا کوئی وقت اور مقام معین نہ تھا۔ بلائے ناگمانی بن کر اچانک کومتانی گھائیوں سے نمودار ہوتے اور حریف کے حصہ فوج پر ضرب انتقام لگانے کے بعد غائب ہو جاتے تھے۔ رچرڈ نے زیادہ مناسب نہ سمجھا اور نہایت افراتفری کے عالم میں شاہراہ عسقلان پر آگے پہاڑوں کی اوٹ میں اسلامی لشکر بالکل متوازی یا ملک العادل کے مملوک اور

بجیرہ روم کا ساحل اجاڑ اور سنسان تھا۔ افریقی سپاہی بہت کم چلتے۔ سفر بشار گزار تھا۔ وہ غروب آفتاب سے پہلے ہی شب بھری کے لیے کوئی موزوں مکان تلاش کر لیتے۔ جہاں جھاڑیوں میں پوشیدہ سانپوں اور بچھوؤں کا خطرہ نہ تھا۔ ساحل شام کے موٹے اور جسیم بچھوؤں پر گرگٹوں کا شبہ ہوتا۔ جس کا زہر تپ سے کم خطرناک نہ تھا۔

مذاکرہ

کے میدان کا بغور جائزہ لیا۔ ابن شداد اپنی سیرت میں لکھتا ہے۔ سلطان مل کسی ایسے میدان کی تلاش میں تھا۔ جہاں دشمن سے آخری اور فیصلہ کن جنگ لڑی جاسکے۔ مگر الملاحہ کے میدان کسی بڑی اور فیصلہ کن لڑائی کے موزوں نہ تھے۔ اس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور دستہ خاص کے ہمراہ تیساریہ (تیساریہ) کو قیصریہ بھی کہتے ہیں۔ یہ ساحل فلسطین پر ایک مشہور بندرگاہ ہے۔ یہاں قیصریہ تلخجیہاں آیا کرتے تھے۔ عمد فاروقی میں فتح ہوا تھا۔ (قرآبوالوی) رات کے آخری حصہ میں واپس مڑا اور القیموں کی چھاؤنی میں لوٹ آیا۔ اس کا قاضی عسکر (شاہ الدین) دشمن کی کیا خبر ہے؟

”سلطان عالی! وہ ابھی حیضہ سے آگے نہیں بڑھا۔“
”لیکن ہم یہاں زیادہ دیر قیام نہیں کر سکتے۔ تیساریہ سے ادھر کوئی میدان نہیں مل سکتا۔“

”پھر تو ہمیں دشمن کے ساتھ ساتھ لگے رہنا چاہیے۔“
”نہیں ہم اس کے استقبال کے لیے کوئی موزوں میدان تلاش کریں۔“

ابن شداد کہتا ہے رچڑ صرف ۲ شعبان تک حیضہ میں ٹھہرا پھر آگے چل گیا۔ لیکن وہ ابھی حیضہ ہی میں قیام پذیر تھا کہ سلطان نے اپنے لشکر کو کوچ کا حکم دیا اور مجدل یا فافا میں جا پہنچا۔ یہ امر قابل غور ہے۔ رچڑ حیضہ میں دو روز سفر کی مکمل آمادہ تیار رہا۔ لیکن اس دوران سلطان ایک پھر کی طرح گھوما پھر وہ اوائل صبح سے القیموں میں آیا اور تیسرے روز وہاں سے چھاؤنی اٹھا کر مجدل یا فافا میں جا پہنچا۔ گویا وہ اس شہباز کی مانند محو پرواز تھا جو اپنا شکار تلاش کر رہا ہو۔

اس نے مجدل یا فافا میں بھی مختصر قیام کیا اور پڑاؤ اٹھا کر دریائے تیساریہ کے ساحل پر آگیا۔ یہاں پہنچنے کے بعد مخبروں نے اطلاع دی۔ دشمن حیضہ سے چل کر الملاحہ میں پہنچ گیا۔ وہ تیساریہ میں تھا کہ پھر دشمن کی روانگی کی خبر ملی۔ یہ خبر جنگ کے لیے موزوں نہ تھا۔ سلطان یہاں سے بھی آگے بڑھا۔ وہ بڑھتا جاتا رہا کہ جاسوس خبر لائے۔ صلیبی لشکر تیساریہ پہنچ گئے ہیں۔ سلطان اجانک بانہ کی طرف بھاگا اور اس نے ایک خونخوار دستے کو دشمن پر حملہ کا حکم دیا۔

سلطانی لشکر صلیبی فوجوں کے تعاقب میں ایک متوازی فاصلہ سے رمل میں پہنچے۔ یہاں ملک العادل سیف الدین نے اپنے بزرگ و محترم بھائی کے استقبال کیا۔ وہ اپنے مملوک اور کرد سواروں کے ہمراہ پہلے ہی یہاں پہنچ چکا تھا۔ اس نے سلطان کی خدمت میں رپورٹ پیش کی۔
”افرنگی فوجیں دریائے حیضہ عبور کر چکی اور اس وقت شہر کے قریب زین ہیں۔ اب ان کا تعاقب بے فائدہ ہے۔“

جرنیل بھائی کے مشورہ پر صلاح الدین نے افرنگی فوجوں کا تعاقب چھوڑ دیا اور القیموں کے قصبہ کی طرف بڑھا مگر ایک لشکر جس میں تقی الدین عمر کا رہا بھی شامل تھا۔ صلیبی فوجوں کے تعاقب میں مخصوص کر دیا۔ وہ عیسائیوں کو جگہ بھی چین سے بیٹھنے نہ دینا چاہتا تھا۔

ابن اثیر کا بیان ہے۔ شاہ انگلار (انگلستان) رجب کے آخر میں عکا سے اور شعبان کے شروع میں حیضہ پہنچ گیا۔ وہاں اس نے چند روز قیام کیا۔ (ابن اثیر ج ۲ بارہ)

مغربی مورخ لکھتے ہیں۔ رچڑ نے اپنے مضبوط بحری بیڑے کے ساتھ اپنے لیے پیش قدمی کی تھی کہ ساحل کے ساتھ ساتھ قلعوں اور شہروں پر قبضہ کر لے۔ لیکن جب وہ حیضہ کے خرابہ میں داخل ہوا تو ایک بھی تنفس موجود نہ تھا۔ سنگ و دشت اور مٹی کے ڈھیروں کو دیکھ کر اسے پہلی مرتبہ سلطان خطرناک ارادوں کا علم ہوا۔ حیضہ کے کھنڈروں نے شاہ صلیب کو مستقبل خطروں سے آگاہ کر دیا اور وہ پہلے سے کچھ محتاط اور سنجیدہ نظر آنے لگا۔ ایک لشکر دشمن کے تعاقب میں چھوڑ کر سلطان القیموں میں آیا۔ اس نے یہیں بسر کی۔ دوسرے روز بڑی تیزی کے ساتھ آگے بڑھا۔

کے حفاظتی حلقہ میں پہاڑوں سے کافی ہٹ کر بحر و جبل کے درمیان چلا جاتا تھا۔
 یہی فوجوں کی اصل قوت کا انحصار اسی لشکر پر تھا۔ رچرڈ خود بھی اپنے قبرصی
 فوجوں پر سوار اسی حصہ میں دیکھا جاتا تھا۔

تیسرا حصہ جو باربردار گاڑیوں، سامان رسد، اسلحہ کے ذخیروں، بیماروں،
 زخموں اور بیمار دار عورتوں، ناپنے والے اور دل ہلانے والی حسیناؤں، انگلستان
 و فرانس کے پیادہ سپاہیوں اور ریزرو دستوں پر مشتمل تھا۔ ساحل بحر کے ساتھ
 ساتھ حرکت کر رہا تھا۔ اس کے پیادہ دستے گاہے گاہے پہلے حصہ کے پیادہ دستوں
 کے ساتھ تبدیل ہوتے رہتے تھے۔ تاکہ تھکے ماندے اور جنگ میں زخمی ہونے
 والے سپاہی آرام کر سکیں اور ان کے تازہ دم سپاہی عرب چھاپہ ماروں کے
 مقابلہ پر بھیجے جاسکیں۔

یہ تینوں حصے ایک متوازی خط میں آگے بڑھ رہے تھے اور ان سے پرے
 بڑی بیڑہ سمندر کی سبزگوں موجوں پر رواں دواں تھا۔ مغرب میں سمندر اور
 شرق میں عرب تیر انداز اور تقی الدین کے سوار تھے۔ جن کے نیزوں کے پھل
 دھوپ میں چمک رہے تھے۔ وہ بھی صلیبی فوجوں کے پہلو بہ پہلو رواں تھے۔ ان
 کے زہریلے تیر عیسائی پیادوں کے زہر بکتروں سے ٹکرا کر گر جاتے لیکن کبھی کبھی
 شادگوں میں کھپ جاتے تھے۔

غازیان اسلام کے حملے سخت تھے۔ اسکے باوجود نہ دشمن رکانہ مجاہدین کہیں
 ٹھہرے۔ افرنگی اپنی قسمت پر ماتم کرتے اور لاشیں چھوڑتے ہوئے آگے ہی
 آگے بڑھتے جاتے تھے۔ شاہی موبیتار امیروز نے اپنے نغموں میں ان کی بہادری
 کے گن گائے ہیں۔ لیکن وہ اس حقیقت کو تعصب کے پردوں میں چھپا گیا ہے
 کہ ان پر عربوں کا خوف بری طرح مسلط ہو چکا تھا۔ جب ان کے ساتھی عربوں
 کے تیر کھا کر خاک و خون میں تڑپتے اور فوج ان کی لاشوں کو حوش و طیور کی
 نجات کے لیے چھوڑ کر آگے بڑھ جاتے تو یہی صلیبی بہادر شاہ رچرڈ کو گالیاں
 دینے سے بھی نہیں چوکتے تھے۔ جو انہیں عکا کی تفریح گاہوں سے نکال لایا تھا۔

عرب سواروں اور تیر اندازوں کے حملے جاری تھے۔ جنگ جاری تھی اور
 اس کے ساتھ سفر بھی جاری تھا۔ کوئی فریق رکنے کا نام نہ لیتا تھا۔ ریتلے ٹیلوں کو
 نذر کر کے صلیبی فوجیں ایک تنگ گھاٹی میں داخل ہوئیں۔ سلطان نے اپنے
 فوجوں کے ہمراہ خود حملے کا آغاز کر دیا۔ ابن شداد اور عماد الکاتب کے بقول جو



ہیرلڈیم ایک عیسائی تذکرہ نویس کے حوالہ سے بیان کرتا ہے۔ صلیبی فوج
 دریائے قیساریہ کے کنارے خیمہ زن تھیں۔ سپاہی دھوپ کی شدت اور
 کی حدت سے گھبرا کر دریا میں نہا رہے تھے کہ اچانک مگرچھ نمودار ہوئے اور
 سپاہیوں کو ہڑپ کر گئے۔ لوگ گھبرا کر باہر نکل آئے۔ پھر کسی کو پانی میں از
 کی جرات نہ ہو سکی۔

قیساریہ سے آگے پہاڑوں کا سلسلہ ساحل سے کافی دور ہٹ گیا تھا۔
 بیڑہ بھی عکا سے اسلحہ اور رسد کے ذخیرے اور باقی ماندہ سپاہیوں کو لے
 بندرگاہ پر آگیا تھا۔

سقوط عکا کے بعد فریقین میں کوئی باقاعدہ جنگ نہیں لڑی گئی تھی۔ عا
 کے چھاپہ مار دستے محض انتقامی ضربیں لگا رہے تھے اور اس پیش قدمی میں بڑی
 موت کے سایوں کی طرح ان کے ”ہم رکاب“ تھے۔ جافا کی طرف کوچ
 شروع ہو گیا۔

ہیرلڈیم، بہاؤ الدین ابن شداد کے ذریعہ سے کہتا ہے۔ قیساریہ میں سلطان
 نے ملک العادل سے ایک طویل ملاقات کی اور دونوں دیر تک گرد و نواح
 میدانوں میں جائزہ لیتے رہے تھے۔ جو نہی صلیبی فوجیں آگے بڑھیں۔ عربوں
 رسالہ ان کے عقب میں نمودار ہوا اور ساتھ کے دستہ پر ٹوٹ پڑا۔ تیروں
 بوچھاڑ اتنی سخت تھی کہ افرنگی خاک و خون میں تڑپنے لگے۔

یورپ اور ایشیاء کے مورخ اس بات پر متفق البیان ہیں۔ جب رچ
 قیساریہ سے روانہ ہوا افرنگی فوجیں تین حصوں میں منقسم اور ساحل
 پہاڑوں تک اس طرح پھیلی تھیں کہ پہلا حصہ جو تیر انداز مسلمان حملہ آور
 کی زد میں تھا۔ پیادہ دستوں پر مشتمل اور شاہ جعفری کی کمان میں سفر کر رہا تھا
 ان پیادہ دستوں کے تیر انداز نمندے کی موٹی قیصوں پر زہر بکتروں سے
 تھے۔ عرب حملہ آوروں کے تیر زہر بکتر سے ٹکراتے یا نمندے میں چھپ کے
 جاتے تھے اس کے باوجود افرنگی ساتھ بری طرح تباہ ہوا۔

دوسرا حصہ جو فرانسیسی، انگریز تانوں اور سواروں کا لشکر تھا۔ پیادہ دستہ

دو نوں فریق اس معرکہ میں سلطان کے ہمراہ تھے۔ ۹ شعبان کا دن تھا سلطان سواروں نے چاروں طرف قیامتیں مچا دیں۔ افرنگی اپنے زخمی اور سپاہی ہلاکتیں کرتے رہے۔ انہیں اپنے مردے سنبھالنے کا بھی ہوش نہ تھا۔ عرب ہر قدم پر دشمن کی دعوت دیتے، لٹکارتے، ان پر بزدلی کے طعنے کستے اور انہیں تیروں اور بھالوں سے ہلاک کرتے تھے۔ رچرڈ کسی ایسے حصار کی تلاش میں تھا جہاں دیواروں اور فصیلوں کی اوٹ لے کر مقابلہ کر سکتا۔ لیکن کیا ساحل فلسطین اسے کوئی ایسا حصار مل سکے گا؟

تنگ گھاٹی سے آگے جہاں دریائے القصب بہہ رہا تھا۔ مجاہدین نے دشمن پھانسنے کے لیے جھاڑیوں اور نرسوں کے جھنڈوں میں جگہ بہ جگہ پھندے رکھے تھے۔ مقدمہ الیش کے چند ٹمپل ان گڑھوں، کھڈوں اور مورچوں کا صاف کرنے لگے۔ جنہیں جھاڑیوں، درختوں کی شاخوں اور گھاس پھوس سے ڈھانپ دیا گیا تھا۔ اگر انہوں نے ذرا بھی بے احتیاطی کی ہوتی تو سب کے سر انہی گڑھوں میں دفن ہو جاتے۔

عرب گھات لگائے بیٹھے تھے۔ جب افرنگی مقدمہ الیش ان کے بجائے ہوئے دام سے بچ نکلا تو کمین گاہوں سے نکل کر پہلو پر ٹوٹ پڑے۔ ٹمپل مارنے مارتے ساحل دریا تک جا پہنچے۔ کھلی وادی میں انہوں نے اطمینان کا سانس لیا۔ شام کے اندھیرے میں اب حملہ آور بھی غائب ہو چکے تھے۔ ایاز العلویل جس کی دہشت سے عیسائی کانپتے تھے، اسی لڑائی میں شہید ہوا۔

دونوں حریفوں نے دریائے القصب کے کنارے پڑاؤ ڈال دیا۔ افرنگی شب میں تھے اور عرب بلندی پر۔ جدھر سے دریا بہہ کر آتا تھا۔ رات خیریت سے گزر گئی۔ دوسرے روز دونوں فوجوں کے حفاظتی دستوں میں شدید ٹکراؤ ہوا۔

عرب "انتقام، انتقام" کے نعرے لگاتے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ ان کا حملہ اس قدر شدید تھا کہ افرنگی بے شمار لاشیں چھوڑ کر بھاگ اٹھے۔ تقدیر دشمن کے فرانسیسی دستہ کو اپنے طلائیہ کی مدد کے لیے میدان میں گھیر لائی۔ بہادر غازیوں نے بدلتی شجاعت سے مقابلہ کیا۔ پھر فریقین کی چند ٹولیاں مدد کے لیے پہنچ گئیں اور لڑائی پھیل گئی۔

ابن شداد کے بقول یہ ۱۳ شعبان کا دن تھا۔ دشمن کے سپاہی ذلت آفرین ہوئے اور عرب بلندی پر۔ جدھر سے دریا بہہ کر آتا تھا۔ رات خیریت سے گزر گئی۔ دوسرے روز دونوں فوجوں کے حفاظتی دستوں میں شدید ٹکراؤ ہوا۔

عرب "انتقام، انتقام" کے نعرے لگاتے دشمن پر ٹوٹ پڑے۔ ان کا حملہ اس قدر شدید تھا کہ افرنگی بے شمار لاشیں چھوڑ کر بھاگ اٹھے۔ تقدیر دشمن کے فرانسیسی دستہ کو اپنے طلائیہ کی مدد کے لیے میدان میں گھیر لائی۔ بہادر غازیوں نے بدلتی شجاعت سے مقابلہ کیا۔ پھر فریقین کی چند ٹولیاں مدد کے لیے پہنچ گئیں اور لڑائی پھیل گئی۔

ابن شداد کے بقول یہ ۱۳ شعبان کا دن تھا۔ دشمن کے سپاہی ذلت آفرین ہوئے اور عرب بلندی پر۔ جدھر سے دریا بہہ کر آتا تھا۔ رات خیریت سے گزر گئی۔ دوسرے روز دونوں فوجوں کے حفاظتی دستوں میں شدید ٹکراؤ ہوا۔

ہوئے۔ یہ ان کی اولین باقاعدہ ملاقات تھی۔ رچرڈ نے دوستی اور نیاز مندی اظہار میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی اور بادشاہوں کی طرح ملک العادل کا استقبال اس نے کھلے اور صاف لفظوں میں کیا۔

”آپ کی طرح میں بھی کشت و خون کو پسند نہیں کرتا۔ آپ سلطان سفارش کیجئے وہ صلح پر رضامند ہو جائیں۔“

بوڑھا نائٹ ابن ہنفری ترجمانی کے فرائض ادا کرتا رہا۔ ملک العادل پوچھا۔

”آپ صلح تو چاہتے ہیں لیکن کن شرائط پر.....؟“

”شرطیں بالکل صاف اور سیدھی ہیں۔ آپ لشکروں سمیت اپنی سرحد کو لوٹ جائیں اور وہ عیسائی علاقے جن پر آپ نے قبضہ کر لیا ہے خالی کر دیں۔“

رچرڈ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر ملک العادل نے تند و تیز لہجہ میں دربانہ کیا۔

”آپ خود پاگل ہو چکے ہیں یا مجھے بے وقوف سمجھتے ہیں؟“

”برادر سلطان! نہ میں پاگل ہوں نہ آپ کو بے وقوف سمجھتا ہوں۔ جب تک آپ عیسائی علاقہ خالی نہ کر دیں گے صلح ممکن نہیں۔“

”پھر آپ نے مجھے کس مقصد کے لیے بلایا ہے؟“ ملک العادل کا لہجہ کڑا تھا۔

”اوہو! شاید آپ ناراض ہو گئے۔ میں اپنے مطالبے میں تھوڑی سی نرمی کر سکتا ہوں۔ اگر مسلمان فلسطین خالی کر دیں تو ہم یروشلم کو شہری سولتیں عطا کیا کرنے کا وعدہ کرتے ہیں۔“

غصہ اور جذبات کے جوش میں ملک العادل کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ اس نے کہا۔

”شاہ انکار جہاں تک آپ کے وعدوں اور معاہدوں کا تعلق ہے۔ اب سلطان کسی ضمانت کے بغیر ان پر اعتبار نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ہم نے عیسائیوں زیادہ کسی قوم کو وعدہ خلاف اور عہد شکن نہیں پایا۔ رہا فلسطین کا معاملہ آپ کو معلوم ہونا چاہیے وہ عربوں کا وطن ہے۔ جسے اسی سال پہلے غاصب مسیحوں نے چھین لیا تھا۔ الحمد للہ سلطان معظم کی قیادت میں ہم نے مسلمانوں

جنگ ارسوف

۱۱ شعبان (۷ آبر) ہی کو رچرڈ نے بھی چھاؤنی اٹھائی اور دریا سے آگے علم الدین اپنے لشکر کو لے کر متوازی فاصلہ سے ساتھ ہی ساتھ چلا۔ ایک نالی تذکرہ نویس لکھتا ہے۔

”دوسرے دن ہماری فوج ایک لٹ و دق میدان سے گزری۔ ساتھ پر ٹمبل کر رہے تھے۔ وہ ترکوں کے پیچھے حملوں سے سخت پریشان ہوئے۔ ان کے بیشتر زخمی مارے گئے۔ شاہ رچرڈ نے ترکوں کو پیچھے دھکیل دیا۔ لیکن اس معرکہ دوران اس کے پہلو میں برجی کا سخت زخم لگا۔“

”افسوس ہمارے لیے بے شمار گھوڑے دشمن کے نیزوں اور برہمیوں کا مارے ہوئے۔ سارا دن ترکوں کی یورش کا طوفان جاری رہا اور وہ شوق پھوٹنے لگے۔ اپنے خیموں کو لوٹے۔“ (بحوالہ ہیرلڈ لیم)

ترک اور عرب مجاہدین نے دشمن کے حوصلے پست کر دیے۔ ان کے بے گھوڑے ہلاک ہو گئے۔ پھر مردہ گھوڑوں کے گوشت پر اس قدر ہنگامہ ہوا کہ انہی آپس میں کھتم گیتا ہوئے۔ لگے۔ آخر رچرڈ کو اعلان کرنا پڑا۔ ”جو شخص

میلیبی سپاہ پانچ حصوں میں منقسم تھی۔
پہلے حصہ میں ٹمپلز (الدادیہ) مقدمتہ الیش کی صورت میں سب سے
مقدمہ تھا۔

دوسرا حصہ برٹنی (فرانس) کے لشکر اور آنجو کے فرانسیسی فوجوں پر مشتمل
تھا۔ تیسرے حصے میں پوشو کے دستے اور بعض متفرق یورپی سپاہی یروشلم کے
مقدمہ تھے۔

چوتھے حصہ کو انگریزوں اور نارمن سرداروں سے مستحکم کیا گیا تھا۔ اڈہے
کا شاہی نشان کی گاڑی جس کے ارد گرد جنگی تلواروں کا حلقہ تھا، اسی حصے میں
تھا۔

پانچواں اور آخری حصہ ساتھ یعنی فوج کا عقب سپاہ پوش ہاسٹلوں پر
مستقر تھا۔ جنہیں عرب ”الیطار“ کے نام سے یاد کرتے تھے۔ یہ حصہ عرب اور
نک چھاپہ ماروں کی مسلسل یورش کا شکار رہا تھا۔ بے شمار آدمی اور ان گنت
لوٹے ہلاک و تباہ ہو چکے تھے..... یہ تھی صلیبی فوجوں کی ترتیب۔ محل بحر
سے لے کر ارسوف کے نخلستانوں اور زیتون کے باغات تک کئی میل میں آدمی
گھراتے تھے۔ حلقہ در حلقہ اور صف بہ صف۔

جب گرم سورج عین سر پر آگیا تو حبشی مجاہدوں کے غول ڈھول بجاتے
اور شور مچاتے سمندر کی بھری ہوئی موجوں کی مانند یلغار کرتے ہوئے بڑھے۔
ان کے شور و غل اور ڈھول تاشوں کی آواز کانوں کے پردے پھاڑے دیتی تھی۔
پانچویں روز پانچہ نویس ارنول کی زبانی اس یلغار کا حال سنئے۔

”یہ کالے رنگ کے دیوبیکل سپاہیوں کا لشکر تھا جو سپاہ ہاتھیوں کی طرح غول
اور غول اٹھ آیا اور دھول اڑاتا ہوا بڑی تیزی کے ساتھ صلیبی تیر اندازوں کے
فوجی دستوں پر ٹوٹ پڑا۔ ان کے عقب میں عرب کے بد گھوڑوں پر سوار
فوجیوں کی مانند اڑے آ رہے تھے۔ سارا میدان دھول اور گرد و غبار میں چھپ
جاتا۔ انہوں نے کندے دار کمانوں والی عیسائی فوجوں پر شدید ضربیں لگائیں۔ حتیٰ
کہ موت کے خوف سے پیچھے ہٹنے لگی۔ ہر طرف تباہی پھیل گئی۔ حملہ آور
دست اور ان کا تعاقب کرتے ہوئے بڑی صفوں سے جا ٹکرائے۔“ (بحوالہ لین)

اپنے مردہ گھوڑے کا گوشت مستحق اشخاص میں بانٹ دے گا اسے بائیں
طرف سے نیا گھوڑا دیا جائے گا۔“

پیش قدمی جاری تھی۔ صلیبی رسالہ پیادہ دستوں کے حفاظتی حلقہ میں
بڑھ رہا تھا۔ غازیان اسلام نے دشمن سواروں کو للکارا، بے حد اشتعال دلایا
حفاظتی حلقہ سے باہر نکل کر مقابلہ پر تیار ہوں لیکن ان کی ہر کوشش
ثابت ہوئی۔ افزگی بہادر کھلے میدان میں نکل کر مقابلہ نہ کرنا چاہتے
ہیں لہذا کہتا ہے۔

”اگر وہ اپنی حفاظتی صف بندی چھوڑ دیتے تو ترک سوار یورش کر
انہیں میدانی علاقے میں ریت کے ذروں کی طرح بکھیر دیتے۔ رچرڈ اس
سے بخوبی آگاہ تھا۔“ (دی قلم آف اسلام)

سلطان کو حریف کی پیش قدمی کی اطلاع مل گئی تھی۔ ارسوف کا
اگرچہ اس کی مرضی کے مطابق نہ تھا پھر بھی وہ اسی میدان میں ملیسیوں سے
ڈالنا چاہتا تھا۔ اس نے اپنے لشکر سے جانباز مجاہدین کا انتخاب کر لیا اور انہیں
دیا جو نئی دشمن ارسوف کی حدود میں داخل ہوا سے گھیر لو اور ایسا سبق
وہ ہمیشہ یاد رکھے۔

غازیان اسلام ارسوف کے جنگلوں میں بکھر گئے۔

افگری فوجوں کی رفتار بہت سست تھی۔ سپاہی پھونک پھونک کر قدم اٹھ
چلے آ رہے تھے۔ مسلمانوں کی دہشت ان کے دل و دماغ پر مسلط ہو چکی تھی۔
سورج فلسطین کے گہرے آسمان پر پوری تمازت کے ساتھ چمک رہا تھا۔
رچرڈ کے روز پانچہ نویس ارنول اور مشہور مغربی مورخ اسٹیلین پول کے
سے ستمبر کا گرم آفتاب طلوع ہو چکا تھا اور عیسائی فوجوں کے سپاہی نوجوان
پہننے میں شراہور ہو گئے تھے۔ جب غازیان اسلام نعرے لگاتے، نصیریاں بجاتے
اور ڈھول پیٹتے ہوئے نمودار ہونے لگے۔ ان کی رعد آفریں صداؤں سے
و جبل گونج اٹھے۔

ابن شداد، عماد الکاتب، ابن خلکان، ابن کثیر، ابن خلدون، رچرڈ
روز پانچہ نویس ارنول، ولیم صوری، آرچ بشپ آف صور، شاہی قند
ایمیروز، وقائع نویس ڈی ونسوف، کبکین، اسٹیلین لین پول اور ہیرلڈیم ایچ
اور تذکرہ نگار عیسائی فوجوں کی ترتیب و تقسیم کا حال بیان کرتے ہیں۔

ابن شداد، عماد الکاتب، ابن خلکان، ابن کثیر، ابن خلدون، رچرڈ
روز پانچہ نویس ارنول، ولیم صوری، آرچ بشپ آف صور، شاہی قند
ایمیروز، وقائع نویس ڈی ونسوف، کبکین، اسٹیلین لین پول اور ہیرلڈیم ایچ
اور تذکرہ نگار عیسائی فوجوں کی ترتیب و تقسیم کا حال بیان کرتے ہیں۔

ہوئی تھی۔“
 رچڑ کھلے میدان میں مقابلہ کرنے سے کترا رہا تھا۔ سب جانتے تھے اس
 جہاں و بربادی سے بچنے کا ایک اور صرف ایک طریق باقی رہ گیا تھا اور وہ طریق
 ایک جوابی حملہ تھا۔ ایک بھرپور اور شدید حملہ ہی انہیں محفوظ کر سکتا تھا۔ آخر
 ہاپٹلوں کے دو ٹانٹ گھوڑے کداتے ہوئے آگے بڑھے اور انہوں نے حملہ کا
 آغاز کر دیا۔ ان میں ایک بالڈون ڈی کیرو تھا اس کے بعد عیسائی فوج فرد واحد کی
 طرح مسلمانوں پر ٹوٹ پڑی۔
 حبشی اور بدوی پیچھے ہٹے۔ صلیبی زخم کھاتے ہوئے سانپ کی مانند ان پر
 چبھنے لگے۔

ہاپٹلوں کا لشکر ”مقدمہ الحیش“ بڑی تیزی کے ساتھ حرکت میں آیا۔ حتیٰ
 کہ وہ اس قدر آگے بڑ گئے کہ عقب میں جا پہنچے۔ انہوں نے ساتھ کی جگہ
 سنہال لی اور ساتھ کے ہاپٹلز دستے جو بری طرح مجروح اور زخمی ہو چکے تھے۔
 مقدمہ میں تبدیل ہو گئے۔

ایک طرف کاؤنٹ ہنری اپنے لڑاکا سواروں کو لے کر بڑھا اور سمندر کی
 جانب سے کاؤنٹ جیمز ڈی ایونز، آرچ بشپ آف بولیس اور ارل آف لیسٹر
 اپنی فوجوں کے ساتھ حملہ آور ہوئے۔ (ہیرلڈلیم)

رچڑ بھی فاول پر سوار برچھا سنہالے میدان میں آ گیا۔ اس کے پیچھے
 ڈیوک آف برگنڈی اور انگلستان و فرانس کے منتخب سوار تھے۔ صلیبی فوجوں کا ہر
 دستہ ہر لشکر، ہر سپاہی جنگ میں شریک ہو گیا۔

جوابی حملہ واقعی قیامت خیز تھا۔ مجاہدین گھوڑوں سے کود کود کر دست
 بست لڑنے لگے۔ اور یہ اقدام سلطان کی ہدایت کے قطعی خلاف تھا۔ صلیبی
 فوجیں مسلمانوں سے زیادہ تھیں۔ انہوں نے تین اطراف سے گھیرا ڈال دیا۔ خود
 رچڑ حیرت انگیز بہادری کا ثبوت دے رہا تھا۔ اس نے کئی سپاہیوں کو کاٹ
 پھینکا۔ مسلمان بھی پورے جوش و خروش سے لڑ رہے تھے۔ دونوں طرف لاشیں
 گر رہی تھیں۔ گرم گرم، سرخ سرخ خون بہہ رہا تھا۔ ارسوف کے میدان میں
 فوجیں ہی خون تھا۔

دشمن کی کثرت اور جوابی حملہ کی شدت سے میدان جنگ کا نقشہ بدلنے
 لگا۔ ابن شداد جو چشم دید گواہ ہے۔ خود اس لڑائی میں شریک تھا۔ وہ کہتا ہے۔

ڈی ولسوف اپنے تذکرہ میں رقمطراز ہے۔
 ”ہماری فوج کے عقب میں ایک شدید گونج سنائی دی۔ گویا دشمن کے
 سے ضربیں لگا رہا ہے۔ دشمن ہمارے عقبی دستوں سے یوں الجھ گیا کہ وہ اپنے
 کمان استعمال نہ کر سکے۔ دست بدست لڑائی شروع ہو گئی۔ جب ترکوں
 تلواروں کی ضرب ان کی زربوں پر پڑتی تو یوں گونج اٹھتی تھی جیسے سدا
 ہتھوڑے سے کوٹا جا رہا ہو۔ وہ گرمی کی شدت سے بے حال ہو رہے تھے
 انہیں دم لینے کی بھی فرصت نصیب نہ تھی۔ ہاپٹلوں کی آخری صفیں
 کے حملے کی تاب نہ لاسکیں اور بری طرح کچلی گئیں۔ ترک فخریہ نعرے لگاتے
 ہوئے انہیں لٹکارتے۔ ”ہم فولاد ہیں کوئی ضرب ہم پہ کارگر نہیں ہو سکتی
 (بحوالہ ہیرلڈلیم)

مجاہدین اسلام کا حملہ شدید اور ناقابل برداشت تھا۔ ہاپٹلز تباہ ہو رہے
 تھے۔ ان کا ٹانٹ سردار گاریز ڈی نیپلز چلا اٹھا۔ ”المدد سینٹ جارج الود
 تمہیں گوارا ہے کہ ہم یونہی روندے جائیں۔“

پھر وہ گھوڑا دوڑاتا شاہ رچڑ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا۔ ”ہا
 سلامت! دشمن نے ہمارا قافیہ تنگ کر دیا ہے۔ مجھے خوف ہے کہیں ہم منہ
 کر ازل بدبختی کا شکار نہ ہو جائیں۔ بے شمار گھوڑے دشمن کے تیروں کا
 بن چکے ہیں۔ آخر ہم ہی اکیلے کیوں دشمن کا حملہ روکیں۔“
 ”اچھے ٹانٹ یہ حملہ آپ ہی کو روکنا پڑے گا۔ کوئی شخص ہر جگہ
 نہیں ہو سکتا۔“ (بحوالہ ہیرلڈلیم)

لیکن پول اپنی تاریخ میں لکھتا ہے۔
 ”اس فوج کے لیے جو مسلمانوں کے زرنے میں آچکی تھی۔ یہ دن
 مصیبت اور تباہی کا تھا۔ ہر صلیبی اپنے دل میں افسوس کرتا تھا۔ کاش.....
 یروشلیم کی زیارت کو نہ آیا ہوتا۔“

مجاہدوں کے گرز ہتھوڑوں کی مانند عیسائیوں کے جسم اور ہڈیاں توڑ
 تھے۔ تلواریں ان کی گردنیں اور بازو کاٹنے میں مصروف تھیں۔ شہیدان کا
 انتقام خوفناک زلزلے کی صورت اختیار کر چکا تھا۔ تباہی، موت، خوف اور لاشوں
 کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ ارنول کہتا ہے۔

”یہ گاریز ڈی نیپلز واپس اپنی فوج میں آیا تو ہر طرف تباہی اور اجڑی“

ہر شے کو اپنے ساتھ بھا کر لے جاتی ہیں۔ بالکل اسی طرح جب مسلمان دوبارہ صف بستہ ہو کر دشمن کے سامنے آئے تو بڑے بڑے سردار اور ٹانٹ دم فوجیں آگے گئیں۔ اگر یہ کیفیت عیسائی فوجوں پر گزری ہوتی تو ان کا لوٹ آنا خیال و تصور سے بھی بعید تھا لیکن مسلمان میدان جنگ میں عجیب ترین انسان ثابت ہوئے تھے۔ جہاد..... اور..... انتقام کے دو لفظ ان کی لبوں میں شعلے بن کر تیر گئے تھے اور وہ اتنی بلاخیزی کے ساتھ دوبارہ حملہ آور ہوئے تھے کہ پہلے انتشار و فرار کو ایک جنگی چال کے نام سے تعبیر کرنے لگے۔ ارسوف کے جنگل میں تک پہلے ہوئے تھے۔ مسلمانوں نے انہی جنگلوں کا رخ کیا تھا۔ صلیبی سرداروں نے اس لیے بھی تعاقب نہ کیا کہ ان کے نزدیک یہ انتشار سراسر ایک فریب تھا اور مسلمان دشمنوں کو خود پیچھے لگا کر جنگل میں لے جانا چاہتے تھے۔ جہاں انہیں گوسفندوں کی طرح ہلاک کر دیا جاتا۔ ابن کثیر کہتا ہے۔ اسی جنگی چال کے وہم نے عیسائیوں کو تعاقب سے باز رکھا۔

یقیناً یہ افریقیوں کی خوش نصیبی تھی اگر وہ مسلمانوں کا تعاقب کرتے ہوئے جنگل میں گھس جاتے تو شاید ان میں سے ایک بھی واپس نہ آتا۔ منتشر دستے بڑی تیزی سے اکٹھے ہو گئے اور انہوں نے صلیبی فوجوں کو گھیر لیا۔ جو اس دہم میں مبتلا تھیں کہ خطرہ ٹل گیا۔ عربوں، ترکوں، حبشیوں اور کردوں کے گرز برتنے اور نیزے ایک مرتبہ پھر خون میں تیرنے لگے۔ مسلمانوں کے جوابی حملہ کے سامنے عیسائی بھیڑوں کی طرح منتشر ہو کر بھاگے اور وہ لوگ جو تھوڑی دیر پیشتر غالب حیثیت اختیار کر چکے تھے ایسے مغلوب ہو کر پسا ہوئے کہ انہیں دیکھ کر کسی تباہ حاصل مفروز قافلے کا گمان ہوتا تھا۔ ایک صلیبی تذکرہ نویس اپنی شکست و پستی کا حال ان الفاظ میں بیان کرتا ہے۔

”انہوں نے اپنی جمیعت کو دوبارہ منظم کر کے ہمارے عقبی دستوں پر جو واپس جا رہے تھے اچانک حملہ کر دیا۔ اف ہمارے دستوں پر یہ کتنی خوفناک یورش تھی۔ وہ دشمن کے زرعے میں پھنس گئے۔ چاروں طرف سے تیروں کی بارش ہونے لگی۔ گھبراہٹ اور خوف کے عالم میں وہ اپنی کانٹیوں پر جھک گئے۔ گھوڑے بد کے اور سواروں کو

”افریقیوں نے اپنے نیزے بلند کیے اور بیک زبان نعرہ لگایا۔ ہمارے انہیں راستہ دینے لگیں۔ پھر وہ آگے بڑھے۔ ایک فوج نے مہم پر حملہ کر دیا دوسری پیسرہ پر جھپٹی اور تیسری نے قلب کا رخ کیا۔ مسلمان ان کا مقابلہ کر رہے۔ یہ اتفاق ہے میں قلب فوج میں تھا۔ اچانک قلب میں ہلکڑ پٹی۔ میرہ سے قریب تھا۔ قلب سے نکل کر میرہ میں آ گیا۔ وہاں بھی زبردست انتشار پھیل گیا اور لوگ بھاگنے لگے۔ میں نے سلطان کی طرف رخ کیا۔ ان کے ساتھ صرف ۷۰ آدمیوں کا حلقہ تھا۔ باقی ادھر ادھر بکھرے ہوئے تھے۔ مگر اس انتشار کے باوجود تمام علم برقرار تھے۔ کوئی گرامنہ تھا۔ چوٹیں پڑتی تھیں اور لوگوں کو پکارا جاتا تھا کہ وہ آگے رہیں اور منتشر نہ ہوں۔ جب سلطان نے وہ مصیبت دیکھی جو مسلمانوں پر نازل ہوئی تھی تو لوگوں کو پکارا اور قلیل سی جماعت جمع کر لی۔ لوگ مختلف اطراف سے بھاگ رہے تھے۔ اس نے نوبت بجانے والوں کو حکم دیا کہ نوبت بجاتے اور لوگوں کو پکارتے رہیں۔“ (سیرت صلاح الدین ازاہن شہاد)

علاء الدین نے بھی اس بیان کی تائید کی ہے۔ عیسائیوں کے زبردست جوابی حملہ سے مسلمانوں کی صفیں منتشر ہو گئیں اور وہ افراتفری میں پھنس گئے۔ بے شمار ارسوف کے جنگلوں کی طرف نکل گئے۔ مگر سلطان اور اسکے کئی بہادر جرنیل بڑی پامردی اور ثابت قدمی سے جنگ لڑ رہے تھے۔ عمر اور ملک عادل کے نام سرفروست رہیں گے۔ ملک الافضل بھی ثابت قدم رہا اور شدید زخمی ہوا۔ ملک الظاہر حلب کے بہادروں کے ساتھ آخر دم تک مقابلہ کرتا رہا اور بھی کئی سردار فوج نے مثالی بہادری کا ثبوت دیا۔ ابن ہشام بھی افریقیوں کے سر قلم کر رہا تھا۔

سلطان کی آواز پر فوراً ہی لوگ پھر جمع ہو گئے۔

تقی الدین عمر اور ملک عادل نے بھی اپنے دستوں کو سنبھال لیا۔

پیچھے ہٹتے ہوئے مسلمان رکے، پلٹے اور پھر حملہ آور ہوئے۔ رچڑا اپنے مارشلوں اور جرنیلوں کے ہمراہ ”الغیاث مزار مسیح“ کے نعرے لگاتا دھا آ رہا تھا۔ اچانک میدان میں ایک آواز گونجی۔ ”انتقام..... شہیدان عکا کا انتقام“ یہ آواز نہیں تھی بجلی کا کڑکا تھا مسلمان اسے سن کر عقابوں کی مانند ایک ساتھ جھپٹے۔ جیسے کوئی بند ٹوٹ جاتا ہے اور سیلاب کی سرکش موجیں جوش غضب

بلند پہاڑوں اور چاروں طرف عودی چٹانوں کی قدرتی فصیل سے گھرے
ہے۔ صاریہ میں قریباً ڈیڑھ ہزار یہودی قیام پذیر تھے۔ جن میں عورتوں
کی ایک تہائی تعداد بھی شامل تھی۔ گویا یہ ایک چھوٹا سا یہودی قصبہ تھا
جس میں کوئی بھی شخص سن عیسوی سے آگاہ نہ تھا۔ یہودی مینوں کے نام
بیب اور ناقابل فہم تھے۔

صاریہ اور نجی اور گھنے درختوں کے درمیان ڈیڑھ ہزار فٹ کی بلندی پر
تھا۔ جنوب کی سمت قریباً دو میل کی مسافت پر دریائے العوجا بہہ رہا تھا۔
پہاڑوں میں پیچ و خم کھاتا اور ساحل پر ڈیلٹا بناتا ہوا بحیرہ شام میں گرتا تھا۔
پے پے جافا کا حسین شہر سمندر پر جھکا ہوا تھا۔ مشرق کی جانب فلسطین کے
ت اور قصبات اکثر غیر آباد تھے۔ کہیں کہیں عرب کاشتکار کھیتوں میں اونٹوں یا
بازوں سے بل چلاتے اور کھیتی باڑی کرتے نظر آتے تھے۔ شمال کی طرف چند
ہا کے فاصلے پر ارسوف کے گھنے جنگلات کا سلسلہ پھیلا تھا اور مغرب کی سمت
ن چار میل کے فاصلے پر سبز سمندر لہریں لے رہا تھا۔

یہ تھا قلعہ صاریہ کا محل وقوع جہاں وہ ہر خطرے سے محفوظ الگ تھلک
رہی ہو کر رہتے تھے۔ گریٹا کو یہ معلوم کر لینے میں کوئی مشکل پیش نہ آئی کہ
دائود دراصل جلا وطن، مفرور اور باغی یہودیوں کا بہت پرانا مسکن ہے جسے
اس میں یہودی سردار بارکوپے باز کی تاریخی بغاوت کے دنوں میں مشہور رہی
ہے۔ تعمیر کیا تھا۔ اس زمانے میں فلسطین پر روم کے شہنشاہ قیصر ہیڈرین کی
مست تھی۔ لیکن یہود کے ربی عقبہ کے فتوے پر یہودیوں نے پورے فلسطین
بغاوت کر دی۔ عقبہ نے یارکوپے باز کو مسیح موعود قرار دیا۔ جس کے نتیجے
میں بارکوپے کے جھنڈے تلے بغاوت فرو کرنے کے لیے مشہور سپہ سالار جولیس
بارکوپے کو بھیجا۔

رومی لشکروں نے بارکوپے اور عقبہ کے مذہبی دیوانوں کو ہر جگہ شکست دی
یروشلیم کو تباہ و برباد کر دیا۔ ۳۳ سال پہلے یہود نے مسیح کو صلیب پر لٹکا دیا
۔ یحییٰ بن حواریوں پر انسانیت سوز مظالم ڈھاتے رہے۔ وہ عیسائیوں کو بے
شاکل کر دیتے تھے مگر ۳۳ء میں رومی جنرل جولیس سلبرے یہودیوں پر قہر
نہا کر ٹوٹا اور ان گنت یہودی بے تیغ ہوئے۔ یروشلیم کھنڈروں کا ڈھیر ہو گیا۔
یہودیوں نے یہودی کی مکمل بچ کئی کا تہیہ کر لیا۔ اس نے فرمان جاری کیا تو ریت

گرا گرا بھاگنے لگے۔ ترکوں نے ہمارے لشکر پر سخت جوابی حملہ کیا تھا۔
ترکوں کا قائد تقدیس نامی ایک امیر البحر تھا جو سلطان کا عزیز تھا۔ سات
سو منتخب بہادر امیر موصوف کے ہم رکاب تھے۔ یہ دستے صلاح الدین
کے ذاتی لشکر کا حصہ تھے۔ ہر دستہ زرد علم بلند کیے ہوئے تھے۔ وہ
مردانگی کے خوفناک پیکر تھے۔ جب انہوں نے اپنے تازی گھوڑوں کو
سریت دوڑاتے ہوئے حملہ کیا تو ہمارے سردار عزم استقلال کے
باوجود ان کی بے پناہ یورش کی تاب نہ لا سکے۔" (بحوالہ ہیرلڈیم)

صلیبی تذکرہ نویس نے جس "تقدیس نامی امیر البحر" کا ذکر کیا ہے وہ
دراصل امیر تقی الدین عمر تھا جس نے حیرت انگیز جرات و بہادری کے ساتھ
انگریزی اور فرانسیسی فوجوں کے سرکچے اور بے شمار ملیشوں کو اپنی تلوار کا لہر
بنایا۔ تقی الدین کانام پہلے ہی صلیبی بہادروں کے لیے "ہوا" بن گیا تھا۔ ارسوف
کی جنگ کے بعد وہ اس سے بری طرح خوف کھانے لگے۔ جب انہیں معلوم
ہوتا۔ مقابلہ تقی الدین عمر ایسے سردار سے ہے تو ان کے حوصلے پست ہو جاتے
اور جنگ لڑنے کی بجائے فرار ہی میں غایت سمجھتے تھے۔

ارسوف کے میدان میں غازیان اسلام کی ایک مختصر سی جماعت نے دشمن
کے پرچے اڑا دیے اور وہ شکست کھا کر اپنی چھاؤنی کی طرف بھاگ گیا۔ جو
ارسوف میں قائم کی گئی تھی۔ اس جنگ میں اہل صلیب کا ایک بڑا قائد اور
مارشل جیمز ڈی ایونز ہلاک ہوا۔ دوسرے روز اتوار کو جب اس کی مسخ شدہ
لاش لشکر گاہ میں پہنچی تو ہزاروں صلیبی اٹکبار ہو گئے۔

بھیانک رات

گریٹا کیرو کو قلعہ صاریہ میں آئے کم و بیش اڑھائی ماہ ہو چکے تھے۔ اس کے
حساب کے مطابق اب ستمبر کا مہینہ گزر رہا تھا۔ لیکن وہ یقین کے ساتھ صحیح تاریخ
کا تعین نہ کر سکتی تھی۔ یہودی سن عیسوی سے شدید نفرت کرتے اور ماہ و سال کا
حساب قدیم اسرائیلی تقویم سے لگاتے یا مسلمانوں کے سن (ہجری قمری سے)
استفادہ کرتے تھے۔ لیکن گریٹا نہ سن ہجری سے واقف تھی نہ یہودی تقویم سے۔

بحری ڈاکوؤں کا ایک گروہ کپتان ہاتاری کے تخت کام کر رہا تھا۔ ان کے قیدی کے ساحل پر درختوں اور نرسوں کے جنگل میں چپے رہتے تھے۔ وہ سال سے صلیبوں کے بحری قافلوں کو لوٹ رہے تھے اور بے شمار لوگوں کو کے گھاٹ اتار چکے تھے۔ یوں تو ہر غیر یہودی کو لوٹا جاتا تھا لیکن عیسائیوں کو دبرباد کرنا ان کے نزدیک کار ثواب تھا۔ عکا کی جنگ کے دوران ان نے خوب ہاتھ رنگے اور غلہ و اسلحہ سے بھرے ہوئے کئی صلیبی جہاز ان کا سامان قلعہ میں منتقل کر لیا تھا۔ ہاتاری بحری مہمات کا سردار اور ان ربی کا معتد خاص تھا۔ قلعہ کے فوجیوں پر بھی اسی کا حکم چلتا تھا۔ اس کی حمایت سے شمعون یہودیوں کا بادشاہ بننے اور باقاعدہ تخت نشینی کی رسم ادا کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔

اڑھائی ماہ کے عرصہ میں گریٹانے یہ بھی معلوم کر لیا تھا کہ قلعہ داؤد ان کی خفیہ تحریک صیہونیت کا بہت بڑا مرکز تھا اور شام و فلسطین کے یہودیوں کو عقبہ ربی کا بروز تسلیم کرتے تھے۔ جس نے بارکوکچہ کی قیادت میں بغاوت کرائی تھی۔ قلعہ کا ہر یہودی اپنے آپ کو ”صیونی“ کہلاتا باعث ہوتا اور یروشلم کو ایک مرتبہ پھر یہودی ریاست بنانے کے خواب دیکھ رہا تھا۔ مسلمانوں اور عیسائیوں کی طرح یہ لوگ کھلم کھلا جنگ کی طاقت تو نہ رکھتے لیکن خفیہ طور سے یروشلم پر قبضہ کرنے کے سامان ضرور کر رہے تھے۔

ان تمام معلومات کے باوجود گریٹا کیرو ابھی تک یہ بعید معلوم نہ کر سکی تھی صلیبی چھاؤنی سے اس کے اغواء کا مقصد کیا ہے؟ یہ امر بھی حیرت انگیز اس دوران میں اسے ڈرانے، دھمکانے یا ستانے کی کوشش بھی نہ کی گئی۔ کے برعکس اس کے آرام و آسائش کا خیال رکھا جاتا۔ وہ ایک چھوٹے سے لاکھل شہزادیوں کی سی زندگی بسر کر رہی تھی۔ کئی کنیز خدمت پر مامور تھیں۔ جن کی نگرانی کا فرض راجہ ادا کرتی تھی۔ وہ خود بھی اس کے آرام کا رکھتی اور اگر کسی کنیز سے خدمت گزاری میں معمولی سی کوتاہی بھی ہو تو جاکب سے اس کی خبر لیتی تھی۔ اس سلوک نے کئی مرتبہ انگریز حسینہ کو ناکر دیا لیکن وہ کبھی کیا سکتی تھی۔ اسے تو یہ بھی علم نہ تھا آخر وہ یہاں لائی گئی اور اس سے خلاف توقع، غیر معمولی برتاؤ کی وجہ کیا ہے؟

بظاہر اسے یہاں کوئی تکلیف نہ تھی۔ اگر بنت کیرو کو اپنے باپ، شہزادی

پڑھنے، سبت بجالانے اور ختنہ کی رسم ادا کرنے والے یہودی کو سخت ترس دی جائے گی۔ یروشلم کے قریب قلعہ بیتھر میں لاکھوں یہودی قتل ہوئے۔ لہذا بیتھر ”تربت یہود“ کے نام سے مشہور ہوا، بارکوکچہ باز قتل ہوا، قبر بھی مارا گیا۔ لیکن چند ہزار یہودی اس قلعہ میں آچھپے جو چاروں طرف اونچی اونچی عمودی چٹانوں میں گھرا ہوا تھا۔ بعد میں یہ قلعہ یہودی باغیوں، مفرور مجرموں کا مستقل اڈہ بن گیا۔ کیونکہ جب عیسائی برسر اقتدار آئے تو انہوں نے یہود کے پرانے مظالم کا انتقام لینا شروع کر دیا۔ اسلامی عہد میں یہ برائے نام آباد تھا کیونکہ اب یہود پر بے جا مظالم نہ ہوتے تھے۔ اس لیے وہ خوف و خطر شہروں اور قصبوں میں رہنے لگے۔ لیکن گزشتہ صدی میں یورپ کے صلیبوں نے ستر ہزار مسلمانوں کو قتل کر کے بیت المقدس پر قبضہ کر لیا۔ یہود پر پرانے مظالم کا سلسلہ پھر شروع ہو گیا اور لوگ محفوظ مقامات کی طرف بھاگنے لگے۔

شمعون ربی کی قیادت میں جلا وطن اور مفرور یہودیوں کی ایک جماعت سال سے اسی حصار میں مقیم تھی۔ محل وقوع کچھ ایسا اور قلعہ تک پہنچنے کا راستہ اس قدر دشوار گزار تھا کہ نہ کوئی لشکر اسے عبور کر سکتا، نہ قلعہ تک پہنچ سکتا تھا۔ ایک خفیہ راستہ پہاڑ کے پتھروں سے سرنگ نمادہ میں سے گزرتا ہوا دریا۔ العوجا پر ایک پہاڑی غار میں جا نکلتا تھا۔ یہاں چند یہودی درویشوں نے دروازہ ڈال رکھا تھا۔ تاکہ خفیہ راستہ محفوظ رہے۔

دوسرا راستہ اس سے بھی زیادہ خطرناک تھا۔ یہ ایک آبی لکیر تھی۔ پہاڑوں کے درمیان پیچ و خم کھاتی ایک غار میں غائب ہو جاتی تھی۔ غار دوسری سمت جھیل تھی۔ پھر ایک کھاڑی سمندر میں جا ملتی۔ اس راستے سے کسی ناواقف کا قلعہ تک رسائی حاصل کر لینا مشکل بلکہ ناممکن ہی تھا۔ گویا اعتبار سے محفوظ اور بلاشبہ ایک بہترین پناہ گاہ تھی۔

اندر سے قلعہ تین حصوں میں منقسم تھا۔ ایک حصہ امراء اور بزرگان دین کے لیے مخصوص تھا۔ دوسرے حصہ میں رہائشی مکانات تھے جہاں عیالدار لوگ بیوی بچوں سمیت رہتے تھے۔ تیسرا حصہ فوجی بارکوں اور حجروں پر مشتمل تھا جہاں قلعہ کی محافظ فوج مقیم تھی۔ جس کی کل تعداد سات سو فوجیوں (سپاہیوں اور افسروں) سے زیادہ نہ تھی۔

بہنوں کی طرف اڑے جا رہے تھے اور ان کے عقب میں آسمان کے ایک
ستارے جگمگانے لگے تھے۔ ہواؤں کے پہلو میں خشک لہروں کی
رات کے بھیانک سناٹے میں حصار یہود موت کے عظیم ہرم کی طرح
وساکٹ کھڑا تھا۔ رات نصف سے زیادہ گزر چکی تھی کہ اچانک وہ کسی
اور غناک جھج کی آواز سن کر بیدار ہو گئی۔ گریٹا نے بست کو شش کی کہ وہ
بہارہ سن گئے جس کی ویرانی اور ہیبت نے اس کی نیند لوٹ لی تھی لیکن
نہ ہو سکی۔

گریٹا آہستہ سے اٹھ کر مسہری پر بیٹھ گئی اور سوچنے لگی کیا وہ آواز اس کے
خیال نے پیدا کی تھی۔ اس کی طرح واقعی کوئی دھبی روح اس سنگین حصار
در زب رہی ہے۔ وہ جانتی تھی اس کی اٹھائیس سالہ نگران ربیعہ جو
الے کرے میں نحو خواب ہے۔ نیند کی حالت میں ایک آنکھ کھلی رکھتی
اس لیے وہ نہایت آہستگی سے جس طرح پھول پر شبنم گرتی ہے، مسہری
کی اور دبے پاؤں چلتی اس دریچہ کے پاس آنکھری ہوئی جو شمال کی طرف

بصر جس میں گریٹا مقیم تھی انتہائی شمال میں واقع تھا۔ عقبی دیوار اور
نفیل کے درمیان ایک چوڑی گلی بتدریج نشیب میں اترتی اور قریباً
نئی سو فٹ نیچے چلی گئی تھی۔ اس نے نرم ہاتھوں سے دریچے کے پست
پلے اور پلی ایسی آنکھوں سے گلی میں جھانکا جہاں تک اس کی سماعت اور
ت کا تعلق تھا آواز کرب اسی طرف سے آئی تھی۔ اچانک گریٹا فرط
بے اچھل کے رہ گئی اور استعجاب و اشتیاق کے مارے دریچہ کی دہلیز پر

دروں کی ہلکی سی روشنی میں جو تاریکی کا عکس معلوم ہوتی تھی۔ دور
نہ ایک سایہ حرکت کرتا نظر آیا جو نیچے اترتا ہوا اچانک عمودی چٹانوں
میں غائب ہو گیا۔ بجلی کے کوندے کی طرح ایک خیال اس کے ذہن پر
سنا ہے یہاں سے کوئی خفیہ راستہ باہر جاتا ہو۔ "پھر خطرات سے بے پروا
میں سے مڑی اور دروازہ کھول کر دبے قدموں باہر آ گئی۔ باہر اندھیرے
تھاؤں میں رہے تھے۔ بھاگتے دوڑتے ہوئے بادل ایک مرتبہ پھر آسمان کو
بہتے تھے اور ستاروں کی ننھی منی قدیلیں ہولے ہولے خاموش ہوتی جا

جین، شزاوی ورجینا، ملکہ برنگیریا اور شاہی خاندان کے دیگر افراد سے چلائی
احساس نہ ہوتا تو یہ جگہ الف لیلہ کے کسی طلسمی محل سے کچھ کم دکھائی
راحت افزا نہ تھی۔ کینیز اس کے اشارہ ابو پر رقص کرتیں۔ ربیعہ آس
لمحہ مسرت و آسائش کا خیال رکھتی اور کبھی کبھار ہاتاری بھی خیر و عافیت منظر
کرنے کی خاطر قصر میں آ جاتا تھا۔ اس نے کئی مرتبہ پوچھا۔ "مجھے یہاں کیوں
گیا ہے؟"

"میں کب تک یہاں رہوں گی۔"

"میرے ساتھ غیر معمولی سلوک کیوں کیا جاتا ہے؟"

لیکن ان تمام سوالوں کا ایک ہی جواب تھا۔ پر اسرار، معنی خیز خاموشی۔
کبھی کبھی ہاتاری سوالات سے تنگ آ جاتا تو پوچھتا۔

"کیا تمہیں یہاں کوئی تکلیف ہے؟"

گریٹا کے پاس اس سوال کا کوئی جواب نہ تھا۔ وہ خاموش ہو جاتی۔

یہاں آئے چند ہی روز گزرے تھے کہ اس نے فتح عکا کی خبر سنی اور لیکن
وہ عرب سردار ابن ہشام کے متعلق سوچنے لگی۔ وہ کس حال میں ہوگا۔ کب
جنگ میں مارا تو نہیں گیا، زخمی تو نہیں ہو گیا۔ صلیبی سپاہیوں نے اسے گرفتار
نہیں کر لیا؟ اگر وہ زندہ و سلامت اور آزاد ہے تو ضرور کوئی پیغام لے کر بادشاہ
کے پاس آیا ہوگا۔ اس نے شزاوی جین سے ملاقات کی ہوگی اور میری گمشدگی
کے متعلق سن لیا ہوگا۔ ممکن ہے انہوں نے مجھے مردہ ہی سمجھ لیا ہو اور میرے
عزیز مجھے رو پیٹ بیٹھے ہوں لیکن ابن ہشام؟ کیا وہ بھی یہی سوچتا ہوگا۔ کہیں
مجھے بھول تو نہیں گیا؟

اس قسم کے بیسیوں دوسوے، اندیشے اور خیال سنپولیوں کی طرح اس کے
ذہن کے تاریک حجروں میں ریٹکتے اور قدیلوں کی طرح وہ بھی شام ہی سے چلے
گئی۔ جلدی اسے معلوم ہو گیا۔ وہ اس "قید تنہائی" میں سب سے زیادہ
ہشام کے لیے بے چین ہے۔

کئی دن اور کئی راتیں وہ اسی فکر میں کھوئی رہی کہ یہاں سے کسی طرح
فرار ہو سکے۔ کوئی ترکیب ذہن میں نہ آ سکی۔

وہ ستمبر کی رات تھی۔

آسمان پر آوارہ خرام بادل ایک دوسرے کے تعاقب میں جبل کا بلبل

رہی تھیں۔

”اور بزرگ ربی.....“

”تم اس کی فکر نہ کرو۔ بوڑھا ہاتاری سے پہلے روانہ کر دیا جائے گا۔“

”یہ تم جانتے ہو وہ کل سے قلعہ میں نہیں.....“

”قلعہ میں نہیں.....؟“ مرد کی آواز تحریر میں ڈوبی ہوئی تھی۔

”ہاں..... آج میں بہانے ہی بہانے میں دو مرتبہ اس کی خلوت میں گئی“

”ہاتاری اور خاص خادم کے علاوہ کوئی متنفس قصر خلوت میں نہیں جاسکتا۔“

”دیکھ کر حیران رہ گئی اس کا کمرہ خالی تھا۔ پھر میں نے خادم سے پوچھا تو“

”بہاؤدہ کل سے انتہائی پر اسرار طور پر غائب ہے۔ کسی نے اسے باہر نکلتے“

”نہیں دیکھا۔ ویسے بھی ابھی اعتکاف کے دن پورے نہیں اور وہ یوم سبت“

”بلے اہل قلعہ کے سامنے نہیں آسکتا.....“

”یہ تم نے عجب بات سنائی ہے۔“

”اس لیے میں کہتی ہوں جب تک شمعون اپنے ”قصر خلوت“ میں لوٹ نہ“

”ہاتاری پر ہاتھ اٹھانا خطرے سے خالی نہیں ورنہ اس کی موت بوڑھے کو“

”رک دے گی۔“

”بھرنے لے خاموش طاری رہی اور گریٹا اندھیرے میں پانی کے بہاؤ کی آواز“

”رہی۔ اپنا کب رعبہ آس نے پوچھا۔ ”صلیبی لشکر کب تک جافا پہنچ جائیں“

”انہوں نے ارسوف میں بہت بری شکست کھائی اور اب چھاؤنی میں وکے“

”بنے ہو سکتا ہے آج کل میں جافا کی طرف کوچ کر دیں۔ مگر ان کے جافا“

”سے پہلے ہمیں شمعون اور ہاتاری کو ٹھکانے لگا دینا چاہیے۔ سلطان نے جافا“

”میں سہارا کرا دی ہیں۔ شاید وہ یہاں ملیسوں کا مقابلہ نہیں کرنا چاہتا۔“

”لیکن انگریز لوگ گریٹا کے متعلق بابا کا کیا فیصلہ ہے۔“

”یہ نام سن کر بت کیرو کے بدن پر چیونٹیاں ریگنے لگیں۔ مرد نے جواب“

”اس کے لیے موت سے بہتر انعام اور کیا ہو سکتا ہے؟“

”میں اس سے پاؤں تک کانپ اٹھی۔ اس نے رعبہ کے لبوں پر ٹوٹتی ہوئی“

”آواز سنی۔ ”مجھے اس بے چاری پر ترس آتا ہے۔“

”تم چاہتی ہو اس کا فرہ کو رہا کر دیا جائے تاکہ وہ عیسائیوں میں واپس جا“

”سنگ احمر کی غلام گردشیں عبور کرنے کے بعد گریٹا عقبی گلی میں“

”ہوئی اور سوچے سمجھے بغیر قلعہ کی پتھرلی فصیل کے ساتھ ساتھ نشیب میں“

”گئی۔ یہ بھی خوش قسمتی تھی رعبہ نے جو مدھم سی آہٹ پر بھی چونک اٹھی“

”بلی کی طرح آنکھیں کھول دیتی تھی۔ اسے باہر نکلتے نہیں دیکھا تھا۔ بت کی“

”سرعت سے نشیب میں اترتی چلی گئی اور فوراً ہی اس جگہ پہنچ گئی جہاں اس“

”پر اسرار سائے کو غائب ہوتے دیکھا تھا۔ عمودی چٹانوں کے درمیان جب“

”چھوٹی سی دراڑ نظر آئی تو اس کے تعجب کی انتہا نہ رہی۔ دراڑ اتنی چھوٹی تھی“

”ایک آدمی مشکل سے سما سکتا تھا۔ چٹان کا سہارا لے کر اس نے دراڑ“

”جھانکا۔ ستر اسی فٹ گہری تاریک دراڑ میں نیچے پانی کی لکیر صاف نظر“

”تھی۔ شاید نیچے کوئی چشمہ بہہ رہا تھا۔ غور کرنے پر اس نے جھرنے کی آواز“

”اور اسی آواز میں ملی جلی کچھ انسانی سرگوشیاں بھی۔ ایک لخت گریٹا کو وہ سارے“

”آیا جو چٹانوں کے درمیان غائب ہو گیا تھا۔ وہ کوئی بھی رہا ہو ضرور اسی دراڑ“

”اتر کر نظروں سے اوجھل ہوا تھا اور اب سرگوشیوں کی یہ آواز۔“

”گریٹا چٹان کے ساتھ ساتھ بڑی آہستگی سے کھسکتی ہوئی عین“

”کے اوپر پہنچ گئی۔ اس نے کان لگا کر سنا سرگوشی کی آواز دراڑ ہی سے“

”تھی۔ وہ وہیں دبک گئی اور ٹوٹے پھوٹے الفاظ اس کی سماعت سے نکلنے“

”یہ ایک مرد اور ایک عورت کی دو مختلف آوازیں تھیں جو پانی کی روال“

”مدھم سے شور کے باعث صاف سنائی نہ دیتی تھیں۔ لیکن تھوڑی دیر کے“

”جب گریٹا کی سماعت اس ماحول سے مانوس ہو گئی تو اس کے بدن پر لٹل“

”کپکپی طاری ہو گئی۔ کیونکہ اس نے عورت کی آواز پہچان لی تھی۔ وہ“

”مگر ان رعبہ کے سوا اور کوئی نہ تھا۔ مرد کی آواز جذبات کی شدت اور غصے“

”جوش سے تھر تھرا رہی تھی۔“

”نہیں“ نہیں اب دیر نہ کرنی چاہیے۔ اگر تم ڈرتی ہو تو میں خود“

”داخل ہو کر اس کا خاتمہ کر دوں گا۔“

”اس کے جواب میں رعبہ آس کی زہریلی ہنسی سنائی دی۔ ”تم جانتے“

”قتل میرے لیے کھیل سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتا۔“

”پھر پرسوں صبح کا سورج ہاتاری پر طلوع نہیں ہونا چاہیے۔“

”نہیں تم ایسا نہیں کر سکتے۔“
 ”افسوس باتیں مت کرو۔ تمہارے دل میں کسی عیسائی کے لیے رحم نہ ہونا
 جاؤ قلعہ میں جاؤ اور میرا انتظار کرو۔ میں کل اسی وقت یہاں پہنچ جاؤں۔“

پھر خاموشی چھا گئی۔ گریٹا نے محسوس کیا ربیعہ یوشع کے سامنے پسا ہو کے
 بیٹھی ہے۔ وہ کانپتے ہوئے بدن کے ساتھ واپس مڑی اور نشیبی گلی میں آ گئی۔
 بات اور خوف کے باعث اس کے قدم لڑکھڑا رہے تھے۔ جب وہ ہانپتی، کانپتی
 بن کرے میں پہنچی تو اس کا دل اتنی تیزی سے دھڑک رہا تھا جیسے ابھی سینہ
 باہر اچھل جائے گا۔

پھر عودی چٹانوں کے درمیان پتلی دراڑ اس کے خیالوں میں ایک روشن
 بڑی طرح جھمکنے لگی۔ اس نے قلعہ سے بھاگ نکلنے کا راستہ دریافت کر لیا

دیر تک ذہن انہی خیالوں میں ہچکولے کھاتا رہا۔ نیند تو کیا آتی رات
 میں بدلے، سوچتے اور نگھٹتے، سوتے، جاگتے اور بھیاںک خواب دیکھتے گزر گئی۔

فرار

”دوسرے روز حسب معمول بیدار ہوئی۔“

ربیعہ پہلے کی طرح آج بھی اس کی خدمت میں حاضر تھی اور کینڑوں کو
 غلام دوڑا رہی تھی۔ گریٹا سوچنے لگی۔ آخر شمعون اور ہاتاری اس پر اتنا
 کنٹرول کرتے ہیں۔ کیا وہ نہیں جانتے ربیعہ ان کے دشمن سے ملی ہوئی ہے۔
 اس نے اس کا قلعہ داؤد سے فرار اور یوشع کی واپسی دونوں باتیں تعجب خیز

اب گریٹا کے لیے ایک ہی راستہ تھا۔ وہ قلعہ سے فرار ہو اور کسی طرح
 نکل جائے۔ جہاں صلیبی فوجیں آنے والی تھیں۔ وہ ساری رات یہاں سے
 نکلنے کے متعلق سوچتی رہی۔ چونکہ پہاڑی راستوں سے ناواقف تھی اس لیے
 اس کے اندھیرے کی بجائے دن کے اجالے ہی میں قلعہ سے نکل جانا چاہتی

کر رہی تھی۔ قلعہ داؤد کے بارے میں معلومات مہیا کرے اور اگر
 یوشع قلعہ پر شنگھاری کرنے لگیں۔ ”مرد کے لہجے میں موت کی سی
 ”تم جانتی ہو میں اپنے فیصلے تبدیل کرنے کا عادی نہیں۔ شمعون اور ہاتاری
 ساتھ گریٹا بھی زندہ انسانوں کی فہرست سے خارج کر دی جائے گی۔“

پھر وہ فیصلہ کن انداز میں بولا۔ ”کل رات اسی وقت میں قلعہ میں
 ہو جاؤں گا۔ ہاتاری سمجھتا ہے میں سمندر میں غرق ہو چکا ہوں لیکن
 بتاؤں گا یوشع موت کے سفر سے بھی لوٹ آتا ہے۔“

اب گریٹا کو معلوم ہوا۔ ربیعہ کا مخاطب پراسرار جہاز کا نائب کپتان
 ہے۔ جس نے اس کی موت کے لیے ہاتاری سے جنگ لڑی تھی۔ جہاز کی
 کے بعد یہی سمجھ لیا گیا۔ اپنے ساتھیوں کے ہمراہ وہ بھی طوفانی سمندر میں
 ہو گیا۔ لیکن اڑھائی ماہ کے بعد آج گریٹا پھر اس کی آواز سن رہی تھی۔
 موت کے سفر سے لوٹ آیا تھا اور یہ بات حیرت انگیز تھی۔

ربیعہ کو شاید اس کی تجویز پسند نہ آئی تھی۔ اس نے کہا۔ ”یہ غلطی
 یوشع! ابھی تمہیں اپنے آپ کو ظاہر نہ کرنا چاہیے۔ تم قلعہ میں آکر
 گے؟“

”اوہ..... تم نہیں جانتی۔ بوڑھا ربی اعتکاف کے دوران اپنے کمرے
 اچانک کہاں غائب ہو گیا۔ اس کا علم صرف ہاتاری کو ہو گا اور میرے
 نوک اس کے حلق سے یہ راز اگلوا لے گی۔“

”کیا یہ بہت ضروری ہے؟“
 ”بے شک کل رات کے بعد زمین کا کوئی تختہ شمعون اور ہاتاری کا
 وجود نہیں اٹھا سکے گا۔ یہ جیکب آس کا فیصلہ ہے۔“

”اگر یہ بابا کا فیصلہ ہے تو کل میں اسی وقت تمہارا انتظار کروں گی۔
 میرا ایک پیغام انہیں پہنچا دو۔ وہ انگریز لڑکی کے قتل کا ارادہ ترک کر دیں۔
 تک حالات سدھر نہیں جاتے ہم اسے قید میں رکھیں گے۔“

”تم سمجھتی ہو گریٹا کے قتل کا فیصلہ تمہارے بابا نے کیا ہے؟“
 ”تو کیا.....“

”یہ میرا فیصلہ ہے۔ میں عیسائی ناگن کا سر پھیل دینا چاہتا ہوں؟“
 لہجے میں نفرت سانپ کی طرح کروٹیں لے رہی تھی۔

کے تائب سے سیدھی نیچے چلی گئی۔ اور اس قدر خطرناک تھی کہ اس زمانہ موت کو دعوت دینے کے مترادف تھا۔ دراڑ اگرچہ تاریکی میں ڈوبی تھی مگر مٹی کے سطح کا ایک کنارہ سانپ کی کینچلی کی طرح چمک رہا تھا۔ گریٹا نے دیکھا یا شاید کسی جانب سے بڑے پانی پر صبح کی روشنی منعکس ہو رہی ہے۔

پانی کا جھرنہ چٹان کے شکاف سے نکلنے کے بعد چند گز نشیب میں لہراتا اور کی ٹالی دیوار سے ایک آبشار کی طرح چار سو فٹ گہری سطح میں گرتا تھا۔ موسیقی جلتنگ بجتا تھا۔ لیکن انتہائی گہرائی میں گرنے کی وجہ سے یہ انتہائی مدہم سنائی دیتی تھی۔

یہ تھا تنگ و تاریک، گہری اور خوفناک دراڑ کا نقشہ جس سے گریٹا نے امید وابستہ کر لی تھی۔ لیکن اب اسے معلوم ہوا موت کی اس قدر کو عبور کرنا اس کی طاقت سے باہر ہے۔ اگر وہ چار سو فٹ لمبی کند کا انتظار لے تو بھی اس کے سارے نیچے اترنے کی ہمت نہیں کر سکتی۔

مایوسی اور افسردگی نے اسے نیم جان سا کر دیا۔ سنہرے خیالوں اور خوش تصورات کی کندیں ٹوٹ گئیں۔ امید کی آخری شمع بھی گل ہو گئی اور وہ محسوس کرنے لگی۔ جیسے موت کی تاریکیاں گہری خندق سے نکل کر اس کے دل کی طرف منجمد ہو رہی ہوں۔ اچانک شور و غل کی آوازوں نے اسے چونکا دیا۔ یہ آوازیں اسی عمارت سے آرہی تھیں جہاں گر۔ ٹا کا قیام تھا۔ شاید اس زلزلہ کا بھید کھل گیا تھا۔ مگر اس دراڑ کے رستے فرار کی کوئی صورت نظر نہ آئی۔ اسے لوٹ جانا چاہیے۔

شام کے لہراتے ہوئے سایوں کے درمیان نشیبی گلی کو عبور کر کے وہ دبے دروازے کے قریب سے گزری مگر پریدار وہاں نہیں تھے۔ غلام گردشوں کو تنفس دکھائی نہ دیا۔ "نجانے ماجرا کیا ہے؟ وہ ٹھٹھک گئی۔ ایک کینئر نے جھکائے منکفر و پریشان سر میں بائیس قدم کے فاصلہ پر چلی آ رہی تھی۔ گریٹا اس گول زینہ کی طرف بڑھی جو غلام گردش کے گوشہ سے عمارت کی طرف بڑھتا تھا۔ پھر وہ اس طرح مڑی گویا سیڑھیاں اتر رہی ہو۔ قدموں کی آواز کینئر چوکی، پھر بھاگتی ہوئی قریب آئی تو گریٹا نے پوچھا۔

"یہ شور کیسا ہے آسیہ!"

کینئر نے بتایا ابھی ابھی ہاتھری آیا تھا۔ اس نے ربیعہ اور آپ کے متعلق

تھی۔

سہ پہر کے قریب اسے یہ موقع مل گیا۔ راجہ کسی کام سے قلعہ کے حصہ کی طرف چلی گئی تھی جہاں لوگ اہل و عیال سمیت رہتے تھے۔ کینئر بڑے کمرے میں آرام کر رہی تھیں۔ گریٹا نے خنجر کپڑوں میں چھپایا اور یہ خواتین کی طرح سر پر سیاہ رومال ڈال کر غلام گردشیں عبور کر کے نشیبی گلی آ گئی۔ یہ اس کی خوش قسمتی تھی ادھر صرف دو محافظ پہرہ دیا کرتے تھے۔ دوپہر کے بعد اکثر فصیل کے مدور برج میں بیٹھے شطرنج کھیلتے رہتے۔ اس زینہ کی طرح ۵۴ ڈگری کا زاویہ بناتے دو سو فٹ نیچے اترتی تھی۔ بھاگتی گئی۔ جوں جوں وہ ڈھلوان سے نیچے اتری دائیں بائیں عمارت کی عقبی دروازے کی فصیل کی طرح بتدریج اونچی اور اونچی..... اور اونچی ہوتی چلی گئی حتیٰ کہ دو سو فٹ نیچے پہنچ کر جب اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو دیواروں کی معمولی بلندی سے خوف زدہ ہو گئی۔ ان بلندیوں کے درمیان وہ نشیبی گلی ڈھلان پر ایک حقیر سے چوہیا کے مشابہ تھی۔

ٹھیک دو سو قدم کے فاصلہ پر وہ رک گئی۔ یہ گلی سہ پہر کے وقت بھی ہی کا منظر پیش کر رہی تھی۔ یہاں ہر وقت اونچی دیواروں کے سائے رہتے تھے۔ فصیل کی کئی پھٹی درز جہاں اس نے رات کے وقت راجہ اور پوش کی گفتگو تھی، شاید کسی زلزلہ کی یادگار تھی۔ وہ اس قدر تنگ تھی کہ گریٹا کا چہرہ بالکل دبا پتلا جسم بھی پتھروں کی رگڑ محسوس کر رہا تھا۔

فصیل جو عمودی چٹانوں کے ساتھ پیوست تھی قریباً "چھ فٹ چوڑی اور اسی نسبت سے یہ کئی پھٹی درز بھی چھ فٹ ہی تھی۔ گریٹا اس تنگ سی گلی کو عبور کر کے دراڑ کے دہانہ پر جا پہنچی۔ پانی کی گنگناہٹ بیرونی وادی کی خبر دے رہی تھی۔ یہ کوئی جھرنہ تھا جو اونچی اور عمودی چٹانوں کے درمیان بلندی سے اترتا اور ایک چٹان کے قدرتی شکاف سے راہ بناتا ہوا دراڑ میں گرنا شروع ٹھنڈی ہوا کا جھونکا گریٹا کے رخساروں کو چھوتا ہوا نکل گیا۔ پھر چٹان کے شکاف سے نکلتی اور پیچ و خم کھا کر دراڑ میں بہتی ہوئی آبی لکیر نظر آئی۔ اس نے بے تابی کے ساتھ آگے جھک کر دراڑ میں دیکھا اور کانپ کر پیچھے ہٹ گئی۔ اس کے چہرے پر افسردگی و مایوسی کے سائے گہرے ہو گئے۔

اندھیری دراڑ کم و بیش چار سو فٹ گہری، تنگ و تاریک اور چھ سات

اس سوال نے یہودی قزاق کو ورطہ حیرت میں ڈال دیا۔ ”تم کیا کہنا چاہتی

گریٹا نے اسے بتایا، نہ صرف یوشع زندہ ہے بلکہ اس سے انتقام لینے کی فکر
ہے۔ وہ آج رات شمعون ربی اور ہاتاری کو قتل کرنے کے لیے قلعہ میں
جائے گا اور ربیعہ اس کا اختار کرے گی۔ آج رات ہاتاری کو قلعہ میں نہ رہنا
چاہیے۔ گریٹا نے کہا۔

”تمہارے ساتھ وہ مجھے بھی قتل کر دینا چاہتا ہے۔ ہاتاری! مجھے بچاؤ اور
ہاں سے نکل چلو۔ وہ شیطانی قوتوں کا مالک ہے۔“
ایک لخت ہاتاری کے ہونٹوں پر ایک بے ساختہ ققمہ رقص کرنے لگا اور
آنکھوں سے نفرت و حقارت کی چنگاریاں اڑنے لگیں۔

”آہا ہا ہا..... میں تمہارا مطلب سمجھ گیا۔ تم نے یقیناً یہ خبر سن لی ہے کہ
صلیبی فوجیں آج کل میں جانا بچنے والی ہیں۔ شاید وہ ارسوف کے جنگلات کو
بور کر آئی ہوں۔ کیونکہ آج سہ پہر کے وقت سمندر میں صلیبی بیڑہ کے نشانات
اڑتے ہوئے دیکھے گئے ہیں۔ تم نے یہ کہانی اس لیے بنائی کہ میں یوشع کے ڈر
سے تمہیں ساتھ لے کر قلعہ سے نکلوں اور تمہارے ہم مذہبوں کے ہاتھوں
گرفتار ہو جاؤں لیکن میں اتنا بے وقوف نہیں کہ ایسی بے سروپا کہانی پر یقین کر
لوں۔“

گریٹا تعجب کے ساتھ یہ باتیں سنتی رہی۔ اس نے اظہار نفرت کے طور پر
مہ پھیر کر تھوک دیا۔ پھر تیزی کے ساتھ مڑی اور کمرے سے نکل گئی۔ یہ رویہ
ہاتاری کے لیے ناقابل فہم تھا۔ وہ کھڑا دیکھتا ہی رہ گیا اور گریٹا ایک متحرک دھبے
کی مانند اندھیرے میں گھل مل کر نظروں سے اوجھل ہو گئی۔

گریٹا کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ رات کا اندھیرا پھیلتے ہی
اس کی بے چینی میں اضافہ ہونے لگا۔

آسیہ کی زبانی ہاتاری کے اندیشوں کی تصدیق بھی ہو گئی۔ چند یہودی
نورازی دیر پہلے قلعہ میں آئے تھے۔ انہوں نے بتایا ارسوف کے جنگلوں کے

پوچھا لیکن جب کینزوں نے لا علی کا اظہار کیا تو گرجنے برسے لگا۔ اس نے
کے پیرے داروں کو بھی لعنت ملامت کی۔ وہ بہت گھبرایا ہوا معلوم ہوتا تھا۔
وہ بولی۔

”اگر آپ کہیں تو میں آقا کو آپ کی واپسی کی اطلاع دوں؟“
”نہیں۔“ گریٹا کچھ سوچ کر کہنے لگی۔ ”میں خود ہاتاری کے پاس جاؤں گی۔
میری رہنمائی کرو۔“

پھر وہ کینز کے ساتھ حلقہ امراء کی طرف چل دی۔ آدھ کھلے درجوں
کھڑکیوں سے کئی آنکھیں انہیں گھور رہی تھیں۔

ہاتاری اپنے آراستہ و پیراستہ کمرے میں تین ملاحوں پر برس رہا تھا۔
اس کے سامنے کھڑے کتوں کی طرح ہانپ رہے تھے۔ ان کے چروں پر فز
اور سراپنگی کی پرچھائیاں لرزاں تھیں۔

گریٹا کو دیکھتے ہی ہاتاری اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ اس کی آنکھوں کے گوشے
سے حیرت و استعجاب اور درندگی جھانک رہی تھی۔ وہ پہلے سے بہت مختلف
بدلا اور خوفناک نظر آتا تھا۔ اس نے کرخت لہجے میں پوچھا۔ ”تم کہاں چلی
تھیں۔ میں ابھی ابھی تمہارے کمرہ سے آ رہا ہوں؟“

بنت کیرو نے جیسے اس کی بات سنی ہی نہ ہو۔ اس نے ملاحوں کی طرف
انگی اٹھائی اور بولی ”جاؤ..... نکل جاؤ..... آہیہ تم بھی جاؤ۔ شاید ربیعہ
تک واپس نہ آئی ہوگی۔ اگر وہ جلدی لوٹ آئی اور میرے متعلق پوچھے
تہیں لا علی کا اظہار کرنا چاہیے۔ بس اب جاؤ اور میرے کمرے میں آنا
کرو۔“

اس نے یہ احکام اس طرح صادر کیے جیسے وہ قلعہ کی سب سے بااثر
شخصیت ہو۔ غلام چپ چاپ کمرے سے نکل گئے ہاتاری نے کوئی مزاحمت
کی۔ وہ بنفس نفیس حیرت بنا گریٹا کو دیکھتا رہا۔ جب کینز بھی چلی گئی تو بنت
ہاتاری کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

”ہاتاری..... کیا تم مجھ پر اعتماد کرو گے؟“

ایک پر اسرار سناٹا طاری تھا۔ اس اندھیرے میں ہاتاری گریٹا کا ہاتھ
نہ لٹکی فسیل کے اس برج میں داخل ہوا جو لٹکی گلی کے سرے پر واقع تھا۔
برج کے دونوں محافظ شاید پہلے ہی دوسری جگہ منتقل ہو چکے تھے۔

لٹکی گلی اندھیرے کے سیاہ غلاف میں ملفوف تھی۔ دور ڈھلان کے نچلے
حصے میں چند وجہ حرکت کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ شاید پوشع دراڑ کو عبور
کرنے کے قلعہ میں داخل ہو چکا تھا۔ ہاتاری نے برج کا دروازہ بند نہیں کیا۔ پتھر کی
دوار پر ایک مدھم سی مشعل روشن تھی جس کی روشنی میں یہودی قزاق نے
نیش کی ایک بڑی چوکور سل با آسانی اکھاڑ لی۔ گریٹا یہ دیکھ کر حیران رہ گئی، وہ
کسی زینہ کا راستہ تھا۔ بت کرو کو زینے کے شکاف میں دھکیل کر ہاتاری نے
دوار سے مشعل اٹھائی اور خود بھی شکاف میں داخل ہو کر اس کا دہانہ پتھر کی سل
سے دوبارہ بند کر دیا۔

مدھم سی روشنی میں اب وہ آگے پیچھے ایک تنگ گول زینہ سے اتر رہے
تھے۔ جس میں مشعل کی چربی کی سرانڈ پھیلنے لگی تھی۔ گریٹا نے محسوس کیا زینہ
کے اندر کسی نامعلوم راستہ سے ٹھنڈی ہوا داخل ہو رہی ہے۔ پتھر کی کم و بیش
اسی میڑھیاں اترنے کے بعد گریٹا ہانپنے لگی۔ ابھی تک زینہ کا کوئی اور چھوڑ
نہ آ رہا تھا۔ اس نے گھبرا کر ہاتاری کو دیکھا وہ بولا۔ ”یہ راستہ دشوار گزار
مرد ہے لیکن ہماری زندگی کا یہی ایک راستہ باقی ہے جو ہمیں قلعہ سے باہر لے
جائے گا۔“

مزید ستر میڑھیاں اترنے کے بعد گریٹا نے جلتنگ کی مانوس آواز سنی۔
بتے ہوئے پانی کی موسیقی اور مشعل کی روشنی میں وہ یہ دیکھ کر دنگ رہ گئی کہ
ڈیڑھ سو میڑھی اترنے کے بعد وہ اسی خوفناک دراڑ کے کنارے کھڑی تھی۔ جسے
وہ آج ہی اچھی طرح دیکھ بھال چکی تھی۔ صرف فرق یہ تھا کہ پانی کا جھرنہ قریباً
دو سو قدم پر ہے تھا اور دراڑ کی چوڑائی اس جگہ دس بارہ فٹ سے کم ہرگز نہ
تھی۔ ہاتاری نے مشعل ایک طرف رکھ دی اور بھاری پتھر کی اوٹ سے رسیوں
کی میڑھی گہری دراڑ میں پھینک دی۔ تیرہ و تار خندق کے اندر عجیب سا دھماکا
ہوا۔ پھر خاموشی چھا گئی۔ رسیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”بس یہ میڑھی اترنے کے
بعد ہم قلعہ سے باہر ہوں گے۔ چلو جلدی کرو پہلے تمہی نیچے اترو۔“
گریٹا خوفزدہ ہو کر پیچھے ہٹ گئی جیسے وہ رسیوں کی میڑھی نہیں کسی ناگن کی

قریب عرب لشکروں اور صلیبی فوجوں میں گھسان کی جنگ ہو رہی ہے۔ گریٹا
اب جنگ و جدل کی خبروں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ لیکن وہ یہ سن کر چونک
اٹھی کہ عربوں کا کرد رسالہ جس کا سردار ابن ہشام ہے ”دیر الراہب“
آگے نکل آیا ہے اور عیسائی دستوں کو تباہ و برباد کر دیا ہے۔

عرب رسالہ..... اور کرد سوار ابن ہشام کے تذکرہ نے گریٹا کے جذبات
میں ایک ہلچل سے ڈال دی۔ اس نے سوچا اگر وہ صلیبی لشکروں تک نہیں پہنچ
سکتی تو کسی طرح ابن ہشام تک ہی رسائی حاصل کر سکے۔ لیکن یہ کیسے ممکن تھا
ہاتاری نے اس کی بات کا یقین نہ کیا تھا اور قلعہ سے نکلنے کی کوئی امید نظر
آتی تھی۔ رات کا پہلا پھر گزر گیا تھا۔ جب وہ دل شکستہ سی ہو کر اپنے کمرے
میں لوٹ آئی۔ مگر جب اندر داخل ہوئی ٹھٹھک کر رہ گئی۔ ہاتاری کرسی پر بیٹھا
اسی کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے گریٹا کو اندر کھینچ کر دروازہ بند کر دیا۔ اس
اچانک اور غیر متوقع سلوک نے بت کیرو کو ڈرا دیا۔ لیکن ہاتاری نے فوراً ہی
اس کی حیرت دور کر دی۔ وہ بولا۔

”گریٹا میں نے تم پر اعتماد کر لیا ہے۔“

وہ تحیر زا نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔ ہاتاری سرگوشیانہ لہجے میں بولا۔
”کاش! میں نے اسی وقت تمہاری بات مان لی ہوتی۔ اب بدلے ہوئے حالات
نے تمہارے ایک ایک لفظ کی تائید کر دی ہے۔ تم یہ سن کر حیران ہو گی۔ اس
وقت قلعہ دشمنوں کے زرخے میں ہے اور ہم چاروں طرف سے گھیر لئے گئے
ہیں۔ کھاڑی کے بحری راستہ پر پوشع کے ہتھیار بند طراح کھڑے ہیں۔ دروں پر
جو دریائے العوجا کے کنارے غار میں جا نکلے ہیں۔ جبکہ آس اپنے مسلح سپاہیوں
کے ساتھ قبضہ کر چکا ہے اور خود پوشع اپنے پچاس ساتھیوں کو لے کر شمالی فسیل
کی دراڑ میں پہنچ چکا ہے۔ میرا خیال ہے وہ کوئی دم میں تینوں سمتوں سے قلعہ
میں ٹھس آئیں گے.....“

گریٹا یہ حیرت انگیز اطلاعات سن کر دم بخود رہ گئی۔ ”اب کیا ہو گا؟“

”میرے ساتھ آؤ میں تمہیں موت کے منہ میں چھوڑ کے نہیں جاؤں گا۔“

یہ کہہ کر ہاتاری نے ایک جست لگائی اور گریٹا کو لے کر عقبی دروازے سے
دوسرے کمرہ میں آیا۔ اسی کمرہ کی بغلی کھڑکی پھاند کر وہ غلام گردش میں نمودار
ہوئے۔ باہر اندھیرے کے سائبان تھے ہوئے تھے۔ رات کا پہلا پھر گزر چکا اور

دم تھی۔ ”شاید تم ڈرتی ہو۔ لو پہلے میں اترتا ہوں۔“

یہ کہہ کر ہاتاری نے ایک ہاتھ میں مشعل اٹھائی اور دوسرے ہاتھ رسیوں کو تھام کر نیچے اترنے لگا۔

دراڑ چار سو فٹ سے کم گہری نہ تھی۔ گریٹا اوپر بیٹھی روشنی کے دائرہ کو بتدریج نیچے جاتے دیکھتی رہی۔ حتیٰ کہ وہ اس کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئی۔ اب نیچے..... اور نیچے..... اور نیچے اسے ایک روشنی کا غبار سا اڑتا نظر رہا تھا۔ پھر وہ بھی رسیوں کی میڑھیوں پر بھول گئی اور قدم قدم اترتی نیچے گئی۔

اب وہ دونوں چار فٹ گہری خندق میں چل رہے تھے۔ جو جلتنگ کی موسیقی سے گونج رہی تھی۔ آبشار ان کے عقب میں گر رہا تھا۔ صرف ڈیڑھ فرلانگ اس مہیب اور عظیم گلی میں چلنے کے بعد وہ کھلی وادی میں داخل ہوئے۔ ہاتاری نے مشعل گل کر دی تھی۔ وہ جانتا تھا یوشع اسی سمت سے قلعہ میں داخل ہوا ہے۔ لہذا اس کا کوئی نہ کوئی آدمی اس وادی میں موجود ہوگا۔ یہ ظن کچھ بے جا نہ تھا۔ جو خفیہ وہ چھ سات سو فٹ اونچی چٹانوں سے نکل کر جنموں نے قلعہ کے چاروں طرف ایک قدرتی حصار بنا رکھا تھا۔ سرسبز و شاداب نشیب میں اترنے لگے۔ انہیں فوراً ہی ایک ٹیلے کی اوٹ میں دبک جانا پڑا۔ ہاتاری کی چیتے ایسی تیز نگاہوں نے کچھ فاصلے پر دو سائے حرکت کرتے دیکھے تھے۔ اس وقت وہ تصادم سے بچنا چاہتا تھا۔ وہ پتھروں اور گھاس پر رینگتا ہوا آگے بڑھا اور تلوار نکال کر اس طرح اچانک ان پر ٹوٹ پڑا کہ انہیں دم لینے کی مہلت بھی نہ مل سکی۔ اس کے قدموں میں دو لاشیں خون میں لت پڑی تھیں۔ دونوں یوشع کے خاص آدمی تھے۔

اس نے لاشیں ایک کھڈ میں لڑھکا دیں اور اندھیرے میں گریٹا کا ہاتھ تھام کر نیچے اترنے لگا۔ قلعہ کے ارد گرد تمام وادیاں اس کی دیکھی بھالی تھیں۔ پھر بھی وہ پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا۔ کیونکہ اونچے پہاڑوں پر پگڈنڈیاں نہیں نہ راستے۔ اندھیرے میں کالی چٹانیں بھوتوں کی طرح سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ پتھروں سے ٹھوکریں کھاتے، درختوں اور چٹانوں کا سہارا لیتے، پھسلتے، سنبھلتے، گرتے پڑتے وہ ایک میل دور آگئے۔ اب گریٹا میں مزید چلنے اور ٹھوکریں کھانے کی ہمت نہ تھی۔

نظرہ کے پیش نظر وہ جلد از جلد قلعہ سے دور ہو جانا چاہتا تھا۔ یہ بھی اتفاق تھا۔ شمعون ربی ایک ہی روز پہلے جافا کی طرف روانہ ہوا تھا۔ نے بھی اسی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا۔ قلعہ کو مسمار کرنے اور شہر کو برباد بنانے کے بعد عربوں نے جافا خالی کر دیا تھا۔ لیکن بندرگاہ کے قریب یوں کی ایک چھوٹی سی بستی جس کا نام انہوں نے تل ابیب رکھا تھا ابھی تک تھی۔ ہاتاری کے دو جہاز اور چند ملاح وہیں رہتے تھے اور شمعون کے بعد یوں کی منزل بھی تل ابیب کی بستی تھی۔

اندھیرے کی وجہ سے ہاتاری سمت کا بھی صحیح تعین نہ کر سکا تھا۔ پھر رات وقت دشوار گزار پہاڑوں پر سفر انتہائی خطرناک تھا۔ وہ سینکڑوں فٹ نیچے اترنے لگے اور یہ اتفاق ہی نہیں تھا کہ انہیں کوئی حادثہ پیش نہ آیا تھا اور نہ اونچے پان سے لڑھک کر وہ سیدھے قضا کی وادی میں پہنچتے۔ پتھروں اور سنگریزوں کی بکروں سے گریٹا کے پاؤں زخمی ہو گئے تھے۔ آگے راستہ بھی اچانک مسدود نظر آیا۔ سامنے عمودی چٹانیں سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ ہاتاری نے انہی چٹانوں میں بے بری کے لیے ایک غار کو ڈھونڈ لیا اور مشعل پھر روشن کر لی۔ لرزتی ہوئی روشنی میں اس نے غار کا جائزہ لیا جو ایک پہاڑی سرنگ کی راج دور تک چلا گیا تھا۔ پھر گریٹا کا ہاتھ تھامے اندر داخل ہو گیا۔

○

کے کھلتے ہی اسے اپنی بے بسی پر رونا آگیا۔
ہاتاری کہنے لگا۔

”اگر تم انگریزی کیمپ میں چلی بھی گئیں، تو تمہاری زندگی خطرے میں
ہوگی۔ ابھی تم زبان بھی نہ کھول سکو گی کہ اندھیرے سے آنے والا پراسرار تیر
ندے سینے میں پیوست ہو جائے گا۔“

ہاتاری..... مجھے صاف صاف بتاؤ تم کتنا کیا چاہتے ہو؟“ گریٹا کی آواز کسی
نبانے خوف سے کپکپا رہی تھی۔

”انگریزی کیمپ میں ایک ایسا آدمی ہماری مدد کے لیے موجود ہے، جس نے
ہمارے ہوش جسم ہمارے حوالے کیا اور یہ عہد لیا تھا کہ میں تمہیں صلیبی
لکڑوں سے اتنی دور لے جاؤں، جہاں کوئی عیسائی تمہاری بوجھ نہ سونگھ
سکے۔“

”یہ غلط ہے۔ انگریزی کیمپ میں کوئی ایسا بد بخت نہیں ہو سکتا، جو شاہ رچرڈ
کے خاص مصاحب بالڈون ڈی کیرو کی لڑکی کے ساتھ اس دشمنی کی جرات کر
سکے۔“

اس کے جواب میں یہودی قزاق کا ایک زہر آلود سا قہقہہ بلند ہوا۔ اس
نے نیچے لہجے میں جواب دیا..... ”تم ابھی تک فادر بولاری کو نہیں بھولی
ہو۔ وہ شنزادی جین کے ایک ایسے راز سے آگاہ ہو گیا تھا، جسے وہ دوسروں
سے ابھی تک چھپا رہی ہے۔ کیا یہ درست نہیں، شنزادی نہ صرف ایک رات
بلکہ کئی چھاؤنی میں گزار آئی بلکہ سلطان کے بھائی ملک العادل سے محبت کرنے
لگے، اور تمہارے روبرو اپنی محبت کا اقرار بھی کر چکی ہے۔“

یہودی قزاق کی زبان سے یہ الفاظ سن کر گریٹا پر حیرتوں کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔
اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا، اس کے علاوہ کوئی دوسرا بھی شنزادی جین
کے راز محبت سے آگاہ ہو سکتا ہے۔ ایک لمحہ ساکت رہ کر اس نے پوچھا۔
”لیکن شنزادی جین اور ملک العادل کے افسانے کو میرے اغوا سے کیا
لگتا؟“

”فادر بولاری کے نزدیک تمہارا جرم شنزادی جین سے زیادہ سنگین ہے۔
آئے انگلستان کے شاہی خیموں میں عرب حکیم حارث ابن ہشام سے راہ و رسم
مطالعہ۔ اسے اپنا مرکز نگاہ بنا لیا اور تحائف پیش کیے۔ تمہارا خیال تھا رات کے

خوفناک کہانی

غار میں مشعل تڑتڑ..... جل رہی تھی اور اس کی زرد روشنی
ہاتاری کا چہرہ بڑا خوفناک اور ڈراؤنا دکھائی دے رہا تھا۔ وہ انگریز حینہ کو
کے قلعہ سے نکال لایا مگر اس وقت خود موت کا ہرکارہ نظر آتا تھا۔ پہاڑوں
رات آخری سانس لے رہی تھی۔ پھر بھی تعاقب اور گرفتاری کے ڈرے
دونوں ایک لمحہ کو بھی سونہ سکے تھے۔

گریٹا کے قلب و ذہن پر ایک نامعلوم سا خوف مسلط تھا۔ اس نے
قلعہ یہود سے باہر نکل کر وہ ہاتاری کو اس بات پر رضامند کر لے گی کہ انہیں
اکرام کے عوض، وہ اسے انگریزی کیمپ تک پہنچا دے، مگر یہ خیال خام ہی
ہوا۔ یہودی قزاق کی آنکھوں میں ایک نئی شیطانی چمک دکھ کر انگریز حینہ کا
ترپنے اور دھڑکنے لگا۔ ایک نیا خطرہ اس کے گرد جال بچھا رہا تھا۔ اس نے
ایسے شخص پر اعتماد کر لیا تھا جو اس کی مصیبتوں کا پیش خیمہ تھا۔ وہی تو
نورون کی چھاؤنی سے اغوا کر کے لایا تھا۔

وہ ابھی تک اپنی گرفتاری اور قید و بند کا مطلب بھی نہیں سمجھ پائی تھی
یہی وجہ تھی اس نے ہاتاری سے ایک موہوم سی امید وابستہ کر لی اور اسی
پر ہاتاری کو یاد دلایا، اگر وہ اس پر اعتماد کر کے یوشع کی خوفناک سازش
انکشاف نہ کرتی تو اس وقت یا تو وہ قتل ہو چکا ہوتا یا اپنے حریف کے قبضہ
جکڑا تڑپ اور سسک رہا ہوتا۔ کیا گریٹا کا یہ اعتماد، یہ سلوک اس قابل نہیں
ہاتاری اس کے ساتھ مہربانی سے پیش آئے اور اسے انگریزی کیمپ میں
پہنچا دے، لیکن دوسرے ہی لمحے گریٹا کو معلوم ہو گیا۔ اس نے پتھر میں چمک
لگانے کی کوشش کی ہے۔ ہاتاری اسے کسی قیمت پر رہا کرنے کے لیے تیار نہ
رہائی کے سوال پر اس نے جو کہانی سنائی وہ اسرار و تحریر کی ایک ایسی کہانی

ایسی رات جب ہم سمندر میں سفر کر رہے تھے، یوشع نے مطالبہ کیا تھا، میں سمندر میں پھینک دوں۔ اس کے نزدیک کسی مسیحی لڑکی کا قلعہ یہود میں اسرارِ نحوست کا باعث تھا، لیکن اول تو میں بولاری سے عہد کر چکا تھا۔ میری اسیری کے مد سے ہر ماہ ایک معقول رقم ملنے کی امید تھی اور بے بزرگ شمعون نے تمہیں اپنی امانت قرار دیا تھا۔ پھر اس امانت کو ضائع ہونے دیتا۔ اس لیے میں نے تمہاری حفاظت ضروری سمجھی تھی۔

میرا حیرت و استعجاب کے عالم میں گم سم یہ عجیب و غریب کہانی سن رہی تھی جس کا ہر لفظ اس کے ذہن میں نشتر چھوٹا چلا گیا۔ ہاتھاری نے مزید انکشاف دے کر کہا..... ”فادر بولاری نے وعدہ کیا تھا کہ وہ عنقریب شاہ رچرڈ کی شہزادی جین کو بھی اغوا کر کے میرے پاس بھیج دے گا مگر یہ وعدہ ابھی تک نہیں ہوا۔ میرا خیال ہے تمہاری پر اسرار گمشدگی کے بعد شاہی خواتین کی فلاح کا خاص انتظام کر دیا گیا ہے۔ دوسرے شہزادی جین ٹورون کی چھاؤنی کے شای محل میں منتقل ہو چکی ہے، ممکن ہے فادر بولاری اس کے لئے دوسرا جال بچھا رہا ہو۔ لیکن ہمیں شہزادی جین کا بڑی بے تابی سے انتظار کرنا پڑے گا۔“

ہاتھاری نے بھی یہ بتایا۔ تمہاری خفیہ نظر بندی کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اس کے خلاف انگریزوں کی نفرت بڑھ جائے۔ کیونکہ بولاری نے شاہ رچرڈ کے مورچے ایسے ہی ثبوت پیش کیے ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے تمہیں کردار ابن ہشام ہی ٹورون سے زبردستی گرفتار کر کے لے گیا تھا۔ شہزادی جین گرفتاری کو بھی عربوں کی طرف منسوب کیا جائے گا۔ اور اس طرح انگریزوں کے اغوا و فرار کا الزام لگا کر عربوں کے خلاف افروغی سپاہیوں کو مشتعل کر دیا جائے گا، تاکہ وہ جنگ صلیب میں وحشت و بربریت کا مظاہرہ کریں۔“

گرٹا کے ذہن پر ہاتھاری کے الفاظ غول بیابانی کی طرح رقص کرنے لگے۔ یہودی قزاق سے جو نفرت ہوئی سو ہوئی، لیکن فادر بولاری اس کے خیالوں میں شیطان کی طرح نمودار ہوا تھا، جس نے ایک فرشتے کا روپ دھار رکھا تھا، جو بھی نہیں سکتی تھی۔ بولاری جو خاندان کیرو کا ”ہاؤس پادری“ اور گرٹا کے ساتھ ہمیشہ شفقت و مہربانی سے پیش آتا۔ ہر مشکل کے دن انجیل کا درس دیتا تھا، اس نے اپنی ”بیٹی“ کہہ کر یاد کرتا تھا، اس کی عزت اور زندگی کو ان بے رحمی

اندھیرے میں جب تم عرب سردار سے خفیہ ملاقات کر رہی تھیں، کوئی آدمی تمہارے حال سے واقف نہ تھا۔ مگر وہ آنکھیں اس اندھیرے میں تمہاری نگرانی کر رہی تھیں..... اور وہ آنکھیں فادر بولاری کی تھیں۔ کیونکہ یہ کتنی بدنامی اور توہین کی بات تھی کہ رچرڈ شیردل کی بہن ملک العادل اور بالڈون ڈی کیرو کی بیٹی کرد سوار ابن ہشام سے محبت کی پیچیدگیوں سے لگیں۔ بولاری تم دونوں سے ناراض تھا۔ فلسطین میں عیسائی لشکر عربوں سے محبت کے رشتے استوار کرنے نہیں بلکہ صلاح الدین اور اس کے بھائیوں کا فخر پینے اور یروشلم پر قبضہ کرنے آئے تھے۔ اس لیے عیسائیت کو بدنامی سے بھرنے کی خاطر فادر بولاری نے ایک عجیب و غریب منصوبہ تیار کیا۔ میں نہیں جانتا کہ کو میرا پتہ کس نے دیا تھا۔ اس کا بھیجا ہوا ایک پادری مجھے حیفہ کے جنگل ملا۔ وہ اپنے ساتھ اشرفیوں کا ایک توڑا بھی لے کر آیا تھا۔ اس نے مجھے فادر بولاری میرے ساتھ ایک سووا کرنا چاہتا ہے۔ مجھے آج رات ٹورون کی صلیبی چھاؤنی میں اس سے ملاقات کرنی چاہیے۔ پہلے تو میں یہی سمجھا، عیسائی دھوکے سے گرفتار کرنا چاہتے ہیں، مگر آنے والے پادری نے اپنے مصلوب خداوند کی قسم کھا کر یقین دلایا کہ اس ملاقات کا مقصد کاروبار کے سوا اور کچھ نہیں، مجھے انگریزی کیپ سے ایک لڑکی کو اغوا کرنا تھا اور میری حفاظت کی تھی۔ ذمہ داری فادر بولاری نے اٹھائی تھی۔ جب میں نے اپنے روحانی پیشوا شمعون ربی سے اس واقعہ کا ذکر کیا تو کچھ دیر سوچنے کے بعد ربی نے مجھے حکم دیا، اس نصرانی لڑکی کو ضرور لے آؤں۔ قلعہ یہود میں وہ پیشوائے یہود کی امانت ہوگی۔

میں اپنے چند جاں نثاروں کے ہمراہ صلیبی چھاؤنی میں پہنچ گیا۔ فادر بولاری نے ایک خیمے میں ہمارا استقبال کیا اور ایک تابوت ہمارے حوالے کرتے ہوئے کہا۔

”جب تک جنگ کا فیصلہ نہیں ہو جاتا، اس لڑکی کو اپنے پاس نظر بند رکھو اور اسے کسی عرب یا عیسائی سے ملنے نہ دو۔ اس خدمت کے عوض تمہیں ہر اشرفیوں کا ایک توڑا پہنچتا رہے گا۔“

میرے ساتھیوں نے تابوت اٹھایا اور ایک طویل چکر کاٹ کر ساحل سمندر پر آئے، جہاں میرا جہاز تیار کھڑا تھا۔ اس طرح میں تمہیں اپنے قلعے میں

ان دنوں مسیحی لوگ یسوع ابن مریم کو مسیح موعود مانتے اور یہودی شریعت کی تابلیس کرتے تھے۔ انگلیوں پر گئے جاتے تھے۔ وہ چوری چھپے زندگی بنے اور ایسے محلوں اور دیہات میں رہتے تھے۔ جہاں سے بوقت مصیبت کی طرف فرار ہو سکتے تھے۔ مگر قیصر ہیڈرین کے لعنتی دور میں ان ”بے رحم کوئی پابندی نہ تھی“ بلکہ وہ قیصر کی فوجوں کو اپنی وفاداری کا یقین دلا کر میں آگئے تھے۔

میشو ربی کی تخت نشینی کے موقع پر یہودی سردار ایک مسیحی دو شیزہ حوری مار کرنے میں کامیاب ہو گئے جو مشہور عیسائی افسر یوسف آرمیتیا کی بیٹی تھی۔ یوسف آرمیتیا یسوع کے آیام میں ایک اہم شخصیت تھے۔ وہ یسوع کے قتل کے بعد بھی زندہ رہے۔ جب یہودیوں کے مطالبہ پر یسوع کو صلیب دی گئی تو وہ بھاگ بھاگ یروشلم آیا اور قیصر کے گورنر پیلطوس کو مسیح کی ”لاش“ صلیب سے اترا کر لے گیا تھا۔ تخت نشینی کی رات نے حوری کے ساتھ زبردستی جشن عمل منایا اور اسے دو سال تک اپنے گھر پر رکھا۔ اس دوران حوری کے ہاں ایک بچہ پیدا ہوا جسے تخت اسرائیل کا سمجھا کر خوشیاں منائی گئیں اور اب یہودی رسم کے مطابق حوری کے مطالبہ کیا گیا، کیونکہ وہ ابھی تک دین مسیح پر قائم اور یہودیوں سے نفرت تھی۔ دو سال کے عرصہ میں میشو کو حوری سے دل لگاؤ ہو گیا اور نہیں تاکہ وہ قتل کی جائے، لیکن عیسائیوں سے انتقام لینے کی یہ عجیب و غریب فوجی نے پیش کی اور کہا تھا۔

”خون کی قربانی تخت اسرائیل سے خوشیوں سے دور کر دے گی اور یہود دوبارہ طاقت قائم کر لیں گے۔“

چنانچہ حوری سے محبت کے باوجود میشو کو قربانی کی رسم ادا کرنا پڑی۔ کو ایک تخت پر باندھ کر اس کی فصد کھول دی گئی اور اس کے جسم کے ہر ایک آفتابہ میں جمع کر لیا گیا۔ خون قطرہ قطرہ ہو کر چڑھ گیا اور وہ سک کر مر گئی۔ پھر اس کے خون سے تخت اسرائیل کے پائے رنگ دیئے گئے۔ فوجی والا خنجر دو روز تک حوری کی سفید لاش کے اوپر لٹکتا رہا، پھر لاش کو الوحا میں بہا دی گئی اور یہود قلعہ داؤد میں کئی دن تک جشن قربانی مناتے رہے۔

کے ساتھ یہودی قزاق کے سپرد کر دے گا۔ اب وہ چاہتی تھی کسی طرح کیمپ میں پہنچ جائے اور اس بوڑھے پادری کے کروت کا حال سناے، جس نے صرف اسے بتلائے مصیبت کر دیا بلکہ شہزادی جین کو بھی یہود کے ہتھکڑی دھکیل دینا چاہتا ہے۔ لیکن اب وہ ہاتھ کی چنگل سے کس طرح رہائی کر سکے گی؟

اچانک یہودی کہنے لگا۔ ”اگر انگلستان کی شہزادی ملکہ سسلی جین ہاں قبضہ میں آجائے تو تمہاری مشکل آسان ہو سکتی ہے اور میں ربی سے سفارش کے تمہیں رہائی دلا سکتا ہوں۔“

”لیکن بوڑھے ربی کو جین سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے؟“ گر۔ لٹائے انگیز نظروں سے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ ”مجھے یاد ہے جس روز میں قلعہ میں آئی تھی۔ بزرگ شمعوں کی باتوں نے مجھے ڈرا دیا تھا۔ میں ان باتوں مطلب آج تک نہیں سمجھ سکی۔“

”صدیوں پہلے عقبہ ربی اور بارکوکچے باز کی تاریخی شکست کے بعد یہود سلطنت اور جمعیت پارہ پارہ ہو گئی۔ یہودی بزرگ اور سردار منتشر ہوئے عیسائی یہود کی اس تباہی پر خوش ہوتے اور کہتے تھے، قوم پر یہ بربادی مصیبت اس لیے نازل ہوئی ہے کہ ۳۲ سال پہلے اس نے یسوع ابن مریم کو صلیب پر چڑھا دیا تھا، جو خدا کا موعود مسیح تھا۔ مسیحوں کی ان خراش باتوں نے یہودی بزرگوں کو زیادہ مشتعل کر دیا اور وہ ان کی جان دشمن بن گئے۔ تباہی و بربادی کے ان آیام میں جب لعنتی قیصر ہیڈرین کی فوجیں یہودیوں کو چن چن کر قتل کر رہی تھیں اور رومی سپہ سالار جوہر

سیورے ان کی موت کے احکام صادر کر رہا تھا، ایک یہودی ربی میشو جوہر کے گھرانے سے تعلق رکھتا تھا، یہودی ایک مختصر سی جماعت کو لے کر قلعہ میں آچھا۔ یہاں اس کی تخت نشینی کی رسم ادا کی گئی، مگر عیسائیوں کی یہودی کے باعث میشو نے یہ شرط پیش کر دی کہ عیسائی یہود کی تباہی و خرابی یسوع مسیح کی نافرمانی کا سبب قرار دیتے اور ہمارے زخموں پر نمک پاشی ہیں۔ اس لیے تخت نشینی کی رات شاہ یہود کا کسی مسیحی سردار کی لڑکی کے جشن منانا اور اس کے بطن سے اپنا وارث تخت پیدا کرنا ضروری ہے۔ یہود کا تسخیر نہ اڑا سکیں۔“

اس کے دماغ میں بار بار ایک ہی آواز گونج رہی تھی۔ ”بھاگ جاؤ.....“ لیکن کیا یہودی قزاق اسے فرار ہونے کا موقع دے گا؟“

اچانک ہاتاری بھیڑیے کی طرح اچھلا۔ اس نے مشعل گل کردی اور تیزی سے بھاگ کر غار کے دہانہ پر آ بیٹھا۔ قریب ہی کہیں گھوڑوں کی ٹاپوں کی آواز ابھری تھی جو لحظہ بہ لحظہ صاف اور واضح ہوتی جا رہی تھی۔ گر۔ ٹا بھی وہ بار سن رہی تھی اور اس کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ دور پرندوں کی چکار بھائی ہوا وہ اس عمودی چٹان کے سرے تک پہنچ گیا، جہاں سے نشیب کی وادی بھانک سکتا تھا۔ کیونکہ آواز کہیں نیچے سے بلند ہو رہی تھی۔ جب اس نے پانچ سو فٹ گہری وادی میں نظر دوڑائی تو یہ دیکھ کر اس کے ہاتھ پاؤں پھول کر رات کے اندھیرے میں بھٹکتا اور پہاڑوں کے نشیب و فراز میں ٹھوکریں مارتا وہ مغرب کی سمت اس شاہراہ پر آ نکلا تھا، جو سمندر کے ساتھ ساتھ غار اور غزہ تک چلی گئی تھی۔ یہی وہ راستہ تھا جس پر صلیبی فوجوں کے لشکر جافا کی طرف رواں دواں تھے۔ مگر ارسوف کے قریب سلطانی لشکروں نے یہی گھم کر ایک خوفناک جنگ لڑی اور ان سے عکا کے شہیدوں کا لرزہ خیز ام لیا تھا۔ پھر شکست خوردہ ملیوں کی ٹولیاں اسی شاہراہ پر جافا کی طرف بھاگ گئیں۔

تو کیا اس وقت بھی کوئی صلیبی دستہ چلا آ رہا ہے؟

ہاتاری نے شمال کی طرف آنکھیں جما دیں مگر اس کی نظریں پہاڑوں کے درمیان الجھ کر رہ گئیں۔ اسے کوئی متنفس دکھائی نہ دیا۔ ٹاپوں کی آواز بھی بٹانے کہاں ڈوپ گئی تھی۔ شاید آنے والے سواروں نے اپنا راستہ بدل دیا۔ وہ کسی دوسری طرف نکل گئے تھے۔ یہ صورت حال خطرناک تھی۔ وہ فوراً اور تیزی سے غار میں داخل ہوا۔ صبح کی ہلکی ہلکی روشنی اندر منعکس ہو رہی تھی۔ مگر یہ دیکھ کر اس کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی کہ گرینا غار میں موجود تھی۔ وہ پھر باہر بھاگا اور عمودی چٹان پر کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگا۔ یہاں کوئی ایسا راستہ نہ تھا جدھر سے وہ بھاگ سکتی۔ اس نے آوازیں سنیں۔ گرینا تم کہاں ہو؟ مگر ہر آواز پہاڑوں سے نکلا کر لوٹ آئی۔ اس کے لئے طویل عمودی چٹانیں کھڑی تھیں۔ وہ پھر غار کی طرف بھاگا، مگر وہاں کیا

صدیوں کے بعد بزرگ شمعون نے اسرائیلی مملکت کے قیام کی خاطر مرتبہ پھر قربانی کی رسم ادا کرنے کا فیصلہ کیا۔ یہودی سن تقویم کے نویں کسلیو (مطابق ستمبر) کی ۵ تاریخ کو تخت نشینی کا جشن منایا جانے والا تھا۔ یہودیوں نے صدیوں پہلے اسی قلعہ میں ماہ کیو کی ۲۵ تاریخ ہی کو جشن منایا اور وہ حوری کے ساتھ شب غسل گزاری تھی۔ اس جشن تخت نشینی کے لئے ربی نے تمہیں اپنی امانت قرار دیا تھا۔“

یہ خوفناک کہانی سن کر گرینا کا دل دھک دھک کرنے لگا۔ مشعل کی رائے میں اس کا چہرہ خوف سے زرد ہو گیا۔ جب ہاتاری نے شمعون ربی کی تخت اور گرینا کے انتخاب کا ذکر کیا تو فرط دہشت سے اس کے ہونٹوں پر ایک تڑپ اٹھی اور اس نے دونوں ہاتھوں سے اپنا چہرہ ڈھانپ لیا۔ پھر خوفناک میں دھاڑی۔

”تو کیا وہ بوڑھا شیطان مجھے اپنی ہوس کا شکار بنانا چاہتا تھا؟“

”میں نے بتایا ہے۔ انگلستان کی شہزادی جین ہمارے ہاتھ لگ جائے تمہاری مشکل آسان ہو سکتی ہے۔ بزرگ ربی شاہی خون کو تم پر ترجیح دیں اور جین اس وقت تک قلعہ واؤد میں زندہ رہے گی، جب تک اس کے بطن اسرائیل کا وارث تخت پیدا نہیں ہو جاتا۔ پھر حوری کی طرح ایک روز اس بھی فصد کھول دی جائے گی اور اس کا شاہی خون تخت اسرائیل کے پایوں رنگین کر دے گا۔“

”نہیں..... نہیں.....“ گرینا اپنے ہمسفر کی پوری قوت کے ساتھ چلائی۔ ”ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔“

”تو پھر جین کی جگہ تمہیں قربانی کی رسم ادا کرنا ہوگی۔“ ہاتاری ایک ٹھہر کر بولا۔ ”یہ نہ سوچو یعقوب آس اور شیطان یوشع اپنے مقصد میں کامیاب جائیں گے۔ بیشک انہوں نے قلعہ پر قبضہ کر لیا ہے، لیکن انہیں ربی کی طاقت اندازہ نہیں۔ تل ابیب کی بستی میں تین ہزار یہودی مرد و زن ان کے اشارے پر جان قربان کر سکتے ہیں۔ ہم یہاں سے تل ابیب ہی جائیں گے۔ یہودی کی جافا کے ساحل پر آباد ہے اور کوئی مشرک عیسائی اس میں داخل نہیں ہو سکتا۔ اب گرینا کو ان مشکلوں اور مصیبتوں کا احساس ہوا، جو تاریک عکسوں کی اس کے ارد گرد ایک جال سا بن چکی تھیں۔ اسے ہاتاری کے وجود سے نفرت

رکھا تھا۔ طویل غار کے آخری سرے پر جہاں پتھر بے ترتیبی سے ابھرے ہوئے تھے، ہاتاری کی نظر اس شکاف پر جا پڑی، جس کا قطر ایک فٹ سے زیادہ نہ تھا۔ وہ جنگلی جھینے کی طرح ہونکتا ہوا شکاف پر آیا اور اس میں جھانکنے لگا۔ اس حیرت کی انتہا نہ رہی۔ شکاف کے اس طرف ایک قدرتی سرنگ نشیب میں جا گئی تھی اور قریباً ساٹھ ستر گز کے فاصلے پر سرنگ کا موڑ صبح کے اجالے میں روشن ہو رہا تھا۔ اس کا مطلب یہ تھا، اس موڑ کے سامنے کھلی وادی تھی جہاں سے روشنی اندر آرہی تھی۔ یقیناً گریٹا اسی رستے سے فرار ہوئی تھی۔ اور وہ دور کہیں بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز بھی سن رہا تھا۔

ہاتاری نے دیکھا، ایک بھاری پتھر سرنگ کی ڈھلان پر لڑھکتا ہوا موڑ پر کر رک گیا تھا۔ اسے خیال تھا، غار کا شکاف اسی پتھر سے بند ہو گا، جسے گریٹا دوسری طرف لڑھکا دیا۔ جیسی وہ رات اس شکاف کو نہ دیکھ سکا تھا۔ اس تعاقب کا فیصلہ کر لیا۔ شکاف سے گزرتے وقت، اگرچہ اس کے بھاری جسم جگہ جگہ خراشیں آئیں، لیکن وہ پتھر کی قدرتی دیوار کے سارے نشیب میں لڑھکتا ہوا موڑ پر آگیا۔ سرنگ چند قدم کے فاصلے کے بعد ختم ہو گئی اور ایک درے کی شکل اختیار کر کے تھوڑی دور کے بعد کھلی وادی میں جا نکلتی تھی، درہ آٹھ دس فٹ چوڑی دراڑ پر ختم ہوتا تھا۔ جو کم و بیش ڈیرہ دو سو فٹ گہری تھی۔ ہاتاری نشیبی درے میں بھاگتا ہوا دراڑ کے سرے پر آیا۔ اس بار بار پلکیں جھپکیں اور تھیر و تعجب کے عالم میں دیکھا۔ گریٹا کیرو کسی چھپاؤ طرح پتھروں سے چھٹی قریباً ایک سو فٹ نیچے رینگ رہی تھی۔

مفرور شکار کو دیکھ لینے کے بعد ہاتاری کے ہونٹوں پر زہر آلود تبسم نمودار ہوا۔ اس نے سوچا۔ اگر وہ پھرتی اور چستی سے کام لے تو انگریز لڑکی کو وادی میں اترنے سے پہلے ہی جالے گا۔ پھر وہ دراڑ میں اترتا چلا گیا۔

صيد اور صیاد

ارسوف کی جنگ نے ملیسوں کے حوصلے پست کر دیئے۔ بعض مغربی یورپ کے خیال ظاہر کرتے ہیں۔ رچرڈ نے ارسوف کے میدان جنگ میں لڑنے کے باعث

مسلمانوں نے ۱۵ شعبان (۸ ستمبر) کو پھر صف بندی کی۔ میدان میں ڈھول بانوس بجائے، مگر صلیبی لشکروں کو مقابلہ پر آنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ اگر وہ میدان میں عربوں کا مقابلہ کر سکتے تو نوبت نقارہ کی دعوت کے بعد میدان نکلتے؟

۱۶ شعبان کو ملک العادل سیف الدین نے کرو سردار ابن ہشام کو طلب کیا ہدایت کی کہ وہ اپنے رسالہ کے ساتھ دریائے العوجا کی طرف نکل جائے اور وہاں میں چھپ کر بیٹھ جائے، کیونکہ سلطان نے فیصلہ کر لیا تھا وہ خود ملیسوں تعاقب میں نکلے گا۔ ابن ہشام کے ذمہ یہ فرض عائد کیا گیا کہ وہ دشمن کو بہ لڑایا عبور نہ کرنے دے۔

اسی روز سلطان گھوڑے پر سوار ہو کر ارسوف کی طرف بڑھا کہ وہ دشمن فرار ہو۔ وہاں پہنچ کر پتہ چلا۔ افرنگی لشکر غازیان اسلام سے کترا کر جانا کی بڑھ رہے ہیں۔ یہ سنتے ہی سلطان نے گھوڑے کو ایڑ لگائی، اور اپنے خاص کو لے کر دشمن کے سر پر جا پہنچا۔ افرنگی سپاہیوں نے جب عقب میں دھول مار رکھی تو خوفزدہ ہو گئے۔ درحقیقت وہ کھٹے میدان میں مسلمانوں سے لڑنے میں تیار نہ رکھتے تھے۔

سلطان نے تیر اندازوں کی صفوں کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ وہ افرنگی لشکر پلو میں نکل آئے اور اس شدت سے تیر برسانے کہ دشمن کی صفیں الٹ رہیں۔ ان کے ساتھ ہی سوار نیزے لہراتے ہوئے لپکے اور پیادہ حلقوں کو لے کر ان پر ٹوٹ پڑے۔ افرنگی بہادروں کی مدافعت بے معنی تھی۔ ان کے دلوں پر نا کا خوف مسلط ہو چکا تھا اور وہ غازیان اسلام کے حلقے سے نکل کر کسی بھی بھاگ جانا چاہتے تھے۔ عربوں نے انہیں بے دریغ قتل کیا، اس روز افرنگی لشکروں کی بزدلی اور بے حمیت بی حد شرمناک تھی۔ جو صلیبی دستہ عربوں کے سامنے آیا ہلاک ہو گیا یا بھاگ اٹھا۔ اسی تباہی و ہلاکت کے باوجود دشمن نے

کسی جگہ رک کر مقابلہ نہیں کیا۔ اپنے سپاہیوں کی لاشیں درندوں اور پانڈوں کی ضیافت کے لیے چھوڑ کر وہ جافا کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ مگر دریائے صلیبی اور مصیبت کرد رسالہ کی شکل میں موجود تھی، سوار بلائے ناگمانی میں صلیبی لشکروں پر لوٹ پڑے اور ان کے کئی دستوں کو سپا کر کے ادھر ادھر دیا۔ نجانے اس روز رچڑ کی اپنی شجاعت بھی کہاں غائب ہو گئی تھی۔ دو ہزار افراقری کے عالم میں دریا کے پار اترا اور جافا کی طرف بڑھا۔

ارسوف سے العوجا تک تمام راستے میں افراقریوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔ پھر دریا کا ساحل بھی خون رنگ ہونے لگا۔ شام تک صلیبی دریا عبور کرتے رہے۔ کئی دستے فوج سے کٹ کر سرگرداں ہو گئے تھے۔ رات کے وقت ان کا دریا عبور کرنا خطرے سے خالی نہ تھا۔ ابن ہشام کے کرد سوار موت کے فرشتوں کی طرح ساحل پر منڈلاتے رہے تھے۔

رچڑ اپنے لشکروں کے ساتھ بڑی افراقری سے جافا میں داخل ہوا۔ یہاں اسے لمبے کے ڈھیروں، منہدم عمارتوں اور تباہی و بربادی کے سوا اور کچھ نہ ملا۔ اب اسے سلطان کے خطرناک ارادوں کا دوسرا ثبوت ملا۔ العلماء الکاتب رقمطراز ہے۔

”صلیبی فوج جافا میں پہنچ کر بھی مسلمانوں سے بے حد خوفزدہ تھی۔ عربوں کے تعاقب نے ان پر دہشت مسلط کر دی تھی۔“ (الفتح القسی ۳۸۸)

”نہیں پول کے بقول: ”وہ عربوں کے تباہ کن حملوں کو برداشت کرتے چپ چاپ آگے بڑھتے رہے، حتیٰ کہ جافا میں پہنچ گئے۔“

جافا میں پہنچ کر رچڑ کو ان صلیبی دستوں کا خیال آیا جو العوجا کے اس پار بھٹک رہے تھے۔ اس نے بالڈون ڈی کیرو اور ڈیوک آف برگنڈی کو انگریز اور فرانسیسی سواروں کے ہمراہ دریا پر بھیج دیا کہ وہ مفروز دستوں کو دریا عبور کرنے میں مدد دیں۔ نصف رات کو ڈیوک آف برگنڈی ایک صلیبی دستہ کو بچالے جانے میں کامیاب ہو گیا، لیکن ٹمپلوں کی ایک جماعت دریا کے شمالی کنارے پہاڑوں میں روپوش ہو گئی تھی۔ بالڈون کے مخبر اطلاع لائے، عرب سوار دائرہ جاکچے ہیں اور اب ساحل پر کوئی خطرہ نہیں۔ یہ خبر سن کے اس نے پایاب ص سے دریا عبور کیا اور اپنے سواروں کو لے کر ٹمپلوں کی تلاش میں پہاڑوں کی طرف نکل آیا۔ وہ رات بھر بھٹکتا رہا۔ ٹمپل سمندر کی طرف فرار ہو چکے تھے۔

”محترم سردار! میں ہمیشہ تمہارا شکر گزار ہوں گا۔ مجھے امید ہے تمہیں وہ بات ابھی تک بھولی نہ ہوگی، جو نوروں کی چھاؤنی میں ہوئی تھی۔“

”میرا حافظہ اتنا کمزور نہیں کہ کل کی بات بھول جاؤں۔“ ابن ہشام کے نازل پر ایک زہریلی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ”یہ اسی ملاقات کا نتیجہ ہے کہ میں نہیں گرفتار کرنے میں کامیاب ہوا۔“

”کیا مطلب.....؟“ بالڈون بوکھلا کر رہ گیا۔

”ہمارے سردار! میں نے سنا ہے نوروں کی چھاؤنی سے تمہاری بیٹی غائب ہو گئی اور اس کے اغوا کا الزام مجھ پر لگایا جاتا ہے۔“

”ہاں بادشاہ کو شادتیں ہی ایسی ملی تھیں، مگر مجھے کبھی اس بات پر یقین نہ آیا۔ جب امیر ملک العادل سے ملا تو میرا شک بالکل ہی جاتا رہا۔ انہوں نے کہا ہے ہودہ الزام کی بڑی سختی سے تردید کی تھی۔“

”مگر افسوس! شاہ النکار کو میری بے گناہی کا یقین نہ آ سکا۔ دو ماہ قبل جب

پتھروں فٹ بلند چٹانوں کے درمیان آٹھ دس فٹ چوڑی دراڑ میں ایک لڑکی پتھروں سے چھپ چکی کی مانند چٹی ہوئی نیچے اتر رہی تھی، اور دراڑ کے ایک فٹ فٹ جو شکل و صورت اور لباس سے کسی بحری بیڑے کا طاح معلوم تھا، غالباً اس کا تعاقب کر رہا تھا۔ کیونکہ وہ دراڑ کی چٹانوں پر بڑی سرعت سے ساتھ پھلتا اور کھسکتا ہوا جلد سے جلد لڑکی کو جا لینا چاہتا تھا۔ لڑکی بڑی ہمت اور پریشانی کے عالم میں دکھائی دیتی تھی۔ وہ بار بار سر کو اٹھا کر پیچھا کرنے والے شخص کو دیکھتی اور بے تعلقتی نیچے اترنے لگتی۔ شاید وہ اس سے جان بڑھا کر نکل جانا چاہتی تھی۔ اچانک وہ پریشان نظر آنے لگی۔ یہ شخص اتفاق ہی سے اتر رہا تھا۔ دراڑ کی چٹانوں پر جگہ جگہ پتھروں کے کنارے کسی قدر ترقی زینہ کی طرح ابھرے ہوئے تھے۔ پھر بھی ایک نازک لڑکی کا اتنی بلندی سے اترنا خطرے کا خالی نہ تھا، لیکن اس جہاں وہ آ پہنچی تھی۔ دراڑ نے بالکل عمودی شکل اختیار کر لی تھی اور اسے کم و بیش پچاس فٹ تک پاؤں ٹکانے کے لیے کوئی سارا نہ مل سکتا تھا۔ اب دو ہی صورتیں تھیں۔

وہ پچاس فٹ کی بلندی سے نیچے چھلانگ لگا دے یا پھر تعاقب کرنے والے شخص کے ہاتھوں گرفتار ہو جائے، جو لحظہ بہ لحظہ اس کے قریب آ رہا تھا۔ یہی وہ خطرناک صورت حال تھی، جس نے افرنگی لڑکی کو بری طرح بدحواس کر دیا تھا۔

کرد سواروں نے اس دلچسپ نظارہ کو دیکھنے کے لیے گھوڑوں کی باگیں کھینچ لیں۔ غالباً ابھی تک لڑکی کی نظر ان پر نہ پڑ سکی تھی۔ کیونکہ اس کی ساری توجہ تعاقب کرنے والے شخص کی طرف مبذول تھی۔ ویسے بھی وہ اسے دراڑ سے تقریباً ڈیڑھ دو فرلانگ دور اور خائب میں تھے۔ ابن ہشام نے اپنے ساتھیوں سے مخاطب ہو کر کہا۔

”ہیں اس لڑکی کی مدد کرنا چاہیے۔ معلوم ہوتا ہے تعاقب کرنے والا کوئی بدعاش ہے۔“

ابھی اس نے بات ختم ہی کی تھی کہ انہیں لڑکی کی ایک دلدوز چیخ سنائی دی اور وہ انگریزی زبان میں..... مدد..... مدد..... پکارنے لگی۔ تعاقب کرنے والا شخص اس کے بالکل قریب آ پہنچا تھا۔ لڑکی کی چیخ اور آواز سن کر بالذون کیڑیک لخت گھوڑے کی پیٹھ پر یوں اچھلا جیسے کسی نے اسے سوئی چھو دی ہو۔

مردہ انتہائی بوکھلاہٹ کی حالت میں کرد سوار سے مخاطب ہوا۔

میں سلطان عالی کا پیغام لے کر عکا گیا تو بادشاہ نے مجھے گرفتار کر لیا۔ میں نے خود سر، منکبر اور احسان فراموش آج تک نہیں دیکھا۔“

رچڑ کے متعلق یہ الفاظ سن کر انگریز افسر کے چہرے پر ناگوار سے اثرات ظاہر ہوئے۔

”نہیں وہ احسان فراموش تو نہیں ہو سکتا۔“

”لیکن میں اپنی توہین کو کبھی نہیں بھول سکتا۔ شاہ انگلار نے مجھے اس عالم میں گرفتار کیا تھا، جب میں پیغامبر کی حیثیت سے اسے ملنے گیا تھا۔ میرے ہر کوئی فوج نہ تھی، لیکن اس بات کو ہمیشہ یاد رکھو میں نے تمہیں میدان جنگ سے گرفتار کیا ہے اور تم سفیر بن کر بھی نہیں آئے۔“

”ابن ہشام! کیا تم بادشاہ کی غلطی کا انتقام مجھ سے لینا چاہتے ہو؟“

”اگر تم گریٹا کے باپ نہ ہوتے، تو شاید میں ایسا نہ کرتا۔“ پھر وہ ایک لمبے ٹھہر کر بولا۔ ”تمہارے بادشاہ کو نیزہ مارنے اور تلوار چلانے پر بڑا ناز ہے۔ میں نے سنا ہے ارسوف کے میدان میں اس نے کئی مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ اگر کبھی مجھ سے سامنا ہوا تو اس کا یہ غرور بھی ٹوٹ جائے گا۔ میں اسے بتاؤں گا تلوار کس طرح رقص کرتی ہے۔“

بالذون خاموشی سے اس کی گفتگو سنتا رہا۔ وہ اس نوجوان کرد کی جرات و حیران تھا، جو رچڑ شیردل کی بہادری کا تسخیراڑا رہا تھا۔

سورج جبل کاریل کی چوٹیوں پر بنفشی شعائیں بکھیر رہا تھا۔ زخمی بالذون ایک گھوڑے پر سوار کر کے ابن ہشام ان سرسبز شاداب پہاڑوں کی طرف چل دیا۔ جن کی ترائی سے شاہراء ”عسقلان“ گزرتی تھی۔ اس کے سواروں نے رات بہت کم آرام کیا تھا، اس لیے وہ جلد از جلد اپنے پڑاؤ میں لوٹ جانا چاہتا تھا۔ اپنے آقا ملک العادل کے لیے اس کے پاس یہ اطلاع تھی کہ بھگوڑے صلیبی دریا عبور کر کے جافا میں داخل ہو چکے ہیں۔

جو خنی کرد سوار انگریز قیدی کے گرد حلقہ ڈالے بلند عمودی چٹانوں کے سامنے نمودار ہوئے، انہوں نے ایک عجیب و غریب نظارہ دیکھا۔

لدا، پھر خود بھی اچک کر سوار ہوا اور جب تک بالڈون اٹھنے کی کوشش
مکھوڑے کو ایڑ لگا چکا تھا۔

ابن ہشام نے اس جنگ کی جھلک دیکھ لی تھی۔ پھر سامنے ہاتاری کو
پہنچے پر سوار ہوتے اور دراڑ کے درمیان دوڑتے دیکھا۔ وہ بالکل مخالف
تھاگا تھا۔ ایک لمحہ توقف کیے بغیر اس نے بھی مکھوڑے کو ایڑ لگائی اور
پوری قزاق کے تعاقب میں دوڑا۔ اس کے ساتھیوں نے آگے بڑھ کر بالڈون کو
چھ ملحقہ میں لے لیا۔

دراڑ دو، اڑھائی فرلانگ طویل تھی۔ دونوں مکھوڑے آگے پیچھے بجلی کی
روح اسے عبور کر گئے، ایک سرسبز وادی کا چکر کاٹنے کے بعد ہاتاری نے اپنا
لوہا جنوب کے رخ ڈال دیا۔ جدھر دریائے العوجا بہتا تھا۔ ابن ہشام یہ نہیں
انتا تھا کہ کون ہے، لیکن اس کے آثار و اطوار سے اس نے یہ اندازہ کر لیا تھا
کہ وہ کوئی لیٹرا ہی کیوں نہ ہو۔ تیغ زنی اور شہسواری میں ضرور ماہر ہے۔

تھوڑی دور تک پہاڑی راستے پر تعاقب جاری رہا، پھر اس کے سامنے ایک
ریٹا میدان تھا، جگہ جگہ پہاڑی چٹانیں اور گھاٹیاں اونٹ کے کوہان کی طرح
برہی ہوئی تھیں۔ دریا کے گھاٹ پر نرسوں اور سرکنڈوں کے جھنڈ آباد تھے۔
ان کے درمیان دلہلیں سی بن گئی تھیں، مگر ابن ہشام نے اپنے حریف کو دریا
سے ایک میل ادھر ہی جا لیا اور مکھوڑا بڑھا کر اس کا راستہ اس طرح کاٹا کہ
ہاتاری کو بھی مجبوراً باگ کھینچ لینا پڑی۔ وہ اپنے سامنے ایک عرب نوجوان کو دیکھ
کر شیر ہو گیا۔

”تم اس لڑکی کو نہیں چھین سکتے۔ یہ مقدس ربی کی امانت ہے۔“

”مقدس ربی کے الفاظ نے اس کی یودیت کو آشکار کر دیا۔ ساتھ ہی اس
نے تلوار کا ہاتھ مارا۔ ابن ہشام نے محسوس کیا کہ وہ بری طرح ہانپ رہا ہے۔
”تین اویچھے وار کرنے کے بعد اس نے پھر مکھوڑے کی باگ موڑی، لیکن اب
”آسانی سے بچ کر نہ جاسکتا تھا۔ ابن ہشام نے ایک ہی نیچے تلے وار سے اس
کے شانے پر کاری زخم لگایا۔ شدت درد سے ہاتاری کسی بازو لے کتے کی مانند چیخا
اور مرنے مارنے پر تل گیا، مگر اس کا کوئی وار کارگر ثابت نہ ہوا۔ دوسری بار
ابن ہشام کی تلوار چمکی تو یہودی کا بازو کٹ کر گرا۔ وہ مکھوڑے کی پشت پر
نہمک سی لے کر لہرایا پھر گریٹا سمیت دھڑام سے نیچے آ رہا۔ گرتے گرتے ابن

”خداوند کی قسم! یہ گریٹا کی آواز ہے۔ اسے بچاؤ ابن ہشام! اسے بچاؤ
مجھے جانے دو۔“

بالڈون کے چہرے پر مسرت، حیرت اور گھبراہٹ کا عجیب و غریب امتزاج
نظر آ رہا تھا۔

ابن ہشام نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر حلقہ بند سواروں کو اشارہ کیا۔
اسے جانے دیں۔ اگر واقعی وہ گریٹا ہے تو باپ کو اپنی بیٹی کی مدد ضرور
چاہیے۔

زخمی بالڈون سواروں کے حلقہ سے یوں نکلا جیسے تیر کمان سے نکلتا ہے۔
سیدھا اس گھاٹی کی طرف جا رہا تھا، جہاں دراڑ واقع تھی۔ اس دوران گریٹا
چینچیں پوری وادی میں گونجنے لگیں۔ پھر اچانک اس کی آواز بند ہو گئی۔ فرار
راستہ مسدود ہو چکا تھا۔ تعاقب کرنے والے یہودی قزاق نے اسے بہ آسانی
دبوچ لیا اور اس کے منہ پر کپڑا باندھ دیا۔ عرب سواروں کے خطرے کو دیکھ
لینے کے باوجود اس نے کند نکالی۔ اس کا حلقہ ایک ابھرے ہوئے پتھر کے کونے
میں پرو دیا اور ”ترپتی“ چلتی ہوئی لڑکی کو کاندھے پر ڈال کر کند کے ذریعے نیچے
اترنے لگا۔ ابن ہشام اسے حیرت و استعجاب سے دیکھ رہا تھا۔

جب بالڈون گھوڑا کداتا ہوا دراڑ میں پہنچا۔ ہاتاری نیچے آ چکا تھا۔ اس
نے چرمی تسموں سے گریٹا کے ہاتھ پاؤں باندھ دیئے تھے۔ ایک افرنگی سوار
آتے دیکھ کر اس نے گریٹا کو ایک طرف پھینک دیا اور تلوار نکال کر اس پر
حملہ آور ہوا۔ بالڈون نے مکھوڑے سے چھلانگ لگا دی۔ پھر تلوار، تلوار سے
نکرائے گئی۔

گریٹا کے حواس بجا نہ تھے، مگر اس نے اپنے باپ کو تو پہچان ہی لیا تھا۔
دل میں جدوجہد کا ایک نیا جذبہ جاگ اٹھا۔ وہ ہاتھوں کے چرمی تسموں کو پھروں
سے رگڑنے لگی۔ بالڈون ڈی کیرو ششیر زنی میں کافی ماہر تھا، لیکن اسے بہت جلد
معلوم ہو گیا کہ حریف بھی کوئی معمولی آدمی نہیں۔ اچانک ہاتاری نے پوری
قوت سے ضرب لگائی۔ بالڈون کی تلوار ایک چھٹا کے ساتھ ٹوٹ کر گر گئی۔
اس کے ساتھ ہی اس نے بحری قزاقوں کا مخصوص ہاتھ چلایا اور انگریز حریف
اس کے بھرپور گھونسنے کی تاب نہ لا کر دور تک لڑھکتا چلا گیا۔ ہاتاری اس موقع
کی تاک میں تھا، اس نے عقاب ایسی پھرتی کے ساتھ گریٹا کو اٹھا کر مکھوڑے کی

ہشام نے تیسری ضرب سر پر لگائی اور وہ چاروں شانے چت لیت گیا۔ گریٹا شاید گھوڑے کی پشت ہی پر بے ہوش ہو چکی تھی۔ کرد سردار اچھل کر اسے بازوؤں میں تھام لیا۔ اس کے شانے ہلائے، جھنجھوڑا لیکن وہ ہوش میں نہ آئی۔ تھوڑی دور خون میں لت پت ہاتاری اپنی زندگی کے آخری سال لے رہا تھا۔ اس کے جسم سے خون پھوارے کی طرح ابل رہا تھا۔ جس کے کپڑے بھیکے پڑے تھے۔ پھر گوسالہ سامری کی مانند اس کے حلق سے "خرخر..... خرخر....." کی کمرہ آوازیں بلند ہوئیں۔

ابن ہشام نے جاں بلب یودی پر نظر ڈالی، پھر بے ہوش حسینہ کو گھوڑے پر لادا اور تیزی کے ساتھ واپس مزا۔ اس وقت سورج آسمان پر دو نیزے بنا ہو چکا تھا۔

ملاقات

جب گریٹا کو ہوش آیا، اس کی نگاہ کرد محبوب ابن ہشام پر پڑی جو اس جھکا ہوا نخلہ سو نگھا رہا تھا۔

ایک لمحہ کے لیے اس نے سوچا۔ شاید وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔ آج دن بالکل خواب ہی کی طرح شروع ہوا تھا۔ ہاتاری کی زبان سے پیشوائے ہوش کے عشق و ہوس کی لرزہ خیز کہانی سن کر وہ کانپ اٹھی تھی۔ ایک ایک کر کے اسے سب واقعات یاد آئے، جن پر خوابوں ہی کا گمان ہوتا تھا۔ پہاڑی دروازے جب وہ دوبارہ یودی شیطان کی گرفت میں آگئی تو نجانے اس کا شفیق و مہربان باپ اچانک کدھر سے نکل آیا تھا؟ اور اس وقت جب اس نے ایک کرناک بے ہوشی کے بعد آنکھیں کھولی تھیں، اس کی نگاہوں کے سامنے عرب محبوب کا دھندلا سا خاکہ تھر تھرا کے رہ گیا تھا جو آہستہ آہستہ بتدریج واضح اور صاف ہونا چلا گیا۔

کیا یہ ارض مشرق کے وہ بحیر العقول اسرار تھے، جن کے افسانے انگلیں اور سسلی میں سن چکی تھی۔ اس لمحے جب وہ آنکھیں بند کئے طلسمی تصورات میں کھو گئی تھی، اس نے ابن ہشام کی دلکش آواز سنی۔

"ہنت کیرو! اب کیسی طبیعت ہے تمہاری؟"

گریٹا نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں۔ اس کے عرب محبوب کا چہرہ پھر نے تھا اور یہ کوئی خواب یا طلسم نہ تھا۔ اس کے ہوش و ہواس بیدار ہو چکے تھے اور ذہن سے اوہام و طلسمات کی پرچائیں بھاگ چکی تھیں۔ ابن ہشام کو یہ دیکھ کر وہ اٹھنے کی کوشش کرنے لگی، لیکن اس نے انگریز حسینہ کو بدستور رہنے کا مشورہ دیا۔

"وہ..... تمہیں دیکھنے کے بعد میں اپنے سارے دکھ بھول چکی ہوں۔ تو خیال تھا شاید کوئی خواب دیکھ رہی ہوں۔ شاید قسمت مجھے کوئی نیا فریب دے رہی ہے، لیکن میں یہاں کیسے پہنچی، میرے پایا کہاں ہیں؟"

ابن ہشام نے اسے بتایا۔ اس کا باپ زخمی ہے اور زیر علاج، لیکن پریشانی کوئی بات نہیں۔ وہ بہت جلد اچھا ہو جائے گا۔ پھر اس نے مختصر الفاظ میں صبح واقعہ سنایا اور بتایا، جب یودی بالڈون کو زخمی کر کے اسے لے بھاگا تو کس کا قہقہہ اسے بچا لیا گیا۔ ابن ہشام نے کہا۔

"یودی کی لاش اس وقت پہاڑی گدوں اور چیلوں کی خوراک بن چکی ہے۔ لیکن ہنت کیرو! یہ سب کیا ہے۔ تم ٹورون کی چھاؤنی سے اچانک کہاں آ گئیں۔ اتنا عرصہ کہاں رہیں اور یودی کون تھا، جو تمہیں اپنے ساتھ جانے کی جدوجہد میں جان سے ہاتھ دھو بیٹھا؟ خدا کی قسم! تمہاری گمشدگی مجھے مذہال کر دیا تھا۔"

ہاتاری کی موت کا حال سن کر گریٹا نے اطمینان کا ایک لمبا سانس لیا اور کرد محبوب میزبان کے منع کرنے کے باوجود تکیہ کے سارے ٹھک لگا کر بیٹھ گیا۔

"اب میں ٹھیک ہوں حارث! تمہاری ملاقات نے مجھے نئی زندگی بخش دی ہے۔ میں تو سمجھی تھی، شاید عمر بھر تجھ سے ملاقات نہ ہو سکے گی، کیونکہ میں ایسے لوگوں کے ہاتھ جا پڑی تھی، جو میری زندگی چھین لیں گے۔ لیکن انہوں نے مجھ پر کیا فضل کیا۔"

ابن ہشام نے اس کی ہلکی سی ہانسی کی پکوں سے آنسوؤں کے قطرے نکلنے اور وہ ہچکیاں لے کر رونے لگی۔ ابن ہشام اس پر ہنسنا شروع کر دیا۔

”پھر تو تمہیں اپنی رہائی پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے۔“ یہ آنسو کیسے؟
 ”یہ خوشی کے آنسو ہیں حارث.....! تم سے مل کر میں خوشی سے
 ہوئی جاتی ہوں۔ یوں معلوم ہوتا ہے جیسے میرا دل پکھل جائے گا۔“

پھر وہ روتے روتے اپنے پر اسرار اغوا کی کہانی سنانے لگی۔ اس نے
 یہود کے حیرت انگیز واقعات منکشف کر کے ابن ہشام کو ورطہ تحریر میں ڈال
 بوڑھے اہلبیس ربی اور ہاتاری کے مقابلے میں جبکہ آس اور یوشع کی خوفناک
 سازش اور قلعہ سے فرار کی عجیب و غریب داستان بھی کچھ کم حیرت انگیز
 تھی۔ اس نے یہودی رہیوں کی تخت نشینی اور مسیحی لڑکیوں کی رسم قربانی
 لرزہ خیز واقعات نفرت و حقارت کے پیرایہ میں سنائے، جن کی بدیریت پر ابن
 ہشام کا دل بھی کانپ اٹھا، لیکن اس داستان میں اس نے فادر بولاری کی شہادت
 قلبی کا حال مصلحتاً بیان نہ کیا، غالباً وہ چاہتی تھی، جب تک شہزادی جین سے مل
 لے، اس وقت تک اپنے ”ہاؤس پادری“ کا نام بھی زبان پر نہ لائے گی۔ ہا
 وہ قبل از وقت ہوشیار ہو کر اس پر قاتلانہ حملہ کر بیٹھے۔ ابن ہشام نے اس
 تسلی دی کہ اب کوئی دشمن اس کا بال بھی بیکا نہیں کر سکتا۔ ہاتاری اپنے با
 کردار کو پہنچ چکا۔ عنقریب قتل ایبب کی بستی میں پہنچ کر وہ شمعون ربی سے
 منٹ لے گا۔ اس نے کہا۔

”میں یہود کے اس لعنتی قلعہ کو پامال کرنے کے لیے سلطان معظم سے
 اجازت طلب کروں گا، کیونکہ اسلامی مملکت میں کسی ایسے پر اسرار قلعہ کا وہ
 برداشت نہیں کیا جاسکتا، جہاں انسانی قربانی ایسی مکروہ اور قابل نفرت رسم ادا
 جاتی ہو۔“

پھر وہ دیر تک جنگ کی باتیں کرتے رہے، گریٹا کو عکا کی فتح سے کوئی دلچسپی
 تھی، نہ جنگ سے، وہ تو شہزادی جین کی طرح اب یہی خواہش رکھتی تھی کہ
 عربوں اور افریقیوں میں کسی طرح صلح ہو جائے اور وہ شہزادی کے ساتھ قلعہ
 ہی میں رہ جائے۔ اس نے کہا۔

”جب میں نے قلعہ یہود میں فتح عکا کی خبر سنی تو مجھے بس تمہاری فکر تھی
 میں اکثر دعا کرتی تھی، خداوند تمہیں صحیح سلامت رکھے۔“

”تمہیں میری سلامتی بہت عزیز ہے؟“
 ابن ہشام نے شرارت آمیز مکر اہٹ کے ہاتھ گریٹا کی طرف دیکھا۔

”ہمارے انگریز حسینہ کا چہرہ یوں سرخ ہو گیا، جیسے اس پر گل و لالہ نے عکس
 دے، یا شفق نے رنگ انڈیل دیا ہو، پھر وہ ہولے ہولے کہنے لگی۔
 ”تم نے دو مرتبہ میری زندگی بچائی ہے۔ مجھے تمہاری سلامتی عزیز نہ
 ہے۔“

پھر اس نے شکایت آمیز لہجہ میں کہا۔ ”میں تمہیں بھول کر بھی بھول نہ سکی
 تم نے شاید بھول کر بھی مجھے یاد نہ کیا ہو گا۔“
 ”میں تو تمہاری خاطر قید بھی کاٹ چکا ہوں۔“

”قید..... میری..... خاطر؟“ گریٹا کے لہجے میں حیرت ہی حیرت تھی۔
 ”ہاں، شاہ اکتار کو یقین تھا۔ تمہیں میں ہی اڑا لے گیا ہوں۔ جب میں
 بڑی حیثیت سے عکا گیا تو اس نے مجھے زندان میں ڈال دیا تھا۔“
 ”او.....“ گریٹا کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ وہ ہاتاری سے سن چکی تھی فادر
 لاری نے اس کے اغوا کا الزام ابن ہشام پر لگایا تھا مگر اس نے لاعلمی کا اظہار
 کرتے ہوئے کہا۔

”تجربہ بادشاہ کو تم پر شبہ کیوں ہوا؟“
 ”ہمارے مشرق میں ایک ضرب المثل مشہور ہے۔ عشق اور مشک چھپائے
 لہجہ چھپ سکتے۔“ ابن ہشام کے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم ظاہر ہوا۔ ”معلوم ہوتا
 بادشاہ ہمارے راز محبت سے آگاہ ہو چکا ہے۔“

کردنوجوان کا تبسم حسینہ کے دل میں اترا جا رہا تھا۔ اچانک اس نے
 شکر کا رخ بدل دیا۔

”تم نے کہا تھا۔ میرے پیپا زخمی ہیں۔ میں ان سے ملنا چاہتی ہوں۔ وہ
 میرے لیے بے حد پریشان ہوں گے۔“

میں نے تمہاری خیریت کی اطلاع بھیج دی ہے، اب وہ تمہاری طرف سے
 ملے ہیں۔“

”مگر تم نے انہیں گرفتار کیوں کیا؟“
 اس اچانک اور غیر متوقع سوال پر ابن ہشام ایک لمحہ خاموش رہا۔ پھر کہنے

”تم یہ کیوں بھولتی ہو، محبت کے علاوہ مجھ پر ایک قومی فرض بھی ہے اور
 تمہارا اپنا فرض بہر طور عزیز ہوتا ہے۔ تمہارا باپ ایک جنگی قیدی ہے۔ زر

”اے امیر سے مانگ لوں گا۔“
 گریٹا کی آنکھوں میں ایک رومان آفریں چمک پیدا ہوئی، لیکن دوسرے ہی لمحہ وہ اس نظر آنے لگی۔ ”حارث! مجھے تمہارے پاس رہنے سے کوئی انکار نہیں، لیکن ایک مرتبہ میرا عکا جانا ضروری ہے۔ میں شنزادی جین سے ملنا چاہتی ہوں۔ وہ میرے لیے بہت غمگین ہوگی۔ پھر دوسری مشکل یہ ہے کہ میں پاپا کو کیا باپ دوں گی۔ وہ یقیناً مجھے اسلامی لشکر میں نہ رہنے دیں گے۔“

”پھر تو بالڈون کو بھی جنگی قیدی کی حیثیت سے یہیں رہنا ہوگا۔ ہم اس کے ذریعہ کی رقم اتنی بڑھا دیں گے، جسے بادشاہ کبھی ادا نہ کر سکے گا۔“ ابن ہشام نے ہونٹوں پر معنی خیز تبسم تھا۔

”اس کے باوجود میرا شنزادی سے ملنا بہت ضروری ہے۔“ گریٹا کا فکر مند ہوا اس کی قلبی بے چینی کا مظہر تھا۔ ”میں نے تمہیں یہ نہیں بتایا، میرے بعد ہوری قزاق شنزادی جین کو اغوا کرنے کی فکر میں ہیں۔ وہ سسلی کی ملکہ انگلستان شنزادی اور رچرڈ کی بہن ہے۔ یہودی ربی کو بھی اس سے گہری دلچسپی ہے۔ ان کے آدمی بدروحوں کی طرح عکا میں منڈلا رہے ہوں گے۔ بادشاہ جافا میں آ رہے اور اس کی عدم موجودگی میں شنزادی یقیناً خطرے میں ہوگی۔“

”نہیں.....“ ابن ہشام نقش حیرت بن گیا تھا۔

”میں غلط نہیں کہتی۔“

”مگر اس کا نائب ہاتاری تو ہلاک ہو چکا۔“

”اوه..... تم نہیں جان سکتے۔ شمعون کے ہاتھ بہت لمبے ہیں۔ مجھے جلد از جلد عکا پہنچ جانا چاہیے، وہاں یہود سے بھی ایک بہت بڑا دشمن اس کی ٹانگ میں ہے۔“

”مجھے بتاؤ وہ بد بخت کون ہے؟“

اس سوال پر گریٹا کچھ پریشان سی نظر آنے لگی۔ اس نے جواب دیا۔

”نہیں ابھی اس کے انکشاف کی ساعت نہیں آئی، مگر اس کا نام دنیائے

یہ میں ایک زلزلہ ڈال دے گا۔ میں چند روز کے بعد تمہیں بتاؤں گی۔“

”کیا وہ کوئی مسیحی سردار ہے یا کوئی بڑا راہب؟“

”اب راہبوں سے دلچسپی ہے نہ مسیحی سرداروں سے۔ انہوں نے مذہب

”اس پر اس ”جنگ مقدس“ کا آغاز کیا تھا، لیکن جنگ خواہ کردیڈی کیوں نہ

فدیہ لے کر اسے رہا کر دیا جائے گا۔“
 ”تو ہمیں کتنی رقم ادا کرنا ہوگی؟“

”اس کا فیصلہ میرے آقا ملک العادل ہی کر سکتے ہیں۔ لیکن میرا خیال بادشاہ کے خاص مصاحب کے لیے دو لاکھ دینار سے کم کیا ہوں گے۔“

گریٹا کے یا قوتی ہونٹوں پر ایک سسکی تڑپ کے رہ گئی۔ ”اوه خداوند! بہت زیادہ ہے، شاید ہم اتنی بڑی رقم ادا نہ کر سکیں، شاید ایک چوتھائی بھی ادا کر سکیں۔ خدا کے لیے ہم پر اتنا بوجھ نہ ڈالو۔“

”یہ رقم اس قید سے بہت ہلکی ہے، جو میں عکا کے زندان میں ایک راکٹ آیا ہوں۔ لیکن تم فکر نہ کرو۔ شاہ انکار یہ رقم اپنے خزانہ سے ادا کرے گا۔ میں نے سنا ہے اس نے سسلی اور قبرص کے شاہی خزانے لوٹ کر یہ دولت جمع کر رکھی ہے۔“

گریٹا حیرت پاش نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ شاید وہ اپنے عرب محبوب کو کی کوشش کر رہی تھی۔

”پھر تو شاید تم میرا معاوضہ بھی طلب کرو گے؟“

”تمہارا معاوضہ تو مغرب کی دس سلطنتیں مل کر بھی ادا نہیں کر سکتیں میرے نزدیک تم سلطنتوں سے زیادہ عزیز ہو۔ پھر تم جنگی قیدی بھی نہیں۔ بادشاہ سمجھتا ہے تمہیں میں نے اغوا کیا ہے، تو یہی سسی۔ ہاتھ میں آئی ہوئی کون چھوڑتا ہے، کیا تمہیں میرے پاس رہنا پسند نہیں؟“

ابن ہشام کی معنی خیز باتوں نے گریٹا کو شش و پنج میں مبتلا کر دیا۔ وہ آبروؤں کے نیچے اس کی آنکھوں نے یوں حرکت کی جیسے تلواریں چل رہی ہیں۔ پھر تبسم انداز میں بولی۔

”تمہارے پاس رہنا تو عجیب لگتا ہے۔ میرے سوا یہاں اور کوئی عورت

نہیں آتی۔“

”یہاں تو نہیں لیکن اسلامی چھاؤنی میں بہت عورتیں ہیں۔“

”اچھا.....“ گریٹا نے پلکیں جھپکائیں۔ ”میں ملک العادل کی مصری سیر

سے ضرور ملنا چاہتی ہوں۔ جس نے ایک رات شنزادی جین کو ”سترم“

مصری گیت سنانا تھا۔“

”شجرہ تمہیں بھی۔“ ”سترم“ پر نغمے سنائے گی۔ تمہاری خدمت کے

۱۷ شعبان ۵۸۷ھ ہجری قمری مطابق ۱۰ ستمبر ۱۱۹۱ء عیسوی شمسی کی تاریخ اور کا دن تھا۔ فلسطین کے موسم میں ہلکی سی تبدیلی کے آثار نظر آنے لگے۔ سمندر اور پہاڑوں کے درمیان اس مستطیل قطعہ ارض پر ہوا کے جھوکے نذر خنکی کا پتہ دے رہے تھے اور گرمی پہلے کی بہ نسبت کچھ گھٹ گئی تھی۔ گھوڑوں نے پانچ چھ میل کا فاصلہ غروب آفتاب سے قبل ہی طے کر لیا، سوار اپنے گھوڑوں سے اترے، لشکر گاہ میں خوش الحان موذن شام کی اذان دے رہا تھا۔

ابن ہشام نے لشکر گاہ پر نگاہ دوڑائی تو قلب کے خیمے اجڑ چکے تھے۔ ایک سردار نے اسے بتایا۔ ”سلطان معظم آج ہی عسقلان کی طرف روانہ ہیں۔ رات وہ رملہ میں قیام فرمائیں گے۔“

سلطان اور اس کی سپاہ خاص کی روانگی کا مطلب یہ تھا۔ چھاؤنی میں صرف اور مملوک لشکر باقی رہ گئے تھے۔ جو امیر مصر ملک العادل سیف الدین کی ماتحتی میں تھے۔ سپاہی خیمے نصب کرنے یا نماز کی تہاڑیوں میں فہم ہو گئے، شام کے جھپٹے میں ابن ہشام نے استفہامیہ نگاہوں سے مملوک کی طرف دیکھا اور پوچھا۔

”کیا اعلیٰ حضرت جنگ کے لئے عسقلان کے میدانوں کو پسند کرتے ہیں؟“
”نہیں ابن ہشام۔“ مملوک نے غمزہ لہجے میں سرگوشی کرتے ہوئے جواب میں نے سنا ہے سلطان المعظم عسقلان کو بھی مہار کر دینا چاہتے ہیں۔ جس مخالفت نہیں کر سکتے، وہ دشمن کے ہاتھ کیوں لگے؟“

بے اختیار ابن ہشام کی زبان سے..... ”استغفر اللہ“ کے الفاظ نکلے۔ سردار کی اطلاع نے اسے حزین و غمگین کر دیا تھا۔ ”یہ صلیبی ساحلی مائے پیچھے پڑے ہیں۔ کھلے میدان میں کیوں نہیں نکلتے، تاکہ لڑائی کا فیصلہ نہ ہو۔“

لڑ پناہ کے لیے بھٹ تلاش کر رہا ہے۔ مگر شام کے ساحل پر اسے عکا اور کے علاوہ کہیں پناہ نہ مل سکے گی۔ ایک نہ ایک روز اسے کھلے میدان میں ساتھ لیکھا ڈالنا ہی پڑے گا۔ آخر وہ ساحل ساحل کب تک بھٹکتا رہے

افرنجی لشکروں کو اپنے زبردست بحری بیڑہ پر بڑا ناز تھا۔ یورپ کے ہر ملک

ہو تباہی و بربادی اور ہلاکت کا دوسرا نام ہے اور کسی مذہب کو انسانوں کی ہلاکت سے کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔“

ابن ہشام کی نگاہیں دوڑ کر گریٹا کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔
”نصرانی لڑکیاں ایسی باتیں اس وقت زبان پر لاتی ہیں، جب وہ تارک الراہبوں سے چوٹ کھاتی ہیں..... کیوں نہیں۔“

پھر فوراً ہی وہ اچھل گیا۔ ”آہا!..... میں نے سنا ہے انکسار کے لشکروں میں بھی اس قسم کا ایک راہب موجود ہے، اس کا نام شاید بولاری ہے۔ وہ کذاب جس نے تمہارے اغوا کا الزام مجھ پر عائد کر دیا تھا۔“

فادر بولاری کا نام سن کر گریٹا پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ چہرے پر تحیر و توجہ کی پرجھائیاں سی تھر تھرائیں۔ اس نے کچھ کہنا چاہا لیکن الفاظ ہونٹوں پر نہ آ سکے۔ ابن ہشام نے اس کا رنگ اڑتے دیکھا تو کہنے لگا۔

بنت کیر.....! جو کچھ ہو چکا اسے بھول جاؤ اور اپنے دل کو اندیشوں اور خطروں کا مسکن نہ بناؤ۔ اس وقت تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد میں پھر آؤں گا۔ اس وقت تک تمہاری طبیعت یقیناً سنبھل چکی ہوگی۔ اچھا خدا حافظ.....!“

یہ کہہ کر وہ اس کا شانہ چھینٹتا ہوا تیزی کے ساتھ خیمہ سے باہر نکل گیا اور گریٹا حیران و ششدر دیکھتی رہ گئی۔ وہ سوچ رہی تھی۔ کیا یہ نوجوان عجب کوئی ساحر یا جادوگر ہے۔ آخر تین سو اتین لاکھ صلیبی لشکروں میں اسے بولاری ہی کیوں نظر آیا۔ کہیں وہ فتنہ پرداز راہب کے بھید سے تو آگاہ نہیں ہو چکا جس کا نام ابھی وہ پردہ رازی میں رکھنا چاہتی تھی۔

عزم سلطان

سہ پہر کے وقت ابن ہشام نے سواروں کو پڑاؤ اٹھانے کا حکم دیا۔ گھوڑے کی باگ اپنے ملک العادل کے خیموں کی طرف موڑ لی، جو اس پہاڑی کمین گاہ سے صرف پانچ چھ میل کے فاصلے پر نصب تھے۔

ہوا سلطان مجھے کہیں پناہ نہ لینے دے گا؟“

ساحلی قلعوں اور شہروں کو تباہ و برباد کرنے کا فیصلہ اگرچہ بڑا اندوہناک تھا، شہروں کی خاطر سلطان پورے عالم اسلام کو خطرے میں نہ ڈال سکتا تھا۔ صلیبی لشکر فلسطین میں کامیاب ہو گئے تو کیا وہ مصر و شام اور عراق و

عراق کا رخ نہ کریں گے؟
حاشاء للہ کیا ابن ایوب صلیبی لشکروں کو فلسطین کے ساحلی شہروں میں لے قدم جمانے دے کہ وہ اپنے گھوڑے دوڑاتے بلا روک ٹوک قاہرہ اور دمشق و موصل کی فصیوں تک جا پہنچیں؟

واللہ..... باللہ.....! صلاح الدین کی زندگی میں ان کے یہ خواب کبھی بدلہ تعبیر نہیں ہو سکتے۔ وہ دشمن کے ہڈی دل لشکروں کو اس طرح پر آگندہ کر دے گا، جس طرح ریلج لٹالی یا بادیہ شام کی آندھی ریت کے ذروں کو منتشر کر دے گا۔ وہ سیف الجہاد ہے۔ تیغ انتقام ہے۔ اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار ہے اور یہ تلوار دشمنان اسلام کی گردنوں پر رواں ہوگی۔

ساحلی شہروں کی شکست و ریخت سے اس نے فرنگی بادشاہوں کو اس ناک عزم سے آگاہ کر دیا تھا کہ جو دیوانہ مشکل وقت میں اپنے ہی جیب و دھن کی دھجیاں اڑا سکتا ہے وہ جوش و خروش دشت میں غنیمت کی قبائے شہریاری کو دیکھ کر معاف نہیں کرے گا۔ تیساریہ اور جافا کی تخریب کے بعد اب وہ سپاہ خاص کے ہمراہ عسقلان کی جانب روانہ ہو چکا تھا، تاکہ فلسطین کے اس خوبصورت شہر کو بھی مسمار کر دے، جہاں سے قاہرہ، دمشق اور یروشلم کو سڑکیں نکلتی تھیں، اس نے ملک العادل کے مملوک لشکروں کو رچڑ کے سر پر ملط کر دیا تھا۔ تاکہ اس کے ارادوں سے مطلع نہ ہو سکے اور جب تک وہ عسقلان کی شکست و ریخت سے فارغ نہ ہو جائے اسے جافا سے باہر نہ نکلنے دے۔

○

کے جنگی جہاز بحیرہ شام میں جمع ہو چکے تھے۔ ان کے مقابلہ پر اسلامی بیڑا لڑائیوں میں کام آچکا تھا اور اب مسلمانوں کے پاس صلیبیوں کی یلغار روکنے کا سمندر یا ساحل پر ان سے مقابلہ کرنے کا کوئی ذریعہ موجود نہ تھا۔

رچڑ نے مسلمانوں کی اس کمزوری کو آتے ہی بھانپ لیا تھا۔ عکا کی فتح کے بعد جب صلیبی لشکروں کی کمان اس کے ہاتھ میں آئی، اس نے یروشلم کی بڑھنے کی بجائے ساحل کے ساتھ ساتھ عسقلان اور غزہ تک تمام بندرگاہوں اور بحری حصاروں پر قبضہ کرنے کے لیے پیش قدمی کی، کیونکہ وہ خوب جانتا تھا، بحری ساز و سامان سے محروم ہیں اور ساحلی شہروں کی حفاظت نہ کر سکیں گے۔ اسے یہ بھی علم تھا، کثرت سپاہ اور سامان حرب کی فراوانی کے باوجود افریقی میدان میں عربوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اس نے بحری خطوط پر جنگ کا نقشہ تیار کیا۔ وہ چاہتا تھا، طوفانی یلغار کر کے غزہ اور عسقلان تک تمام ساحلی قلعوں اور شہروں پر قبضہ کر کے اس سے نہ صرف عربوں کے حوصلے پست ہو جائیں بلکہ افریقی لشکروں میں برتری کا احساس عود کر آئے گا، جسے مزید ابھار کر ”الغیاث اے مزار مسیح“ کے جذبات انگیز نعرے لگا کر وہ انہیں یروشلم کی کے قابل بنا دے گا، لیکن کیا اسلام کا جرنیل اور بساط حرب کا دانا شاطر..... صلاح الدین ایوبی..... ان ارادوں سے بے خبر تھا؟

خود صلاح الدین بھی جانتا تھا، وہ یورپ کے عظیم بحری بیڑوں سے مقابلہ طاقت نہیں رکھتا، نہ ساحلی مقامات کی حفاظت کر سکتا ہے۔ اب وہ عکا کی کسی ساحلی قلعہ میں بیٹھ کر جنگ محاصرہ لڑنے پر تیار نہ تھا۔ کیونکہ خطرہ یہ تھا کہ صلیبی دو حصوں میں منقسم ہو کر ایک طرف قلعہ کا محاصرہ جاری رکھیں گے اور دوسری طرف یروشلم پر چڑھائی کر دیں گے۔ لہذا صلاح الدین کی عسکری بصیرت قلعہ میں محصور ہو کر لڑنے کا خطرہ مول نہ لینا چاہتی تھی۔ اب ایک ہی راستہ تھا۔ وہ ساحلی شہروں اور قلعوں کو مسمار کر دے، دشمن کو ان پناہ گاہوں سے آرام نہ لینے دے، جن کے سامنے خواب دیکھ کر وہ ساحل ساحل پیش قدمی رہا تھا۔

حیفہ اور تیساریہ کے بعد جب رچڑ کو بھی جافا میں اپنے خوابوں کی تعبیر ملے کے ڈھیروں کی شکل میں بکھری ہوئی نظر آئی تو اس نے سر پیٹ لیا۔ وہ جافا کی بجائے جافا کے کھنڈروں میں داخل ہوا تھا۔

ملک العادل کی پریشانی

جب ابن ہشام اپنے آقا ملک العادل کے خیمہ میں داخل ہوا۔ مصری پردہ میں قدیلیں روشن ہو چکی تھیں۔ امیر مصر نے بڑی گرجوشی کے ساتھ نوجوان سردار کو خوش آمدید کہا اور مسند پر اپنے قریب ہی بٹھالیا۔ برادر سلطان خیمہ میں تنہا تھا۔ ابن ہشام اطمینان سے گفتگو کر سکتا تھا۔ ام کی موجودگی میں کوئی غلام اندر نہ آیا، اس کے باوجود ابھی چند لمحے گزرے تھے کہ ایک مصری کینز ٹھنڈے شربت کے دو جام لے کر داخل ہوئی اور طشہ چوبی میز پر رکھ کر چپ چاپ پردوں کی اوٹ میں غائب ہو گئی۔ امیر مصر کے سراپردہ میں مہمان نوازی اسی طرح کی جاتی تھی۔ مفرح شربت پینے کے بعد ابن ہشام نے اپنے جسم میں تازگی محسوس کی اور رچڑے کے مصاحب خاص بالذون کی کیرو کی گرفتاری کا واقعہ سنانے لگا۔ اسی ضمن میں جب اس نے بالذون کی گرفتاری کی دستیابی کا قصہ سنایا تو ملک العادل کا چہرہ کھل اٹھا، وہ بولا:

”خدا کا شکر ہے تمہاری بریت خود بخود ثابت ہو گئی۔ ملک الرک نے اسی لڑکی کے لیے تمہیں گرفتار کیا تھا۔ مگر اب تو لڑکی کا باپ بھی گواہ ہے، تم نے اسے ایک یہودی قزاق کے بچے سے چھڑایا ہے۔ جب بادشاہ یہ قصہ سنے گا اپنے فیصلے پر ضرور شرمسار ہوگا۔“

اس کے باوجود مجھے وہ بدسلوکی ہمیشہ یاد رہے گی۔ اگر شہزادی جین اس مصیبت میں کام نہ آتی، تو نجانے میں کب تک زندان میں رہتا۔ بھائی جس قدر بد مزاج اکڑ اور احسان فراموش ہے، بہن اسی قدر نیک خو، مہذب اور احسان شناس ہے۔“

شہزادی جین کی تعریف سن کر ملک العادل کے ذہن میں پرانی یادوں کے دیئے سے جل اٹھے، جب شہزادی نے عکا میں غیر متوقع طور سے مل کر

کر دیا تھا۔ ابن ہشام نے اس کی آنکھوں میں عجیب سی روشنی دیکھی اور نے لگا۔ وہ امیر لشکر کو اپنے اور گرینا کے اس تعلق سے کس طرح آگاہ ہے، جو آپ سے آپ پیدا ہو گیا تھا۔ دل و نگاہ کی حسین واردات کو الفاظ کا بیان کتنا مشکل اور کتنے معلوم ہوتا تھا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا، لیکن ملک العادل نے یہ مشکل بھی خود آسان کر دی اور مسکراتے ہوئے کہا۔

”ابن ہشام! مردوں کی بہ نسبت انکسار کی لڑکیاں زیادہ مخلص ہوتی ہیں۔ میرے بس میں ہوتا تو میں بنت کیرو تمہیں سوپ دیتا۔ تم اس کی خاطر بدنامی انت بھی اٹھا چکے ہو، لیکن وہ انکسار کے شاہی خیموں میں رہتی ہے، اور الرک ہی اس کے مستقبل کا فیصلہ کر سکتا ہے۔“

”پھر تو بنت کیرو کا خدا ہی حافظ۔ شاہ انکسار مردوں کو پرکھنے میں کمزور اور رنوں کے متعلق بڑی ضعیف رائے رکھتا ہے۔ کسی عورت کو اس گربہ چشم بھلائی کی امید نہ رکھنی چاہیے۔“

ملک العادل نے حیرت پاش نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔ ”تم یہ کیسے رکھتے ہو؟“

”میرے آقا! میں اس کے خیمے میں ملکہ انکسار کو بے حد افسردہ و غمگین دیکھ رہا ہوں۔ وہ عورتوں کا تسخیر اڑاتا اور اپنی ملکہ کو بھی معاف نہیں کرتا۔“

پھر باتوں ہی باتوں میں ابن ہشام نے وہ حسین و رنگین داستان بھی منکشف کر دی، جسے بیان کرتے ہوئے وہ شرمگھبرا رہا تھا۔ اگرچہ اس نے دل پر گزرنے کی قیامت کا ذکر اشارہ و کنایہ ہی کی زبان میں کیا تھا، لیکن امیر عادل کی تجربہ کار نگاہوں نے اس کے چہرے پر دل کی واردات پڑھ لی اور سمجھ لیا۔ کرد نوجوان لڑکے دو شہزادہ سے غیر معمولی دلچسپی ہی نہیں رکھتا، بلکہ اس کی سنہری کاکلون کا اسیر بن چکا ہے۔ وہ خود اپنے نماں خانہ دل میں انگریز شہزادی کی حسین یادیں ہائے بچپن کا ابن ہشام کا افسانہ محبت سن کر اس کے ہونٹوں پر تبسم سا لہرا گیا اور معنی خیز انداز میں بولا۔ ”بارک اللہ۔“

گرینا اور ابن ہشام کا تعلق خاطر اس اس کے لیے مسرت انگیز تھا۔ شہزادی جین سے نامہ و پیام کا نیا ذریعہ خود بخود نکل آیا تھا۔ اچانک اس نے اپنے نوجوان سردار کو ایک عجیب کچوکا دیا۔

”اب پتہ چلا بنت کیرو کے قصے میں تمہارا نام کیوں لیا گیا۔ میرے دوست!

”کیوں.....؟“ ملک العادل حیران رہ گیا۔

”وہ جلد سے جلد عکا پہنچ جانا چاہتی ہے۔“

”اس کا مطلب ہے۔ عکا اسے تم سے زیادہ عزیز ہے۔“

”یہ بات نہیں میرے آقا!“ وہ سمجھتی ہے عکا میں شنزادی جین کی زندگی
رہے میں ہے۔ وہ جلد از جلد عکا میں پہنچ کر اسے خطرہ سے آگاہ کرنا چاہتی

”ملک العادل چونک اٹھا۔ اس نے کئی دن کے بعد انگریز شنزادی کے متعلق
بے منوس اور ناقابل یقین خبر سنی تھی۔“

”کیسی باتیں کرتے ہو“ ابن ہشام۔ بھلا شنزادی جین کو عکا میں کیا خطرہ ہو
لا ہے؟“

ابن ہشام نے ابھی تک اسے گریٹا کے پر اسرار اغوا اور قلعہ یسود کے
بے و غریب حالات سے متعلق کچھ بھی نہ بتایا تھا۔ اپنے آقا کے سوال کا جواب
یتے ہوئے اس نے وہ تمام واقعات دہرائے جو مابقی میں گزر چکے ہیں۔

امیر مصر حیرت، غصہ اور جوش کی حالت میں یسود کی شرانگیز داستان سن رہا
تھا۔ ابن ہشام نے ابھی گریٹا سے جو کچھ سنا تھا، بلا کم و کاست کہہ سنایا۔ جب
اس نے بتایا کہ ربی شمعون رچرڈ کی بہن کو اپنی ملکہ بنانے اور اس کے بطن سے
نٹ اسرائیل کا وارث حاصل کرنے کی اہلیسانہ خواہش میں مبتلا ہے، تو ضبط و
غل کی تمام کڑیاں ایک زبردست کڑا کے ساتھ ٹوٹ گئیں اور ملک العادل
جی اونٹ کی مانند خوفناک آواز میں بلبلاتا اٹھا۔

”ابن ہشام!“

اس کی آواز نفرت، غصہ اور جوش کے مارے کپکپا رہی تھی۔ سراپردہ کے
ازم میں کینیز خوف سے سہم گئیں۔ خیمہ خاص کے دروازہ پر سوڈانی غلام اور
بہی محافظ چونک کر ہوشیار ہو گئے۔ خود ابن ہشام نے بھی ندامت سے گردن
ہٹا دی۔ وہ جانتا تھا، اس کا آقا شنزادی جین کے لیے نیک تمنائیں رکھتا ہے اور
اس کے اغوا و فرار کی کہانی اسے مشتعل کر دے گی، لیکن اس نے یسودی ربی
کی ذلیل خواہش کا برملا اظہار اسی لیے کیا تھا کہ یسود کے خلاف امیر مصر کے دل
میں شدید نفرت بھر جائے وہ کسی آتش فشاں کی طرح پھٹ پڑے۔

ملک العادل غصہ کے جوش میں کانپ رہا تھا۔ اپنی غیر معمولی حالت کا اس

شاہ انگار کا الزام کچھ غلط نہ تھا۔“

یہ الفاظ سن کر ابن ہشام بوکھلا سا گیا۔ ”جان سلطان! میں نے بنت کیرو
اغوا تو نہیں کیا۔“

”اغوا بے شک نہیں کیا، لیکن انگار کے خیموں سے تم اس کا دل تو منور
چرا لائے تھے۔“

”کردنوجوان کے چہرے پر سرخی سی دوڑ گئی۔ یہی سرخی اس کے افسانہ دل
کا عنوان تھی۔ ملک العادل کے لبوں پر ابھی تک معنی خیز تبسم رقصاں تھا۔“
مسند سے اٹھتے ہوئے کہنے لگا۔ ”تھوڑی دیر پہلے میں نے بنت کیرو کے متعلق
ایک فیصلہ کیا تھا، مگر اب اسے تبدیل کرنا پڑے گا۔“

ابن ہشام نے بھی اپنے آقا کی تقلید کی اور کھڑا ہو گیا۔ عادل نے اسے
حیرت میں ڈال دیا تھا۔ ”کیسا فیصلہ یا امیر۔“

”بنت کیرو اگر عام حالات میں یہاں آئی ہوتی تو شنزادی جین کی طرح اسے
بھی انگار کے خیموں کی طرف روانہ کر دیا جاتا، لیکن ملک الرک کی الزام زائی
اور بدسلوکی کے باعث میں نے یہی بہتر سمجھا باپ کی طرح بیٹی کی رہائی کے لیے
بھی فدیہ طلب کیا جائے اور جب تک صلیبی زرفدیہ ادا نہ کریں، دونوں ہماری
قید میں رہیں۔“

”شاید امیر بھول رہے ہیں۔ بنت کیرو جنگی قیدی نہیں۔“
”سبحان اللہ، تمہیں اس کا کتنا خیال ہے۔ بے شک وہ جنگی قیدی نہیں مگر
اس کی رہائی ہماری مرضی پر منحصر ہے۔“

پھر وہ خود بخود کہنے لگا۔

”تمہاری داستان سننے کے بعد میں نے پہلا ارادہ ترک کر دیا۔ اب بنت
کیرو زرفدیہ کے بغیر رہا کر دی جائے گی، لیکن جب تک اس کا باپ قید ہے۔“
بطور مہمان یہیں رہے گی تاکہ انگار جان لے ہم لڑکیوں کو اغوا نہیں کرتے
مہمان بناتے ہیں۔“

امیر کا خیال تھا، نوجوان سردار اس تجویز پر بہت خوش ہو گا، بھلا اس کے لیے
اس سے بہتر اور کیا فیصلہ ہو سکتا ہے کہ اس کی محبوبہ عرب خیموں میں مہمان
رہے، لیکن خلاف توقع اس نے معذرت پیش کر دی۔

”امیر مجھے معاف فرمائیں۔ بنت کیرو ہماری میزبانی قبول نہ کرے گی۔“

”ابن ہشام! میں بنت کیرو کو عکا جانے کی اجازت نہیں دے سکتا۔“

کرد سردار پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔

ملک العادل کہنے لگا۔ ”میرا فیصلہ سن کر تم اچانک مضحل نظر آنے لگے ہو۔“
 بن نے حالات کی سنگینی کا اندازہ نہیں کیا، ورنہ میری تائید کرتے۔ ذرا سوچو
 بن بنت کیرو کو انکار کے شاہی خیموں سے اغوار کر کے یودی قزاقوں کے
 ہاتھ کر دیتا ہے اور اب عکا کے محلات سے ایک شہزادی کو اڑانے کی فکر میں
 ہے۔ وہ تنہا ہرگز نہ ہوگا۔ اس کے آدمی قلعہ یسود کی خبر بھی رکھتے ہوں اور اس
 بنت تک اسے بنت کیرو کے فرار کی خبر مل چکی ہوگی۔ بولاری یہ بھی جانتا ہے
 کہ وہ قلعہ یسود سے نکل کر سیدھی عکا آئے گی اور جو نئی شہر کے نواح میں
 داخل ہوگی۔ راہب کے پر اسرار ہاتھ حرکت میں آجائیں گے۔ بنت کیرو لازمی
 طور پر دوبارہ گرفتار کر لی جائے گی، یا اسے ہلاک کر دیا جائے گا۔

ابن ہشام نے حیرت اور تعجب سے امیر کی طرف دیکھا، اور دل ہی دل میں
 اس کی دور اندیشی کی تعریف کرنے لگا۔ اچانک وہ پریشان دکھائی دینے لگا۔ ”جان
 سلطان! میں بھی ان حالات میں بنت کیرو کو واپس بھیجنا مناسب نہیں سمجھتا، لیکن
 ہال یہ ہے شہزادی جین کو خطرے سے آگاہ کس طرح کیا جائے۔ شاہ انکار
 اپنے لشکروں کے ساتھ آج کل جانا میں مقیم ہے اور اس کی عدم موجودگی میں
 بولاری کے پر اسرار ہاتھ ضرور حرکت میں آجائیں گے۔“

”میرا خیال ہے شہزادی سے کہیں زیادہ ہمیں راہب کی فکر ہونی چاہیے۔“
 ابن ہشام کچھ پوچھنے ہی والا تھا کہ ملک العادل نے ہاتھ لہرا دیا اور بولا۔

”ایک آدمی کل سویرے عکا کی طرف روانہ ہو جانا چاہیے۔ وہ شاہی محل
 میں شہزادی سے خفیہ ملاقات کرے گا اور اسے بنت کیرو کا پیغام پہنچا دے گا۔
 خطرے سے آگاہ ہو جانے کے بعد وہ اپنی حفاظت کا مناسب انتظام کر سکے گی۔ لیکن
 آسمان سے یہ ضرور معلوم کرو، آیا وہ بدبخت نصرانی جو اس کے اغوا میں
 شریک ہوا راہب بولاری ہی تھا یا کوئی اور۔ میرا خیال ہے حالات کی سنگینی کا
 اندازہ کر لینے کے بعد وہ عکا جانے پر اصرار نہ کرے گی، بلکہ مشتبہ نصرانی کا نام
 لے کر بتا دے گی۔ اگر وہ بولاری ہو تو اس کی نگرانی ضروری ہے، ہو سکتا ہے وہ
 کوئی چھپا ہوا یودی ہو جو مسلمانوں اور ملیشیوں کے درمیان جنگ کی آگ
 لگانا اپنا مذہبی فریضہ سمجھتا ہے۔ فلسطین میں یودی پر اسرار شراکینز سرگرمیوں

نے خود بھی احساس کیا، پھر کسی قدر بدلے ہوئے لہجے میں بولا۔

”فلسطین کے یودی کی یہ جرات کہ وہ اسلامی ملک میں تخت نشینی کے خوا
 دیکھتے، بے گناہ عورتوں کی عزت لوٹنے اور ان کی قربانی دیتے ہیں؟“

”میرے آقا جانتے ہیں، میں کبھی غلط بیانی نہیں کرتا۔ بنت کیرو اس کھنڈ
 زندہ ثبوت ہے۔ وہ ان واقعات کی تصدیق کرے گی۔“

”اگر اس کی کہانی صحیح ثابت ہوئی تو بخدا!.....! میں یودیوں کے
 اجل کی چکی چلاؤں گا اور اس مقصد کے لیے مجھے سلطان معظم سے بھی اجازت
 لینے کی ضرورت نہیں۔“

ملک العادل ابھی تک مشغول تھا۔ ابن ہشام نے بتایا۔ ”بنت کیرو کہتی ہے
 یودی قزاق ہاتاری نے اسے کسی مقصد نصرانی کی مدد سے اغوا کیا تھا، جو انکار
 کے لشکروں میں غیر معمولی حیثیت رکھتا ہے، اب وہی عکا میں شہزادی جین
 لیے خطرہ بنا ہوا ہے۔“

”کیا وہ اس بدبخت نصرانی کا نام نہیں جانتی؟“

”وہ اس کا نام ظاہر کرنا نہیں چاہتی۔“ ابن ہشام ایک لمحہ خاموش رہا
 بولا۔ ”لیکن میرا خیال ہے، وہ راہب بولاری کے علاوہ اور کوئی نہیں۔“
 ”تم اسے کیسے جانتے ہو؟“

”اسی کذاب نے بنت کیرو کے اغوا کا الزام مجھ پر لگایا اور شاہ انکار کے
 سامنے کچھ من گھڑت ثبوت پیش کیے تھے۔ تاکہ شاہ انکار کو گمراہ کر کے اصل
 واقعہ کو چھپا سکے۔ آج جب میں نے بنت کیرو کے سامنے بولاری کا نام لیا تو اس
 کی گھبراہٹ اور پریشانی نے میرے شبہ کی تصدیق کر دی۔“

”کیا وہ انکار کے شاہی گھرانے میں آمد و رفت رکھتا ہے؟“
 ”اس کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا یا امیر! لیکن بنت کیرو کی پریشانی سے
 ظاہر ہے، اس کی آمد و رفت پر کوئی پابندی نہیں۔“

قتلیوں کی روشنی میں ملک العادل کی آنکھیں فکر و پریشانی کا اظہار کر رہی
 تھیں۔ مشغول خون ابھی تک اس کی نبضوں میں تیزی سے رواں تھا، لیکن
 چہرے پر الجھن کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔ ابن ہشام نے جس خطرے کا
 انکشاف کیا تھا وہ گم صم کھڑا شاید اس کے امکانات پر غور کر رہا تھا، اچانک
 مسند کی سمت گھوم گیا اور فیصلہ کن انداز میں بولا۔

اہل جنیوا اور اہل حیدرہ جو شروع ہی سے جنگ مقدس میں شریک رہے اور
اہل لوگمان کے ہمراہ اپنے بحری بیڑے لے کر عکا چلے آئے تھے۔ شہر شہر اپنا
خزانہ ثابت کرتے تھے۔ ان کے نزدیک گائی ایک ٹکھا آدمی اور صرف نام کا
بادشاہ تھا۔ جس روز شاہان صلیب کی مجلس کبیر میں یروشلم کی ”خیالی بادشاہت“
مقدمہ پیش ہوا تھا جنیوا اور حیدرہ کے نائٹوں نے گائی کے خلاف آواز اٹھائی
اور مارکوئیس کا نرڈ حمایت بنا۔ لیکن رچرڈ نے اس مقدمہ کا فیصلہ گائی کے حق
میں کر دیا۔ چنانچہ اب وہ شاہ انگلستان سے بیزار تھے۔ رچرڈ صلیبی لشکروں کو لے
کر ساحل جافا کی طرف بڑھا تو اہل جنیوا اور اہل حیدرہ شہر کی حفاظت کے
لے عکا ہی میں ٹھہرے رہے۔ اب فریقین میں سے ہر کوئی اس بندرگاہ کا
دعویٰ کر رہا تھا۔ جنیوا اور حیدرہ کی پرانی رقابتیں پھر بیدار ہونے لگیں۔ باہمی
جھڑوں میں وہ ڈیوک آف عکا کی بھی پروا نہ کرتے تھے، جو رچرڈ کی طرف سے
شہر کا حاکم تھا۔

صلیبی لشکروں کی اکثریت جافا کے کھنڈروں میں منتقل ہو چکی تھی۔ (جہاں
رچرڈ نے شہرپناہ کی حرمت اور عمارتوں کی تعمیر کا کام از سر نو شروع کر دیا تھا۔)
اس کے باوجود عکا کی چہل پہل میں کوئی کمی نہ ہوئی تھی۔ صلیبوں کی تعداد اب
تک سو لاکھ سے اوپر تھی، جو شب و روز داد عیش دینے اور نکوار کی بجائے جام
خانا زیادہ پسند کرتے تھے۔

عکا عیش و عشرت کا نیا مرکز تھا۔

یوں تو شہر میں نت نئے ہنگامے ہوتے۔ بازاروں میں سپاہیوں کے ٹھٹ کے
مجموعہ رچے، رقص گاہوں، میکدوں اور قہر خانوں میں آدمی آدمی رات
گاہ ہو کا شور سنائی دیتا اور کیتھڈرل کی مقدس گھنٹیوں کی آواز بھی یورپ
کے بڑے متوالوں پر اثر انداز نہ ہوتی، لیکن شاہی محلات کی رونقیں پہلے کی بہ
بہت یقیناً ماند پڑ چکی تھیں۔

اول تو شاہ فرانس اور مارکوئیس کانرڈ اپنے خدم و حشم کے ساتھ عکا سے
رفت ہو چکے تھے۔ دوسرے بشپ آف بولیس اور بعض معزز نائٹ کانرڈ کے
بچے بچے صور پہنچ گئے تھے۔ تیسرے خود شاہ انگلستان رچرڈ شیردل شاہان صلیب
اور اترائے افریقہ کو لے کر جافا کی طرف کوچ کر چکا تھا۔

یہی اسباب تھے، جن سے شاہی محلات میں پہلی سی رونق باقی نہ تھی۔ البتہ

کا قلع قمع کر دینا چاہیے۔ نصاریٰ کی طرح وہ بھی ارض مقدس میں اسرار
ریاست کے خواب دیکھ رہے ہیں۔“

ابن ہشام تعجب اور توجہ کے ساتھ امیر عادل کی تقریر سنتا رہا۔ اب اس
ان خطروں کا صحیح احساس ہوا جو صلیب اور صیہونیت گود میں پرورش پا رہے
اور جن کا پراسرار سلسلہ افریقی لشکروں سے قلعہ یہود تک قائم تھا۔ ملک اللہ
نے کہا۔

”ابن ہشام! ممکن ہے عکا کی مہم کے لیے میں تمہارا ہی انتخاب کر دوں۔
لے اپنے خیموں میں جاؤ اور بنت کیرو سے ہر قیمت پر معلومات حاصل کر دو۔
حافظ۔“

کرد سردار جب مصری سرپردہ سے نکل کر باہر آیا تو چاند ابھی طلوع نہ
تھا، چاروں کھونٹ اندھیرے کی چادریں تنی ہوئی تھیں اور لشکر گاہ میں کب
کس روشنی کے مدھم سے ہالے لرزاں تھے۔

بد نصیب برنگیریا

عکا..... جس پر کچھ عرصہ قبل عباسیہ کے سیاہ پرچم اڑتے اور سلطان
الدین کے امتیازی زرد ہلالی نشان لہراتے تھے۔ اب صلیب کے سرخ پیرول
چھاؤنی میں سانس لے رہا تھا۔

پہلے اس شہر کے ہر کوچہ و بازار میں قال اللہ اور قال الرسول کا ذکر
تھا۔ لیکن آج کل اس کے مکانوں میں یورپ کی کسبیوں اور طوائفوں کا
تھا، جہاں شراب کے نشہ میں بدست صلیبی مجاہدوں کا ہجوم رہتا۔ وہ ان کے
خانوں کے سامنے کھڑے فحش گیت گاتے، ناچتے اور لڑتے جھگڑتے رہتے تھے۔
یوں تو ہر افریقی شراب اور عورت کا رسیا تھا، لیکن فراشیسی تو لبو و لب کے
زندگی کا تصور ہی نہیں کر سکتے تھے۔ اپنے بادشاہ قلب آگش کی واپسی کے
وہ کروسیڈ ہی سے دل برداشتہ ہو گئے اور پرانے دشمن رچرڈ کی کمان میں
لڑنے پر خوش نہ تھے، اس لیے کسبیوں کے ہاں زیادہ تر فراکوں ہی کی
رہتی، جس پر انگریز سپاہی ان کا تمسخر اڑاتے تھے۔

نہی۔ کبھی وہ سوچتی ضرور، ملکہ سے کوئی غیر معمولی غلطی سرزد ہوئی ہے۔
 رچڑا اگر کسی وقت عادت سے مجبور ہو کر عورتوں کی توہین و تذلیل کا
 رعب ہوتا تو دوسرے وقت وہ ان کی تالیف قلوب اور دلداری میں بھی کوئی
 نئے نئے فرورداشت نہ کرتا تھا۔

رچڑا کی طبیعت کے یہ متضاد عکس ہر شخص پر روشن تھے۔ وہ زمانہ کی
 رچڑا کو حقیر سمجھتا اور کبھی یہ سوچنے کی زحمت نہ کرتا تھا، لوگ اس کے متعلق
 نظریہ رکھتے ہیں۔ وہ یہ برداشت ہی نہیں کر سکتا تھا، کوئی انسان اس سے
 زہونے کا دعویٰ کرے یا اسے کسی غلطی پر ٹوک دے۔ اس کا خیال تھا،
 شاہ ہونے کی حیثیت سے وہ اخلاق اور دستور کا بھی پابند نہیں۔

مختلف حالتوں میں اس کی آنکھوں کے رنگ بھی بدلتے رہتے تھے۔ لیکن
 رچڑا کبھی کبھی عشق و رومان کے خیالوں سے ذہنی آسودگی حاصل کرتا۔
 عورتوں کے سامنے بھیڑ کے پچہ کی مانند معصوم اور بے ضرر بن جاتا اور
 کی خوشنودی کے لیے زہر کے جام بھی پی لینے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرتا
 اس کے ساتھ ہی عورت سے کسی دانشمندی کی توقع بھی نہ رکھتا، بلکہ ہمیشہ
 بات پر اصرار کرتا تھا۔ ”مجھے عورت کے دماغ کی ضرورت نہیں صرف دل
 ضرورت ہے اور سب سے عقلمند عورت وہ ہے جو میرے سامنے اپنی قابلیت
 دکھانے نہ کرے۔“

ایک رات جین کو ملکہ بیرنگیریا کی اداسی کا بھید آپ سے آپ معلوم ہو گیا
 یہ بھید قبرصی سینہ گل سوسن نے بتایا تھا، جو اب رچڑا کی محبوبہ تھی۔ اس
 یہ راز بھی فاش کر دیا تھا کہ بادشاہ کو ملکہ بیرنگیریا نے زہر دیا تھا۔

یہ کہانی سن کر جین ورطہ حیرت میں ڈوب گئی۔ ذہن پر دو لفظ شعلوں کی
 بجائے لگے۔ ”بیرنگیریا اور زہر“ اس کے ہونٹوں کو چنٹش ہوئی.....
 رچڑا نے بادشاہ کو زہر کیوں دیا؟“

”میں نہیں جانتی..... بالکل نہیں جانتی۔ بادشاہ نے بھی اس کے متعلق
 اتنا مناسب نہیں سمجھا تھا۔“

قبرصی شہزادی نے جین کو نئی الجھنوں میں ڈال دیا۔ بیرنگیریا نے زہر کیوں
 اتنا جرم کے باوجود وہ جوں کی عداوت میں پیش کیوں نہیں ہوئی۔ زہر
 لانی کا ناقابل معافی جرم کیوں معاف کر دیا گیا؟ اس پر کوئی پابندی بھی نہیں

دو منزلہ، سہ منزلہ قصروں اور سنگ رخام کی کوشکوں میں افزگی عیالیت اور
 شہزادیاں ضرور نظر آ جاتی تھیں۔ جہاں ان کی منہ چڑھی کینیریں اور خواہ
 بجلیوں کی مانند لپکتی، جھپکتی اور بھاری جسموں والے خواجہ سرا مال غنیمت
 لڑتے جھگڑتے تھے۔

انگلستان کی شاہی خواتین (ملکہ بیرنگیریا شہزادی جین درجینا جو رچڑا کی بیوی
 اور اس کے بھائی ارل جان کی بیٹی تھی۔ نیز قبرص کی بیڑہ طینی شہزادی کی
 سوسن) کروسیڈ کے امیر کبیر شاہ رچڑا کے ساتھ قلعہ کی بدولت عکا کے سب سے
 بڑے اور خوبصورت محل میں قیام پذیر تھیں۔ ان کے لیے الگ الگ قمر
 مخصوص کر دیئے گئے تھے۔ بیرنگیریا اگرچہ اپنے شوہر کے پیار اور اعتماد سے غرور
 ہو چکی تھی، اس کے باوجود آج بھی ملکہ انگلستان کی حیثیت میں سب سے
 عالیشان قصر میں رہتی تھی، لیکن سب سے زیادہ اداسی، ویرانی اور خاموشی اس
 کے قصر پر چھائی رہتی، نہ کوئی تقریب منعقد ہوتی، نہ چہل پہل نظر آتی تھی۔

رچڑا اور بیرنگیریا کے درمیان ایک سودا ہوا تھا۔ بیرنگیریا جس نے بادشاہ
 بیڑہ طینی شہزادی کے ساتھ خلوت عیش میں دیکھ لیا تھا۔ اپنے شوہر کے لئے عشق
 کی کہانی زبان پر نہ لائے گی اور اس ”خاموشی“ کے عوض بادشاہ اس کے شاہی
 حقوق میں مداخلت کا مجاز نہ ہوگا۔ نوارے کی حسینہ نے جو کبھی رچڑا کی محبوبہ
 اور اس کے دل پر حکومت کرتی تھی۔ ایک جانسوز اور روح فرسا خاموشی کے
 عوض صرف ”ملکہ انگلستان“ کے لقب پر قناعت کر لی تھی، اور یہی جاکم
 خاموشی اندر ہی اندر اس کو کھائے جا رہی تھی۔

اگر وہ بادشاہ کی نئی محبت کا راز فاش کرتی تو رچڑا زہر خورانی کی فوٹاک
 سازش کا انکشاف کر کے اسے نہ صرف ذلیل و رسوا کرتا، بلکہ طلاق دے کر تمام
 شاہی حقوق و اعزازات سے محروم کر سکتا تھا۔ وہ جانتی تھی، انگلستان کے لوگ
 بادشاہ کو بے حد عزیز رکھتے ہیں۔ اس لیے یہ بھی امکان تھا، بادشاہ کو زہر پلانے
 کے جرم میں کوئی دیوانہ انگریز اسے خنجر بھونک دیتا۔ ان اندیشوں نے اس کے
 خوبصورت ہونٹوں پر سکوت کا وزنی تالا ڈال دیا تھا اور وہ اپنے آپ کو دنیا کی
 بد قسمت عورت سمجھ کر بیشتر وقت گوشہ تنہائی میں گزار دیا کرتی تھی۔

شاہی محلات پر دراصل شہزادی جین حکمران تھی اور بیرنگیریا کو بھی اس کے
 سامنے دم مارنے کی حرکت نہ ہوتی۔ خود جین بھی ملکہ کی پراسرار خاموشی

جس کے مدھم دائرے لرز رہے تھے اور یورپی بانکوں کی ہاؤ ہو کا شور
لفظ میں تھل رہا تھا۔ مغرب کی طرف وحشی سمندر خوف ناک آوازوں
رہا تھا۔

جین کو بندرگاہ پر روشنیوں کے تھر تھراتے عکس نظر آئے۔ پرے سیاہ
کی ابھرتی ڈوبتی ہوئی لہروں پر بھی کئی ”روشن آنکھیں“ بار بار جل بھج
تھیں۔ یہ ان جہازوں کی روشنیوں کے عکس تھے جو مہم لہروں پر کھڑے
رہے تھے۔

انگریز شہزادی رات کو اپنے قصر کی تیسری منزل پر آرام کرتی تھی۔ جہاں
رے آنے والی ٹھنڈی ہوائیں فلسطین کی ابر آلود راتوں کو فرحت بخش بنا
تھیں۔ دو خواہشیں اس منزل پر اس کی خدمت میں حاضر رہتیں۔ نار منڈی
مادر شمشیر زن ٹھلی عمارت کے سرخ زینہ میں ساری رات پہرہ دیتے اور
ان کے انگریز شاہی محل کے ارد گرد گھومتے رہتے تھے۔ حفاظت کا یہ انتظام
کیونکہ کے پراسرار اغوا کے بعد خاص طور پر کیا گیا تھا۔ جافا کی طرف روانگی
لی رچرڈ نے سکاٹ لینڈ کے بعض آدمیوں کو محل کی خفیہ نگرانی پر بھی مامور
کیا تھا۔ ناممکن تھا کہ کوئی شخص شالی ڈان، نار منڈی اور سکاٹ لینڈ کے
ان کی نگاہوں سے بچ کر محل تک پہنچ جائے۔ حفاظت و نگرانی کی ان تدابیر
اور ڈیوک آف عکا کا خاص رسالہ رات بھر بازاروں اور قلعہ کے آس
پاس کرتا تھا۔

شہزادی جین کافی دیر تک درپچہ میں کھڑی بھرے ہوئے سمندر کا شور سنتی
بھر مسری پر جالیٹی، مگر آج رات اسے نیند نہ آرہی تھی۔ اس نے قبرصی
نار کو اپنی داستان دل سنا کر محرم راز بتایا تھا۔ اب اندھے خیالات کا دھارا
کی بھری ہوئی موجوں کی طرح بار بار ذہن سے ٹکراتا اور جین نے نئے
ماسے گھبرا اٹھی۔ اگر بادشاہ اس کی جسارت پر غضبناک ہو گیا تو کیا ہوگا۔
وہ ملک العادل کو پسند کرتا اور اس سے صلح کی مراسلت بھی رکھتا ہے،
ن کا یہ مطلب تو نہیں، وہ اپنی بہن کو اس سے محبت کرنے کی اجازت بھی
دے۔

نئی اندیشوں میں گھری وہ بار بار کروش بدل رہی تھی۔ نجانے کب غوغا
ہوئی۔ اور ذہن کب طلسمی جزیروں کی طرف پرواز کر گیا۔ لیکن وہ گہری

بلکہ پہلے کی طرح وہ بدستور ”ملکہ انگلستان“ ہے اور دربار میں بادشاہ کے
بدوش تخت شاہی پر بیٹھتی رہی ہے۔

اس واقعہ کے بعد رچرڈ کھلم کھلا قبرصی شہزادی سے اظہار محبت کرے
اور بیرنگیریا خزاں رسیدہ پتے کی طرح سوکھتی چلی گئی۔ حالانکہ بادشاہ نے اس
اعزاز و مرتبہ میں کوئی فرق نہ آنے دیا تھا، وہ پہلے سے کہیں زیادہ حسن طبع
کا مظاہرہ کرتا، لیکن بیرنگیریا اپنے آپ کو کھو چکی تھی۔

رچرڈ جب صلیبی لشکروں کے ہمراہ عکا سے نکلا اور جبل کارمل کے
ساتھ جافا کی سمت روانہ ہوا تو اس نے حزین و غمگین بیرنگیریا کو شہزادی جین
قبرص کی پیر غیبی شہزادی سوسن کی تحویل میں دے دیا اور ہدایت کی تھی۔
کے بعد ملکہ کی ہر آسائش کا پورا خیال رکھا جائے۔

وہ بھیانک سایہ

کچھ دنوں سے قبرصی حسینہ سوسن سے جین کی ملاقاتیں ہی نہیں ہوئی
بلکہ محبت کے موضوع پر سرگوشیاں بھی ہونے لگی تھیں اور وہ پہلوں میں
ریحان کے تختوں کے پاس بیٹھی باتوں میں کھوئی رہتی تھیں۔ رچرڈ اور
شہزادی کے نئے رومان کی داستان سننے کے بعد جین کے دل میں ملک العادل کا
یاد چٹکیاں لینے لگی تھی۔ پھر ایک شام اس نے قبرصی شہزادی پر اپنی محبت کا
منکشف کر دیا اور کہنے لگی۔

”مجھے مشرق اور مشرقی زندگی سے دلچسپی ہے، میں تو چاہتی ہوں اپنی
زندگی میں گزار دوں۔“

بھروہ دیر تک سوسن کے ساتھ محبت کے راز و نیاز میں مصروف رہی
جب سنگ رخام کی کوشک سے واپس آئی جہاں قبرصی حسینہ منتیم تھی۔ تو رات
پہلا پہر گزر چکا تھا اور وحشی سمندر جنگلی بھینسوں کی طرح ڈکرائے اور چلنے
تھا۔ وہ اپنی خواہشوں کے ہمراہ تیسری منزل کے کمرہ میں پہنچی اور درپچہ کے
کھول کر اس نے موہن سمندر پر نظر ڈالی۔ عکا کا شہر اندھیرے کی کالی رات
ملفوف تھا۔ جنوب مشرق کی سمت بازاروں اور کوچوں میں اندھی

مطلب تھا، وہ تیسری منزل میں گند کے ذریعے پہنچا ہے اور یقیناً کسی پہرے نے اسے اوپر چڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، ورنہ شمالی ڈان کے تیر انداز نے اس میں بھی نشانہ لگا سکتے تھے۔

جین کی تحقیر نگاہیں پراسرار اجنبی پر مرکب تھیں۔ شاید وہ اسے پہچاننے کی شکر رہی تھی۔ اچانک اس کے حافظہ پر ایک پرانی یاد چنگاری کی طرح بجی۔ حسین چہرے پر حیرتوں نے گلابی عکس ڈال دیے۔ آنکھیں فرط تعجب پر جھپکتا بھول گئیں اور سرخ ہونٹوں کے گوشے لرزے کپکپانے لگے۔

”تم.....؟“

”شکر ہے شہزادی صاحبہ نے مجھے پہچان لیا۔ میں اپنے آقا ملک العادل کا رحمان ہوں۔ جبل خروہ کے غار میں اسی غلام کو آپ کی خدمت کا شرف ہوا تھا۔“

جین کے سراپا میں ایک کیف آوری سی سنسنی پیدا ہوئی۔ رحمان کی زبان سے العادل کا نام سن کر وہ مسہری سے اٹھی اور عرب قاصد کے قریب پہنچ گئی۔ اس کی آمد خالی از علت نہ ہو سکتی تھی۔ اس نے رحمان کو ایک چوٹی کرسی پر اشارہ کیا اور خود بھی قریب بیٹھ گئی۔ اس نے ملک العادل کی خیریت نہ کی پھر بولی۔

”رحمان بابا.....! شاید تم اپنے آقا کا کوئی پیغام لے کر آئے ہو؟“

”شہزادی کا خیال درست ہے۔“ بوڑھے قاصد نے جواب دیا۔ ”آقا امیر قفا“ میں آج ہی رات آپ سے ملوں اور اس خطرہ سے آگاہ کروں جو بولاری کے بھیں میں آج کل آپ کے آس پاس منڈلا رہا ہے۔“

”جین حیران و ششدر رہ گئی۔“ ”خطرہ..... وہ بھی راہب بولاری کے قفا“ میں ہاں..... آپ کی سہیلی بنت کیرو کو اسی شیطان نے اغوا کیا اور یہودیوں کے حوالے کر دیا تھا۔ لیکن خدا کا شکر ہے وہ یہود کی قید سے بچ گئی اور آج کل آقا امیر کے بھیں میں ہے۔“

پھر اس نے گریٹا کے اغوا اور بولاری کے ابلیسی کردار، یہود کے بحری ہاتھاری کی سرگزشت، قلعہ داؤد میں گریٹا کی نظر بندی، فرار، ابن ہشام کی ہاتھاری کی موت اور بنت کیرو کی رہائی کی مفصل داستان سنائی اور

نہند ہرگز نہیں تھی، کیونکہ کھٹکا سنتے ہی اس نے آنکھیں کھول دیں اور دل دھک سے رہ گیا۔ سمندر کی طرف کھٹنے والے دریچے کے خلا میں ایک ریچھ نما سار جھول رہا تھا۔ جین کو پہلی نظر میں اس پر کسی گوریلے کا شبہ ہوا تھا۔ دھشت مارے چیخ اس کے حلق ہی میں سسک کر رہ گئی اور اس سے پہلے کہ وہ سر سے اٹھ کر دروازہ کا رخ کرتی، ایک لمبا دھڑنکا سایہ جس پر بے ہوش سالار جھول رہا تھا، دریچے سے اچھل کر کمرہ کے اندر داخل ہوا۔ جین کو اپنی فہم میں خون منجمد ہوتا محسوس ہوا۔ اس نے چلا کر کسی کو مدد کے لیے بلانا چاہا، مگر زبان گنگ اور ہونٹوں پر جیسے کسی طاقت نے ایک ساتھ سینکڑوں مرثیوں کی دہائی دی تھیں۔ وہ بس پھٹی پھٹی خوفزدہ آنکھوں سے اس عجیب و غریب پراسرار سائے کو دیکھتی رہی۔ اب وہ پوری طرح ایک بھیاں خطرے کی زد میں تھی۔ اچانک گوریلا نما سائے نے خوفزدہ شہزادی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”شہزادی صاحبہ! گھبرائیے نہیں، میں دشمن نہیں دوست ہوں۔“

یہ الفاظ اس ملی جلی رومن زبان میں ادا کیے گئے تھے، جسے یورپ سے آنے والے افریقی اور عرب مشترکہ طور پر استعمال کرتے تھے، جین سمجھ گم آنے والا انگریز نہیں ہو سکتا۔ شاید وہ یورپ سے بھی کوئی تعلق نہ رکھتا تھا۔ کیونکہ اس کے لہجہ میں مشرقیت کی جھلک تھی۔ پھر وہ کون ہے اور آدمی رات کے وقت چوروں کی طرح کیا لینے آیا ہے؟

کمرہ میں صرف ایک قدیل روشن تھی اور آئے والا اس کے حلقہ سے دور کھڑا تھا۔ جین نے اپنے ہوش و حواس سنبھالے اور جرات کر کے پوچھا۔ ”کون ہو؟“

پراسرار آدمی چند قدم آگے بڑھا لیکن جین فوراً ”تھکمانہ لہجہ میں بولی۔ ”بس وہیں کھڑے رہو۔“

خوف ناک اجنبی انہی قدموں پر رک گیا، مگر اب وہ روشنی کے حلقہ میں چکا تھا۔ انگریز شہزادی نے جھوٹے زرد لبادہ پر ایک ابھی ابھی سیاہ داڑھی اور بکھرے بکھرے سر کے بال دیکھے۔ اس کا رنگ سیاہی مائل گندمی تھا اور بڑھاپے کے باوجود آنکھیں چراغوں کی مانند روشن تھیں، جن کی چمک دل میں اتر جانے والی تھی۔ بادی النظر میں وہ تارک الدنیا راہب معلوم ہوتا تھا، لیکن راہب اور درویش مکانوں میں اس طرح داخل نہیں ہوتے۔ دریچے سے کونے

رہاقت ہوگی۔“ اس نے جھک کر شزاوی کو سلام کیا اور درتچے کی جانب پلٹا۔ اچانک جین آواز بلند ہوئی۔ ”رحمان! ذرا رک جاؤ۔“ پھر اس نے مسری کے سرہانے رکھی ہوئی ہاتھی دانت کی صندو بچی کھولی کچھ جواہرات نکال کر رحمان کو پیش کیے۔ ”میری طرف سے یہ انعام قبول

رحمان نے ہتیرا انکار کیا، لیکن شزاوی انعام دینے پر مصر تھی۔ ”تم نے جو دی ہے، اس کے مقابلے میں یہ چند جواہرات کوئی قیمت نہیں رکھتے۔“ رحمان بابا نے شکریہ ادا کیا اور جس راستے آیا تھا، اسی راستے واپس چلا۔ شزاوی دریچہ میں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ دوسری منزل تک وہ کند کے ہی اترا تھا، لیکن پھر نظر نہ آیا۔ وہ نگاہوں سے اس طرح اوجھل ہو گیا، جیسے اچھلا دیا تھا۔ چند لمحوں کے بعد جب وہ پلٹی تو دونوں کینیریں دروازہ میں کھڑی تھیں اچھل کے رہ گئی۔

”یہ کھٹکا کیا تھا حضور! دریچہ میں آپ کھڑی کسے دیکھ رہی تھیں۔“ ”کچھ نہیں، وہم تھا میرا، جاؤ آرام کرو۔“

اور نیند میں کھوئی ہوئی دونوں کینیریں چپ چاپ لوٹ گئیں۔ مغرب کی۔ سمندر ابھی تک پھنکار رہا تھا۔

گفتگو

جاقا کے کھنڈروں میں پہنچ کر صلیبی لشکروں نے اطمینان کا سانس لیا، جیسے الفردوس میں آ گئے ہوں۔

یہ مقام ان کے لئے دارالامان ثابت ہوا تھا۔ وہ عربوں کے خوفناک تعاقب سے بعد خوفزدہ تھے۔

جاقا میں آتے ہی انہوں نے ٹوٹی پھوٹی شہر پناہ کی مرمت کی اور مطمئن نظر آ گئے۔ عربوں کا خطرہ دریائے العوجا کے اس پار رہ گیا تھا۔ انہیں خطرناک سے نجات مل گئی تھی۔ راستے میں مردہ گھوڑوں کا گوشت کھا کھا کر ان کی

مرگنا کے بعد شزاوی جین کو اغوا کرنے کے سلسلے میں شمعون ربی اور قاد بولاری کی خطرناک کوششوں کا راز بھی منکشف کیا۔ یہ حیرت انگیز کمائی سن کر جین کو یوں محسوس ہوا، جیسے وہ کوئی بھیانک خواب دیکھ رہی ہو۔ رحمان بابا نے کہا۔

”آقا امیر کا خیال ہے، بولاری اکیلا نہ ہوگا۔ یقیناً اس کے ساتھ مندر راہبوں کی ایک جماعت ہوگی، جو قندہ انگیزی پر مائل ہے اور اس وقت جب انکار جاقا میں مقیم ہیں، وہ لوگ شزاوی کو اغوا کرنے کی ضرورت کو محسوس کریں گے۔ اس لیے بولاری اور اس قسم کے راہبوں سے ہوشیار رہیں۔“

ایک لخت جین کے بدن پر ایک خوف انگیز لرزش طاری ہوئی اور کپکپانے ہوئے لہجہ میں بولی۔ ”اودہ میرے خداوند! ابھی کل کی بات ہے۔ قاد بولاری نے مجھ سے اس اتوار کو ”یوم دعا“ منانے کی اجازت حاصل کی اور یہ تجویز پیش کی تھی۔ اتوار کی شام کو عکا کی تمام خواتین نے کیتھڈرل میں جمع ہوں اور قلہ خونریزی بند ہو جانے کی دعا کریں۔ اس نے یہ بھی کہا تھا بشپ مجھے صلح کا ہنر دیں گے۔ میں حیران تھی۔ ”یوم دعا“ کی تقریب کے لیے مجھ سے اجازت لینے اور خاص طور پر مجھے ”صلح کا ہنر“ دینے کی آخر کیا وجہ ہے۔“

”خدا کا شکر ہے، میں اس تقریب سے پہلے ہی پہنچ گیا۔ ورنہ ”یوم دعا“ آپ کے لیے ”یوم اسیری“ بن جاتا۔“

جین نے پھر ایک جھرجھری سی لی اور بولی۔ ”اب مجھے یاد آیا بادشاہ نے تمہارے آقا سے صلح کی جتنی کوششیں کیں۔ ان کی سب سے زیادہ مخالفت بولاری ہی کرتا رہا۔ افوہ۔ میں کل ہی اس کی گرفتاری کے احکام صادر کر دوں گی اور ڈیوک سے کہوں گی، اس کے ہاتھ ساتھیوں کا سراغ لگایا جائے۔“

”میرا تو خیال ہے ابھی آپ کو خاموش ہی رہنا چاہیے۔“ ”کیوں؟“

”میں اس کا جواب نہیں دے سکتا، لیکن ابھی اس کی گرفتاری مناسب ہوگی۔“

رحمان بابا جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔ ”معاف فرمائیے! میں زیادہ دیر نہیں ٹھہر سکتا۔ ورنہ میرے ساتھی پریشان ہوں گے۔ اگر عکا میں رہا تو کسی ہاتھ

بھیجے، تاکہ ہم وحشی عربوں کے اچانک حملہ سے محفوظ رہ سکیں۔ خداوند نے چاہا تو عقلان بھی فتح ہو جائے گا۔ شہروں کی بجائے آپ فوجوں کی حفاظت کیجئے۔“

پھر اس آواز کی تائید میں کئی آوازیں بلند ہوئیں اور رچرڈ شیردل انتہائی حد تک حالت میں کانفرنس سے چلا گیا۔

دوسرے روز اس کا سفیر ملک العادل کے خیموں کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ اس نے برادر سلطان کو پیغام بھیجا۔ ”آپ خود تشریف لائیں اور جافا میں آکر مجھے ذاتی طور پر صلح کی شرائط طے کریں۔ میں چاہتا ہوں جنگ بند ہو جائے اور قتل و خونریزی کا سلسلہ ختم ہو۔“

بہلا ملک العادل کو اس دعوت سے کیا انکار ہو سکتا ہے۔ رچرڈ کو صلح پر آمادہ پا کر اس نے بالڈون ڈی کیرو کو ساتھ لیا تاکہ اسے شاہ انگلستان کی خدمت میں بطور تحفہ پیش کر کے انگریزوں کی خوشنودی حاصل کر سکے۔ ابن ہشام نے توجہ دلائی۔

”آقا امیر! بہاؤ الدین قراقوش اور سیف الدین مشغوب ابھی تک افریقیوں کی قید میں ہیں، کیرو کے بدلے آپ ان میں سے کسی ایک کو رہا کرا سکتے ہیں۔“

”اس طرح میرا مقصد فوت ہو جائے گا۔ مگر میں شاہ انگلار سے قراقوش اور مشغوب کی رہائی کی گفتگو ضرور کروں گا۔“

ملک العادل کو رسالہ کے جلو میں روانہ ہوا۔

رچرڈ نارمن نائٹوں کے ہجوم میں اس کے استقبال کو بڑھا اور دونوں بہادر ہٹائے کچھ فاصلہ پر ایک دوسرے سے ملے۔ ٹورون کے نواب ہنفری نے جو ملک ازائیل کا خاوند تھا، ترجمان کے فرائض ادا کئے۔ جنگ کے متعلق گفتگو کرنے سے پہلے ملک العادل نے انگریز قیدی بادشاہ کی خدمت میں پیش کرنے کا ارادہ کیا۔ ابن ہشام خود بالڈون ڈی کیرو کو لے کر آگے بڑھا اور اپنے آقا کی طرف سے اسے بادشاہ کی خدمت میں پیش کر دیا۔

”ہمارے رحمدل آقا امیر ملک العادل آتا ہے کی طرف سے شاہ انگلار کی خدمت میں ملاقات کا تحفہ۔“

رچرڈ نے چونک کر ابن ہشام کی طرف دیکھا۔ اس کے ہونٹوں پر طعنے آلود لہجہ تھا۔ رچرڈ منہ پھیر کر بالڈون سے مخاطب ہوا اور اس کی خیر و عافیت

طبیعت ہے حد مکدر ہو گئی تھی۔ لیکن جافا میں پھلوں کے باغات اور شہر کے چٹے کیا ملے انہیں اپنے سروں پر آسمان کی گردش ہی بھول گئی اور عیش و آرام میں ایسے غرق ہوئے کہ جنگ کے نام سے جی چرانے لگے۔

جافا میں قیام کے ساتھ ہی عکا سے بے شمار عورتیں سمندر کے راسے تک چھاؤنی میں آگئیں اور عیش و نشاط کے ہنگامے گرم ہو گئے۔ ہزاروں سپاہی عربوں کے خوفناک انتقام سے تھرا اٹھے تھے، چپ چاپ عکا کی طرف بھاگ گئے اور عکا کے بازاروں میں بھیڑ بڑھ گئی۔ رچرڈ نے مزدوروں کو عمارتیں تعمیر کرنے پر لگا دیا۔ جافا یروشلم کی بندرگاہ تھا اور وہ اس شہر کو اپنا فوجی مستقر بنانا چاہتا تھا۔ ۱۳ ستمبر کو جاسوس خبر لائے کہ سلطان اپنے لشکر کے ساتھ عقلان پہنچ چکا اور شہر کی عمارتیں مسمار کرا رہا ہے۔ رچرڈ نے فوراً جنگی کونسل کا اجلاس طلب کیا اور ایک ولولہ انگیز تقریر کی۔

”صاحبو! جافا کے بعد سلطان عقلان کو بھی تباہ و برباد کر رہا ہے۔ یہ اس امر کا ثبوت ہے وہ ہم سے خائف ہے اور تمام ساحلی شہروں کو مسمار کرنے پر تیار ہوا ہے، جن پر ہم بہ آسانی قبضہ کر سکتے ہیں۔ تم صلیب کے نام پر تلواریں بلند کرو اور میرے ہمراہ عقلان کی حفاظت کے لیے چلو۔ اگر ہم نے اس شہر کو بچا لیا اور وہاں اپنے قدم جما لیے تو یاد رکھو تمام اسلامی ملک ہماری زد میں ہوں گے، فلسطین کی فتح کے بعد ہم مصر و شام اور عراق کے شہروں تک اپنے گھوڑے دوڑا سکتے ہیں اور عربوں کا کوئی لشکر ہمارا راستہ نہیں روک سکتا، یہی فتح و کامیابی کا وقت ہے۔ خداوند یسوع مسیح کے لیے کوچ کی تیاری کرو۔“

لیکن یہ دیکھ کر رچرڈ کا دل صدمہ سے دو نیم ہو گیا کہ اس کی حمایت میں ایک بھی تلوار بلند نہ ہو سکی۔ یورپ کے شہزادے، نائٹ اور شہسوار جافا سے نکل کر عربوں کے تعاقب کے شکار ہونے پر آمادہ نہ تھے۔ ایک نائٹ نے کہا۔ ”جناب رچرڈ! آپ اس خطرے کو کیوں نظر انداز کر رہے ہیں، جو ملک العادل کی شکل میں ہمارے سروں پر مسلط ہے۔ خداوند کی قسم! جو نبی ہم اس خرابہ سے نکلے وہ پہاڑی عقابوں کی طرح ہم پر جھپٹے گا۔ ارسوف کے زخم ابی مندمل نہیں ہوئے، اور بے شمار زخمی چلنے پھرنے سے معذور ہیں۔ ہر شخص آپ کی طرح بہادر اور تلوار کا دھنی نہیں۔ کیا آپ یہ چاہتے ہیں، عقلان سے ملے جاتے جاتے ہم تباہ ہو جائیں، سب سے پہلے جافا کی دیواروں کی مرمت اور قلعہ

اٹا ہوا ہے، پھر ہم بیکار گفتگو پر وقت کیوں ضائع کریں۔ اس سے کہیں زیادہ مجھے اسیران عکا کی رہائی سے دلچسپی ہے۔ بہاؤ الدین قراقوش اور سیف الدین شلب کو آپ کن شرائط پر رہا کریں گے؟“

معلوم ہوتا تھا، اسیران عکا کا ذکر سنتے ہی انگریز بادشاہ کو اسیران عکا کا وحشیانہ قتل یاد آگیا۔ اپنی بد عمدی کے تذکرہ پر وہ پریشان نظر آنے لگا۔ لیکن فوراً ہی ان نے اپنے آپ پر قابو پالیا اور کہا۔ ”شاہان صلیب نے ان بہادر امیروں کے لیے ساٹھ ہزار دینار زر فدیہ مقرر کیا ہے، آپ جس وقت یہ رقم ادا کر دیں گے، انہیں رہا کر دیا جائے گا۔“

”بہت بہتر۔“ ملک العادل کھڑا ہو گیا۔ ”لیکن یہ بات یاد رکھیے! آپ کے دوستوں کو زر فدیہ کے بغیر رہا کرتے ہیں، حالانکہ ابن ہشام اس پر تیار نہ تھا۔“ رچرڈ محبوب سا لکھائی دیا۔ ”مجھے آپ کی دوستی اور کرم فرمائی پر ہمیشہ فخر رہے گا۔ کیا میں امید کھوں کہ جنگ کے باوجود ہمارے درمیان دوستانہ تعلقات قائم رہیں گے۔“

عادل سمجھ گیا۔ وہ اس بہانے شریعت، برف اور ان اشیاء کا مطالبہ کرتا ہے جو افریگیوں کو میسر نہ تھیں اور رچرڈ کو بطور تحفہ اسلامی لشکر سے مہیا کی جاتی تھیں۔ اس نے جواب دیا۔ ”ہم دوستی کے رشتے بے وجہ قطع نہیں کیا کرتے۔ آپ کے ساتھ ہموارا دوستانہ سلوک بدستور رہے گا۔ اور آپ کو جس چیز کی ضرورت ہوگی، ہم اسے مہیا کر دیں گے۔ عرب اپنے مہمانوں اور دوستوں کو کبھی مایوس نہیں کرتے۔“

مصالحت کی کانفرنس ایک مرتبہ پھر ناکام ہو گئی اور ملک العادل اپنے کرو رسالہ کے ہمراہ لشکر گاہ کو لوٹ گیا۔

شہزادی جین کا اغوا

۱۵ ستمبر ۱۱۹۱ء کو اتوار کا دن عکا میں ”یوم دعا“ کی کلیسائی تقریب کے لیے وقف تھا۔ صبح ہی صبح عکا کی فضا کیتھڈرل کی گھنٹیوں سے گونج رہی تھی اساتذہ و بطارقہ

پوچھی، جس کے جواب میں اس سے امیر عادل اور ابن ہشام کے دوستانہ سلوک کی بے حد تعریف کی اور کہا۔ ”اگر بادشاہ امیر سے صلح و دوستی کر لیں تو ابن شریف اور قابل اعتماد دوست انہیں دنیا میں کہیں نہ مل سکے گا۔“

رچرڈ نے سر ہلا کر خوشنودی کا اظہار کیا۔ پھر دونوں بادشاہوں کے درمیان رسمی باتیں ہوتی رہیں۔ رچرڈ کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔ اس نے کہا۔

”محترم امیر! جنگ کو کافی مدت ہو گئی۔ دونوں طرف سے ان گنت بہادر اپنی جانیں قربان کر چکے ہیں۔ ہم تو صرف ساحل کے فراٹوں کی امداد کے لیے آئے تھے، آپ ان سے مصالحت کر لیں تو جنگ بند کر دی جائے گی اور فوجیں اپنے ملکوں کو واپس چلی جائیں گی۔“

”اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے۔ ہم فراٹوں سے مصالحت کے لیے تیار ہیں، مگر یہ تو معلوم ہو کہ وہ کن شرائط پر صلح چاہتے ہیں۔“

ملک العادل نے سیدھا اور صاف سوال کیا تھا۔ رچرڈ کے چہرے پر پریشان کے آثار نمودار ہوئے، کیونکہ ٹھیک اسی لمحے آرچ بشپ آف سالسبری یروٹلم کے بادشاہ گائی لو گمنان اور ڈیوک آف برگنڈری اس کے خیمے کے سامنے نمودار ہوئے، جہاں فریقین کے درمیان گفتگو ہو رہی تھی۔ بوڑھے اسقف نے ایک کتبہ اٹھا رکھا تھا۔ جس پر یہ الفاظ درج تھے۔ ”ہم یروٹلم چاہتے ہیں۔“

رچرڈ نے دور ہی سے یہ الفاظ پڑھ لیے تھے۔ پھر جیسے اسے ملک العادل کے سوال کا جواب سوجھ گیا۔ اس نے کہا۔ ”امیر عادل! ہمیں صاف بات کرنی چاہیے، آپ یروٹلم ہمارے فراٹوں کے حوالے کر دیں اور اسلامی لشکر دریائے اردن کے اس پار ہٹ جائیں تو صلح ہو سکتی ہے۔“

ملک العادل کا جواب پہلے ہی تیار تھا۔ ”پھر تو ہم صلح سے جنگ ہی بہتر سمجھتے ہیں۔ دو دعویداروں میں سے ایک کو ہمیشہ کے لیے ختم ہو جانا چاہیے۔“

یہ کہہ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ مگر رچرڈ نے اصرار کیا وہ کچھ دیر بیٹھے اور اپنا نقطہ نظر بھی واضح کرے، ممکن ہے اسے سننے کے بعد ہم اپنے مطالبہ میں کچھ یک

پیدا کر سکیں۔ امیر عادل دوبارہ بیٹھ گیا۔ اس نے صلح پر بات چیت مختصر کر دی۔ ”جناب انکار! آپ نے عکا فتح کر لیا ہے، بس اسی کو غنیمت سمجھیں، فلسطین کی زمین سے آپ کو اور کچھ نہ مل سکے گا۔ میں جانتا ہوں راہبان و قسوس آپ کو یروٹلم کے مطالبہ سے ایک انچ پیچھے نہ ہٹنے دیں گے، مگر یہ راستہ کمزور

اور جوان تیس جو شہزادی کی پیشوائی اور رہنمائی کے لیے مقرر کی گئی تھیں، جب اپنے ہمراہ لے جانے کے لیے شاہی محل میں حاضر ہوئیں تو جین نے خندہ پیشانی ان کا خیر مقدم کیا اور لباس تبدیل کرنے کے بعد ان کے ساتھ چل دی۔ کون کے نیچے وہ اپنا خاص خنجر چھپاتا نہیں بھولی تھی۔ جسے چلانے اور صحیح نشانہ پر پہنچنے کی خاصی مشق رکھتی تھی۔

آج کا دن اس کی زندگی میں خاص اہمیت کا حامل تھا اور وہ کسی کمزوری کا نشانہ کرنے پر تیار نہ تھی۔ آخر وہ رچڑ شیردل کی بہن اور ایک آتش مزاج قانون تھی، جس کی نبضوں میں نارمن خون لاوے کی طرح سرسراتا اور اپنے دشمنوں سے انتقام لینے کے لیے ہمیشہ گرم رہتا تھا۔

شاہی فن کا کوچوان ایلفرڈ جو خطرہ کے وقت چھپنے کی مانند ہوشیار اور فخر بن جاتا تھا، دروازے پر موجود تھا۔ سائیکس فن میں جتنے ہوئے سڈول اور کڑیل گھوڑوں کی گردنیں تھپتھا رہے تھے۔ یہ چار گھوڑوں کی گاڑی تھی۔ جن کے رنگ سیاہی مائل سرخ تھے۔ گاڑی کے دونوں بانسوں پر اڑدے کے شاہی نشان والے پرچم لہا رہے تھے۔ تاکہ لوگ دور ہی سے انگلستان کی شاہی فوج کی آمد سے مطلع ہو کر راستہ چھوڑ دیں۔ فن کے عقبی حصہ میں چار بکتر بند محافظوں کی نشست کا انتظام بھی تھا۔ ان ہتھیار بند محافظوں کی موجودگی میں جین کو بھلا کیا خطرہ ہو سکتا تھا۔ لیکن جو نئی وہ شاہی فن میں سوار ہونے کے لیے آگے بڑھی ایک نن نے اس گاڑی کی طرف اشارہ کیا جو سنگ موسیٰ کے مرغ ستونوں کے قریب کھڑی تھی۔ اس گاڑی میں بھی چار ہی گھوڑے جوتے لگے تھے، اور اسے سرخ صلیبی پھیریوں سے آراستہ کیا گیا تھا۔ ان پھیریوں کے درمیان صلح و امن کا سفید نشان لہا رہا تھا۔ جس پر یاسمین کا پھول کاڑھا ہوا تھا۔ ایک بھاری بھر کم راہب جس کے سینے پر ”ہولی کراس“ کا بہت بڑا نشان اور ہی سے نظر آتا تھا۔ چرمی تسموں کا گندھا ہوا گاؤڈم جاکب تھامس کوچوان کی نشست پر سرنگوں بیٹھا تھا۔ عقبی حصہ میں نیزہ بردار راہب موجود تھے۔ غالباً وہ ہارون ٹمپلوں سے تعلق رکھتے تھے۔ کیونکہ ان کے سینوں پر ٹمپلز کا خاص نشان ”بوسیوں“ دکھائی دے رہا تھا۔

جین نے بغور گاڑی کی طرف دیکھا اور سارا معاملہ بھانپ گئی۔ نن اس کے سامنے سر جھکائے کہہ رہی تھی۔

اور ننوں کی ٹولیاں اپنے مخصوص لبادوں میں سر جھکائے اور دعائیں پڑھتی کیتھڈرل کی طرف رواں تھیں۔ ”یوم دعا“ چونکہ عورتوں کے لیے مخصوص تھا، اس لیے بیگمات و خواتین جو ”جنگ مقدس“ کی برکت حاصل کرنے اور پروردگار کی زیارت سے مشرف ہونے کی خاطر اپنے جو شیلے خاوندوں کے ہمراہ آئی تھیں، طلوع آفتاب کے ساتھ ہی زرق برق پوشاکیوں میں ملبوس گھروں سے باہر نکل آئیں اور اپنی بھولیوں یا خادماؤں کے ہمراہ کیتھڈرل کی طرف چل دیں۔ امراء اور نوابوں کی بیگمات گاڑیوں میں سوار ہو کر آئی تھیں۔ شہر میں گاڑیوں کی تعداد انگلیوں پر گنی جاسکتی تھی۔ جو صرف خاص خاص امراء کی ذاتی سواری کے لیے مخصوص تھیں، لیکن ”یوم دعا“ کی مبارک تقریب کے باعث یہ گاڑیاں صبح ہی سے بھاگ دوڑ رہی اور بیگمات کی عزیز خواتین اور سیلیوں کو کیتھڈرل میں پہنچا رہی تھیں۔

شہزادی جین جو اس تقریب کی مہمان خصوصی کی حیثیت رکھتی تھی۔ ”یوم دعا“ کی غرض و غایت سمجھتی تھی، کیونکہ فادر بولاری ایک مرتبہ پھر شاہی محل میں حاضر ہوا اور اس دعائیہ رسم کی تفصیلات بیان کرتا رہا تھا۔ یہ تفصیلات سن کر جین کے دل میں اگر کوئی شبہ تھا، تو وہ بھی جاتا رہا اور سمجھ گئی، شاہی محل سے نکلنے کے بعد وہ راہبوں کے چنگل میں ہو گئی۔ اس کے باوجود اس نے بولاری کے ہر مشورہ کو تسلیم کیا اور یقین دلایا وہ اتوار کے دن کیتھڈرل کی تقریب میں ضرور شریک ہوگی۔ وہ چاہتی تھی اس مفید راہب کو فوراً ”گرفتار کر کے سخت ترین عذاب میں مبتلا کرے، لیکن ملک العادل کے قاصد رحمان بابا نے اسے نہ صرف اس امر سے باز رکھا بلکہ جمعہ کی شام کو ایک اور پیغام بھیج کر ورطہ حیرت میں ڈال دیا تھا۔ رحمان نے شہزادی سے درخواست کی تھی، وہ ”یوم دعا“ کی تقریب کے سلسلہ میں بولاری سے تعاون کرے اور اس کی تجاویز کو بے خوف و خطر عملی جامہ پہنائے۔ اس نے وعدہ کیا تھا وہ شہزادی کی حفاظت کے لیے اس پاس ہی رہے گا، لہذا اسے کسی قسم کی پریشانی کا اظہار نہ کرنا چاہیے۔

جین نہیں جانتی تھی۔ رحمان کی اس تجویز کا مقصد کیا ہے، لیکن اسے اتنا یقین تو ضرور تھا کہ عرب قاصد کی موجودگی میں بولاری اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اس نے کسی بات سے یہ ظاہر نہ ہونے دیا کہ وہ بوڑھے راہب کے منصوبہ سے آگاہ ہو چکی ہے۔ اس کے برعکس ۱۵ ستمبر کی صبح کو کلیسا کی دو جین

ملی مٹی ہو۔

شہزادہ کے دروازے پر فادر بولاری چند ٹمپلز سواروں کے ہمراہ موجود تھے جن میں گاڑی میں بیٹھے بیٹھے ان کا شمار کیا۔ بولاری سمیت وہ کل تین تھے جن کے سینوں پر ”بوسیوں“ کا امتیازی نشان نظر آتا تھا۔

دروازے پر گاڑی ایک لمحہ کے لیے بھی نہیں رکی بلکہ جونہی وہ قریب بولاری نے اپنے گھوڑے کی باگ موڑ لی اور ٹمپلز سواروں کو لے کر اس کے آگے دوڑنے لگا۔ گویا سارا منصوبہ پہلے ہی طے شدہ تھا۔ جین کے بدن کی ایک سرد لر سرسراہٹ، لیکن وہ ہمت کر کے چپ چاپ بیٹھی رہی۔

شہر سے نکل کر گاڑی نرسوں اور کھجوروں کے گھنے جنگل کی سمت ہوئی، اسلحہ جفہ تک پھیلا ہوا تھا۔ اس جنگل میں کہیں کہیں کریر اور پیلو کی قد بھاریاں بھی تھیں۔ سمندر کی جانب کھجوروں اور نرسوں کے جھنڈ اس لیے تھے کہ بمشکل آدمی کا گزر ہو سکتا تھا، لیکن پہاڑوں کی طرف ان کا رخ بدلتا تھا۔ گاڑی تھوڑی دیر اس شاہراہ پر دوڑتی رہی، جو عکا ہاؤس عقلمان کی طرف چلی گئی تھی۔ پھر آگے آگے دوڑنے والے سواروں کی راہنمائی فادر بولاری کر رہا تھا، اپنے گھوڑوں کی باگیں پہاڑوں کی موڑ لیں۔ اچانک جین چلائی۔ ”گاڑی روکو! تم مجھے کہاں لے جا رہے

کوچوان کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگ سکی۔ وہ بدستور سواروں کے پیچھے ہٹا رہا۔ جین اب واقعی بدحواس اور پریشان نظر آ رہی تھی۔ کیونکہ اس کا فی منصوبہ بری طرح ناکام ہو چکا تھا۔ اور اب سو فیصد بولاری شیطان کے ہاتھ میں تھی۔ جب وہ عکا سے نکلی تو گاڑی کے عقب میں ایک پراسرار سوار کو دیکھا تھا جسے اس نے امیر عادل کا آدمی فرض کر کے اپنے دل کو تسلی دے لی۔ لیکن وہ شخص تو شہزادہ ہی کے قریب کہیں غائب ہو گیا تھا اور بولاری گاڑی گروہ میں گھری وہ کس آسانی کے ساتھ عکا سے کم و بیش آٹھ نو میل کی آگئی تھی۔

اس نے نگوں سے پوچھا۔ ”دریائے الملو تو شمال مغرب میں بہت پیچھے رہ گیا ہے یہ گاڑی کہاں جا رہی ہے؟“

لیکن وہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئیں۔ فادر بولاری شاہی سواری کی راہنمائی

”شہزادی حضور! کلیسا نے آپ کی تشریف آوری کے لیے خاص گاڑی بھیجی ہے۔ آرج بشپ کا ارشاد ہے، شہزادی صاحبہ کلیسا کی گاڑی پر تشریف لائیں، اگر حضور پسند فرمائیں تو شاہی گاڑی پیچھے پیچھے روانہ ہوگی۔“

جین کے ہونٹوں پر ایک معنی خیز مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ وہ خاموشی کے ساتھ آگے بڑھی، اور کلیسا کی سرخ گاڑی میں سوار ہونے لگی۔ ایک کزیرے جس کا چہرہ عرب خواتین کی طرح ناک کے بانے تک نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ دروازہ کھولا اور شہزادی کو سوار ہونے میں مدد دی۔ پھر خود بھی اس کے قریب ہی متمکن ہو گئی۔ دونوں تیس ان کے مقابل کی نشست پر بیٹھ گئیں۔ کوچوان نے چابک لہرایا۔ گھوڑے دکی چال میں دوڑنے لگے اور گاڑی شاہی محل سے نکل کر شاہراہ پر آ گئی۔ جین نے عقبی روزن سے دیکھا، شاہی فتن جس میں شہزادی درجینا اور جین کی کزیریں سوار ہوئی تھیں، ایک مناسب فاصلہ سے پیچھے پیچھے آ رہی تھیں۔

قلعہ کا موڑ کاٹتے ہی گاڑی کی رفتار تیز ہو گئی اور اچانک شہزادی نے محسوس کیا کیتھڈرل کی بجائے اس کا رخ شہر پناہ کے دروازے کی طرف ہے۔ اس نے غصے میں پوچھا۔ ”یہ گاڑی کدھر جا رہی ہے؟“

”تو کیا ہولی فادر نے آپ کو ہتسمہ کی رسم کے متعلق کچھ نہیں بتایا؟ آرج بشپ نے فرمایا تھا، یہ مقدس رسم شہر سے باہر دریائے الملو کے ساحل پر اس جگہ ادا کی جائے گی، جہاں پاک یسوع کے شہیدوں کا خون بہا تھا۔ ہمیں اسی لیے حضور کی پیشوائی کے لیے بھیجا گیا تھا۔ فادر بولاری شہر کے دروازے پر ہمارے منتظر ہوں گے۔ اسقف اعظم دریا کے کنارے پہنچ چکے ہیں۔“

ایک لمحہ کے لیے جین کا رنگ متغیر ہو گیا۔ وہ جانتی تھی، جب کھیل شروع ہو جائے تو اس کے منظر تبدیل نہیں کیے جاسکتے۔ خوب تو فادر بولاری اسے شہر سے باہر لے جانے پر بھی مصر ہے۔ بہت اچھا وہ بھی آج اس شیطان کو اصل روپ میں دیکھنے کا تہیہ کر چکی تھی، لیکن یہ امر یقیناً تشویش انگیز تھا کہ ملک العادل کے قاصد کا دور دور تک پتہ نہ تھا۔ اچانک اس نے عقبی روزن سے جھانک کر دیکھا، شاہی فتن بھی نگاہوں سے اوجھل ہو چکی تھی اور حد نظر تک اس کا سایہ بھی دکھائی نہ دیتا تھا۔ اس صورت حال نے شہزادی کو پریشان کر دیا لیکن اس نے اپنی پریشانی کو ظاہر نہ ہونے دیا۔ ہو سکتا ہے شاہی فتن کیتھڈرل کی

کر رہے ہیں۔ وہی جانتے ہیں ہماری منزل کہاں ہے۔“

جین نے بدحواسی کے عالم میں ایک مرتبہ پھر گاڑی روکنے کا حکم دیا۔ اس کا نتیجہ بھی پہلے سے مختلف نہیں تھا۔ البتہ فادر بولاری اپنا گھوڑا دوڑا گاڑی کے پہلو میں آگیا اور زہر آلود لہجے میں بولا۔

”شنزادی صاحبہ! آپ عربوں سے صلح چاہتی ہیں نا۔ حضور کو اسی کے لیے زحمت دی جا رہی ہے۔“

”کیا مطلب؟“

”گھبرائیے نہیں، یہ گاڑی آپ کو ایسی جگہ لے جا رہی ہے، جہاں بڑے اطمینان کے ساتھ عرب امیر ملک العادل سے صلح کی بات چیت کرے گی۔“

اس کے ساتھ ہی گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ رک گئی۔ سامنے ایک ہالہ تھالی تھا اور اسے عبور کرنے کے لیے کچھ محنت درکار تھی۔ نقاب پوش غاردار تیس شنزادی کے ہمراہ نیچے اتر آئیں۔ نیزہ بردار محافظوں نے ان کے گرد ماڈال لیا اور ٹمپلز سوار ہالہ کو پتھروں اور مٹی سے پر کرنے لگے تاکہ گاڑی گزارنے کے راستہ بنایا جاسکے۔

یہ جگہ اونچے نیچے ٹیلوں اور بھول کی جھاڑیوں میں گھری ہوئی تھی۔ ہالہ پاٹ آٹھ نو فٹ سے زیادہ نہ تھا۔ اور اس کے دونوں کناروں پر نرسوں جھنڈ آباد تھے۔ پہاڑ کی بلندیاں قریباً ایک میل سے شروع ہوتی تھیں۔

شنزادی جین نے بوڑھے راہب کی آنکھوں میں شیطانی چمک دیکھ لی۔ کیا ایک المناک سانحہ نہیں تھا کہ وہ بولاری کی شیطانیت سے آگاہ ہونے کے باوجود اس کے چنگل میں آ پھنسی تھی۔ لیکن اس کا باعث تو ملک العادل کا قاصد رحمان ہی تھا، جس کا اب کوسوں پتہ نہ تھا۔ کبھی اسے خیال آتا، ہو سکتا ہے بولاری

عرب قاصد کی آمد سے باخبر ہو چکا ہو اور اس نے رحمان کی طرف سے یہ پیغام بھیج دیا ہو کہ وہ بولاری کے ہر مشورہ پر عمل کرے۔ اس خیال کے آنے کی جین کے سراپا پر ایک لرزش خفی طاری ہوئی اور یوں محسوس ہوا جیسے اس کے دل و دماغ پر بجلیاں سی ٹوٹ پڑی ہوں۔ پھر بھی اس کی نفسوں میں دوڑتا ہوا شامی خون کسی کمزوری اور بزدلی کا مظاہرہ کرنا نہ چاہتا تھا۔ اس نے شعلہ باز آنکھوں سے بوڑھے راہب کی طرف دیکھا، جس کے چہرے سے پارسائی کا پتہ

ہلے اتر رہا تھا۔ وہ غضب آلود لہجے میں بولی۔

فادر بولاری! میں نہیں جانتی تم کیا چاہتے ہو، لیکن تم مجھے فریب دے کر میں سے نکال لائے اور اب گستاخی پر آمادہ ہو۔ یاد رکھو بادشاہ کو جب اس کا اطلاع ہوگی، اس کا قہر تمہیں جلا کر بھسم کر دے گا۔ تم ایک ایسی آگ میں رہے ہو، جس میں جلد یا بدیر خود ہی جل جاؤ گے۔“

جین کے سنائے میں بوڑھے راہب کا خشک قہقہہ دور تک ٹھہراتا چلا گیا۔

”شنزادی صاحبہ! جنگ اور محبت میں ہر فریب جائز ہے۔ رہا رچرڈ کا قہر تو مجھے اس کی پروا نہیں۔ بادشاہ کو صلیبی لشکروں کی کمان اس لیے نہیں ملی کہ وہ عربوں سے صلح کرتا پھرے..... تم اسے صلح پر اکساتی رہی ہو، ملک العادل کے جاہ و جلال نے تمہیں گمراہ کر دیا ہے مگر ہم اس وقت اس سے نہ ہینٹیں گے، جب تک دو لاکھ شہیدوں کے خون کا بدلہ نہ لے لیں گے۔ تمہیں کچھ عرصہ صلیبی لشکروں سے دور ایک مقام پر نظر بند کر دیا گیا۔ جس روز ہم یروشلم میں داخل ہو کر فتح کا جشن منائیں گے، تمہیں لایا جائے گا۔“

اور بولاری نے اپنے چہرے سے مصلحت کا نقاب اتار پھینکا تھا۔ جین اس غارت خانہ میں سن کر مشتعل ہو گئی۔

گستاخ بوڑھے کی تو انگلستان کی شنزادی کو اتنا ہی حقیر اور ذلیل سمجھتا ہے خاموشی سے تیری قید قبول کر لے گی۔ میں گریٹا نہیں، جسے تو نے اپنی سے یودیوں کے حوالے کر دیا تھا۔“

الفاظ سننے ہی بولاری یوں اچھل کر پیچھے ہٹا جیسے اسے سانپ نے ڈس لیا کے چہرے پر حیرت و استعجاب کی پرچھائیاں سی کانپنے لگیں۔

گریٹا کے قصہ سے مجھے کیا واسطہ؟ اسے عرب رسالہ کے سردار ابن ہشام نے لکھا تھا اور وہ آج بھی اسلامی کیمپ میں ہوگی۔“

”تم بادشاہ کو فریب دے سکتے ہو۔ مجھے نہیں۔ میں یہودی قزاق ہاتاری ہوں ربی کا افسانہ سن چکی ہوں۔ مگر ہاتاری کی لاش رکو چیلوں اور گردھوں لایا اور گریٹا اس وقت واقعی اسلامی لشکر میں پہنچ چکی ہے۔“

طوم ہوتا تھا تحیر و تعجب کے مارے بوڑھے راہب کے دل کی حرکت بند ہو گئی۔ وہ بے تابی کے ساتھ آگے بڑھا اور شنزادی کی آنکھوں میں

آنکھیں ڈال کر بولا۔

”تم نے ہاتاری کی موت کی خبر کس سے سنی؟ اسے کس نے ہلاک کیا؟“
”ابن ہشام کے علاوہ اسے اور کون ہلاک کر سکتا تھا؟“

راہب یک لخت اداس اور غمگین نظر آنے لگا۔ اسی لمحے ایک سوار اطلاع دی کہ راستہ تیار ہو چکا ہے۔ بولاری نے نفرت آلود ہیرا یہ میں شراٹھ گاڑی میں سوار ہونے کا حکم دیا۔ وہ تنک کر بولی۔ ”اگر میں سوار ہوں انکار کر دوں؟“

”تو قافلہ میں کسی کو تمہاری موت پر افسوس نہ ہوگا۔“

نقاب پوش کنیز نے ایک مرتبہ پھر اس کی رہنمائی کی اور اسے گاڑی سوار کرایا۔ تیس بھی اپنی نشست پر آ بیٹھیں اور نامعلوم سفر ایک رجب شروع ہو گیا۔ اب وہ پہاڑی ٹیلوں کے درمیان ایک قدرتی راستے سے رہے تھے۔ بولاری کے خیر و تعب سے جین نے یہی نتیجہ اخذ کیا تھا، اسے تک گریٹا کے فرار اور ہاتاری کی موت کی اطلاع نہیں مل سکی۔ اس کا مطلب تھا وہ قلعہ یہود میں پوشع اور یعقوب آس کی بغاوت کے واقعہ سے بھی ہوز خبر ہے۔ اس نے اندھیرے میں ایک تیر پھینکا اور بوڑھے شیطان سے غائب کر بولی۔

”میں جانتی ہوں تم مجھے کہاں لیے جا رہے ہو، لیکن شاید ہمیں نہیں۔ قلعہ داؤد میں شمعون ربی کا اقتدار ختم ہو چکا ہے۔ اب وہاں پوشع جیکب آس کی حکومت ہے۔“

اس انکشاف پر بولاری کا رنگ کافور کی طرح اڑ گیا۔ انگریز شہزادی زبان سے لگاتار ”ہاتاری“، ”شمعون ربی“، ”قلعہ داؤد“، ”پوشع“ اور ”جیکب آس“ کے نام سن کر اسے نہ صرف ہاتاری کی موت پر یقین آ گیا بلکہ تسلیم کرنا پڑا کہ وہ قلعہ یہود کے حالات سے بخوبی آگاہ ہے۔

○

وادی گل پوش

قافلہ اس وقت پہاڑوں کے درمیان ایک درہ سے گزر رہا تھا۔ انگریز کی زبان سے ہاتاری کی موت اور قلعہ یہود میں بغاوت کی خبریں سن کر کی حالت کچھ عجیب و گریگوں سی ہو گئی تھی۔ وہ تھوڑی دور تک سر پہ چپ چاپ چلتا رہا، جیسے اس پر پہاڑوں کا بوجھ آ پڑا ہو، پھر اس نے ٹمپل کے راستے بدلنے اور درہ کو چھوڑ کر اس نشیب کی وادی میں اترنے کا حکم دیا۔ درہ کے دائیں جانب بلند چٹانوں کے درمیان کنج ہماراں کی طرح پھیلی تھیں۔ اس وادی میں اترنے کے لیے انہیں دو اڑھائی فرلانگ تک مزید اسی میں سڑ کرنا تھا۔

جین، جو گاڑی میں حیران و پریشان اور گرم صم بیٹھی مستقبل کے خطروں کے سامنے سوچ رہی تھی، سمجھ گئی کہ راہب نے اپنا راستہ ہی نہیں منزل بھی بدل ہے۔ شاید پہلے وہ قلعہ یہود کی سمت جا رہا تھا، لیکن اب اس کی منزل کا کسی نہ تھا۔ راستے اور منزل کی تبدیلی نے انگریز شہزادی کو اور زیادہ پریشان کر دیا۔ اس وقت تک صرف ایک ہی خیال اس کی تسلی کا باعث تھا کہ کم از کم امیر کے غلام قلعہ یہود اور اس کے محل وقوع سے آگاہ ہیں اور بوڑھا اگر ان سے بچ کر نکل جانے میں کامیاب بھی ہو گیا تو اس کی پر اسرار مہم کی خبر سننے ہی عرب سوار موت کے فرشتوں کی طرح یہود کے قلعہ کو گھیر گئے اور وہ یہودی شیطانوں سے خلاصی پاسکے گی، لیکن منزل کی تبدیلی نے کے ذہن پر موت کے سائے پھیلا دیئے اور وہ سوچنے لگی۔ اب شاید ملک کے غلام بھی اس کا سراغ نہ پاسکیں گے۔ اس خطرناک صورت حال میں ناک اپنی ہی پیدا کی ہوئی تھی بار بار صرف ایک ہی خیال ذہن کے تاریک کونوں پر جگنو کی طرح جلتا بجھتا تھا کہ کسی جگہ موقع پا کر وہ بھی فرار ہو جائے،

جس طرح گرنا ہاتاری کے چنگل سے بچ نکل تھی، مگر یہ خیال اس کے لیے بے فائدہ نہیں تھا۔ ہاتاری نہ تھا اور یہاں بارہ مرد اور تین عورتیں اس کے سفر کر رہی تھیں۔ ان کی موجودگی میں بھاگ نکلنا مشکل ہی نہیں، ناممکن نظر آتا تھا۔

وہ انہی پریشان کن خیالات میں کھوئی ہوئی تھی، کہ اس نے ٹمپل سواروں کو درے سے نکل کر دائیں جانب گھومتے ہوئے دیکھا اور فرط الم سے اس کا دل دو نیم ہو کر رہ گیا۔ کاش اس نے بولاری کے مشورے پر عمل نہ کیا ہوتا، اندھا دھند خطرے میں نہ کودی ہوتی۔ اب تو چاروں طرف اندھیرے کی اندھیرے تھے۔ ہوشیار پادری نے بڑی صفائی سے اسے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا تو دوسری مصیبت اس نے خود پیدا کی تھی۔ نہ وہ قلعہ یہود کے حالات کا ذکر کر سکتی نہ بولاری اپنا راستہ تبدیل کرتا، حالات کی اس بے رحمی پر جین نے اپنے بچے میں خنجر سے اترتے ہوئے محسوس کیے۔

ٹمپل سوار یکے بعد دیگرے درہ سے نکلنے لگے۔ پہاڑ کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا نشیبی راستہ پر بہار وادی میں اترتا تھا۔ دور ہی سے وادی کے سرسبز شاداب اور بہار آفریں تختے دکھائی دے رہے تھے۔ جہاں اونچی نیچی سبزے کی چادر سی پھٹی تھی اور جھاڑیوں کی مانند پھیلے ہوئے چھوٹے چھوٹے پودے رنگ رنگ کے جنگلی پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ پہاڑوں کا مہیب سا گھوڑوں کی ٹاپوں سے زخمی ہو رہا تھا۔ جین کا دل خطرے کے احساس سے ہلکی طرح دھڑکنے لگا۔

اچانک کوستانوں کا سناٹا کسی درندے کی ہیبت ناک دھاڑ سے گونج اٹھا اور گھوڑے خوف و ہراس سے کنوتیاں بدلنے لگے۔ سوار ابھی سنبھلنے نہ پائے تھے کہ لمبا دھڑنگا دھاری دار چیتا سامنے کی چٹان پر نمودار ہوا۔ ٹمپل سواروں کے ہاتھ بجلی ایسی سرعت سے حرکت میں آئے اور انہوں نے اپنی کمائیں کندھوں سے اتار کر ترکشوں سے تیر کھینچے، لیکن ابھی چلے بھی چڑھا نہ پائے تھے کہ درندے نے چٹان سے لمبی جست بھری اور فضا میں تیرتا ہوا سیدھا اگلے سوار پر آکودا۔ دوسرے ہی لمحے کوستانی ماحول انسانی چیخوں، چیتے کی غراہٹوں اور گھوڑوں کی خوفزدہ ہنساہٹوں سے گونج رہا تھا۔ درندے نے سوار کو ایک ہی لمحے میں ادھیڑ کے رکھ دیا۔ پھر وہ دوسرے سوار پر جھپٹا، جس نے نیزہ سے وار کیا

جس طرح گرنا ہاتاری کے چنگل سے بچ نکل تھی، مگر یہ خیال اس کے لیے بے فائدہ نہیں تھا۔ ہاتاری نہ تھا اور یہاں بارہ مرد اور تین عورتیں اس کے سفر کر رہی تھیں۔ ان کی موجودگی میں بھاگ نکلنا مشکل ہی نہیں، ناممکن نظر آتا تھا۔

وہ انہی پریشان کن خیالات میں کھوئی ہوئی تھی، کہ اس نے ٹمپل سواروں کو درے سے نکل کر دائیں جانب گھومتے ہوئے دیکھا اور فرط الم سے اس کا دل دو نیم ہو کر رہ گیا۔ کاش اس نے بولاری کے مشورے پر عمل نہ کیا ہوتا، اندھا دھند خطرے میں نہ کودی ہوتی۔ اب تو چاروں طرف اندھیرے کی اندھیرے تھے۔ ہوشیار پادری نے بڑی صفائی سے اسے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا تو دوسری مصیبت اس نے خود پیدا کی تھی۔ نہ وہ قلعہ یہود کے حالات کا ذکر کر سکتی نہ بولاری اپنا راستہ تبدیل کرتا، حالات کی اس بے رحمی پر جین نے اپنے بچے میں خنجر سے اترتے ہوئے محسوس کیے۔

ٹمپل سوار یکے بعد دیگرے درہ سے نکلنے لگے۔ پہاڑ کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا نشیبی راستہ پر بہار وادی میں اترتا تھا۔ دور ہی سے وادی کے سرسبز شاداب اور بہار آفریں تختے دکھائی دے رہے تھے۔ جہاں اونچی نیچی سبزے کی چادر سی پھٹی تھی اور جھاڑیوں کی مانند پھیلے ہوئے چھوٹے چھوٹے پودے رنگ رنگ کے جنگلی پھولوں سے لدے ہوئے تھے۔ پہاڑوں کا مہیب سا گھوڑوں کی ٹاپوں سے زخمی ہو رہا تھا۔ جین کا دل خطرے کے احساس سے ہلکی طرح دھڑکنے لگا۔

اچانک کوستانوں کا سناٹا کسی درندے کی ہیبت ناک دھاڑ سے گونج اٹھا اور گھوڑے خوف و ہراس سے کنوتیاں بدلنے لگے۔ سوار ابھی سنبھلنے نہ پائے تھے کہ لمبا دھڑنگا دھاری دار چیتا سامنے کی چٹان پر نمودار ہوا۔ ٹمپل سواروں کے ہاتھ بجلی ایسی سرعت سے حرکت میں آئے اور انہوں نے اپنی کمائیں کندھوں سے اتار کر ترکشوں سے تیر کھینچے، لیکن ابھی چلے بھی چڑھا نہ پائے تھے کہ درندے نے چٹان سے لمبی جست بھری اور فضا میں تیرتا ہوا سیدھا اگلے سوار پر آکودا۔ دوسرے ہی لمحے کوستانی ماحول انسانی چیخوں، چیتے کی غراہٹوں اور گھوڑوں کی خوفزدہ ہنساہٹوں سے گونج رہا تھا۔ درندے نے سوار کو ایک ہی لمحے میں ادھیڑ کے رکھ دیا۔ پھر وہ دوسرے سوار پر جھپٹا، جس نے نیزہ سے وار کیا

اچانک کوستانوں کا سناٹا کسی درندے کی ہیبت ناک دھاڑ سے گونج اٹھا اور گھوڑے خوف و ہراس سے کنوتیاں بدلنے لگے۔ سوار ابھی سنبھلنے نہ پائے تھے کہ لمبا دھڑنگا دھاری دار چیتا سامنے کی چٹان پر نمودار ہوا۔ ٹمپل سواروں کے ہاتھ بجلی ایسی سرعت سے حرکت میں آئے اور انہوں نے اپنی کمائیں کندھوں سے اتار کر ترکشوں سے تیر کھینچے، لیکن ابھی چلے بھی چڑھا نہ پائے تھے کہ درندے نے چٹان سے لمبی جست بھری اور فضا میں تیرتا ہوا سیدھا اگلے سوار پر آکودا۔ دوسرے ہی لمحے کوستانی ماحول انسانی چیخوں، چیتے کی غراہٹوں اور گھوڑوں کی خوفزدہ ہنساہٹوں سے گونج رہا تھا۔ درندے نے سوار کو ایک ہی لمحے میں ادھیڑ کے رکھ دیا۔ پھر وہ دوسرے سوار پر جھپٹا، جس نے نیزہ سے وار کیا

نور لاؤں اور اس سفر کے علاوہ اس کی گرفتاری کا اور کوئی راستہ نہ تھا۔ جس طرح وہ اپنے مقصد کے لیے آپ کو شاہی محل سے باہر لانا چاہتا تھا۔ اسی طرح میں بھی اسے کسی بہانے عکا سے نکالنے کی فکر میں تھا۔ جب مجھے معلوم ہوا وہ "دعا" پر آپ کو گرفتار کر کے خود قلعہ داؤد کی طرف لے جائے گا تو میں نے یہی مقام اس کی گرفتاری کے لیے منتخب کیا اور ضحاک کو ہدایت کر دی وہ درندے کو لے کر یہاں پہنچ جائے۔ خوش قسمتی سے آقا امیر بھی اس کے ساتھ بن اور اس وقت اسی وادی میں مقیم ہیں جہاں بولاری اپنے قافلے کو لیے جا رہا تھا۔

رحمان کی زبان سے یہ الفاظ سن کر شہزادی خوشی سے پاگل ہو گئی اور کپکپائی ہوئی آواز میں بولی۔

”رحمان بابا! مجھے جلد اپنے آقا امیر کے پاس لے چلو۔“

رحمان نے بتایا وادی کا نشیبی راستہ بے حد ناہموار ہے اور گاڑی میں بگولے کھانے سے بہتر ہے یہ ناہموار راستہ پیدل طے کیا جائے۔ شہزادی کے ماتھے کینز اور تیس بھی گاڑی سے اتر آئیں اور رحمان کے آگے آگے ان کی رہنمائی کرنے لگا۔

گوٹا ضحاک درندے کو لے کر ایک سمت ہٹ گیا تھا۔ انہوں نے بڑی بڑی سے درہ عبور کیا اور گل پوش وادی کا نشیبی راستہ اترنے لگیں۔ جس پر جوئے چھوٹے لاتعداد شکاری بے ٹکڑے ہوئے تھے۔

پھاڑوں کے درمیان گھری ہوئی یہ حسین وادی اور گل پوش زمین واقعی وادی ہماراں کی تھی۔ جگہ جگہ خود رود پھولوں کے پودے بے ترتیبی سے پھیلے تھے اور یہی بے ترتیبی کائنات کی تزئین و آرائش کا سامان تھی۔ پھولوں کے درمیان کہیں کہیں جنگلی بیروں کی جھاڑیاں بھی نظر آتی تھیں۔ جن کی خوشبو سرخ اور زرد رنگ کے بیروں سے لدی ہوئی تھیں۔

ہفت رنگ پھولوں سے بھری پڑی وادی شمالاً جنوباً پھیلی اور چاروں طرف بلند بھوری اور عمودی چٹانوں سے گھری ہوئی تھی۔ جن پر صبح و شام دھند

خونفک درندہ اس کے قوی بازوؤں کے حلقہ میں غرا رہا تھا، جیسے اپنے مالک سے شکایت کر رہا ہو۔

جین کے ہونٹوں پر فرط تحریر سے ایک اور چیخ تڑپ گئی۔ وہ دیکھ کر خونفک انسان جس کے سامنے خونی درندہ بھی اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتا تھا۔ ملک العادل کا گونگا غلام ضحاک تھا۔

جو منی ضحاک نے درندے کو زنجیر پہنائی، گاڑی پر بیٹھے ہوئے کوچوان خالص عربی زبان میں نیزہ بردار محافظوں کو مخاطب کیا۔ پھر اس کا ہاتھ بولاری کی طرف لہرا گیا جو بلند چٹان کی چوٹی پر پہنچنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کپکپ کے حکم و اشارہ پر دو محافظ باز کی مانند جھپٹے اور راہب کو چٹان سے گھبراہٹ کر گاڑی کے پاس لے آئے۔ وہ اس خلاف توقع سلوک پر بڑا برہم ہوا اور جبر کر بولا۔ ”بد تمیزو! کیا تم اپنے آقا سے بغاوت پر آمادہ ہو؟“

اس پر کوچوان نے خشمگین لہجہ میں جواب دیا۔ ”ذلیل بوڑھے! تیرے ذرا تو کیتھڈرل کے اصطبل میں بندھے پڑے ہیں۔ ہمارا آقا امیر ملک العادل بند الدین اتابک نمک حرام نوکر نہیں پالتا۔“

جین خوشی سے اچھل گئی۔ کیونکہ یہ آواز سو فیصد رحمان بابا کی تھی۔ فادر بولاری پر جیسے برق آسانی ٹوٹ پڑی، اس کی زبان گنگ اور روکھا ہوئی۔ گاڑی میں بیٹھی ہوئی تیس بھی خوف اور دہشت کے مارے دم بخود تھیں۔ ان پر بھی یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ گاڑی کا کوچوان اور نیزہ بردار محافظ جنہیں وہ اب تک اپنے ساتھی سمجھ رہی تھیں۔ دراصل عرب تھے جو کیتھڈرل کے اصطبل ہی سے صلیبی پرے داروں کا لباس پہن کر گاڑی میں بیٹھے تھے۔

رحمان کے اشارہ پر فادر بولاری کو چرمی مسول سے جکڑ کر فتن کے ٹکڑے حصہ میں ڈال دیا گیا۔ پھر وہ ہاتھ کے اشاروں اور ”غوں غاں“ کی آوازوں سے گوٹے ضحاک سے کچھ پوچھنے لگا۔ جو درندے کو زنجیر پہنائے ابھی تک انسان لاشوں کے درمیان کھڑا تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد اس نے گردن سھمائی اور جین سے مخاطب ہو کر بولا۔

”شہزادی صاحبہ! آپ کو جو تکلیف اٹھانا پڑی اس کے لیے میں معافی مانگوں ہوں لیکن آقا امیر کا حکم تھا میں اس غبیث راہب کو زندہ گرفتار کر کے ان کے

”نہیں حالات سے آگاہ کر دے۔“
 ”اوہ جان سلطان! آپ کی بروقت اطلاع نے مجھے بچا لیا۔ ورنہ میں ضرور ہلاک کی سازش کا شکار ہو جاتی۔“
 پھر اچانک جیسے اسے کوئی بات یاد آگئی۔

”جناب امیر.....! میں آپ کے دوست ابن ہشام کی بھی بے حد ممنون ہوں۔ جس نے گریٹا کو یہود کے پنجے سے بچا لیا۔ میں اس کے لیے بے حد شکرانہ ادا کرتی ہوں۔“

یہ کہتے کہتے جین کی آنکھیں بھیگ گئیں اور ان کی ہلکوں پر دو آبی ستارے نمودار ہوئے۔ ملک العادل نے حیرت سے پوچھا۔ ”شہزادی کے اس موقع پر منو کیسے؟“

”یہ خوشی کے آنسو ہیں جان سلطان!“ پھر ایک لمحہ خاموش رہ کر جین نے کہا۔ ”میں اپنی گریٹا کی خیریت پوچھنا تو بھول ہی گئی۔ ابن ہشام! وہ خوش تو ہے۔ وہ مجھے ضرور یاد کرتی ہوگی۔“

ابن ہشام تعجب آمیز لہجہ میں بولا۔ ”تو کیا شہزادی صاحبہ ابھی تک اپنی ملک سے نہیں ملیں؟“

یہ الفاظ جین کو چونکا دینے کے لیے کافی تھے۔ اس نے حیران ہو کر پوچھا۔ ”گریٹا ابھی یہاں موجود ہے؟“ میں نے تو ابھی تک اسے نہیں دیکھا۔“
 ”شہزادی.....! وہ تو عکا سے تمہارے ساتھ آئی ہے۔ تعجب ہے تم اپنی ملک کو نہیں پہچان سکیں۔“

ملک العادل کے اس انکشاف پر جین نے بوکھلا کر نقاب بردار کنیز کی طرف بھاگتا ہوا دھاوا بھارتی ہوئے۔ ملک العادل کے اشارے پر اپنے چہرے سے نقاب اتار دیا تھا۔ جین نے دیکھ کر نقش حیرت بن گئی۔ واقعی گریٹا کی رو تھی جو عکا کے شاہی محل سے نکلنے کے ساتھ سفر کرتی آئی تھی۔ لیکن شہزادی چونکہ فادر بولاری کے محلے میں مقیم تھی اور ذہن سارا راستہ اس خطرناک صورت حال میں کھویا رہا۔ جس نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ اس لیے اپنی ہنر کی طرف توجہ ہی نہ دے سکی۔

گریٹا نے مخصوص انداز میں جھک کر شہزادی کو سلام کیا اور وہ بجلی کی طرح پھرک کر اس سے لپٹ گئی۔ ”گریٹا..... میری اچھی گریٹا.....!“
 دونوں لڑکیوں کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے اور وہ ایک دوسرے سے

اور غبار کی دھندھیا چادر سی تنی رہتی تھی۔ وادی کے جنوبی پہاڑیوں میں بڑے پانی کا ایک سوتا بھی پھونٹا تھا جس پر گل پوش شاخیں سایہ کنال تھیں اور پیر سے ایک چھوٹا سا درہ جنوب مغرب کی طرف نکلتا تھا۔ جنوبی پہاڑیوں کے میں نیچے چشمہ کے پہلو میں ایک شش پہلو خیمہ نصب تھا۔ اس سے چند قدم آگے سپاہیوں کی کچھ چھوٹا دریاں کھڑی تھیں۔ شش پہلو خیمہ پر زرد ہلالی پرچم کے ساتھ ساتھ عقاب کے نشان والا سرخ پھریرہ اس امر کی علامت تھا کہ اس وادی بہاراں میں مصر کا ایک اتابک امیر فروکش ہے۔

جس وقت رحمان انگریز شہزادی اور نقاب پوش کنیز کے ہمراہ شش پہلو خیمہ میں داخل ہوا۔ اس وقت سورج مغربی افق سے تین چار نیزے کے فاصلے پر چمک رہا تھا اور اس کی ترجمہ شمعیں چٹانوں کی کٹی پھٹی سطح سے وادی میں منعکس ہو رہی تھیں۔ ورنہ طویل سائے وادی کو ڈھانپ لینے کے لیے اپنے پھیلا چکے تھے۔

راہبہ لڑکیاں مملوک پہرے داروں کی نگرانی میں دروازہ پر رک گئیں۔ خیمہ اندر سے کافی وسیع اور دو حصوں میں منقسم تھا۔ اس کے گرد اڑھائی تین فٹ کی ایک راہداری بھی موجود تھی۔ پہلا حصہ ”کمرہ ملاقات“ کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا اور اس وقت ملک العادل اپنے کرد افسر ابن ہشام کے ہمراہ اسی حصہ میں موجود تھا۔ انگریز شہزادی کی پیشوائی کے لیے وہ دروازہ تک آیا اور اس اچانک ملاقات پر بہت خوش ہوا۔ شہزادی نے دیکھا اس کے وجہ اور ہر وقار چہرے پر ہمیشہ کی طرح ہلکا سا تبسم رقصاں تھا اور سیاہ چمکدار آنکھیں ایشیاء کی پراسرار کمانیاں دہرا رہی تھیں۔ اسے وہم و گمان بھی نہیں تھا وہ اس طرح ڈرامائی طور پر اس سے مل سکے گی۔ امیر عادل کو ایشیائی سلام کرنے کے بعد شہزادی نے ابن ہشام کی خیر و عافیت بھی پوچھی اور کہنے لگی۔

”جناب امیر.....! یہ میری خوش قسمتی ہے کہ آپ نے دوسری مرتبہ میری جان بچائی۔ میں اس مہربانی کا شکریہ کس طرح ادا کروں؟“

”میں نے صرف ایک فرض ادا کیا ہے۔“ ملک العادل نے مسکراتے ہوئے لہجہ میں جواب دیا۔ ”جب ابن ہشام نے بنت کیرو کی لرزہ خیز داستان سنا لی اور مجھے یہود کے حالات کے ساتھ راہب بولاری کی خوفناک شخصیت کا علم ہوا۔ شہزادی کے اغوا کی کوشش کر رہا تھا۔ میں نے تو فوراً رحمان کو عکا بھیج دیا کہ

مہمان

عکا اور جافا کے درمیان پہاڑوں کا سلسلہ شمالاً جنوباً ایک چوڑی فصیل کی طرح پھیلا ہوا ہے۔ کوہ کارمل کہلاتا تھا۔ یہ پہاڑ سمندر سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک متوازی چلے گئے تھے۔ کسی جگہ کوستانی چٹانیں سمندر سے بہت قریب تھیں اور کہیں ان کے درمیان پانچ چھ میل کا فاصلہ حائل ہو جاتا تھا۔

کوہ کارمل کی بلند گھاٹیوں اور عمودی چٹانوں کے درمیان گھری ہوئی وادی کی پوش جہاں ملک العادل اور اس کے مملوک سپاہیوں کے خیمے نصب تھے۔ ہندنی سے بچھ نور بنی ہوئی تھی۔ طلایہ کرد رسالہ کے سوار مغرب کی طرف اس راستہ پر گشت کر رہے تھے۔ جہاں دن کی روشنی میں درندہ قافلے پر لپکا تھا اور شہر کی سمت چند سوار اس راستہ کی نگہداشت پر مامور تھے۔ جو وادی سے نکل کر بچ و خم کھاتا ہوا شاہراہ سے جا ملتا تھا۔ جو سمندر کے ساتھ ساتھ عکا سے ہلاو عسقلان کی طرف جاتی تھی۔ ان کے علاوہ وادی میں داخل ہونے کا تیسرا اور کوئی راستہ نہ تھا۔ جس کی حفاظت و نگرانی ضروری ہوتی۔

رات کا ایک سپر گزر چکا تھا۔ سپاہی چھو لدا ریوں میں آرام کر رہے تھے۔ کیونکہ علی الصبح لشکر گاہ کی طرف کوچ کرنا تھا۔ صلیبی خطرہ کے باعث ملک العادل اس وادی بہاراں میں زیادہ قیام نہیں کر سکتا تھا۔ اگر شہزادی جین کے اغوا کا قصہ نہ ہوتا تو اس نے لشکر گاہ کو نہ چھوڑا ہوتا جہاں اس کی موجودگی بہر حال ضروری تھی۔ سلطان نے اسے صلیبیوں کے سر پر مسلط رہنے کا حکم دیا تھا۔ جو جافا کے باغات میں عیش و عشرت میں کھوئے ہوئے تھے۔ شہزادی سے ملاقات کا ایک موقع مفت میں ہاتھ آ رہا تھا۔ اس نے یہ موقع کھو دینا مناسب نہ سمجھا اور ضحاک کے ہمراہ خود بھی یہاں تک آ پہنچا تھا۔

یہاں پہنچ کر ہر بات اسی طرح عمل میں آئی تھی جس طرح رحمان نے سوچا تھا۔ قادر بولاری ہمراہیوں سمیت گرفتار ہوا اور شہزادی بحفاظت مصری سراپردہ میں پہنچ گئی۔ اب وہ امیر عادل کے ساتھ خیمہ کی مشرقی گھائی پر چشمہ کے قریب ہندنی رات میں وادی گل پوش کے نظاروں سے لطف اندوز ہو رہی تھی۔ ظاہر ہے تنہائی کی یہ ملاقات گریٹا اور ہشام کے تعاون ہی سے میسر آئی تھی۔ جین کو کچا چاک اور ڈرامائی ملاقات پر جو خوشی ہوئی وہ بیان سے باہر تھی۔ وہ ملک العادل سے بہت سی باتیں کرنا چاہتی تھی۔

گلے مل کر روتی رہیں۔ یہ منظر بڑا دلگداز تھا۔ آخر انہوں نے آنکھیں پونچھیں اور شہزادی شکایت آمیز لہجہ میں کہنے لگی۔
”تو نے مجھے عکا ہی میں اپنے آپ سے آگاہ کر دیا ہوتا تو میں اتنی پریشان نہ ہوتی۔“

امیر عادل کا حکم تھا۔ میں اپنے آپ کو پردہ راز میں رکھوں اور اگر آپ مجھے پہچان بھی لیں تو بڑی ہوشیاری سے آپ کو رازداری کی تاکید کروں کیونکہ گاڑی میں کلیسا کی دو تیس بھی سفر کر رہی تھیں۔ لیکن آپ نے ایک لمحہ کے لیے میری طرف توجہ نہ دی اور سارا راستہ میرے وجود سے منکر رہیں۔ اس لیے میں نے خاموشی ہی مناسب سمجھی۔“

”بنت کیرو ٹھیک کہتی ہے۔ رازداری کی تاکید میں نے ہی کی تھی۔ بولاری قلعہ یہود کے بدلے ہوئے حالات اور ہاتاری کی موت سے آگاہ نہ تھا۔ اگر وہ بنت کیرو کو دیکھ لیتا تو یقیناً فرار ہونے کی کوشش کرتا۔“

شہزادی جین کی آنکھوں میں ایک نیا سوال چمک رہا تھا۔ ”ان حالات میں گریٹا کو عکا بھیجنے کی کیا ضرورت تھی؟“

”اسے صرف تمہاری حفاظت کی خاطر بھیجا گیا ہے۔ اگرچہ رحمان نے عکا ہی میں حالات پر قابو پالیا اور کلیسا کی گاڑی پر قبضہ کر لیا تھا پھر بھی قبل از وقت حالات کا انکشاف مناسب نہ تھا۔“

شہزادی کی حیرت پاش نگاہیں رحمان کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں۔
”جناب امیر! آپ کے غلام آپ کے لیے کیا کچھ نہیں کرتے۔“
”یہ غلام نہیں، میرے بھائی اور ساتھی ہیں۔ اسلام آقا و غلام کی تمیز نہیں کرتا۔“

پھر ملک العادل نے گریٹا کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
”بنت کیرو..... تم اپنی شہزادی کو دوسرے کمرے میں لے جاؤ اور میرزا کا فرض ادا کرو۔ غالباً تم دونوں صبح کی بھوک ہوگی۔ میں اس عرصے میں راہب بولاری سے ملاقات کروں گا۔ آج رات ہم اسی وادی میں ٹھہریں گے اور شہزادی ہماری مہمان ہوگی۔“

بت سے نواز سکتے ہیں؟“
ملک العادل بوکھلا کر انگریز شہزادی کی طرف دیکھنے اور اس کے عجیب و
غریب الفاظ پر غور کرنے لگا۔ کہیں انگریزی شہزادی محبت کی آڑ میں اس سے بیت
قدس تو نہیں مانگ رہی۔

”میں تمہارا مطلب نہیں سمجھ سکا جین!“

جین نے حالت بے خوی میں ملک العادل کا ہاتھ تھام لیا۔ ”مجھے صرف
ایک سوال کا جواب دیجئے! کیا آپ کو مجھ سے محبت ہے؟“

”اگر محبت اس بے چینی کا نام ہے جو تم سے ملنے کے بعد میرے دل کا
رایہ بن گئی تو میں تم سے محبت کرتا اور تمہاری بھلائی چاہتا ہوں۔“

جین چلتے چلتے رک گئی۔ دوسرے لمحے عرب امیر کے مضبوط و توانا بازوؤں
نے گھیرے میں اس کے کشادہ اور چوڑے چپکے سینے پر سر رکھے کہہ رہی تھی۔
”میں جانتی ہوں آپ نے نہ محبت سے محروم نہیں کریں گے۔“

ملک العادل ابھی تک حیرت کی عملیوں میں کھویا ہوا تھا۔ وہ درہ کے بیچ و
نہ میں چلتے وادی کو ڈیڑھ دو فرلانگ پیچھے چھوڑ آئے اور ان ٹیلوں تک آ پہنچے
تھے جن کے آگے نشیبی میدان حد نظر تک پھیلا تھا۔ طلایہ کرد سوار انہی سرسبز
ہیل کے آس پاس گشت کر رہے تھے۔ لیکن اس وقت وہ ایسی جگہ کھڑے تھے
جہاں ایک اونچی چٹان کے سایہ نے انہیں سواروں کی نگاہوں سے اوجھل کر دیا
تھا۔ عشق انگیز چاندنی اور جین کی جذبات انگیز باتوں نے عرب امیر کے دل و
دماغ پر محبت کا نشہ سا طاری کر دیا تھا لیکن ایک بات رہ رہ کر اس کے دل و
دماغ میں کھٹک رہی تھی۔

”آخر صلح کی وہ صورت کون سی ہے جس پر تمہیں اتنا بھروسہ ہے؟“

”میری محبت۔“

ملک العادل حیران و ششدر اسے دیکھتا ہی رہ گیا۔ چاروں طرف چاندنی
”اگر کے خواب کی طرح بکھری ہوئی تھی اور اس چاندنی میں پہاڑوں اور
ٹیلوں کے سائے دھوپ چھاؤں کا منظر پیش کر رہے تھے۔ کوہستان کے سانٹے
نہ بھنگروں کی موسیقی کے علاوہ اور کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی۔ کیونکہ طلایہ
کرد سواروں نے بھی اپنے گھوڑے ایک ٹیلے کی چھاؤں میں روک لیتے تھے۔
سانٹے میں صرف دو دل دھڑک رہے تھے۔ اچانک جنوب کی طرف ٹاپوں کی

آسمان پر چمکتا ہوا کھیلا سا چاند، ستمبر کی بدلی ہوئی رات۔ چاندنی میں ڈوب
ہوئی وادی ہمارا، جنگلی پھولوں کی مہک سے لدی ہوا کے جھونکے اور پہلو میں
پتھروں سے رستا ہوا قدرتی چشمہ بھلا دل گرفتار محبت کے لیے اس سے بہتر مقام
ملاقات اور کیا ہو سکتا تھا؟ جین نے محسوس کیا چاندنی شراب کی سرور انگیز لہریں
کر اس کے ہوش و حواس پر چھائی جا رہی ہے۔ اس پر خود رفتگی کی طاری
ہونے لگی۔ عرب امیر کی قربت اسے پاگل کیے دیتی تھی۔ مگر تعجب تو اس بات پر
تھا۔ امیر عادل نے اس عشق انگیز ماحول میں بھی جنگ و جدل کی داستان چھڑ
رکھی تھی۔ وہ انگریز شہزادی کو بتا رہا تھا کہ اس کا بھائی ابھی تک سلطان کی چال
کو نہیں سمجھا اور ساحلی شہروں پر اپنا وقت ضائع کر رہا ہے۔ وہ جوں جوں آگے
بڑھے گا اپنی واپسی کے راستے مسدود کرتا چلا جائے گا۔ جو خبی ساحل سے ہٹ کر
میدانوں کا رخ کرے گا۔ سلطان شکاری باز کی طرح اسے دبوچ لے گا۔ اچانک
جین کہنے لگی۔

”میں نہیں چاہتی صرف ایک شر کی خاطر مسلمانوں اور عیسائیوں کا خون بہا
رہے۔ میرے ذہن میں صلح کی ایک تجویز ہے اور میں نے بادشاہ کو اس تجویز
سے آگاہ کرنے کے لیے عکا بلایا ہے۔“

ملک العادل نے حیرت پاش نگاہوں سے شہزادی کی طرف دیکھا۔ وہ چشمہ
پر جھکی ہوئی شاخوں کا سہارا لے کر کھڑی ہو گئی اور درہ کے ساتھ ساتھ جنوب
مغرب کی طرف چلتے لگی۔ جدھر مملوک شہسوار پہرہ دے رہے تھے۔ عادل بھی
اس کے پہلو پہ پہلو تھا۔ چلتے چلتے اس نے کہا۔

”جب تک صلیبی بیت المقدس کا خیال ترک نہیں کریں گے صلح کی کوئی
تجویز مفید ثابت نہیں ہو سکتی۔“

”اگر آپ میری تجویز قبول کر لیں گے تو خیال ہے سلطان کو بھی انکار نہ
ہوگا۔“

”شہزادی! میری حیثیت ایک سپاہی سے زیادہ نہیں۔ اعلیٰ حضرت نے مجھے
مصالحت کی گفتگو کرنے کا اختیار ضرور دیا ہے۔ لیکن میں مسلمانوں کے مفاد کو
خطرے میں نہیں ڈال سکتا۔“

”امیر عادل..... صلح محبت اور دوستی کی علامت ہوتی ہے۔ میں بھی آپ
سے محبت کی طلب گار ہوں۔ کیا یورپ اور ایشیاء کی دوستی کی خاطر آپ مجھے

مدمم آواز ابھری اور بدرجہا نمایاں ہونے لگی۔ ملک العادل نے بڑی سہجائی کے ساتھ اس مڑے مڑے راستے پر نظر دوڑائی جو جھاڑیوں اور نرسلوں کے درمیان اوجھل ہو جاتا تھا۔ راستے کے پیچ و خم میں بہت دور اسے چند سواروں کے بیولے دکھائی دیے جن کے گھوڑوں کا رخ وادی کے اسی درہ کی طرف تھا جہاں ملک العادل اور جبین کھڑے ایک دوسرے کے دل کی دھڑکنیں سن رہے تھے۔

”فورا“ ہی ایک مملوک سردار نبجانے کہاں سے نمودار ہوا۔ اس نے اپنا گھوڑا چند قدم کے فاصلے پر روکا اور بولا۔ ”آقا.....! امیر آپ شنزادی کو لے کر یہاں سے ٹل جائیے۔“

”لیکن آنے والے سوار کون ہو سکتے ہیں۔ ان کی تعداد تو کچھ زیادہ نہیں؟“

”میرا خیال ہے وہ چالیس پچاس کے قریب ہوں گے۔“

”پھر تو خوب مقابلہ رہے گا۔ ہم بھی تعداد میں پچاس سے کم نہیں۔“

”میں نے ضحاک کی طرف آدمی بھیج دیا ہے۔ حضور شنزادی صاحبہ کے ہمراہ انھیں لے جائیں۔“

”آقا امیر..... انہوں نے اپنی موت مجھ پر حلال کر دی ہے۔“

ایک نکت پہاڑی راستہ ٹاپوں سے گونج اٹھا۔ ٹمپل سوار گھوڑے اڑاتے ہوئے تھے پوری وحشت سے درے کی طرف جھپٹے۔ غالباً وہ سوار سب آگے تھا جس نے تیر چھوڑا اور تضحیک آمیز قہقہہ لگایا تھا۔ ابھی وہ ساتھ ستر دور ہی تھا کہ درے کے اوپر درندے کی خوفناک غراہٹ سنائی دی۔

مٹن ایک لرزہ خیز دھاڑ سے کانپ اٹھے۔ پھر سرخ دھاری دار چیتا چاندنی ملک العادل اور شنزادی جبین کے سروں پر تیرتا ہوا فضا میں ابھرا اور ٹھیک ہی سوار پر آیا۔ آنا قانا“ فضا انسانی چیخوں کے کرب سے کپکپانے لگی۔ اس کی خونی غراہٹیں سن کر ٹمپل سواروں نے تیزی کے ساتھ خوفزدہ ہو کر گھوڑوں کو موڑا اور پلٹنے لگے۔ لیکن اسی دوران ایک افرنگی سوار نیزہ سے درندے کی طرف لپکا جو انسان کے بعد اس کے گھوڑے کو ادھیڑنے میں مددگار تھا۔ فورا“ ہی ایک سوار نے گھوڑا موڑا اور نیزہ بردار افرنگی کا راستہ لے ہوئے چلایا۔ ”عالی جاہ! آپ کیا غضب ڈھا رہے ہیں۔ گھوڑا موڑیے“

”میرا خیال ہے وہ چالیس پچاس کے قریب ہوں گے۔“

”پھر تو خوب مقابلہ رہے گا۔ ہم بھی تعداد میں پچاس سے کم نہیں۔“

”میں نے ضحاک کی طرف آدمی بھیج دیا ہے۔ حضور شنزادی صاحبہ کے ہمراہ انھیں لے جائیں۔“

”آقا امیر..... انہوں نے اپنی موت مجھ پر حلال کر دی ہے۔“

ایک نکت پہاڑی راستہ ٹاپوں سے گونج اٹھا۔ ٹمپل سوار گھوڑے اڑاتے ہوئے تھے پوری وحشت سے درے کی طرف جھپٹے۔ غالباً وہ سوار سب آگے تھا جس نے تیر چھوڑا اور تضحیک آمیز قہقہہ لگایا تھا۔ ابھی وہ ساتھ ستر دور ہی تھا کہ درے کے اوپر درندے کی خوفناک غراہٹ سنائی دی۔

مٹن ایک لرزہ خیز دھاڑ سے کانپ اٹھے۔ پھر سرخ دھاری دار چیتا چاندنی ملک العادل اور شنزادی جبین کے سروں پر تیرتا ہوا فضا میں ابھرا اور ٹھیک ہی سوار پر آیا۔ آنا قانا“ فضا انسانی چیخوں کے کرب سے کپکپانے لگی۔ اس کی خونی غراہٹیں سن کر ٹمپل سواروں نے تیزی کے ساتھ خوفزدہ ہو کر گھوڑوں کو موڑا اور پلٹنے لگے۔ لیکن اسی دوران ایک افرنگی سوار نیزہ سے درندے کی طرف لپکا جو انسان کے بعد اس کے گھوڑے کو ادھیڑنے میں مددگار تھا۔ فورا“ ہی ایک سوار نے گھوڑا موڑا اور نیزہ بردار افرنگی کا راستہ لے ہوئے چلایا۔ ”عالی جاہ! آپ کیا غضب ڈھا رہے ہیں۔ گھوڑا موڑیے“

”میرا خیال ہے وہ چالیس پچاس کے قریب ہوں گے۔“

”پھر تو خوب مقابلہ رہے گا۔ ہم بھی تعداد میں پچاس سے کم نہیں۔“

”میں نے ضحاک کی طرف آدمی بھیج دیا ہے۔ حضور شنزادی صاحبہ کے ہمراہ انھیں لے جائیں۔“

”بالذون! ہٹ جاؤ۔ ہم اس چیتے سے نہیں ڈرتے۔“

درہ کے ناکے پر جین کچی شاخ کی مانند کانپ اٹھی اس نے بالذون ڈی اور شاہ انگلستان رچرڈ کی آوازیں پہچان لی تھیں۔ پھر وہ بجلی کی طرح ملک العادل کی طرف گھومی اور الفاظ اس کے ہونٹوں پر ایک جج جج میں ڈھل کر رہ گئے۔ ”خدا کے لیے درندے کو روکیے؟“

ملک العادل پہلے ہی صورت حال کا اندازہ کر چکا تھا۔ کیونکہ رچرڈ کی آواز اس نے بھی پہچان لی تھی۔ پھر اس کی آواز دور تک گونجتی چلی گئی۔ ”نور الدین.....! درندے کو روکو..... خبردار! کوئی شخص تیر چلائے نہ پھینکے۔ آنے والے ہمارے دوست شاہ انگلستان ہیں۔“

ابھی اس آواز کی گونج ختم نہ ہونے پائی تھی کہ درہ کی گھائی سے ضحاک نے ایک لمبی جست بھری اور فضا میں تیرتا ہوا درندے پر جا گرا۔ ٹھیک اسی لمحے رچرڈ گھوڑا کداتا اور نیزہ تولتا ہوا آگے بڑھا لیکن جب اس نے خوفناک درندے کو ایک انسان کی گرفت میں دیکھا تو حیران و ششدر رہ گیا۔ نیزے پانس اس نے مضبوطی سے تھام رکھا تھا اور چاندنی میں چمکتی ہوئی انی بس چروہ گز کے فاصلے پر رک گئی تھی۔ اگر وہ اپنے بازو کو ذرا بھی جنبش دیتا تو شاید لوہے کا پھل چیتے کے دھاری دار بدن میں پیوست ہو جاتا لیکن ایک انسان کو جنگل کے وحشی جانور پر اس طرح تسلط جمائے دیکھ کر اس نے ہاتھ روک لیا۔

درندہ بدستور غرائے جا رہا تھا۔ اس پر جھپٹ پڑنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اگر ضحاک نے گردن میں زنجیر ڈال کر اسے اپنی رانوں کے نیچے نہ دبا رکھا ہوتا تو شاید وہ اس وقت شاہ انگلستان کو بھی چیر پھاڑ چکا ہوتا۔ ضحاک نے ہاتھ لہرا کر اسے ہٹ جانے کا اشارہ کیا لیکن اس کے برعکس رچرڈ نے اپنے خوفزدہ گھوڑے فاول کو ایڑ لگائی۔ بازو لہرایا اور آگے بڑھ کر پوری قوت سے شیر کی گردن پر نیزہ مارا۔ اسی لمحے وحشی ضحاک اچھل کر کھڑا ہوا۔ اس نے بجلی کے کوندے کی مانند لپک کر انی دیوچ لی اور ایک جھٹکے سے نیزہ جھین کر فضا میں اڑا دیا۔

رچرڈ کے لیے یہ سب کچھ خلاف توقع تھا کیونکہ آج تک دنیا کا کوئی انسان نیزہ چھیننا تو رہا ایک طرف اس کی ملک ضرب سے بھی بچ کر نہ جاسکا تھا۔ بادشاہ نے جھنبلا کر کمر سے اپنا زینش نکال لیا اور گونگے ضحاک پر وار کرنے کے لیے گھوڑا موڑنے لگا جو مشتعل درندے کو بازوؤں میں جکڑے ہوئے غصہ کی حالت

”غوں..... غاں..... آں۔“ کی سیٹیاں سی بجا رہا تھا۔ اسی اثناء میں ملک العادل لپکتا ہوا آگے بڑھا اور ان کے درمیان حائل ہو گیا۔ اس نے ہاتھ لہرا کر اسے ایک عجیب سی آواز نکالی اور درندہ و بک کر پیچھے ہٹا۔ اپنے آقا کو دیکھ کر خوفزدہ سا ہو گیا۔ پھر ضحاک اس کی زنجیر تھامے ایک طرف چلنے لگا۔ ملک العادل نے بادشاہ کے گھوڑے کی لگام تھام لی اور کہنے لگا۔

”میں نے نور الدین کو اسی لیے بھیجا تھا۔ اگر آنے والے ہمارے دوست تو وہیں رک جائیں۔ مگر اس پر تیر چلایا گیا۔ خیر اس بد مزگی کے باوجود میں انگلستان کو خوش آمدید کہتا ہوں۔“

رچرڈ اچھل کر فاول سے اترا۔ اس کی متغیر نگاہیں ابھی تک درندے پر جمی تھیں۔ جو ضحاک کے ساتھ درے کی طرف لوٹ رہا تھا۔ اس کے ہونٹ سے آپ تھر آئے۔

”خداوند کی قسم! میں نے ایسا درندہ اور ایسا انسان پہلی بار دیکھا ہے۔“

ابھی وہ کہہ ہی رہا تھا کہ شنزادی جین تیزی سے چلتی ہوئی قریب پہنچ گئی۔ دیکھ کر رچرڈ شدت حیرت سے کم سم ہو گیا۔ جین نے بھائی کو سلام کیا اور اپنی خیریت پوچھی لیکن شاہ انگلستان کے ذہن پر تو حیرتوں کا پہاڑ سا ٹوٹ پڑا۔ ان کی کو اتابک امیر کے پہلو بہ پہلو دیکھ کر وہ معاملے کی نوعیت پر غور کرنے لگا۔ اس نے جین کی خیریت طلبی کا جواب دینے کی بجائے ملک العادل کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ اور متبسم لہجے میں بولا۔

”دوست! میں آپ کو مبارک باد پیش کرتا ہوں۔ جین کا انتخاب غلط نہیں ہے۔ یہ فقرہ سن کر انگریز شنزادی نے شرما کر گردن جھکالی۔ اب بالذون ڈی کیرو جہنم ساتھیوں کے ہمراہ قریب پہنچ چکا تھا۔ اس نے بھی ملک العادل کو سلام کیا۔ خلاف توقع جین کو مصری امیر کے ہمراہ دیکھ کر نقش حیرت بن گیا۔

رچرڈ کے ہمراہی جن کے گھوڑے درندے کے اچانک حملہ پر خوف و ہراس سے بے قابو ہو کر بھاگ اٹھے تھے۔ آہستہ آہستہ لوٹنے لگے۔ یہ انکشاف دیکھ کر ایک انجنیئر سے کم نہ تھا کہ کم و بیش بیس مملوک سوار ان کی راہ روک کی گھات لگائے بیٹھے تھے اور اگر امیر عادل نے انہیں حملہ سے روک دیا ہوتا تو پہاڑی ٹیلوں اور جھاڑیوں کی اوٹ سے آنے والے تیروں اور

”امیر عادل! میں آپ کے قیم احسانات کا بدلہ نہیں چکا سکتا۔ آپ کے
سلوک نے ہمیں ایک دوسرے سے اور قریب کر دیا ہے۔ عکا سے واپسی
کے بعد میں بہت جلد سلطان عالی کی خدمت میں سفارت روانہ کر دوں گا۔ جب
آپ ہماری عزت کا اتنا احساس کرتے ہیں اور ہمارے لیے اپنی جان جو کھوں میں
ڈال دیتے ہیں تو میرے خیال میں ہمیں بھی آپ سے جنگ زیب نہیں دیتی۔ صلح
کی کوئی صورت نکل آئے تو بہتر ہے۔ اگر ممکن ہو تو آپ اپنے بزرگ بھائی تک
برے یہ نیاز مندانہ جذبات پہنچا دیجئے۔ جس طرح آپ ان کی عزت کرتے ہیں
ی طرح میں بھی انہیں واجب الاحترام سمجھتا ہوں۔“

رچرڈ کے ان الفاظ نے سب کے دل میں محبت و دوستی کا جذبہ موجزن کر
اور جنگ خواب و خیال معلوم ہونے لگی۔

افرنکی سواروں نے وادی کے مشرقی دامن میں جہاں سے شمال کی طرف
اتنے نکلتا تھا، خیمے نصب کر لیے۔ ان کے درمیان شاہ انگلستان کی شاہی بارگاہ کا
رخ شامیانہ پھیلا ہوا تھا۔ مگر شاہ رچرڈ شہزادی جین، گریٹا اور بالڈون کا زیادہ
نصری سراپردہ ہی میں گزرا جہاں ملک العادل نے بادشاہ کی ضیافت کا اہتمام
کیا تھا۔

رچرڈ کو جین اور گریٹا کی مصیبتوں کے علاوہ ان کے دل کی دھڑکنوں کا
مانہ بھی معلوم ہوا تھا مگر ان واقعات میں سب سے زیادہ حیرت انگیز اور ناقابل
اموش واقعہ ملک العادل کے پالتو شیر کا حملہ اور اس کے گونگے محافظ کا کردار
جو چھ سات فٹ لمبے، قریباً چار فٹ اونچے اور انتہائی خوفناک درندے کو
مارائوں میں یوں دبوج لیتا تھا جیسے وہ درندے کی بجائے کوئی آہوئے صحرا ہو۔
العدل نے بتایا اگرچہ اس کے اصطبل میں دشت شام کے بہروں کا ایک
باجی موجود ہے۔ لیکن افریقہ کا یہ سرخ دھاریدار چیتا جو چار سال پہلے جبل
لمسے ہاتھ لگانہ صرف قدوقامت اور جسامت میں غیر معمولی ہے بلکہ جست
نے اور حملہ کرنے میں بھی اپنی مثال نہیں رکھتا۔ شہاک نے اسے سدھایا اور
بت دی ہے۔ جانور اس سے ڈرتا اور اس کا اشارہ سمجھتا ہے کیونکہ شہاک
سے بڑا ”درندہ“ ہے۔

رچرڈ درندے کو دیکھنے اور گونگے محافظ سے ملنے کے لیے اس آہنی جنگے
پہاں آیا۔ جہاں حیوان اور انسان دونوں اپنی الگ الگ دنیا میں رہتے تھے۔

برصغیر میں انہیں ہلاک کر دیا ہوتا۔

تھوڑی دیر کے بعد انگلستان کا شاہی قافلہ ملک العادل اور جین کے ہمراہ
وادی گل پوش میں داخل ہو رہا تھا۔ جہاں مصر کے اتابک امیر کا پراسرار پروردہ
اور مملوک سواروں کے خیمے چاندنی میں طلسم و خواب کی مانند استوار تھے۔

○

شاہ رچرڈ ”فادر بولاری“ اور شہزادی جین کے اغوا کی داستان سن کر دربار
حیرت میں ڈوب گیا۔ اگرچہ پچھلے دنوں بالڈون ڈی کیرو اسلامی لشکر گاہ میں قید
یا مسمان کی حیثیت سے مقیم رہا۔ جہاں گریٹا بھی اس کی خدمت کرتی رہی لیکن
بالڈون نے صلیبی لشکروں میں واپس جا کر بھی بادشاہ کو اپنی بیٹی کے ساتھ بڑے
آنے والے واقعات سے آگاہ کیا نہ یہ بتایا کہ وہ آج کل اسلامی چھاؤنی میں پھرنے
عافیت ہے۔ غالباً یہ خاموشی خود گریٹا کے ایمان پر اختیار کی گئی تھی۔

اب مصری سراپردہ میں گریٹا نے شاہ انگلستان کو وہ بھیانک واقعات سنائے
جو اسے اڑھائی تین ماہ کے عرصہ میں پیش آئے تھے۔ اس نے فادر بولاری کی
سازش شہزادی جین کے اغوا کی کہانی اور رحمان کے ہمراہ خود عکا جا کر شہزادی کی
بچا کر آنے کی روداد سنائی تھی۔ گریٹا کا انداز بیان ہی بڑا موثر تھا پھر اپنے دکھ
اور مصیبتوں کی داستان سناتے سناتے کئی مرتبہ اس کی آواز گلوگیر ہوئی۔ گریٹا
مرتبہ پلکوں سے آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر گرے اور کئی بار اس کی ہچکی بندھ گئی۔ آخر
کہ سننے والوں کی آنکھیں بھی بھیگ جاتی رہیں۔ اس نے بادشاہ کو بتایا اگر کہ
سردار حارث ابن ہشام اور مصر کے امیر ملک العادل بروقت مدد نہ کرتے تو
شیطان بولاری یقیناً اپنے خطرناک منصوبے میں کامیاب ہو جاتا اور نجلے اس
کے ساتھ شہزادی جین کا بھی کیا حشر ہوتا۔

بادشاہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا۔ جیسے وہ محروم طلسم کی دنیا میں نکل آیا ہو۔
ہر واقعہ حیرت افزا اور واقعات کی ہر کڑی اس قدر لرزہ خیز تھی کہ خود گریٹا
ایسا بہادر انسان بھی اپنے بدن میں سنسنی محسوس کیے بغیر نہ رہ سکا۔ عجیب
غریب واقعات سننے اور حقیقت حال سے آگاہ ہو جانے کے بعد اس نے فکر آہ
نگاہوں سے ابن ہشام کی طرف دیکھا۔ پھر ملک العادل سے مخاطب ہو کر کہنے لگا۔

رچرڈ چند روز عکا میں ٹھہرا۔ وینس اور جنووا کی رقابت خطرناک صورت کر چکی تھی۔ دونوں فریق زبردستی شہر پر قبضہ کر لینے کی تجویزیں سوچ رہے تھے۔ ہر کوئی اپنے دعویٰ و استحقاق کی یہی دلیل پیش کرتا تھا کہ وہ تیسرے ملک کے اولین فداکاروں میں سے ہے اور جب شاہ گائی عکا پر حملہ آور اس نے وعدہ کیا تھا۔ فتح کے بعد شہر اسے سونپ دیا جائے گا مگر اب وہ وعدے سے مکر گیا ہے۔

شرایک اور مدعی دو تھے۔ دونوں بحری جنگوں کی شہرت و ناموری میں سر تھے اور کسی ایک کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا تھا۔ رچرڈ نے ان کے ہاں کو طلب کیا اور درخواست کی کہ صلیب کی خاطر دونوں اپنے اپنے مطالبہ متبردار ہو جائیں۔ اس نے ایک جذبات انگیز تقریر کرتے ہوئے کہا۔ ”صاحبو.....! ہم یورپ سے شرف فتح کرنے اور غنیمتیں بانٹنے نہیں آئے ہمارا مقصد صرف ساحل کی صلیبوں کی مدد کرنا۔ یروشلم کو عربوں کے قبضہ سے آزاد کرنا اور صلیب اعظم کو واپس لینا تھا۔ ابھی ہم نہ مقدس صلیب حاصل کر رہے ہیں نہ یروشلم فتح ہو سکا ہے۔ اڑھائی تین سال کی طویل مدت میں دو لاکھ بہادر کٹوانے کے بعد ہم نے صرف عکا فتح کیا ہے اور وہ بھی اس تک کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ جب تک یروشلم ہاتھ نہ آجائے۔ اس لیے جھگڑنے کی بجائے میرے ساتھ جہاد کے لیے نکلو اور نئی کامیابیاں حاصل کرو۔“

اہل وینس اور اہل جیروا کے جھگڑے ختم نہ ہوئے دبا ضرور گئے۔ رچرڈ ایہوں اور استقفوں کے غول جمع کیے اور ان سپاہیوں کو جو عکا میں بیٹھے داد دے رہے تھے، غیرت دلا دلا کر باہر نکالا۔ راہبوں نے انہیں خداوند کے نام سے ڈرایا اور لہو و لعب ترک کر کے صلیب کے لیے جہاد کی دعوت دی۔ لیکن جب رچرڈ عکا سے چلا تو بہت کم لوگ اس کے ہمراہ تھے۔ جنگ و جدل لڑتے ہوئے سپاہی بدستور شراب کدوں اور قحبہ خانوں میں گھسے رہے۔

عرب اور مغربی مورخ اس بات پر متفق ہیں کہ رچرڈ خود اس جنگ سے ہار گیا تھا۔ جس کا کوئی اور چھوڑ ہی نظر نہ آتا تھا۔ صلیبی لشکر اگرچہ عربوں کے ہاں چار پانچ گنا زیادہ تھے اور ان کے پاس سامان جنگ کی بھی فراوانی تھی اڑھائی تین سال کے عرصہ میں انہوں نے کوئی قابل ذکر کارنامہ سرانجام نہ

رچرڈ کو دیکھ کر ضحاک غرایا اور غول غاں کرنے لگا۔ ملک العادل نے بتایا کہ بادشاہ سے ناراض ہے۔ کیونکہ اس نے شیر پر نیزہ مارا تھا۔ رچرڈ نے اس کا شہرہ چھینچایا اور ایک طلائی انگوٹھی انعام کے طور پر دی جس میں ہیرا جڑا ہوا تھا۔ ضحاک کے ہونٹوں پر تبسم نمودار ہوا۔ پھر اس نے سر جھکا کر بادشاہ کا شکریہ ادا کیا اور اپنے آقا ملک العادل کے ذریعہ اشاروں کی زبان میں کہا۔

”شاہ انکار، شیر دل کھلاتے ہیں۔ لیکن شیروں کے مزاج سے واقف نہیں۔ جب درندہ انسان کے قابو میں ہو اس پر کبھی حملہ نہیں کرنا چاہیے۔“ رچرڈ نے ضحاک سے ہاتھ ملایا تو یوں لگا جیسے اس نے کسی شیر سے بڑا آزمایا ہو۔ ضحاک کا ہاتھ پتھر کی مانند سخت اور کھردرا تھا۔

دوسرے روز عکا کی طرف روانگی سے پہلے رچرڈ اور بالڈون ڈی کیرو تھائی میں ملک العادل سے ملے۔ مصری امیر نے بادشاہ سے درخواست کی کہ بنت کیرو سے ابن ہشام کی شادی منظور فرمائیں۔ اس نے بتایا کہ میں نے ابن ہشام کو قلعہ یہود پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا ہے۔ وہ چند ہی روز میں اس پر قبضہ کر لے گا۔ یہ قلعہ ابن ہشام ہی کو بخش دیا جائے گا اور دریائے العوجا تک سارا علاقہ اس کی جاگیر ہوگا۔ مگر اس سے پیار کرتی ہے اور وہ دونوں اپنی جاگیر میں ہنسی خوشی رہیں گے۔ بادشاہ اور بالڈون دونوں اس تجویز سے بے حد خوش ہوئے۔ رچرڈ نے جواب دیا۔

”مگر اس کی کمائی سننے کے بعد میں نے بھی یہی سوچا تھا۔ داؤد کا قلعہ یہودیوں سے چھین لیا جائے۔ یہ ملعون قلعوں میں جمع ہو کر سازشوں اور شرارتوں کے علاوہ اور کچھ نہیں سوچتے۔ یقیناً“ مگر اس نے ابن ہشام کے لیے اس سے بہتر خند اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ میں جب عکا سے لوٹ کر آؤں گا تو آپ کو جافا بلاؤں گا۔ اس موقع پر عقد کی رسم ادا کر دی جائے گی۔“

پھر شاہ انگلستان اپنے قافلہ کے ہمراہ عکا کی طرف روانہ ہو گیا تو ملک العادل نے بھی مملوکوں کو خیمے اکھاڑنے کا حکم دیا۔

کو ترک کر کے عربوں کی مانند ”بے دین اور گمراہ“ ہو گئے تھے۔ ان حالات میں عکا کی فتح ایک خوش آئند اور حوصلہ افزا واقعہ تھا مگر اس کے نتیجے میں شاہان صلیب کے جھگڑے بحری طوفانوں کی طرح گونجنے لگے۔ کھڑے ہوئے اور شاہ فرانس فلپ آگسٹس حاکم صور مار کوئیس کانزڈ آف سٹ اور کئی نائٹ، امیر اور مذہبی سردار جنگ سے کنارہ کش ہو کر صور صلیب کے رہ جاتا۔ اس کے پاس عکا اور ملیہ کے چند ڈھیروں (مینہ تیساریہ جانا) کے سوا اور تھا کیا؟ یہی اس کی شجاعت و مردانگی کی کل کائنات تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان ساحلی قلعوں کو سلطان نے فوجی مصلحت کے پیش نظر ہی مسمار کرا دیا اور صلیبوں کو لمبہ کے ان ڈھیروں پر بخوشی قبضہ کر لینے اجازت دے دی تھی۔

درحقیقت عربوں کے خوف نے انہیں ہراساں کر دیا اور طویل جنگ نے طرح تھکا دیا تھا۔ یہی وجہ تھی وہ راحت و آسودگی کے بہانے تلاش کرتے مگر معرکوں سے جی چراتے تھے۔ صرف راہبوں اور راہب نما ٹمپلوں کا طبقہ عربوں کو نیست و نابود کرنے اور دریائے اردن کے اس پار مار بھگانے کا مقصد خواب دیکھ رہا تھا۔

اس ماحول پر رچرڈ ایسے متلون مزاج انگریز کا فتح و کامرانی سے مایوس ہو کر لڑنے کے لیے کوشش کرنا اور ایسی شرائط صلح پر آمادہ ہو جانا جن سے اس کی ت و ناموری اور شاہی وقار پر حرف نہ آ سکے۔ عین تقاضائے بشریت تھا۔ وہ عربوں کی سرفروشی کی داستانیں سنتا، ان کے نظم و نسق اتحاد، خلوص و اور جانثاری و جانپساری کی مثالوں پر نظر ڈالتا اور پچشم خود دیکھتا کہ ایک غلام سے لے کر بڑے سے بڑے والئی ریاست تک ہر مسلمان عرب ہو، شامی یا مصری، سپاہی ہو یا افسر اپنے واجب الاحترام سلطان کے اشارے پر قربان کر دینا اور جنگ کی بھیجی میں کود کر شہادت حاصل کر لینا باعث سعادت ہے۔ تو اسے افرنگی بہادروں سے نفرت سی محسوس ہوئی جو جذبہ اطاعت بکرماری اور محض شہرت و ناموری حاصل کرنے کے لیے ایشیاء میں چلے جاتے۔

یہی سبب تھا جب وہ اکتوبر کے شروع میں عکا سے لوٹ کر جافا میں داخل ہوئے۔ یہاں کی بہ نسبت بہت کچھ بدلا بدلا نظر آتا تھا۔ وہ ملکہ برنگیریا، شہزادی جین الکستان کی دوسری شاہی خواتین کو بھی چند روز کے لیے اپنے ہمراہ لے آیا

دیا تھا۔ اس کے برعکس صلاح الدین نے فتح حطین کے بعد دو ہی سال کے غزوہ و عسقلان سے لے کر اٹلاکیہ کے نواح تک شام و فلسطین کے قلعے فتح لیے تھے اور دریائے اردن سے ساحل بحر تک تمام علاقہ صلیبوں سے خالی کر دیا تھا۔ رچرڈ جب سلطان کی کامیابیوں کے مقابلے پر اپنی ناکامیوں کا تجزیہ کرنا صنبلا کے رہ جاتا۔ اس کے پاس عکا اور ملیہ کے چند ڈھیروں (مینہ تیساریہ جانا) کے سوا اور تھا کیا؟ یہی اس کی شجاعت و مردانگی کی کل کائنات تھی۔ حقیقت تو یہ ہے کہ ان ساحلی قلعوں کو سلطان نے فوجی مصلحت کے پیش نظر ہی مسمار کرا دیا اور صلیبوں کو لمبہ کے ان ڈھیروں پر بخوشی قبضہ کر لینے اجازت دے دی تھی۔

کیا رچرڈ ان خرابوں کی ”تغیر“ پر فخر کر سکتا ہے؟ پھر صلیبوں کے باہمی جھگڑوں، شبانہ روز عشرت آرائیوں، غفلت کو شیرو راہبوں کی سازشوں، نارمن بہادروں کی متلون مزاجیوں، فرانسیسی نائٹوں اور راہب نما ٹمپلوں کی نکتہ چینیوں نے اسے بے حد ہزار کر دیا تھا۔ وہ ایک خود سر اور اکڑ سکران تھا۔ جو اپنے ہر حکم کی فوری تعمیل چاہتا اور ڈرا سی گتا و نا فرمانی برداشت نہ کر سکتا تھا۔ انگریز بے شک اس کی اطاعت و فرمانبرداری جزو ایمان سمجھتے تھے لیکن یہاں صرف انگریز ہی نہیں تھے۔ یورپ کے ہر ملک خطہ کے باشندے جن کے مزاج مختلف، طبائع جدا، حتیٰ کہ زبانیں بھی الگ الگ تھیں۔ صرف ”جماد صلیب“ کے نعرے پر اکٹھے ہو گئے تھے۔ وہ اپنی کثرت فراوانی پر نازاں اور اس خوش فہمی میں مبتلا تھے کہ فلسطین کے ساحل پر ان ہی ”وحشی و بے دین“ عربوں کو بے تحاشا قتل کریں گے یا عرب کے گریختانوں کی طرف مار بھگائیں گے۔ مگر یہاں معاملہ بالکل ہی برعکس نظر آیا۔ صرف ایک شہر کے محاصرے میں اڑھائی سال کی مدت اور قریباً ”اڑھائی سال“ صلیبی بہادر ضائع ہو چکے تھے۔ علاوہ ازیں وسطی یورپ کے پورے تین لاکھ صلیبوں کے لشکر جو عظیم مملکت روما کے سرخ ریش شہنشاہ فریڈرک برہدوسا کی قیادت میں ایشیاء کی طرف روانہ ہوئے تھے۔ مکمل طور سے تباہ و برباد ہو چکے تھے اور یہ ہولناک صدمہ ہر صلیبی کے دل پر ناسور کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ محاصرہ عکا کے دوران قحط، بھوک، بیماری اور عربوں کی ہلاکت آفرین ماحول نے ان کے ایمان اور عقیدے تک متزلزل کر دیے اور ہزاروں لوگ

تھا تاکہ وہ جافا کے حسین مناظر اور باغات کی سیر و تفریح سے لطف اندوز ہو سکیں۔ قبرصی شہزادی ”گل سون“ بھی اس قافلہ میں اس کے ہمراہ تھی۔ اکثر و بیشتر شہزادی چین کے ساتھ رہتی اور اسے بادشاہ کی والہانہ محبت کی گمانیں سناتی رہتی تھی۔ برتگیریا جانتی تھی قبرصی شہزادی اور چین کی دوستی کا کیا مطلب ہے اس کے باوجود آپ اپنے کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی اور بادشاہ کی خوشنودی کی طلب گار رہتی تھی۔ رچرڈ نے بھی اس سفر میں اپنی ملکہ کو دل و دل میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ وہ پہلے کی طرح اس کی عزت کرتا۔ اس کے لیے خوبصورت پوشتیں اور تحائف خریدتا اور اسے اپنے پسندیدہ سرخ لباس میں دیکھنا پسند کرتا تھا۔ ملکہ کبھی کبھی سوچتی - ”کیا وہ بدل رہا ہے۔ اس کے دل میں سوئی ہوئی محبت پھر کروٹ لے رہی ہے؟“ لیکن کوئی نہ جانتا تھا اس کے دل میں کیا ہے۔

قلعہ یہودی کی طرف

جبل کارمل کی بلند گھاٹیوں اور عمودی چٹانوں سے گھری ہوئی ”وادی گل“ میں ایک رات گزارنے کے بعد جب امالک امیر اپنے مملوک اور کردوں کے ہمراہ خیمہ و خرگاہ میں واپس آیا تو اس نے ابن ہشام کو قلعہ یہودی کرنے کے لیے بھیج دیا۔ اسے حکم تھا وہ اسرائیل کے خفیہ مسکن کو اچانک گھیر لے اور یہودیوں کو زندہ گرفتار کرے۔

گریشا کی اطلاع کے مطابق قلعہ میں کم و بیش دو ہزار مرد و زن آباد تھے، کچھ تعداد ان یہودی سپاہیوں اور بحری قزاقوں پر مشتمل تھی، جو ہاتاری مکان میں زیادہ تر بحری چھاپے مارتے رہتے تھے، مگر ہاتاری کا کھیل بگڑ چکا تھا اب قلعہ پر اس شیطان یوشع کا قبضہ تھا، جو موت کے خوفناک طوفانوں سے نہ آیا تھا۔ گریشا کو اس کی طاقت کے بارے میں کوئی علم نہ تھا۔ وہ یہ بھی نہ جانتی تھی، یوشع کے حکم پر جن لوگوں نے راتوں رات قلعہ کو گھیر لیا اور ہاتاری گرفتار کرنے کی کوشش کی تھی، وہ تعداد میں کتنے تھے؟ آیا وہ سب اسی قلعہ کے مسکن تھے یا یوشع انہیں کسی دوسری کمین گاہ سے لے کر آیا تھا؟ یہ بھی ظہور نہ تھا۔ قلعہ کے کینوں نے یعقوب آس کی روحانی قیادت اور شیطان یوشع کی حکومت خاموشی کے ساتھ قبول کر لی تھی یا باغیوں سے مقابلہ کیا تھا؟ گریشا کے اندازہ کے مطابق مسکنان قلعہ شمعون ربی کی نہ صرف اطاعت کرتے تھے، بلکہ اسے مقصد ربی کا بروز سمجھتے اور اس کی روحانی عظمت کے قائل تھے۔ ان بات میں یعقوب آس اور یوشع کی بغاوت کا نتیجہ کس شکل میں ظاہر ہوا تھا؟ اس کی حقیقت سے کوئی آگاہ نہ تھا۔ البتہ ہاتاری جس سرایسگی کے عالم میں قلعہ سے بھاگا اس سے یہی اندازہ لگایا جاسکتا تھا، وہ یوشع کی قوت سے اندازہ اور اس سے مقابلہ کی استطاعت نہ رکھتا تھا۔

برتگیریا کے ساتھ ساتھ وہ قبرصی حسینہ کو بھی خوش و خرم رکھتا اور پلے سے کہیں زیادہ اس کا گرویدہ نظر آتا تھا۔ واقعی رچرڈ عورتوں کے لیے ایک قائل فہم مرد اور بیک وقت رحیم و قاہر محبوب تھا۔ جافا میں پہنچتے ہی شاہ انگلار نے ملک العادل کی طرف قاصد دوڑا دیے۔

والے خفیہ درے کا دہانہ تھا اور دوسری ٹکڑی اس آبی شاہراہ کی حفاظت کے لیے متعین تھی، جو ساحل سمندر کی سمت پہاڑی گھاٹیوں میں گھری ہوئی تھی۔ نکل کر پہاڑوں کے اندر ہی اندر قلعہ کی مغربی فصیل تک چلی گئی تھی۔ ہٹاری اپنے ملاحوں کے ہمراہ گریٹا کو اسی آبی راستے قلعہ میں لایا تھا۔ ابن ہٹاری نے جس طرح یوشع نے ان دونوں راستوں کو گھیر کر ہٹاری کو پکڑنے کا ارادہ کیا تھا۔

”وادی گلبوش“ سے رواگلی کے وقت گریٹا نے جب ابن ہشام کو اور کسی تو قلعہ یہود پر حملہ کے پیش نظریہ درخواست ضرور کی تھی کہ وہ اس ”یہودی خادمہ“ ربیعہ کی حفاظت ضرور کرے، کیونکہ جتنی مدت وہ قلعہ میں بند رہی تھی۔ ربیعہ اس کی بے لوث خدمت کرتی رہی، حتیٰ کہ آخری وقت پر بھی جب یوشع گریٹا کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا تھا، ربیعہ نے اس کی جان بخشی اور اصرار کیا تھا۔

ابن ہشام نے وعدہ کیا تھا وہ اس کی یہودی عسکری کی حفاظت کرے گا۔ کردور سالہ کے دو ہزار سوار جنہوں نے ہر معرکہ میں حیرت انگیز شجاعت دکھائی تھی، اپنے نوجوان سردار کی کمان میں ان پہاڑوں کی طرف روانہ ہوئے جن کی ناقابل شکست بلندیوں اور دشوار گزار گھاٹیوں کے درمیان قلعہ یہود صدیوں سے مفرور یہودیوں کا مامن و مسکن رہا تھا۔ اس کا محل وقوع ہی کچھ ایسا تھا کہ آج تک کوئی فاتح اس کی دیواروں تک نہ پہنچ سکا، قرن ہاقرن گزر جانے کے بعد قلعہ بھورے پہاڑوں کا حصہ بن کر رہ گیا تھا۔ خاص خاص یہودیوں کے علاوہ کوئی شخص اس کے خفیہ راستوں سے بھی آگاہ نہ تھا، اگر کبھی یہود کے دشمنوں کا کوئی لشکر اس کی تسخیر کا ارادہ لے کر خطرناک گھاٹیوں تک پہنچ ہی جاتا، تو اس کی واپسی ناممکن تھی۔ پہاڑی سرنگوں اور ناویدہ پناہ گاہوں میں بیٹھے ہوئے یہودی محافظ حملہ آور سپاہیوں کو گھیر کر ہلاک کر دیتے اور ایک بھی شخص زندہ و سلامت نہ لوٹ سکتا۔ کوہستانی دروں اور کھدوں میں ان کی لاشیں جانوروں، چیلوں اور گدھوں کی خوراک بن جاتیں۔

ابن ہشام نے رواگلی سے پہلے دو کردوں کو قلعہ یہود کی طرف بھیج دیا اور تاکید کی تھی، وہ پہاڑوں کے درمیان گھری ہوئی اسرائیلی پناہ گاہ کا محل وقوع اس وادی تک پہنچنے والے راستوں دروں اور ان کے ایچ بیج کے متعلق ضروری معلومات حاصل کر کے اسے دراز کے آس پاس آ لیں، جہاں چند روز پہلے بنت کیرو اور ہٹاری نظر آئے تھے۔ ان جاسوسوں کا یہ بھی خیال تھا، وہ کسی ذریعہ قلعہ میں موجود یہودیوں کی تعداد معلوم کرنے کی کوشش کریں۔

یہودی مسکن کے بارے میں گریٹا کو جتنی معلومات حاصل تھیں، وہ ابن ہشام تک پہنچ چکی تھیں۔ اس نے سوسو سپاہیوں کی دو ٹولیاں روانہ کیں۔ ایک ٹولی کو دریائے العوجا کے کنارے اس پہاڑی غار پر قبضہ کرنا تھا، جو قلعہ کی طرف

دو پہر کے وقت اس کا رسالہ دراز کے قریب پہنچ گیا۔ دریا یہاں سے تین میل جنوب کی سمت واقع تھا۔ آس پاس کے راستے اور پہاڑ اس کے دیکھے گئے تھے۔ کیونکہ وہ ارسوف سے بھاگے ہوئے ملیسوں کے تعاقب میں دو تین روز گھومتا رہا تھا مگر یہود کا پر اسرار قلعہ یہاں سے کس جانب اور کتنی دور تھا؟ اس کے متعلق وہ کچھ نہ جانتا تھا۔ یہ محض ایک قیاس ہی تھا کہ قلعہ دراز سے زیادہ دور نہ ہوگا۔

وہ اپنا گھوڑا اسی دراز کے اندر لیتا چلا گیا جو مشرقی سمت ایک تنگ سی وادی میں جا نکلتی تھی۔ وادی میں سانپ کی طرح پیچ و خم کھاتا ہوا ایک چھوٹا سا ڈھلوان چشمہ جس کا پاٹ چھ فٹ سے زیادہ نہ تھا۔ ہلکے ہلکے ترنم کے ساتھ بہتا، مغرب کی طرف اترتا تھا۔ چشمہ میں بہت تھوڑا پانی تھا، لیکن بے حد صاف و شفاف، وہ ان قدر ترقی سوتوں کا پانی تھا، جو ان پہاڑوں سے پھوٹتے تھے۔ ف شفاف ہونے کے علاوہ پانی ٹھنڈا اور شیریں تھا۔ ابن ہشام نے سواروں کو ہٹاری کی وادی میں پڑاؤ ڈالنے کا حکم دیا، لیکن یہ ہدایت بھی کردی کہ کوئی وادی سے باہر نکلے نہ کسی چٹان پر چڑھے۔ اندازے کے مطابق اگر وہ اس قلعہ یہود سے زیادہ دور نہ تھا، تو عین ممکن تھا کوئی پیریدار یہودی کہیں یہاں ہی چھپا بیٹھا ہو، کیونکہ اس کی اطلاع کے مطابق یہودی قلعہ کی طرف سے والے راستوں کے اہم ٹاکوں پر ادھر ادھر چھپے رہتے تھے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اپنا کدوا سے پہلے ہی وہ کسی یہودی مخبر کی نظروں میں آجائے، العوجا کے غار اور آبی راستے کی طرف روانہ ہونے والی ٹکڑیوں کو بھی یہی ہدایت کی تھی کہ وہ غروب آفتاب کے بعد کارروائی کریں۔

سہ پہر کو جب کرد سوار عصر کی نماز میں مصروف تھے، دراز کا سناٹا گھوڑوں

کی ٹاپوں سے بچ اٹھا اور طلایہ گرد سوار اپنے لمبے نیزے لہراتے سرنگ کی طرف بڑھ گیا۔ انہوں نے ایک افرنگی سوار کو جس کے سر پر آہنی خود اور بدن پر بکتر تھا، اونچی چٹانوں کے درمیان پہاڑی گلی میں آتے دیکھا۔ اس کے ہاتھوں سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ کوئی افرنگی نائٹ ہے، جو غالباً راستہ بھول کر اہل آ نکلا ہے۔ اس کے خود کی پیشانی پر چاندی کی صلیب چمک رہی تھی۔ سواروں نے فوراً ہی اسے اپنے گھیرے میں لے لیا اور پوچھا۔ ”وہ کون ہے؟“ ادرکھیا لینے آیا ہے؟“ افرنگی نائٹ نے جس کے چہرے کو خود کی فولادی جالی نے ڈھانپ رکھا تو کسی گھبراہٹ اور سراسیمگی کا اظہار نہیں کیا، بلکہ بڑے اطمینان سے دریافت کیا۔

”دوستو! کیا تم ابن ہشام کے کرد رسالہ کے سوار ہو؟“

”ہاں..... لیکن تمہیں امیر سے کیا کام ہے؟“

”مجھے اپنے امیر کے پاس لے چلو۔ میں قلعہ کے متعلق ایک ضروری اطلاع

لے کر آیا ہوں۔“

کرد سوار حیران و ششدر ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ پھر ان کے افرنگی کو چلنے کا اشارہ کیا اور اسے بدستور گھیرے میں لیے وادی کی طرف بڑھے۔

”میں چاہتی تھی، جب تم قلعہ کو فتح کر لو تو تمہارے ساتھ فاتحانہ حیثیت میں قلعہ کے اندر جاؤں اور جس یہودی شیطان نے میرے قتل کا ارادہ کر رکھا ہے اسے اپنے سامنے زنجیروں میں جکڑا ہوا دیکھوں۔“

”بھڑا میں یوشع کے ساتھ وہی سلوک کروں گا، جس کا وہ سزاوار ہے۔“ ابن ہشام نے زنجیر میں گھسیٹا ہوا آقا امیر کی خدمت میں لے جاؤں گا۔“

شام سے تھوڑی دیر پہلے کرد جاسوس بھی لوٹ آئے، جنہیں قلعہ کے غلق ضروری معلومات حاصل کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا۔ وہ ایک یہودی سپاہی اور گزار کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے، جو قلعہ سے قریباً نصف میل دور ایک درمیں چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔ اس کا نام لورشا تھا۔ اس سے بڑی حیرت انگیز معلومات حاصل ہوئیں۔ قلعہ پر یوشع کا مکمل قبضہ ہو چکا تھا اور یعقوب آس نمون ربی کی جگہ سنبھال کر ”بزرگ یہود“ بن بیٹھا تھا۔ اس نے یوشع کی ہدایت کا اعلان کیا اور ربیعہ اس سے منسوب کی تھی۔ چنانچہ یوشع کی تخت نشینی اور شادی کی رسم ادا کرنے کے لیے اکتوبر کی تاریخ مقرر کی گئی تھی یہ تاریخ سن تقویم کا دسواں مہینہ تھا۔ قلعہ میں تخت نشینی اور شادی کی دھوم عام سے تیاریاں ہو رہی تھیں، اور آج رات طلوع مہتاب کے وقت یہ رسوم ادا ہونے والی تھیں، کیونکہ یہ اکتوبر کی آخری تاریخ تھی۔ اہل قلعہ کے لیے یہ شرف بڑا سنسنی خیز ثابت ہوا تھا کہ ربیعہ جو کئی سال سے شمعون ربی کی خدمت کر رہی تھی۔ دراصل یعقوب آس کی بیٹی ہے۔ قریباً سبھی لوگ اس سے

نے، جو اس کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا اور کرد نوجوان کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ یہ درہ یقیناً ان کی منزل مسود تک جاتا ہوگا۔

آٹھ سواروں کی ٹکڑی کم از کم ایک فرلانگ آگے تھی۔ چند ایچ پیج کے بعد درہ اچانک ختم ہو گیا اور آگے راستے کا کوئی پتہ نہ تھا۔ چاروں طرف گھٹا اندھیرا پھیلا تھا اور اونچے اونچے میب پہاڑ راستہ روکے کھڑے تھے۔ مشعل اس لیے روشن نہ کی گئی تھی کہ کہیں یہود کے گشتی محافظ جو غاروں اور اہم ناکوں پر بیٹے راستوں کی نگرانی کیا کرتے تھے، خطرہ سے آگاہ نہ ہو جائیں۔ گھوڑوں کو روک لیا گیا۔ آگے راستہ بالکل مسدود تھا، مگر ابن ہشام نے لورشا کے چہرے پر گھبراہٹ کے آثار دیکھ کر جو اندازہ لگایا۔ وہ اب یقین میں تبدیل ہو چکا تھا کیوں کہ جب اس نے چند سواروں کو گھوڑوں سے اتر کر گھاٹیوں کے درمیان راستہ تلاش کرنے کا حکم دیا تو یہودی پہلے سے زیادہ پریشان نظر آنے لگا۔ شاید اس نے اپنے حلق سے آواز نکالنے کی کوشش کی تھی۔ ٹھیک اسی لمحے ابن ہشام کی تلوار ہانے کی طرح اس کے چہرے پر پڑی۔ اس اچانک اور قطعی خلاف توقع ضرب سے یہودی تیوراً کرینچہ گرا اور ساتھ ہی ابن ہشام نے گھوڑے سے چھلانگ لگا لی۔ پھر لورشا اس کی گرفت میں تڑپ رہا تھا۔ دوسرے ہی لمحے ابن ہشام نے بے بس کر کے اس کے منہ میں کپڑا ٹھونس دیا۔

اپنے سردار کو چھلانگ لگاتے دیکھ کر کئی سوار گھوڑوں سے کود پڑے تھے۔ ابن ہشام نے کہا۔ ”یقیناً یہاں قریب ہی کوئی راستہ موجود ہے اور اس کے گران زیادہ دور نہ ہوں گے، کیونکہ ابھی ایک لمحہ قبل لورشا نے چلا کر انہیں خطرے سے آگاہ کرنے کی کوشش کی تھی۔

گریٹا بھی گھوڑے سے اتر آئی، وہ بدستور افرنگی نائٹ کے روپ میں تھی۔ جب سواروں نے یہودی کی مشکلیں کس دیں تو ابن ہشام کے ساتھ وہ بھی ایک گھاٹی پر چڑھنے لگی کہ اچانک پانی کی ایک مانوس اور مترنم آواز سن کر چونک اٹھی، جو پہاڑوں میں نغمہ سردی کی مانند بلند ہو رہی تھی۔ اس نے رک کر ادھر ادھر دیکھا، لیکن اندھیرے میں نگاہیں سیاہ پتھروں اور کالی چٹانوں سے ٹکرا کر رہ گئیں۔ البتہ کسی آبشار کے گرنے کی مدھم سی نغمہ ریز آواز اس کے حافظے پر ابھر کر خواب کی طرح رقص کرنے لگیں۔

”یہ آواز تم سن رہے ہو؟“

مانوس تھے اور انہوں نے یوشع کی بادشاہت بھی اس لیے قبول کر لی تھی کہ آس اس کی ملکہ بننے والی تھی۔ لورشا کے بقول یوشع نے دو ہزار مسلح آدمیوں کے ساتھ قلعہ پر حملہ کیا تھا اور قبضہ کے بعد یہودیہ، گلیل اور سامریہ صوبوں سے کم و بیش چار ہزار یہودی مرد و زن جمع کر لیے تھے۔ گویا اس قلعہ میں آٹھ نو ہزار کے درمیان یہودی موجود تھے، جن کی اکثریت لڑنے والے مسلح آدمیوں پر مشتمل تھی۔ یوشع نے انہیں حصول یروشلم کے لیے تیار کیا تھا جب اس سے کہا گیا، وہ قلعہ تک ان کی رہنمائی کرے، جس کے عوض اس جان بخشی کر دی جائے گی، تو اس نے صاف انکار کر دیا۔ اول تو وہ زخمی تھا کیونکہ گرفتاری کے وقت مقابلہ کرتے ہوئے اس کی پہلی میں کاری زخم آیا دوسرے وہ اپنی قوم کے خلاف غداری پر آمادہ نہ تھا، اگر ٹھیک بھی ہوتا رہنمائی نہ کرتا، بہر حال اس سے ملنے والی یہ اطلاع بہت اہم تھی، کہ آج رات چاند طلوع ہونے پر تخت نشینی اور شادی کی رسوم ادا ہونے والی ہیں۔

گریٹا کے استفسار پر اس نے بتایا، شمعون ربی اپنے حجرے میں اعتکاف بیٹھا تھا۔ پھر وہ اچانک غائب ہو گیا اور ایک روز خبر آئی وہ تل ابیب کی بہتی ہے اور تل ابیب کے یہودی اس کے ساتھ ہیں، لیکن ہاتاری کی پر اسرار مہر کے بعد جس کی لاش دریا کے کنارے پڑی ملی تھی، بوڑھا ربی تیار پڑ گیا۔ بوڑھے تل ابیب کے یہودیوں کو بھی اپنی اطاعت کا پیغام بھیجا اور شادی میں شریک ہونے کی دعوت دی تھی، جس کا ابھی تک جواب نہیں آیا، اگر تل ابیب سرداروں میں سے کوئی بھی آج رات دعوت میں شریک نہ ہوا تو تخت نشینی بعد یوشع صلیبی خطرہ کے باوجود ان پر چڑھائی کر دے گا۔ اس نے بنی اسرائیل مقدس پر چم تیار کیا ہے، جسے آج کی رات قلعہ پر لہرایا جائے گا۔ وہ کتاب ارض مقدس کے تمام یہودیوں کو اس پر چم تلے جمع ہو جانا چاہیے۔

کرد جاسوس ایک ایسا راستہ بھی دریافت کر آئے تھے، جو قلعہ کی غور پہاڑیوں تک جاتا تھا۔ لیکن ایک تو اس سمت اندر داخل ہونے کا کوئی ذریعہ نہ تھا، دوسرے اس راستے گھوڑوں پر سفر ناممکن تھا۔

غروب آفتاب کے بعد ابن ہشام نے رکاب میں پاؤں رکھا اور اللہ کا نام لے کر گھوڑا اس خطرناک دراڑ میں ڈال دیا جو آگے جا کر ایک تنگ سے درہ کی شکل اختیار کر گئی تھی۔ لورشا کے چہرے پر گھبراہٹ اور پریشانی کے آثار

اور پیریدار کا سایہ بھی نظر نہیں آتا۔ اندھیرے میں پہاڑوں کا بھیاںک سناٹا صرف آہار کی مترنم آواز سے زخمی ہو رہا تھا۔ مشعل آگنی اور اس کے ساتھ پندرہ بیس سپاہی بھی اوپر آگئے۔ ابن ہشام نے انہیں ہدایت دے کر آگے بڑھایا اور گریٹا تاریکی میں دراڑ کی طرف رہنمائی کرنے لگی۔

چاند طلوع ہونے میں تھوڑی دیر باقی تھی۔ رات کا نصف پھر گزر چکا تھا۔ پندرہ لکھوں میں گریٹا ان بلند و میب عمودی چٹانوں کے قریب پہنچ گئی، جن کے اندر خوفناک دراڑ ایک عظیم گلی کی طرح پھیلی تھی۔ وہاں پر پہنچ کر مشعل روشن کر لی گئی اور روشنی کی شعائیں اندھیری گلی میں طلسمی تیروں کی مانند اڑتی چلی گئیں۔ آہار کی مترنم آواز بتدریج بلند ہوتی گئی، اس آواز میں اب قدموں کی چاپ بھی شامل تھی۔

قریباً ایک ہزار فٹ اونچی چٹانوں کے درمیان تنگ سی دراڑ جو بمشکل سات آٹھ فٹ چوڑی ہوگی۔ شہر جنات کی میب گلی معلوم ہو رہی تھی۔ جس کے دو رویہ بلند عمودی چٹانیں رفع و عظیم فصیلوں کی مانند کھڑی تھیں۔ اس خوفناک جاتی گلی میں پانی کی چکندار لکیر شمالی دیوار کے ساتھ ساتھ بہہ رہی تھی۔ مشعل بردار ساتھی چند قدم آگے تھے۔ اس کے پیچھے گریٹا اپنے نوجوان محبوب کا ہاتھ تھامے چل رہی تھی اور عقب میں پندرہ کرد بہادر خمدار تلواریں تولے چلے آتے تھے۔ پتھری زمین پر ان کے قدموں کی بے ترتیب آہٹیں بلند و میب دیواروں سے ٹکرا کر صدائے بازگشت پیدا کر رہی تھیں اور بازگشت کی یہ مدائیں اس جاتی گلی میں کسی جادوگر کے سحر کی طرح گونج رہی تھیں، اچانک مشعل بردار رک گیا، اس کے ساتھ ہی مشعل کی زرد روشنی میں سب کی نگاہیں اس طویل کند پر مرکوز ہو کر رہ گئیں جو جنوبی دیوار کے ساتھ سانپ کی مانند جھول رہی تھی۔ گریٹا نے بتایا۔

”یہ وہی کند ہے جس کے ذریعے میں اور ہاتاری نیچے اترے تھے، لیکن یہ اب تک اتاری کیوں نہیں گئی؟“

”ہو سکتا ہے کسی کو اس خفیہ راستے کا علم نہ ہو جو دیوار کے اندر ہی اندر اُپر جاتا اور برج میں جا نکلتا ہے۔“

”شاید ایسا ہی ہو۔“

ابن ہشام نے آگے بڑھ کر کند کو جھٹکا دیا۔ وہ ریشمی ڈوریوں کا گندھا ہوا

”ہاں..... شاید نزدیک ہی کوئی آہار ہے۔“

”میں اس آواز کو پہچانتی ہوں۔ خداوند کی قسم! یہ آواز تو اس آہار کے معلوم ہوتی ہے جو قلعہ کی شمالی دراڑ میں گرتا ہے اور جہاں سے ہاتاری مجھے لے کر فرار ہوا تھا۔“

اس انکشاف پر ابن ہشام چونک اٹھا۔ گریٹا کا ہاتھ تھامے وہ بدستور اس گھاٹی کے پیچ و خم طے کرتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک سرسبز وادی میں کھڑے تھے۔ جو کم و بیش اڑھائی تین ہزار فٹ کی بلندی پر واقع تھی۔ اندھیرے میں گریٹا کی آنکھیں ملی کی مانند چمک رہی تھیں۔ ایک گھمماؤ کاٹنے ہوئے وہ اچھل کر رہ گئی اور کرد امیر کا ہاتھ کھینچ کر بولی۔

”یہ وہی جگہ ہے جہاں ہاتاری نے یوشع کے دو پیریداروں کو ہلاک کیا تھا۔ اس وقت ہم قلعہ کی شمالی دیوار کے عقب میں کھڑے ہیں۔“

ایک لخت وہ ابن ہشام کو لے کر ایک چٹان کے ساتھ لگ گئی۔ پھر اس کی سرگوشی کبھی کی جھنناہٹ کی طرح ابھری۔ ”یہاں قریب ہی ایک غار ہے جو یودی پیریداروں سے خالی نہ ہوگا۔ ابھی تک کسی نے بھی ہمیں نہیں دیکھا۔“

اسی لمحے چار کرد سپاہی بھی چٹان کے پاس پہنچ گئے۔ ابن ہشام نے انہیں وہیں رک جانے کو کہا۔ پھر بت کیرو نے مدھم آواز میں غار کی نشان دہی کی اور ابن ہشام سپاہیوں کو ساتھ لے کر اندھیرے میں ایک سمت رینگ گیا۔ گریٹا کا دل دھک دھک کر رہا تھا۔ نجانے یہ خوف تھا یا مسرت کا احساس؟ اسی حالت میں اس نے ایک ہلکی سی چیخ کی آواز سنی جو فوراً ہی موت کی خرخراہوں میں تبدیل ہو گئی۔ پھر قدموں کی آہٹ کے درمیان ابن ہشام کی آواز سنائی دی۔

”تمہارا خیال صحیح تھا۔ غار میں دو پیریدار موجود تھے۔ اب وہ دونوں اپنی ابدی منزل پر پہنچ چکے ہیں۔“

گریٹا نے لپک کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔ ابن ہشام نے پوچھا۔ ”کیا تم دراڑ تک جا سکتی ہو جہاں آہار گرتا ہے؟“

”روشنی کے بغیر دراڑ کے اندر جانا خطرے سے خالی نہ ہوگا۔ وہاں سانپ بھی ہو سکتے ہیں۔“

ابن ہشام نے ایک سپاہی کو مشعل لینے کے لیے بھیج دیا، اس دوران اس کے تینوں ساتھی ادھر ادھر گھوم پھر کر لوٹ آئے۔ انہوں نے بتایا۔ یہاں کسی

اندھیری رات میں قلعہ کے اندر جگہ جگہ مشعلیں روشن تھیں۔ رہائشی فارات میں جہاں گریٹا اڑھائی تین ماہ تک نظر بند رہی تھی۔ قدیلوں کی روشنی بنی یہودی کینزوں کی آوازیں گونج رہی تھی۔ عمارت سے پرے مشعلوں کے ہرٹ سے نظر آتے تھے، جن کی روشنیوں کے ہالوں میں متعدد سائے ادھر ادھر حرکت کر رہے تھے اور پہاڑ کے تیز بھرنے کی طرح بے ہنگم سا شور اٹھ رہا تھا۔ اس شور میں شاید کسی نے بھی یہودی پہرے داروں کی آخری چیخ نہ سنی ہوگی۔

پراسرار یوشع

قلعہ یہود کافی وسیع و عریض اور تین محلوں میں بنا ہوا تھا۔ شمال کی طرف رف کینزوں کے رہائشی کمرے تھے، جن کے سامنے ایک وسیع صحن حلقہ امراء - پھیلا ہوا تھا۔ تین ماہ پہلے یہاں شمعون ربی اپنے نائب ہاتاری اور دوسرے دی سرداروں کے ہمراہ رہتا تھا لیکن آج کل قلعہ کی ان شاہانہ کوشکوں پر شیخ اور یعقوب آس کا قبضہ تھا۔

جنوب مشرق کی رہائشی مکانات اور حجروں کی قطاریں تھیں۔ جہاں ان دن سینکڑوں خاندان آباد تھے۔ زیادہ تر آبادی اسی حصہ میں تھی۔ فوجی بارکوں کے ساتھ ساتھ نئے مکانات بھی تعمیر کیے گئے تھے۔ اس آبادی کے بچوں بچ ایک دوسرا بازار تھا، جہاں اشیائے صرف کی دکانیں کھل گئی تھیں اور مردوں، بچوں اور بچوں کے ہجوم چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔

حلقہ امراء میں بھی آبادی بڑھ گئی تھی اور فوجی بارکوں میں بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ آٹھ نو ہزار آبادی پر مشتمل قلعہ داؤد دراصل ایک ”یہودی شہر“ کی اعتبار کر چکا تھا۔

حلقہ امراء کے مغربی گوشے میں شاندار صومعہ تھا۔ جہاں عبادت کے علاوہ رسوم ادا ہوتی تھیں۔ صومعہ اور شاہی کوشکوں کے درمیان سنگ موسیٰ ستونوں والا ہال قدیلوں اور فانوسوں کی روشنیوں سے بھرا نور بن رہا تھا۔ یاد رہے یہود تھا اور تخت نشینی کی تقریب یہیں ادا کی جانے والی تھی، مگر اس

ایک مضبوط رسہ تھا، جس کا حلقہ اڑھائی تین سو فٹ اوپر کہیں پرو دیا گیا تھا، نوجوان امیر نے سپاہیوں کی طرف گھوم کر دیکھا۔ ”اسے تائید غیبی سمجھنا چاہیے۔ ہم اسی کند کے ذریعے قلعہ میں جائیں گے۔“ یہ کہہ کر ابن ہشام کند کے ساتھ جھولتا اور پتھریلی دیوار پر پاؤں ٹکاتا اوپر چڑھنے لگا۔ اگرچہ سپاہیوں نے سردار کو تنہا اوپر جانے سے روکا اور پہلے خود جانا چاہا لیکن وہ ابن ہشام تھا۔ بڑی پھرتی سے قلابچیں بھرتا ہوا کہیں سے کہیں جا پہنچا۔ کند کے ذریعے اڑھائی تین سو فٹ کی بلندی تک اوپر جانا مشکل صبر آزما اور خطرناک کام تھا، مگر سردار ان کی آن میں اوپر جا پہنچا اس کے بعد دو آدمی یکے بعد دیگرے اوپر پہنچ گئے۔ اب انہوں نے مل کر گریٹا کو اوپر کھینچ لیا۔ ابن ہشام نے یہ عذر پیش کیا تھا کہ افزگہ نائٹ کا ایک بازو کمزور ہے اور وہ کند کے ذریعے اوپر نہیں چڑھ سکتا۔ کند کے حلقہ میں بیٹھ کر گریٹا بھی اوپر جا پہنچی۔

سردار نے حکم دیا تھا۔ ساتھ ستر سپاہیوں کے علاوہ جو گھاٹی کے نیچے گھوڑوں کی مگرانی و حفاظت کریں گے، تمام ہمدار اسی کند کے ذریعے قلعہ میں داخل ہوں گے۔ یہ عمل دیر تک جاری رہا اور ایک ایک کر کے سپاہی اوپر پہنچ رہے۔

ابن ہشام گریٹا کو لے کر پتھر کے اس زینہ میں ریگ گیا، جو مسیب دیوار کے سینہ چیرتا ہوا قلعہ کے شمالی برج میں جا نکلتا تھا۔ اس کے عقب میں کردنگی تلواریں لیے آگے پیچھے رواں تھے۔ زینہ کے دہانے کا پتھر دو آدمیوں نے پوری طاقت سے اچھال دیا اور بیک وقت دو نیزے چوکور خلا میں بلند ہوئے۔ برج میں یہودی پیریداروں کے خطرے کے پیش یہ کارروائی بڑی عجلت میں کی گئی تھی، تاکہ انہیں سنسنیلے کا موقع ہی نہ دیا جائے، لیکن برج خالی تھا اور اندر ایک مشعل میں چربی جل رہی تھی۔

ابن ہشام لپک کر اوپر آیا۔ دو یہودی پیریدار نیزے اٹھائے برج سے باہر بے فکری کے عالم میں کھڑے باتیں کر رہے تھے۔ انہوں نے برج کے اندر کھٹکنا سن کر اپنی گردنیں موڑیں اور دروازہ کے اندر جھانکا، اسی لمحے کردوں کے بھالے ان کے جسموں میں پروئے گئے۔ دونوں پیریدار دروازے ہی پر ڈھیر ہو گئے۔ انہیں یہ بھی سوچنے کا موقع نہ مل سکا کہ برج کے اندر اتنے آدمی کہاں سے آ گئے۔

زاتری میں شیخ تک چلے آتے۔

”حملہ..... حملہ.....“

لوگوں نے حیرت و تعجب کے ساتھ بدحواس کینروں اور غلاموں کی آوازیں

”اچانک ایک یودی سردار کھڑا ہوا اور غضب ناک لہجے میں بولا۔

”کیا کہتے ہو..... کس نے حملہ کیا ہے تم پر؟“

لیکن بدحواس غلام بس ایک ہی لفظ دہرائے جاتے تھے۔ ”حملہ.....“

ابھی لوگوں کی حیرت کم نہ ہوئی تھی کہ شمالی عمارتوں کے سپردار بھی ہانپتے

آہٹے آہٹے ان میں چند زخمی تھے اور ان کے لباس سرخ سرخ لہو سے رنگین

ہو چکے تھے۔ انہوں نے بھی یہی اطلاع دی۔ ”حملہ آور قلعہ میں گھس آئے

کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ شمالی فصیل کی طرف سے بھی حملہ ہو

رہا۔ سپرداروں کے خون آلود کپڑوں نے خوف و ہراس پیدا کر دیا۔ اسی

نہیں ناگہ قرنا کی خوفناک آواز پہاڑ کے سناٹوں کا دل دہلاتی بلند ہوئی اور اس

ساتھ بیک وقت کئی آتشیں تیر آسمان کی طرف سرکیے گئے۔ یہ کوئی اشارہ

یوش گھبرا کر اٹھا۔ اس کی نگاہیں شمالی فصیل کی طرف دوڑ گئیں، جو مشرقی

بارجے سے کم و بیش نصف میل کے فاصلہ پر تھی، لیکن جگہ جگہ مشطوں کی

آتش کے باوجود اسے حملہ آور نظر نہ آ سکے، قرنا کی آواز اور آتشیں تیر کسی

بیک خطرے کا اعلان تھا۔ کیا شمعون ربی تل ایب کے یودیوں کو لے کر حملہ

کر رہا ہے؟ یوش نے خیالی گھوڑے دوڑائے پھر گردار آواز میں اپنے فوجی

داروں اور افسروں کو ہدایت دینے لگا۔ اس نے حکم دیا۔ اگر یہ حملہ شمعون

کا ہے تو اسے زندہ گرفتار کر لیا جائے۔ لیکن دوسرے ہی لمحے قلعہ کی مغربی

بل سے بھی قرنا کی آواز گونج اٹھی اور چند آتشیں تیر آسمان کی طرف اڑنے

لگے۔ یہی عمل جنوبی فصیل پر بھی دہرایا گیا۔ جہاں سے ایک خفیہ درہ

بائے العوجا کے غار میں جا نکلتا تھا۔

یوش نے خطرے کی سنگینی کو بھانپ لیا۔ حملہ آوروں نے قلعہ کو تین

دھڑک سے گھیر لیا تھا۔ مشرقی سمت فرار کے لیے کھلی تھی، لیکن فرار ناممکن تھا۔

سے قبل مشرقی فصیل کے بارجے میں نئے پیشوائے یود یعقوب آس کو چاند کی

اولین کرنوں میں یوش اور ریحہ آس کے عقد کا اعلان کرتا تھا۔ اس لیے

عورتوں مردوں اور بچوں کے ہجوم مشرقی بارجے کے نیچے جمع تھے۔ یہاں بھی

مشطوں کا ہنگامہ سا لگ رہا تھا اور لوگ بڑی بے تابی کے ساتھ طلوع متاب کے

منظر تھے۔

بارجے کو دلسن کی طرح سجایا گیا تھا۔ اس کی قوس نما محرابوں پر ریٹم کے

باریک اور مہین پر دے آویزاں تھے، جن کے عقب میں ریحہ آس شادی کا

جوڑا پہنے کینروں اور امیر زادیوں کے درمیان گھری بیٹھی تھی۔ دوسری طرف

بزرگ پیشوا مقدس ربیوں کا لباس زیب تن کیے جلوہ افروز تھا۔ اس کے قریب

یوش لباس فاخرہ میں امیروں، سرداروں اور فوجی افسروں کے درمیان بیٹھا تھا۔

چار بڑے بڑے قوی پہل اور گرائڈیل بکتر بند محافظ شمشیر بکف اس کی حفاظت

کا فرض ادا کر رہے تھے۔ فضا میں مشرق کی قدیم موسیقی کی لہریں تیر رہی تھیں

اور ایک فتنہ ہوش یودی رقاصہ پاؤں میں مجھے پہنے بارجے کے عین نیچے

رقص و نغمہ کے جادو جگا رہی تھی اور اس وسیع ہجوم کے ارد گرد پھیلے ہوئے

نیزہ بردار سپاہی بھی رقص کے جادو سے مدہوش ہو رہے تھے۔ رقاصہ کی آواز

سحر انگیز موسیقی اور دل شکار رقص نے ایسا طلسم باندھ دیا کہ کسی کو اپنا ہوش نہ

تھا۔

بارجے کی دیوار پر چند ربی مشرقی افق پر نظریں جمائے بیٹھے تھے، تاکہ

جو نہی چاند افق کے پردہ سے اپنی پہلی کرنیں نکھاور کرے، وہ بزرگ پیشوا کو

اطلاع دے سکیں۔ دور افق کے حاشے پر ملکبی روشنی پھیل رہی تھی جو اس امر

کی علامت تھی کہ چند ہی ساعتوں میں چاند اپنے جگہ فلکی سے نکلنے والا ہے۔

اچانک رقص ختم گیا۔ مجبوروں کی سحر انگیز آواز اور موسیقی کی طلسم آفرین

لے ٹوٹ گئی اور رقاصہ ہونے والے بادشاہ کے سامنے سرسجود ہو گئی۔ اسی

لمحے بارجے کی دیوار سے ربیوں کی آواز بلند ہوئی۔ چاند کی زرد کرنیں مشرقی افق

پر تھر تھرا رہی تھیں۔ یعقوب اپنا عصائے دینی لہراتا کھڑا ہو گیا۔ مجمع پر اضطراب

انگیز خاموشی طاری تھی۔ یک لخت شمالی فصیل کی طرف شور بلند ہوا اور چند

کینریں اور غلام بے تحاشہ بھاگتے اور چیختے چلاتے بارجے کی طرف لپکے، اگر

محافظ سپاہیوں نے ان کی راہ میں اپنے نیزے حائل نہ کر دیے ہوتے تو شاید

چونکا دیا۔
 ”ابھی ایک راستہ باقی ہے۔ ہم بحفاظت قلعہ سے باہر نکل جائیں گے۔“
 ”ساتھ آؤ۔“

ان الفاظ کے ساتھ ہی اس نے ربیعہ کو قریباً کھینچ لیا اور لمبوترے زینے پر
 قابیل سے ڈھانپ دیا گیا تھا لڑکھڑا کے رہ گئی۔ اسی لمحے شمالی فصیل کی طرف
 ”اکبر“ کا نعرہ بلند ہوا اور ربیعہ کے ساتھ یعقوب آس کے قدم بھی زینے پر
 اُتر کے رہ گئے۔ ”اللہ اکبر“ کے الفاظ نے ان پر جیسے سحر کر دیا تھا۔ فوراً ہی
 مذکورہ مغربی اور جنوبی اطراف سے بھی یہی نعرے بلند ہوئے اور پیشوائے یہود
 کی محرزہ انسان کی طرح بولا۔

”یہ تو مسلمانوں کا حملہ ہے۔ اب مقابلہ بے سود ہے۔“
 ”مسلمان..... لیکن وہ کہاں سے آگئے؟“

اسی اثناء میں وہ یہودی سپاہی جو یوشع کے ہمراہ شمالی فصیل کی سمت لپکے
 پہا ہو کر بھاگنے لگے۔ عرب انہیں پوری شدت سے پیچھے دھکیل کر بڑھے
 تھے اور مشعلوں کی لرزیدہ روشنی میں جو اندھیرے سے کھل مل کر ایک
 بے منظر پیدا کر رہی تھی۔ بھاگتے ہوئے یہودیوں کے گھٹتے اور بڑھتے ہوئے
 پاؤں پر خوفزدہ بھوتوں کا گمان ہو رہا تھا۔ انہی سپاہیوں کے درمیان ربیعہ نے
 بے ہلکم سائے کو دیکھا جو ہندی کی اونچی باڑھ پھلانگ کر صومعہ کی
 طرف فرار ہو رہا تھا۔ وہ تنہا تھا اور اس کی زرنگار لبادہ شاید اس کے اپنے ہی
 ناسے بیگا ہوا تھا، کیونکہ ہندی کی باڑ پھلانگتے ہوئے جب وہ اچانک تھمر تھراتی
 دشمن کی زد میں آیا تو اس کے لباس پر خون کی سرخی صاف دکھائی دی تھی،
 جب آس نے سہمی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا، پھر اس کے ہونٹ
 فرائے۔

”آہ..... یوشع۔“

مگر فوراً ہی بوڑھے ربی کا چہرہ خوف سے پھیلنے لگا۔ عرب سپاہی تلواریں
 اُٹھاتے ہوئے کی سمت چلے آ رہے تھے۔ جنوبی فصیل نے بھی جیسے عربوں کو کسی
 کی مانند اگل دیا ہو۔ اندھیرے میں بے شمار نیزوں کی انیاں چمک رہی
 تھیں۔ جبکہ آس نے خطرے کو محسوس کیا جو ہر لمحہ قریب آ رہا تھا۔ پھر متحیر
 ہو کر ربیعہ کا ہاتھ تھام کر ایک طرف کھینچنے لگا۔

مشرق کی سمت خطرناک اور سو فٹ گہری وادی حائل تھی، جہاں خوفناک کھڑکیاں
 ناہموار ٹیلے اور گہرے ٹڑھے موت کے جڑے کھولے موجود تھے۔ یوشع نے
 پلٹ کر بوڑھے پیشوا یعقوب آس کو کہا کہ وہ پیریداروں کی حفاظت میں ربیعہ کو
 صومعہ میں لے جائے اور خود بھی اس کے پاس ٹھہرے۔ پھر اس نے آراستہ ہونٹوں
 سے چھلانگ لگائی اور نیچے آگیا۔ اس کے پیچھے پیچھے سردار اور فوجی افسر بھی کوڑے
 پڑے۔

آٹھ نو ہزار کا ہجوم بڑی افراتفری اور سرسامی کے عالم میں رہا
 عمارتوں کی طرف بھاگا۔ جس میں بوڑھے، بچے اور عورتیں سبھی شامل تھیں۔ کئی
 لرزہ خیز چیخیں فضا میں تڑپ کر رہ گئیں۔ بعض کسں بچے جو صورت حال سے
 قطعاً بے خبر ادھر ادھر کھیل رہے تھے، خوفزدہ ہجوم کے منتشر ہوتے ہی لوگوں سے
 ٹکرا کر گرے اور پاؤں تلے کچلے گئے۔ بچوں کی اجل گرفتہ چیخیں سن کر ان کے
 ماں باپ لپکے اور بمشکل ان کی لاشیں اٹھا سکے، چاروں طرف ایک قیامت پانچ
 اور موت کے اچانک خوف نے سب کے ہوش و حواس چھین لیے تھے۔

بارجے کے نیچے جہاں ربیعہ آس دلن کا لباس پہنے امیرزادیوں میں گہری
 بیٹھی تھی کئی بکتر بند سپاہی لمبے لمبے اٹھائے جمع ہو چکے تھے۔ ان کا فرض
 تھا، وہ یہود کی ہونے والی ملکہ کو بحفاظت صومعہ تک پہنچا دیں، کیونکہ اس کے
 باپ ربی یعقوب آس کا مذہبی ایوان جسے حال ہی میں تعمیر کیا گیا تھا بالکل عبادت
 گاہ سے ملحق تھا مگر سپاہیوں کے حفاظتی حلقہ میں صومعہ کی طرف جانے کی بجائے
 ربیعہ بارجے کی آراستہ چھت کے نیچے کھڑی حیرت پاش نگاہوں سے شمالی فصیل
 کو تنکے جا رہی تھی، جس کے سائے میں تلواروں کا رقص شروع ہو چکا تھا۔
 بوڑھا ربی اپنی سرخ عبائرتا ہوا اس کے قریب آیا اور خوفزدہ آواز میں بولا۔

”ربیعہ.....! جلد چلو۔ تم یہاں کیا دیکھ رہی ہو؟“

لیکن وہ بدستور گم صم کھڑی رہی۔ یعقوب آس نے آگے بڑھ کر اس کی
 کلائی تھام لی۔

”شاید تمہیں خطرے کا احساس نہیں۔ قلعہ کو چاروں طرف سے گھیر لیا گیا
 ہے۔“

”پھر ہم کہاں جاسکتے ہیں؟“

ربیعہ کے الفاظ یاس و ناامیدی میں لپٹے ہوئے تھے، لیکن بوڑھے ربی نے

بدی امیر، ربی، قیسہ اور فوجی افسر جنہوں نے حفظ جان کے وعدہ پر ہتھیار ڈالے تھے۔ چھپتے نیزوں اور خارا شکاف تلواروں کے حلقہ میں بے دست و پا تھے۔ بوڑھا ربی یعقوب آس اپنی نوجوان بیٹی کے ہمراہ سب سے اگلی میں موجود تھا اور اس ہجوم میں ربیہ اس کی ہوشیار نگاہیں بار بار افرنگی کے چرے کا طواف کر رہی ہیں جو عرب سردار کے پہلو بہ پہلو اسٹیج پر تھکا ہوا تھا۔

عربوں نے قلعہ کے خفیہ راستوں سے نکل کر یہود کو اس طرح زرنے میں لیا تھا کہ انہوں نے بدحواس ہو کر ہتھیار پھینک دیئے۔ صرف یوشع شمالی کے پاس تھوڑی دیر تک مقابلہ کرتا رہا۔ پھر جان بچا کر بھاگ نکلا اور کے باوجود ہاتھ نہ آیا تھا۔ صرف وہی ایک فرار ہونے میں کامیاب ہوا۔ نئی اطراف سے اچانک یلغار کا منصوبہ اتنا مکمل اور حیرت انگیز تھا کہ کسی بے کی مہلت ہی نہ مل سکی۔ پھر وہ بھاگ کر جاتے بھی کہاں۔ پہاڑوں کے اندر بحری کھاڑی سے مل جانے والی آبی سرنگ، دریائے العوجا کی طرف اے خفیہ درے اور شمالی فصیل کی خوفناک دراڑ پر عرب سپاہیوں کا قبضہ چکا تھا اور انہوں نے فرار کے تمام راستے مسدود کر دیے تھے۔ مگر لومڑی کی طرح یوشع جو اپنے شانے پر تلوار کا زخم کھا کر صومعہ کی ست بھاگا تھا۔ ایک ایک کہاں غائب ہو گیا۔ اس کی تلاش میں عرب سپاہیوں نے قلعہ کا چپہ بان مارا۔ رہائشی مکانات کی تلاشی بھی لی مگر یوشع نہ مل سکا۔ ظاہر کسی معروف راستہ سے باہر نہ جاسکتا تھا۔ تو کیا اس قلعہ میں کوئی ایسا خفیہ راستہ ہے جو ابھی تک ان کی نگاہوں سے اوچھل تھا؟

ابن ہشام نے یہود کے ربیوں، سرداروں اور افسروں کو دربار میں جمع کر لیا۔ پھر اس کی نگاہیں یعقوب آس پر مرکوز ہو گئیں۔ اس نے یوشع کہاں ہے؟

بوڑھے ربی نے لاعلمی ظاہر کی۔ اس نے بتایا جب حملہ ہوا وہ سب لوگوں کو مشرقی فصیل کے بارے میں تھا۔ یہود کا ہونے والا بادشاہ شمشیر بکھت تلواروں کی سمت جاتا ہوا ضرور دیکھا گیا۔ لیکن زخمی ہونے کے بعد وہ کہاں ہو گیا؟ اس بارے میں کوئی بھی نہیں جانتا۔ یعقوب آس کی خاموشی کے بان پر ایک بوجھل سناٹا طاری ہو گیا۔ پھر لوگوں نے افرنگی نائٹ کو عرب

”جلدی کرو میری بیٹی! ابھی ہمارے فرار کا راستہ کھلا ہے۔ لیکن چند لمحوں کے بعد بند ہو جائے گا۔ اس وقت ہمیں صومعہ میں ہونا چاہیے تھا۔ یوشع اسی طرف بھاگا ہے۔“

انہوں نے اپنے آس پاس نظر دوڑائی تو یہ دیکھ کر دنگ رہ گئے کہ بارے کے نیچے وہ دونوں تنہا رہ گئے تھے۔ یہودی لڑکیاں، ربی، قیسہ سردار اور امیر سب غائب ہو چکے تھے۔ حتیٰ کہ وہ بکتر بند سپاہی بھی جو ہونے والی ملکہ یہودی حفاظت پر مقرر تھے کہیں دکھائی نہ دے رہے تھے۔ باپ بیٹی نے چند بے ترتیب سایوں کو قلعہ کے صدر دروازے کی طرف بھاگتے ہوئے دیکھا اور اندھیرے میں بوڑھے ربی کی غضبناک آواز تھر تھرا کے رہ گئی۔

”لعت ہو..... یہود پر رب الافواج کی لعنت ہو۔ وہ اپنی ملکہ کو بے یار و مددگار چھوڑ گئے۔“

”بابا.....“ ربیہ نے خشمگین نگاہوں سے باپ کی طرف دیکھا۔ ”تو نہیں جانتی..... تو نہیں جانتی۔ مصیبت کے وقت یہ بے وفا قوم پیش اپنے محسنوں کا ساتھ چھوڑ دیتی ہے۔ یہ انہی لوگوں کی بزدل اولاد ہے۔ جنہوں نے موسیٰ سے کہہ دیا تھا۔ ”جا تو اور تیرا خدا دشمنوں سے لڑتے پھرو۔“ اور آج وہ ہمیں چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں۔ الوہیم کی قسم! یہ لوگ قیامت تک بھگتے رہیں گے۔“

یہ کہہ کر یعقوب آس نے بیٹی کا ہاتھ پکڑا اور ایک طرف دوڑنے لگا۔ پھر فوراً ہی انہیں رک جانا پڑا۔ نجانے کہاں سے نکل کر چند سائے ان کے ارد گرد اچانک نمودار ہو گئے تھے۔ ٹھیک اسی لمحے زرد زرد چاند مشرقی پہاڑوں سے ابھر کر حصار یہود پر کرنیں برسائے لگا۔ اس کی روشنی میں بوڑھے ربی نے ڈھیلے ڈھالے لبادوں والے مسلح عربوں کو دیکھا جو چاروں طرف نیزے ٹانے کھڑے تھے۔ پھر اس کے ہونٹوں پر ایک خوفناک چخ تھر تھرا کے رہ گئی۔



چند لمحوں کے بعد عرب سردار اس رفیع و عظیم دربار کے آراستہ و بجا اسٹیج پر کھڑا تھا۔ جہاں یہود کے نئے بادشاہ کی رسم تاجپوشی ادا ہونے والی تھی۔

”بیٹی.....! اب کچھ چھپانے سے فائدہ ہی کیا ہے۔ رب الافواج نے ہمارا چھوڑ دیا ہے۔“

”کچھ بھی ہو۔“ ربیعہ آس کی آواز پورے ایوان میں گونج گئی۔ ”میں

بنی ملکہ یہود کی حیثیت سے حکم دیتی ہوں تمہاری زبان بند رہے گی۔“

بوڑھے نے یاس انگیز نظروں سے بیٹی کی طرف دیکھا۔ قدیلوں کی زرد

نئی میں اس کی آنکھیں کسی ناگن کی مانند چمک رہی تھیں اور اس وقت اس

چہرے پر واقعی ایک ملکہ کا جلال نظر آتا تھا۔ ابن ہشام کے حکم پر فوراً ”نیزہ

ار آگے بڑے اور باپ بیٹی کے درمیان حائل ہو گئے۔ پھر عرب سردار کی

ازبلند ہوئی۔

”لڑکی! تمہیں شاید معلوم نہیں ایک اسلامی ملک کے اندر اپنی حکومت و

ملت کے خواب دیکھنا اور اپنے آپ کو ملکہ یہود کے لقب سے یاد کرنا ایسا جرم

جس کی سزا موت سے کم نہیں۔ کیا تم سلطان عالی کے خلاف بغاوت کرنا

تی ہو۔“

خوف و ہراس سے ربیعہ کی آنکھوں کی پتلیوں کی گردش تھم گئی۔ اسے

نا بار اپنے جرم کا احساس ہوا تھا۔ پھر ابن ہشام یعقوب آس سے مخاطب ہوا۔

”یقیناً“ معاملے کی نوعیت کو سمجھ چکے ہو۔ بتاؤ یوشع کہاں ہے۔ میں جو وعدہ کر

ا ہوں اس پر قائم رہوں گا۔“

”معزز سردار.....! قلعہ کی شمالی فصیل.....“

ابھی بوڑھے ربی کی زبان سے یہی الفاظ ادا ہوئے تھے کہ اچانک ایک تیر

سنا ہوا آیا اور اس کے حلق میں پیوست ہو گیا۔ یہودی پیشوا کی شہ رگ سے

ن کا نورہ سا اٹل پڑا۔ اس کے ہونٹوں سے ایک بھیانک چیخ نکلی جو موت کی

خراہٹوں میں تحلیل ہو گئی اور وہ تیوراکر فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ ربیعہ آس چلائی

لی بوڑھے باپ پر گری جس پر موت کا رعبہ طاری ہو چکا تھا۔ اس کی پتلیاں

طخوف سے پھیل گئی تھیں۔ چند لمحوں میں اس کی گردن ڈھلک گئی اور ربیعہ

آس ”بابا.....“ کہہ کر لاش سے لپٹ گئی۔

اس اثناء میں ابن ہشام نے بجلی ایسی تیزی سے حرکت کی اور پلٹ کر شمالی

بار کے اس غرفہ کو دیکھا جو اس کی پشت پر واقع تھا۔ تیر یقیناً ”بیٹی سے آیا

لہ اس کے اشارہ پر چند آدمی جلدی سے چمت کی طرف بھاگے۔ لیکن اوپر

سردار سے سرگوشی کرتے ہوئے دیکھا۔ ربیعہ آس کی نگاہیں ایوان کے شمالی فرخ

پر دوڑ کر لوٹ آئیں۔ ابن ہشام کی نظریں جیسے بوڑھے ربی کے جسم میں پورے

ہوئی جارہی تھیں۔ اس نے پوچھا۔

”یعقوب ربی.....! تمہیں علم ہوگا تین ماہ پہلے بھی یوشع پر اسرار طور

قلعہ سے غائب ہو گیا تھا۔ یہ تین مہینے اس نے کہاں گزارے تھے۔ تم اس کے

خفیہ ٹھکانے سے یقیناً واقف ہو؟“

یعقوب آس کے چہرے پر اچانک گھبراہٹ کے سائے کانپنے لگے اور قدیلوں

کی روشنی میں اس کی بوڑھی آنکھیں خوف کا اظہار کرنے لگیں۔ وہ جواب

دیتے ہوئے ہچکچا رہا تھا۔ اچانک ابن ہشام کی آواز گونجی۔ ”تم جانتے ہو یوشع

کہاں روپوش ہے۔ اگر تم اس کا پتہ بتا دو تو ہو سکتا ہے تمہیں معاف کر

جائے۔“

بوڑھا گوگو کی کیفیت میں مبتلا تھا۔ اسے اپنی جان بھی عزیز تھی لیکن

یوشع کے خفیہ ٹھکانے کا راز بھی فاش نہ کرنا چاہتا تھا۔ اچانک ربیعہ آس بولی۔

”معزز سردار.....! یوشع تمہارے ہاتھ نہیں آسکتا۔ اس کی گرفتاری

خیال دل سے نکال دو۔“

”تم یقیناً“ یعقوب آس کی بیٹی ربیعہ آس ہو۔“ ابن ہشام نے اس کی

طرف انگلی اٹھا دی۔

”اور تم بھی جانتی ہو وہ اس وقت کہاں ہوگا۔“

”ہاں میں جانتی ہوں لیکن تم میری زبان سے ایک لفظ نہ سن سکو گے۔

بھی تمہیں نہیں بتائیں گے۔“

”خوب شاید تم سوچتی ہو وہ دوبارہ قلعہ پر قبضہ کر سکے گا۔ لیکن ہم

پاتال سے بھی ڈھونڈ لائیں گے۔ امیر عادل اس کے لیے موت کا حکم صادر کر

ہیں اور جو شخص اس کی حمایت کرے گا اس کا انجام بھی اچھا نہ ہوگا۔“

”معزز سردار.....! میں جانتا ہوں یوشع کہاں روپوش ہے۔“ یعقوب

نے کپکپاتی ہوئی آواز میں کہا۔ ”مگر میں ایک شرط پر اس کا پتہ بتا سکتا ہوں۔“

”شرط بیان کرو۔“

”میرے ساتھ میری بیٹی ربیعہ آس پر بھی سردار کی مہربانی ہو۔“

”بابا.....! تم یوشع کا پتہ نہیں بتاؤ گے۔“

انار کر پتھریلی میز پر رکھ دیا تھا۔ اب اس کے بال شانوں پر لٹک رہے تھے اور آنکھوں میں محبت آمیز چمک تھی۔ ربیعہ آس حیرت و تعجب اور غم و مسرت کے ملے جلے احساس کے درمیان لٹک کے رہ گئی۔

”تمہاری صورت دیکھ کر مجھے پہلے ہی شبہ ہوا تھا۔ لیکن تم نے اپنی آواز کچھ اس طرح تبدیل کر لی تھی کہ میں دھوکا کھا گئی۔ تو افرنگیوں کی بجائے تم عربوں کو ہم پر چڑھا لائی ہو.....“

”ان باتوں کو رہنے دو۔“ گریٹا کیرو اپنی اصل آواز میں بولی۔ ”ابھی ابھی تم شمعون ربی کے متعلق کچھ کہہ رہی تھیں۔“

ربیعہ آس تھلا کر کہنے لگی۔ ”شمعون ربی ایک ایسا شیطان تھا جس نے کئی حسین اور جوان لڑکیوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا۔ اگر تم نے اسے اصل روپ میں دیکھ لیا ہوتا تو اس کے مقابلے میں یوشع کو ایک فرشتہ سمجھتیں۔ تم یوشع کو اس لیے پسند نہیں کرتیں کہ اس نے تمہاری جان لینے کی کوشش کی تھی۔ مگر تم حقیقت سے بے خبر ہو۔ شمعون ربی نے اس قلعہ کو اپنی عیاشی کا مرکز بنا لیا تھا۔ وہ خود کو عقبہ ربی کا بروز سمجھتا تھا۔ جس نے بار کوپے باز کے دنوں میں رومیوں کے خلاف عظیم بغاوت کی رہنمائی کی تھی۔ اس پرانی وحیانشہ رسم کو پھر زندہ کرنا چاہتا تھا۔ جو یسوع کے واقعہ صلیب کے بعد میثو ربی نے جاری کی۔ شاید تم نہیں جانتیں عیسائیوں سے انتقام لینے اور انہیں ذلیل کرنے کے لیے میثو ربی نے صدیوں پہلے یسوع کے حواری یوسف آرمیتیا کی نوجوان اور خوبصورت بیٹی کو اغوا کر لیا اور اسی قلعہ میں اس کے ساتھ شب عسل منائی تھی۔ جب اس کے بطن سے یسوع کا وارث تخت پیدا ہو چکا تو حوری کو درد ناک عذاب میں مبتلا کر کے مارا دیا گیا۔ یہودیوں نے جشن کی رات حوری کی فصد کھول دی۔ اس کے جسم سے خون قطرہ قطرہ ہو کر نچو گیا اور وہ تڑپ تڑپ کر ہلاک ہو گئی۔ شمعون ربی یہی وحیانشہ رسم پھر جاری کرنا چاہتا تھا۔ جس کی خاطر اس نے ہاتاری کو اپنا آلہ کار بنا لیا تھا۔ وہ تمہیں صلیبی کیپوں سے محض اس لیے اغوا کر کے لایا تھا تاکہ تم شمعون کی ہوس کا لقمہ بن سکو اور قلعہ یسوع میں اسی طرح تڑپ تڑپ کر مری جاؤ جس طرح صدیوں پہلے حوری مر گئی تھی مگر یوشع نہ تو اسے عقبہ ربی کا بروز تسلیم کرتا تھا نہ میثو کی انسانیت سوز رسم کو دوبارہ جاری کرنے کے حق میں تھا۔ یہی وجہ تھی شمعون ربی اور ہاتاری اس کے دشمن بن گئے تھے۔ جس

بچے تو وہاں کسی ذی روح کا سایہ بھی نظر نہ آیا۔ قاتل حیرت انگیز طور پر ہو چکا تھا۔ ابن ہشام نے حکم دیا۔

”شمالی فسیل کی دراڑ کو گھیر لو۔“

یہ سنتے ہی ربیعہ آس نے چونک کر دیکھا۔ اس کے ارد گرد کئی نیزے رہے تھے اور ”افرنگی ٹائٹ“ اس کے سر پر کھڑا تھا۔



ربیعہ آس قلعہ یسوع کے اسی قصر میں نظر بند تھی۔ جہاں گریٹا کیرو نے اس کی نگرانی میں قید رہی تھی۔ وہ بے حد اداس اور غمگین نظر آ رہی تھیں واقعات کی حیرت انگیز رفتار نے اسے غمگین کر دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں کی چمک بوڑھے باپ کی موت کا غم یا اپنی تقدیر کا فوجہ بن کر نمودار ہوئی۔ نے عین وقت پر بے وفائی کی اور اسے ”ملکہ یسوع“ کے اعزاز سے محروم کر اب وہ ایک عام یہودی لڑکی تھی۔ جسے قسمت نے دھوکہ دے کر بے حالات کا اسیر بنا دیا تھا وہ اپنی ناکامیوں اور مجبوریوں کا خاموش ماتم کر رہی تھی اچانک دروازہ کھلا اور افرنگی ٹائٹ کمرے میں داخل ہوا۔ اس نے آتے ہی سنائی۔

”یوشع گرفتار کر لیا گیا۔ وہ دراڑ میں گرنے والی آبشار کے پاس پوشیدہ غار میں چھپا ہوا تھا۔“

ربیعہ کے دل پر بجلی سی گری اور وہ کرب ناک کراہ کے ساتھ مسرہ جھول گئی جیسے امید کا آخری تار بھی ٹوٹ گیا ہو۔ پھر اس نے افرنگی ٹائٹ آواز سنی۔

”تمہیں ایک شیطان سے اتنی ہمدردی ہے جس نے تمہارے باپ کو قتل

دیا؟“

ربیعہ آس پانگوں کی طرح چلائی۔ ”یوشع نہیں، شیطان وہ بوڑھا تھا ہے جس نے.....“ لیکن اچانک الفاظ اس کی حلق میں انک کے رہ گئے۔ جب اس نے گردن موڑ کر دیکھا تو افرنگی ٹائٹ کی بجائے اس کے سامنے حسینہ گریٹا کیرو کھڑی تھی۔ جس نے مردانہ بہروپ ختم کر دیا اور اپنا آئنی

راتے جاغا پہنچ گیا تھا۔ خفیہ راستے کا انکشاف اس وقت ہوا جب یوشع نے قلعہ
قبضہ کر لیا تھا۔ اس وقت شمعون جافا کی بستی تل ابیب میں مقیم ہے اور وہیں
اپنی لغتی رسم ادا کرنے والا ہے۔

ربیعہ آس خاموش ہو گئی۔ کیونکہ اسی لمحے دروازے پر دستک کی آواز
اُتری اور گریشا کیرو جلد جلد اپنی بکھری ہوئی زلفوں کو سمیٹنے لگی۔ اس نے فوراً
ی سر پہ خود پہن لیا جس نے اس کے نصف چہرے کو ڈھانپ لیا۔ اب وہ پھر
افرنکی ٹائٹ کے روپ میں کھڑی تھی۔ جب دروازہ کھلا۔ ابن ہشام کا قاصد دہلیز
کھڑا تھا۔ اس نے افرنکی سردار کو اسی وقت طلب کیا تھا۔ گریشا کیرو ایک لمحہ
نے لیے ربیعہ آس کی طرف مڑی۔

”میں نے پوری داستان سن لی ہے۔ فکر نہ کرو اگر تم اپنے باپ کے قاتل
کو معاف کر دو تو شاید سردار کو بھی اس کی جان بخشی پر اعتراض نہ ہوگا۔“
یہودی حینہ کے چہرے پر امید کی نئی کرن رقص کرنے لگی۔ ”اگر یوشع کی
جان بخش دی جائے تو میں یہ احسان ساری عمر نہ بھولوں گی۔“
ربیعہ آس کو یہودی سردار یوشع کی زندگی کا مژدہ سنا کر گریشا قاصد کے
ساتھ روانہ ہو گئی۔ قلعہ داؤد میں رات کا تیسرا پہر شروع ہو چکا تھا۔

○

رات ہاتاری نے تمہیں افرنکی کیمپ سے اغوا کیا یوشع اس سے کیوں الجھ کر
تھا؟..... صرف اس لیے کہ تم قلعہ داؤد میں نہ پہنچ سکو۔“
گریشا حیرت و استعجاب کے عالم میں سن رہی تھی۔ اچانک اس نے ہاتھ لہرا
دیا۔

”ٹھہرو۔ جس رات ہاتاری نے مجھے اغوا کیا یوشع ایک ہی بات پر تلا ہوا
کہ مجھے سمندر میں پھینک دیا جائے۔“
”ٹھیک ہے۔ لیکن وہ ہاتاری سے جھگڑا مول لینے کا ایک بہانہ تھا ورنہ یوشع
تمہیں کبھی سمندر میں غرق نہ ہونے دیتا۔ اگر اس رات یوشع نے ہاتاری پر قابو
پالیا ہوتا تو تمہیں قلعہ داؤد میں لانے کی بجائے افرنکی کیمپ میں واپس بھیج
دیتا۔“

”چلو یونہی ہوگا۔ اس رات وہ خود موت کے طوفان میں کھو گیا تھا لیکن
جس رات تم فیصل کی دراڑ میں چھپ کر یوشع سے قلعہ پر قبضہ جمالینے اور
ہاتاری کو قتل کرنے کی باتیں کر رہی تھیں۔ اس وقت میں تم سے زیادہ دور
تھی۔ میں نے اپنے کانوں سے سنا تھا۔ یوشع نے تمہاری سفارش کے باوجود
میرے قتل کا فیصلہ برقرار رکھا تھا۔“

”ہاں یہ درست ہے۔ وہ نہیں چاہتا تھا تم قلعہ داؤد کے اہم راز جان لے
کے بعد افرنکی لشکروں میں واپس جاؤ اور ہماری زندگی کے لیے خطرہ بن جاؤ۔
تمہاری نشاندہی پر صلیبی فوج قلعہ کو ڈھونڈ لیتی اور یہودی کی یہ قدیم الایام پناہ گاہ
بھی ہمارے ہاتھ سے نکل جاتی۔ اس کے نزدیک تمہیں ختم کر دینا ہی بہتر تھا۔
آخر کار میں اسے تمہاری رہائی پر رضامند کر لیتی۔ وہ میری کسی بات سے انکار
کرنا مگر ہاتاری تمہیں پہلے ہی نکال کر لے گیا۔ الوہیم کی قسم! اس قلعہ میں اگر
میں تمہاری حفاظت کرتی یا شمعون ربی کو یوشع کی پر اسرار آمد نے حواس باختہ
نہ کر دیا ہوتا تو وہ بوڑھا شیطان ماہ کیلو کی متعین تاریخ کا انتظار بھی نہ کرتا اور
تمہیں حوری کی طرح زندہ درگور کر دیتا۔ اپنے آپ کو عقبہ کا بروز ظاہر کر کے
اس نے یہودیوں کو اپنا ہمنوا بنا لیا تھا۔“

گریشا نے تعجب سے اس کی کہانی سنی۔ اب وہ بھی یوشع کو سمجھنے لگی تھی۔
”اچھا یہ بتاؤ شمعون ربی اعتکاف میں بیٹھا تھا۔ اچانک کہاں غائب ہو گیا؟“
”اس کے کمرے سے ایک خفیہ راستہ قلعہ سے باہر نکلتا ہے۔ وہ اس

تھا کہ سلطان صلاح الدین سے دشمنی مول لے کر وہ مشرق میں کامیابی سے ہکتا رہا نہیں ہو سکتا جسے مشرقی ملکوں میں غیر معمولی مقام حاصل تھا۔ اپنے حریف سے منہنے کے لیے اس نے سلطان مشرق سے دوستی ضروری سمجھی۔

کانرڈ کے سفیر ایک عجیب و غریب تجویز لے کر آئے تھے۔ جب انہیں ملک العادل کے حضور پیش کیا گیا تو وہ سراپا ایثار نظر آئے۔ ان کے قائد نے ترکوں کا مخصوص سلام ادا کیا اور اپنے بادشاہ کی طرف سے تحائف گزارے جنہیں قبول کر لیا گیا۔ پھر کہنے لگا۔

”جناب امیر! مارکو نیس کانرڈ، حضور سے دوستی اور سلطان عالی سے لطف و کرم کے طلبگار ہیں۔ انہوں نے کہا ہے کہ اگر سلطان اسلام تعاون فرمائیں تو وہ انہیں رچرڈ کے خطرہ سے نجات دلا سکتے ہیں۔“

ملک العادل کے ہونٹوں پر تبسم نمودار ہوا۔

”شاہ انگلار ہمارے لیے کوئی خطرہ نہیں پھر بھی مجھے کانرڈ کی تجویز معلوم ہونی چاہئے۔ وہ کس شرط پر دوستی چاہتا ہے۔“

سفیر نے جو تجویز پیش کی اسے سن کر سب لوگ حیران و ششدر رہ گئے۔ سفیر نے کہا۔

”جناب امیر! میرے آقا مارکو نیس یہ چاہتے ہیں کہ سلطان معظم انہیں اپنے سایہ سلطانی میں جگہ دیں اور عکا کے عوض صید اور بیروت کا تبادلہ منظور فرمائیں۔ اگر سلطان اسلام انہیں یہ شہر بخش دیں تو مارکو نیس عہد کرتے ہیں کہ وہ عکا پر حملہ کر کے رچرڈ کو مار بھگائیں گے اور یہ شہر سلطان کے سپرد کر دیں گے۔“

ملک العادل نے جواب دیا۔ ”میں نہیں جانتا سلطان عالی بیروت سے دست کش ہونے پر رضامند ہوں گے یا نہیں کیونکہ یہ شہر انہیں بہت عزیز ہے لیکن کانرڈ کی تجویز پر اس وقت تک عمل ممکن نہیں جب تک وہ عکا پر قبضہ نہیں کر لیتا۔ اپنے بادشاہ سے کہو پہلے وہ عکا پر حملہ کرے اور صلیبوں کو مار بھگائے جب شہر پر اس کا قبضہ ہو جائے گا سلطان عالی اسے بیروت دے کر عکا لے لیں گے۔ میں کانرڈ کو یقین دلاتا ہوں کہ مسلمان اس سے جو وعدہ کر لیں گے اس پر قائم رہیں گے۔“

کانرڈ کا مقصد یہ تھا کہ صور سے بیروت اور اظاکہ تک ایک نئی صلیبی

کانرڈ کی سفارت

ملک العادل کو یہ اطلاع مل چکی تھی۔ رچرڈ عکا سے لوٹ آیا ہے اور شاہ خواتین بھی اس کے ساتھ جا رہا آگئی ہیں۔ یہ خبر اسے رچرڈ کے سفیر سے مل چکی جو پیغام لے کر آیا تھا کہ شاہ انگلستان عرب امیر سے ملاقات کا خواہش ہے۔ انگریز سفیر اپنے بادشاہ کے لیے برف شربت اور پرندوں کے تھلے لے کر واپس چلا گیا۔ اب ملک العادل ابن ہشام کی واپسی کا منتظر تھا۔ وہ اس کے بغیر جانا کا سفر نہ کرنا چاہتا تھا مگر دوسرے ہی روز ایک عجیب اور خلاف توقع واقعہ ظہور میں آیا۔

چند یورپی سفیر عرب چھاؤنی میں نمودار ہوئے جنہیں فوراً ”بارگاہ عسکری“ تک پہنچا دیا گیا۔ ان کے پاس اطالیہ کی ریاست مانسٹرٹ کا مخصوص نشان تھا اور وہ جانا کے افرنگی کیمپ کی بجائے صور سے آئے تھے۔ انہوں نے بتایا۔

”ہم مارکو نیس کانرڈ کے نمائندے اور امیر عادل کی خدمت میں حاضر کے طلبگار ہیں۔“

سب لوگ جانتے تھے کہ کانرڈ شاہ رچرڈ سے بھگڑنے کے بعد جہاد صلیبی سے منہ موڑ چکا ہے۔ یہ شہزادہ یروشلیم کے تخت و تاج کی تمنا لے کر مشرق میں آیا تھا لیکن اس وقت جب وہ مفروضہ صلیبی ریاست کی بادشاہت کی خاطر ملک ازاتیل سے شادی بھی رچا چکا تھا، رچرڈ نے اس کے تمام منصوبے خاک میں دبائے اور شاہ فرانس قلب آگسٹس کی مخالفت کے باوجود گائی آف لو سکناں، فرضی بادشاہت پر قائم رکھا تھا۔ کانرڈ سمجھ چکا تھا رچرڈ مشرق میں اس کے اقتدار کا دشمن ہے۔ اگرچہ اس نے اصولی طور پر یہ بات تسلیم کر لی تھی کہ گائی کی وفات کے بعد وہی یروشلیم کا بادشاہ قرار پائے گا لیکن وہ کسی وقت بھی اسے اقرار سے منحرف ہو سکتا تھا۔ اس کے علاوہ ہوشیار کانرڈ نے یہ بھی محسوس کر

بھی نہ دہلا کر کے اس کے خرابہ میں نیچے نصب کر دیے تھے۔

جافا، القدس کی بندرگاہ تھی۔ وادی شول اور وادی لقتا کے رستے ایک ندیم الایام شاہراہ دونوں شہروں کو ملاتی تھی جو اونچی نیچی پہاڑیوں اور برساتی باؤں کو کاٹتی اور نواحی بستیوں کے پہلو سے گزرتی ساحل سمندر تک چلی گئی تھی۔ صلاح الدین کا خیال تھا کہ رچرڈ اسی راستے بیت المقدس کی طرف آئے گا۔ یہی وجہ تھی اس نے اہم شہروں اور بستیوں کی تفصیلیں مہار کرا دیں اور خود القدس کے عین سامنے انظفروں کی گھاٹی پر آبیٹھا تاکہ حملہ آور صلیبوں کو شہر کی طرف نہ بڑھنے دے۔ وہ ان سے کھلے میدان میں معرکہ ڈالنا چاہتا تھا۔ جافا سے انظفروں تک وسیع و عریض علاقہ میں کہیں بھی کوئی چار دیواری اور فصیل نظر نہ آتی تھی جہاں دشمن پناہ لے سکتا۔ یہاں وہاں لمبوں کے ڈھیر اور تباہ حال نیلے سلطان کے خوفناک عزائم و ارادہ کی شہادت دے رہے تھے۔ اس نے دشمن کے لیے ایک ایسا میدان تیار کیا تھا جہاں ہر طرف موت کی ویرانیاں رقص کر رہی تھیں اور اس ہولناک تخریب و تباہی سے فارغ ہونے کے بعد اب انظفروں کی گھاٹیوں میں پہاڑی چیتے کی طرح گھات لگائے دشمن کا انتظار کر رہا تھا۔

مورخوں کے بقول درمیانی قلعہ بندیوں کو مہار کر کے صلاح الدین نے اپنے حریف کو نہ صرف خوفزدہ کر دیا تھا بلکہ ایسے امتحان میں بھی ڈال دیا تھا جس میں اسے اپنی کامیابی کی کوئی امید نظر نہ آتی تھی۔ افرنگی سپاہی زیادہ تر قلعہ بند ہو کر لڑنے کے عادی تھے اور کھلے میدانوں میں عربوں کا مقابلہ کرتے ہوئے ہچکچاتے تھے۔

رچرڈ اپنے مارشلوں اور جرنیلوں سے تنگ آچکا تھا جن پر مٹی بھر عربوں کی دہشت مسلط تھی۔ انہی دنوں اس کے جاسوسوں نے ایک حیرت انگیز خبر سنائی جس نے رچرڈ پر زلزلہ سا طاری کر دیا۔ جاسوس صور سے یہ اطلاع لے کر آئے تھے کہ مارکوئیس کانزڈ عکا پر حملہ و قبضہ کی تیاریاں کر رہا ہے جس کے بعد وہ عکا سلطان صلاح الدین کے حوالے کر کے اس کے عوض صید اور بیروت کے شہر حاصل کر لے گا۔ اس کا مطلب ہے کانزڈ جہاد صلیب کو تباہ و برباد کرنے پر تل چکا اور ارض مقدس میں اپنی نئی ریاست قائم کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اگر مسلمانوں نے اس کی پیش کش قبول کر لی تو وہ یقیناً "افرنگی لشکروں کے لیے مصیبت بن جائے گا۔ رچرڈ جانتا تھا کہ عربوں کے مقابلے پر کانزڈ کوئی بھی قابل

ریاست قائم کر کے بیٹھ جائے اور یہ اسی صورت میں ممکن تھا جب وہ صلاح الدین کی ہمدردی اور حمایت حاصل کر لیتا۔ وہ یہ بھی جانتا تھا یورپ کے بڑے بڑے خطروں کے مقابلہ میں سلطان کانزڈ کو ایک چھوٹا خطرہ سمجھ کر اس کی رائے سے اتفاق کرے گا۔ سیاسی اعتبار سے اس کی پیش کش مسلمانوں کے لیے یقیناً سودمند تھی کیونکہ وہ نہ صرف رچرڈ کے حق میں بغلی جھڑپ ثابت ہوتا بلکہ اس صورت میں صلیبوں کی مہمیت خود بخود پر آگندہ ہو جاتی۔ اس خدمت کے عوض سلطان عکا لے کر بیروت اسے بخش دیتا مگر کانزڈ کے سفیر دراصل کچھ اور چاہتے تھے۔ ان کے بقول کانزڈ نے یہ درخواست کی تھی کہ سلطان اس کے وعدے پر اعتبار کر کے اسے بیروت سونپ دے۔ اس مہربانی کے بدلے میں وہ عکا پر حملہ کر کے صلیبوں کو وہاں سے نکال دے گا۔ ملک العادل نے صاف صاف کہہ دیا۔

"کانزڈ کو اپنی نیک نیتی کا ثبوت دینا چاہئے، پہلے وہ عکا پر قبضہ کرے پھر بیروت سے تبادلہ بھی ہو جائے گا۔"

اس جواب کے ساتھ کانزڈ کے سفیروں کو رخصت کر دیا گیا۔ عرب سردار حیران تھے کہ کیا انسٹریٹ کا شہزادہ ایشیائی ریاست کے لیے ان صلیبی لشکروں پر حملہ کر سکے گا جن کے ساتھ مل کر اس نے عکا کی جنگ لڑی اور سب سے پہلے شہر کی فصیل پر جھنڈا نصب کیا تھا؟

اسی روز ایک مملوک سوار اس عجیب و غریب سفارت کی اطلاع لے کر سلطان صلاح الدین کی طرف روانہ ہو گیا جو رملہ اور بلد کی تخریب کے بعد بیت المقدس کے نواح میں انظفروں کی پہاڑی پر خیمہ زن تھا۔

صلاح کی عجیب و غریب تجویز

صلاح الدین صلیبی لشکروں سے فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے مجولہ صحرائی کی طرح اڑا پھرتا تھا۔ حیفہ، قیساریہ، جافا اور عسقلان ایسے ساحلی قلعوں کو مہار کر کے اس نے رچرڈ پر یہ امر واضح کر دیا تھا کہ وہ افرنگیوں کو کسی حصار میں بند نہ ہونے دے گا۔ القدس کی حفاظت اور فیصلہ کن معرکہ آرائی کے پیش نظر اس نے رملہ اور بلد کی بستیاں بھی ویران کر دیں اور انظفروں کی فصیل کو

ہی بیٹھا تھا۔ تیسرے کروسیڈ کی بازی جسے اس نے بزم خود عکا کی فتح کے بعد لیا تھا جافا کے ساحل پر آ کر چوٹ ہو گئی تھی۔ اس کے جرنیل اور مارشل عیش و راحت میں کھوئے ہوئے اور کھلے میدانوں میں نکلنے سے گریزاں۔ ادھر ہوشیار کانرڈ نے عربوں کی طرف صلح کا ہاتھ بڑھا کر افریگی لشکروں کے ایک نئی مصیبت کھڑی کر دی تھی اور اب رچرڈ یہ سوچ رہا تھا اگر سلطان اسے نظر انداز کر کے کانرڈ سے صلح کر لی تو یقیناً "وہ فرامیسی اور اطالوی" جو انگلستان کے شاہی پرچم تلے جمع ہو چکے تھے اس کا ساتھ چھوڑ کر کانرڈ کی جانب سے کیونکہ طویل جنگ نے انہیں تھکا دیا تھا اور کئی لاکھ ملیسیوں کی ہلاکت نے جہاد صلیب کے تمام ولولے سرد کر دیے تھے۔ یورپ آنے والے سپاہیوں اور رضاکاروں اور زائروں کو وطن سے نکلے طویل ہو گئی تھی اور اب وہ اپنے گھروں کو لوٹنے اور اپنی بیوی بچوں سے ملنے لے بے چین ہو رہے تھے۔ ان حالات میں کیا اکیلی انگریز سپاہ عربوں کا مقابلہ لے گی؟

مایوسی اور ناکامی کی انتہا یہ تھی کئی سال سے کشت و خون کے باوجود صلیبی اپنے مقصد عزیز سے کوسوں دور تھے۔ حادثہ عکا کے بعد سلطان نے صلح کا ازہ عملی طور سے بند کر دیا تھا اور "صلیب الصلوب" کئی ہزار قیدیوں کے دوشمن روانہ کر دی تھی اس کے علاوہ یروشلم کی فتح کا خواب بھی شرمندہ رہتا دکھائی نہ دیتا تھا۔ عربوں نے قلعہ بندیاں گرا کر سروں پر کفن باندھ لیں تھے اور اب کانرڈ نے ملیسیوں کو ایک نئے امتحان میں ڈال دیا تھا۔ رچرڈ نے غصہ، مایوسی اور جھلاہٹ کی شدت میں وہ بلوریں پیمانہ دیوار پر مارا جس میں وہ جو کی ٹھنڈی شراب پی رہا تھا۔ دوسرے لمحے اس کی پاؤں ٹوکر سے چاندی کی ہلکی پھلکی رقاب ہوا میں اڑی اور سب خراش زکڑاہٹ کے ساتھ برآمدہ کے فرش پر گر کر ایک طرف لڑھکتی چلی گئی۔ شت کے کلزے اور پھل ادھر ادھر بکھر گئے اور اس کی کنیز خاص الیزبتھ سہمی لے ایک گوشہ میں دب گئی۔

رچرڈ کی چڑچی طبیعت کا یہ پہلو بھی عجیب و غریب تھا۔ جب وہ غصہ یا لے سے جھنجھلا اٹھتا تو اس کے مصاحبوں اور نوکروں کی شامت آ جاتی تھی۔ ان غضب سے وہ چیزوں کو الٹ پلٹ دیتا۔ مصاحبوں کی کمر میں کے رسید کرتا۔

ذکر کامیابی حاصل نہ کر سکا تھا سوائے اس بات کے کہ اس نے صور کو ان کی یلغار سے بچا لیا تھا لیکن صیبی لشکروں میں اس کی بہادری کا خوب چرچا تھا اور لوگ اس سے متاثر بھی تھے۔ اگر اس نے عکا پر حملہ کر دیا تو صورت حال بے حد نازک ہو جائے گی۔

یہی وہ اضطراب اور اندیشہ تھا جس نے شاہ انگلستان کو بدحواس کر دیا۔ پھر ایک شام اسے یہ بھی اطلاع مل گئی کہ کانرڈ کے سفیر ملک العادل سے مل کر لوٹ گئے ہیں۔ اسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ ان کے درمیان کیا گفتگو ہوئی ہے لیکن اس خبر نے رچرڈ کو قریباً "پاگل کر دیا کہ سلطان صلاح الدین کانرڈ کی سفارت و مراسلت میں بہت دلچسپی لے رہا ہے" بے شک اب کے دشمن کو یہ موقع مل گیا تھا کہ وہ ملیسیوں کی باہمی مناقشت سے فائدہ اٹھا کر تیسرے کروسیڈ کی وجہیاں اڑا دے اور صلیبی عقلمت کے تابوت میں آخری کیلیں ٹھونک کر بحیرہ روم کی غصیلی موجوں کی نذر کر دے۔

جافا میں آئے ابھی زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ کئی دل شکن خبروں نے اسے پریشان کر دیا۔ کانرڈ کی خطرناک تجویز اور سفارت کے علاوہ اسے یہ اطلاع بھی مل چکی تھی کہ سلطان اپنے خاص لشکروں کے ہمراہ انظروں کی پہاڑیوں میں گھات لگائے بیٹھا ہے اور خطرہ کا سو فیصد امکان تھا کہ جو نہی کانرڈ نے عکا پر حملہ کر دیا سلطانی لشکر بجلی کی سی تیزی کے ساتھ حرکت کر کے جافا پر ٹوٹ پڑیں گے۔ دوسری جانب سے ملک العادل کے مملوک اور کرد و سبے جو موت کی طرح اس کے سر پر مسلط تھے نہ صرف جافا و عکا کے درمیان حائل ہو جائیں گے بلکہ ان کی پسپائی کے راستے بھی بند کر دیں گے۔ اب رچرڈ کو اپنے ارد گرد خطرے ہی خطرے نظر آ رہے تھے اور کانرڈ کی بے وفائی نے اسے مشکلوں کے ایسے حصار میں لا پھینکا تھا جہاں سے باعزت پسپائی بھی ناممکن معلوم ہو رہی تھی۔ کاش اس نے جافا کی طرف بے کار پیش قدمی سے قبل حالات پر اچھی طرح غور کر لیا ہوتا۔



رچرڈ جافا کے شاہی محل میں جسے پوشو کے کاریگروں نے تعمیر کیا، اس د

نالی پردے کو سحرکارانہ حرکت دیتی ہوئی کمرے میں داخل ہوئی اور کثیر
سے مخاطب ہو کر بولی۔

”ایلیزبتھ! جاؤ عالی جاہ اس وقت تنہائی چاہتے ہیں۔ ولیم تم بھی جاؤ اور
ان ڈی کیرد کے علاوہ کسی اور کو اندر نہ آنے دو۔“

رچرڈ نے حیرت اور تعجب کے ساتھ جین کے احکام سننے جن پر فوراً ”عمل
لما۔ ایلیزبتھ شراب کی صراحی آبنوس کی سیاہ میز پر رکھ کر پردوں کے پیچھے
ہو گئی اور ولیم بھی پیتل کی چکدار لبوتری ٹوپی کو حرکت دیتا ہوا پلٹ گیا۔
بین بادشاہ سے مخاطب ہوئی۔

”کیا آپ تشریف نہیں رکھیں گے؟“

رچرڈ کافی سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ جھنجھلاہٹ اور غیظ و غضب کا وہ جذبہ جس کا
نے کچھ دیر قبل مظاہرہ کیا تھا فکرو متانت میں تبدیل ہو چکا تھا۔ وہ بہت
لی کے ساتھ اس منقش کرسی پر بیٹھ گیا جو اسی کے لیے مخصوص تھی۔ شنزادی
کے سامنے نشست پر بیٹھنے ہوئے بولی۔

”عالی جاہ کو نوکروں کی موجودگی کا احساس ہونا چاہئے۔ ان کے سامنے اس
لی باتیں شاہی وقار کے منافی ہیں۔“

جین کی بجائے اگر یہ الفاظ کسی دوسرے کی زبان سے نکلے ہوتے تو شاید
مزاج بادشاہ اس کے منہ پر اپنا برچھا دے مارتا۔ وہ ڈیشن کو کئی بار ایسے ہی
ہوں پر استعمال بھی کر چکا تھا۔ دراصل وہ زمانے کی رائے کو بالکل حقیر سمجھنے
دی ہو چکا تھا اور یہ عقیدہ رکھتا تھا کہ بادشاہ احتساب اور برسرش سے بالاتر
ہے۔ کسی شخص کو اس پر حرف گیری کا حق حاصل نہیں لیکن جین اس کی
ترین ہمیشہ تھی اور وہ اس کی عزت کرتا تھا۔ اس نے معذرت طلب
سے بہن کو دیکھا اور گردن جھکا لی۔ مختلف حالتوں میں اس کی آنکھوں کا
بدلتا رہتا تھا۔



یہ خبر تو اس نے عکا سے واپسی پر راستے ہی میں لی تھی کہ مارکوکس کانزڈ
سے صلح کر لینا چاہتا ہے۔ لیکن اس صلح کی خطرناک شرائط کا انکشاف جانا

سپاہیوں کو بے وجہ ٹھوکریں مارتا اور نوکروں پر یونہی برس پڑتا تھا۔ ایسے عالم
میں لوگ عموماً اس سے دور ہی رہتے تھے۔

بلوریں جام کے ٹوٹنے اور سیمیں قاب کے کھڑکھڑانے کی آوازیں کراس
کا محافظ خاص ولیم فوراً دروازے پر نمودار ہوا۔ رچرڈ اسے دیکھتے ہی خوفناک
لبجے میں دھاڑا۔

”ولیم! وہ بے وقوف راہب کون تھا جس نے یسوع کے نام پر تیرے
کروسیڈ کا نعرو بلند کیا اور ہمیں مشرق کی پر عذاب سرزمین پر دھکیل دیا۔“
شاہی گارڈ صورت حال سے قطعی بے خبر تھا۔ اس نے بڑے ادب سے
گردن جھکائی اور بولا۔

”عالی جاہ! یروشلیم کا آرج بشپ ہر کلیس پارسا تھا جو بطرس ثانی کہلاتا ہے۔
اس کے ہمراہ صور کا سابق بشپ ولیم صوری بھی تھا جو آج کل کروسیڈز کی تاریخ
لکھ رہا ہے۔“

”بہر حال وہ دونوں بے وقوف تھے۔“ رچرڈ نے بڑے وثوق سے کہا۔
”لیکن مقدس پوپ نے انہیں دعوت جہاد کی اجازت دے دی تھی۔“
”مقدس پوپ“ وہ بوڑھا گدھ روم کے لائرن محل میں بیٹھا کب تک فوٹے
صادر کرتا رہے گا۔“

یہ کہہ کر بادشاہ کی بائیں ٹانگ پھر حرکت میں آئی اور اس مرتبہ مگرچھ کی
کھال کی ڈھال ایک ہی ٹھوکر میں چھت سے ٹکرا کر ٹھیک الزبتھ کے سر پر گری
اور وہ خوف سے اچھل کر بادشاہ کے پہلو میں آ رہی۔ اسے سراسیمہ دیکھ کر
رچرڈ کے ہونٹوں پر ایک قہقہہ بلند ہوا اور وہ چلانے لگا۔

”وفادار الزبتھ! کیا تم بھی ڈر گئیں۔ یقیناً“ بے وقوف راہبوں سے ڈرنا ہی
چاہئے جنہیں تم جیسی حسین لڑکیوں پر بھی رحم نہیں آیا... آہا... جیکن... کیا تم
بھی ہماری بے بسی کا تماشا کرنے آئی ہو، تم نے سن لیا وہ راہبوں کا چیتا نوابزادہ
وہ مار... کو... کئیں... کو... ناروڈو... اب عکا پر حملہ کرنا چاہتا ہے۔“

رچرڈ نے مارکوکس کانزڈ کے الفاظ رک رک کر اور بڑی حقارت کے
ساتھ ادا کیے تھے جیسے اپنے اطالوی حریف کا تمسخر اڑا رہا ہو۔ پھر فوراً ہی اس
دروازہ کی طرف مڑ گیا جہاں شنزادی جین ابھی ابھی نمودار ہوئی تھی۔ اس کے
چہرے پر کئی متضاد کیفیتوں کے عکس گڈمڈ ہو رہے تھے۔ وہ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ

رچڑ ایسے خود سر، متلون مزاج اور مغرور بادشاہ کا دوسرے کی مرضی کے بغیر ہو جانا اور دوسرے لفظوں میں اعتراف شکست تھا۔ ”جہاد صلیب“ اگرچہ نامی طور سے ناکام ہو چکا تھا لیکن رچڑ اعتراف شکست سے بچنے کے لیے ہاتھ پاؤں مار رہا تھا اور شہزادی جین کا وہ منصوبہ جاننے کے لیے بیقرار تھا جس پر سلطان بھی اتفاق کر لیتا۔ جین اپنے بھائی کے مزاج سے خوب آشنا اور اس کی باتی کمزوری سے اچھی طرح آگاہ تھی۔ اس نے اظہار مطلب سے پہلے ادھر دھر کی باتیں شروع کر دیں اور جان بوجھ کر ملکہ بیرنگیریا اور شہزادی سوسن کا ذکر بڑھایا۔ یہ بات حیرت انگیز تھی اپنی قبر صی محبوبہ کے ذکر پر وہ بے پایاں فرحت دس کرتا تھا۔

”عالی جاہ، اس سے شادی کیوں نہیں کر لیتے؟“

”میں چاہتا تو یہی ہوں، وہ بیکر اخلاص ہے لیکن بیرنگیریا کا کیا ہو گا؟“

”طلاق...“ جین فیصلہ کن لہجہ میں بولی۔ ”وہ شاہی اعتماد کھو چکی ہے۔ کیا شاہ اس عورت کو انگریزوں پر مسلط رکھنا چاہتے ہیں جو ایک مرتبہ انہیں زہر پلا لی ہے۔ آپ کو یہ معاملہ اسی وقت شاہی ججوں کے سامنے پیش کر دینا چاہئے۔“

”شاید تم ٹھیک کہتی ہو لیکن اب اگر بیرنگیریا کو طلاق دی گئی تو اسپین کے ناراض ہو جائیں گے۔“

”آپ کو اسپین کے لوگوں کا بہت خیال ہے۔“

”کیا تم چاہتی ہو فرانس اور اٹلی کے بعد ہم اسپین کو بھی ناراض کر لیں۔“

”جین، حالات بہت بگڑ چکے ہیں۔ اگر بیرنگیریا کو طلاق دی گئی تو جانتی ہو کیا ہو گا؟“

”شاید کانزڈ اس سے شادی کر لے۔“

جین کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھ کر وہ فوراً بولا۔

”بہر حال انگلستان بچنے ہی بیرنگیریا کی قسمت کا فیصلہ ہو جائے گا۔ اس وقت سے اہم معاملہ عربوں کا ہے۔ اگر سلطان نے کانزڈ سے معاملہ طے کر لیا تو اس بے حد خراب ہو جائیں گے...“

”نہیں، ایسا نہیں ہو گا۔ میں نے اپنی تجویز پر اچھی طرح غور کر لیا ہے اور

ہی میں ہوا تھا۔ صاف ظاہر تھا کہ کانزڈ شاہ انگلستان کو بے وقعت کرنے پر تیار تھا۔ اب رچڑ کی کوشش یہی تھی کہ وہ سلطان سے جلد از جلد خود صلح کی شرائط طے کرے تاکہ اس کا اطالوی حریف اپنے مذموم ارادے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ لیکن جفا میں آتے ہی اس نے ملک العادل کی طرف جو سفارت روانہ کی تھی وہ ناکام لوٹ آئی تھی۔ اب وہ سوچنے لگا تھا صلاح الدین صرف اسی فریق کا توجہ دے گا جو اس کے مطلب کی شرائط پیش کرے گا۔

جنگ کے بعد اب گفتگو کے میدان میں بھی رچڑ کو جھکنے اور صلیبی مفاد کو چھوڑ دینے کے سوا کوئی چارہ کار نظر نہ آیا لیکن وہ نہیں جانتا تھا صلح کی آسائش ترین شرط کیا ہو سکتی ہے؟ شہزادی جین نے اسے یقین دلایا تھا وہ ایک ایسے منصوبہ پیش کرے گی جسے فریقین بخوشی منظور کر لیں گے لیکن اس نے ابھی تک بادشاہ کو اس حیرت انگیز منصوبے سے آگاہ نہیں کیا تھا۔

واقعات نے اچانک ایسی کروٹ اختیار کر لی تھی کہ اب فلسطین سے باعزت واپسی کا ایک ہی ذریعہ باقی تھا اور وہ یہ کہ سلطان صلاح الدین مار کوئیں کانزڈ کی شرائط کو ٹھکرا کر شاہ انگلستان سے صلح کر لے بصورت دیگر تیسرے کروسیڈ کی ناکامی تو مسلم تھی لیکن اس کے ساتھ رچڑ کی شہرت و نامور اور اور شجاعت کے افسانے فلسطین کے میدانوں میں بکھر جاتے۔

یہ تھے وہ حالات جو تار عنکبوت کی طرح کروسیڈ کے امیر کبیر رچڑ شیردل کو اپنے بھیانک شکنجے میں جکڑ چکے تھے اور وہ ان کی گرفت سے رہائی کے لیے تڑپ رہا تھا۔ وہ ذاتی طور پر بہادر، دلیر سپاہی اور ہر معاملہ تلوار کی نوک سے حل کرنے کی خواہش رکھتا تھا لیکن اچھا قائد نہ ثابت ہو سکا۔ ایک معمولی نواب زادے نے اپنی قائدانہ حیثیت سے اس کی شاہی عظمت کو خطرے میں ڈال دیا تھا۔

سید اور بیروت ایسے شہروں کے مقابلے پر اگرچہ عکا کوئی اہمیت نہ رکھتا تھا اور عام حالات میں شاید ان کے تبادلے کی تجویز پیش کرنے والے عقلمند کو فائز العقل قرار دیا جاسکتا تھا لیکن عکا کے صلیبی لشکروں پر ایک صلیبی رئیس کے حملہ کی تجویز یقیناً ”صلاح الدین“ کے لیے دلچسپی کا باعث تھی۔ اب وہ رچڑ کے معاملات پر اسی حالت میں توجہ دے سکتا تھا جب وہ صلح کے لیے سلطان کی رضا کا تابع ہو جاتا۔

رعت سے گھوما کہ جین اگر پیچھے نہ ہٹ جاتی تو اس سے ٹکرا کر گر پڑتی۔
شاہ کی آنکھوں میں ایک عجیب سی چمک تھی۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے
زادی کو تھام لیا اور بولا۔

”جین! مجھے بتاؤ کیا واقعی تم ملک العادل کو پسند کرتی ہو؟“
”ہاں...“ جین کے عتابی ہونٹ تھر تھرائے۔ ”اور میرا خیال ہے کہ وہ بھی
بے ضرور چاہتے ہیں۔“

”خداوند کی قسم! چند روز پہلے جب میں نے تمہیں وادی مگپوش میں امیر
دل کے ہمراہ دیکھا اور وہ عجیب و غریب کمائی سنی جو تمہیں پیش آئی تو میرے
ہن میں کئی بار خیال آیا کہ اگر تم برادر سلطان سے شادی پر رضامند ہو جاؤ تو
رض قدس میں ایک مشترک حکومت قائم ہو سکتی ہے جس میں مشرق و مغرب
راہ کے حصے دار ہوں گے۔ اور فلسطین کا مسئلہ ہمیشہ کے حل ہو جائے گا۔“
”مجھے سلطان کی رواداری سے امید ہے کہ وہ اس تجویز کو پسند کر لیں گے
در فلسطین میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی مشترک حکومت کی اجازت دے دیں
گے۔“

رچڑ نے وفور مسرت سے جین کا کندھا تھپتھپایا۔
”جین! میں تمہارے اعلیٰ انتخاب پر مبارکباد دیتا ہوں۔ تم نے ایک ایسے
نفس کو منتخب کیا ہے جو بہادر، شریف اور شاہانہ صفات کا مالک ہے۔ میں اسے
پسند کرتا ہوں اور اپنا دوست سمجھتا ہوں۔ مجھے امید ہے کہ اگر سلطان کو اس
تجویز پر کوئی اعتراض نہ ہو تو ملک العادل بھی اسے رضامند کر لے گا اور وہ
فلسطین کی سلطنت اپنے بھائی کو منتقل کر دے گا۔ میں بھی جافا، قیصر، حیضہ اور عکا
کے شہر تمہارے جینز میں دے دوں گا اور تم ملکہ فلسطین کہلاؤ گی۔ خداوند کی
قسم! ”ملکہ سلی“ سے یہ اعزاز کیسے بڑا ہے اور تم عیش و مسرت کی زندگی بسر
کرو گی۔ بلکہ میں تمہارے اعزاز میں اضافہ کرنے کے لیے کانڑو کو قرار واقعی
ہزا دوں گا اور صور کو فتح کر کے تمہاری سلطنت کا حصہ بنا دوں گا۔ تمہاری
دعوت سے عیسائی یروشلیم کی زیارت کر سکیں گے اور رشتہ و تعلق کے بعد
میں صلیب اعظم بھی مل جائے گا۔“

جین سر نموڑائے چپ چاپ کھڑی رہی۔ اسے امید نہ تھی کہ رچڑ اس
کی تجویز پر اتنی جلدی رضامند ہو جائے گا لیکن اس نے تو شنزادی کی زبان سے

اس وقت میں آپ کو اس تجویز سے آگاہ کرنے آئی ہوں۔“

رچڑ کی آنکھوں میں امید کی نئی چمک پیدا ہوئی اور جین کہنے لگی۔

”میں عالی جاہ سے ایک سوال کرنا چاہتی ہوں۔ اس دشمن کے متعلق آپ
کی کیا رائے ہے جو میدان جنگ میں تلوار لے کر سامنے آتا لیکن عام حالات
میں آپ کی عزت و آبرو کی حفاظت کرتا ہے؟ جو اس وقت عیادت کرتا اور
برف، شربت دوا اور حکیم بھیجتا ہے جب اپنے معتبر آدمی آپ کو زہر کا جامہ
پلاتے ہیں اور آپ کی زندگی کو خطرے میں ڈال دیتے ہیں؟ جو دشمن ہونے کے
باوجود مہر و محبت کا سلوک کرتا اور شاہ انگلستان کی ناموس بچانے کے لیے اپنے
جان خطرے میں ڈال دیتا ہے....“

رچڑ تڑپ کر کرسی سے اٹھا۔ اس کے پورے جسم میں ارتعاش کی لہر دوڑ
رہی تھی۔ جذبات کا یہی تغیر اسے ہمیشہ نیا آدمی بنا دیا کرتا تھا۔ وہ مدھم مگر مرتکز
آواز میں بولا۔

”اچھا... میں سوال سمجھ گیا لیکن تمہارا اس سے مطلب کیا ہے؟“

”میں اپنے سوال کا جواب چاہتی ہوں۔“

پھر بھنوں کے نیچے اس کی آنکھوں نے اس طرح حرکت کی جیسے وہ جین
کے دل کا راز تلاش کر لینا چاہتی ہوں اور پرسکون لہجے میں بولا۔

”سنو جین! بادشاہوں کو تعصب زیب نہیں دیتا۔ اگر تم میری رائے معلوم
کرنا چاہتی ہو تو حقیقت یہ ہے کہ میں صلاح الدین اور اس کے بھائی ملک العادل
کو اس ہوس پرست نائنوں اور جھگڑالو شنزادوں سے ہزار درجے افضل سمجھتا
ہوں جو بھیڑیوں کی طرح میرے ارد گرد منڈلاتے رہتے ہیں۔ یسوع کی قسم! وہ
انتہائی خوش اخلاق، شریف اور بہادر دشمن ہیں اور میں دل و جان سے ان کی
عزت کرتا ہوں۔ کاش...! میں ان کی دوستی حاصل کر سکوں۔“

جین بھی کرسی چھوڑ چکی تھی۔ وہ بڑی آہستگی سے بھائی کے عقب میں جا
پہنچی اور مدھم آواز میں گویا ہوئی۔

”تو پھر آپ کل ہی ملک العادل کو بلائیے اور شاندار ضیافت کیجئے۔ اس
دعوت میں آپ کو صرف یہ معلوم کرنا ہے کیا وہ مجھے اپنا شریک زندگی بنانا پسند
کریں گے؟“

”کیا؟“ رچڑ کی چیخ کمرے کی دیواروں سے ٹکرا کر لوٹ آئی۔ وہ اتنی

کی طرف سے شاہ انگلستان اپنے اپنے علاقے نئے شادی شدہ جوڑے کو پیش کر دیں۔ اس طرح یروٹلم پر فریقین کا پرامن تسلط ہو جائے گا۔ زائرین آزادانہ مقامات مقدسہ کی زیارت کر سکیں گے اور مقصد صلیب الصلوب عیسائیوں کو واپس مل جائے گی۔ رچرڈ نے یہ پیشکش بظاہر انتہائی خلوص سے کی۔“

(دی فلم آف اسلام مطبوعہ نیویارک، امریکہ)

اسے یہ بھی اندیشہ لاحق تھا کہ کہیں عیسائی راہب اس تجویز کی مخالفت نہ کر دیں اس لیے رچرڈ نے بہت احتیاط سے کام لیا اور ملک العادل کو تہائی میں کر اپنا مدعا پیش کیا۔ صرف بالڈون ان کا شریک محفل تھا۔ فوراً ہی رچرڈ پر یہ ہمد آشکارا ہو گیا کہ امیر العادل اس حسین پیش کش پر بے حد خوش ہے اور مزادی جین کو دل سے چاہتا ہے لیکن صلح کی اس انوکھی پیش کش کی منظوری کا تیار صرف سلطان کو تھا، اس نے صاف صاف الفاظ میں وضاحت کر دی۔

”ملک الکرک! آپ نے جس خلوص اور محبت کا ثبوت دیا ہے اس نے مجھے ہارگویدہ بنا لیا ہے۔ بخدا! اگر میرے اختیار میں ہوتا تو یہ رشتہ محبت کل کی بجائے آج ہی پایہ تکمیل کو پہنچ جاتا۔ اگرچہ سلطان المعظم نے مجھے مصالحانہ گفت شنید کا اختیار دے رکھا لیکن میں ان کی منظوری اور مرضی کے بغیر کوئی فیصلہ نہیں کر سکتا۔ آپ کو چاہئے کہ اس رشتہ کی درخواست براہ راست سلطان عالی لا بھیجے۔ وہ بزرگ و دانا اور معاملہ فہم ہیں۔ یقیناً کوئی بہتر فیصلہ کر سکیں گے۔“

”ٹھیک ہے، میں خود آپ کے بزرگ بھائی کا احترام کرتا ہوں مگر مجھے اس رکا تہین ہونا چاہئے کہ آپ اس درخواست کی منظوری کے لیے خود بھی کوشش کریں گے۔“

”میری طرف سے ہرگز کوتاہی نہ ہو گی، میرا خیال ہے سلطان معظم مجھے ایس نہیں کریں گے۔ وہ آپ کو بے حد پسند کرتے ہیں۔“

”زہے نصیب... تو میں کل درخواست بھجوا دوں گا۔“

”خدا نے چاہا تو جواب امید افزا ہو گا۔“

اس یقین دہانی کے بعد ملک العادل رخصت ہو گیا۔

ملک العادل سے محبت و تعلق کا اقرار سنتے ہی کچھ ایسے اطمینان کا اظہار کیا تھا جیسے اس کی تمام مشکلیں حل ہو گئیں ہوں۔ اب وہ ملک العادل کو پیغام بھیجے اور دعوت پر بلانے کے لیے مضطرب اور بے چین نظر آتا تھا۔ اس نے کہا۔

”میں اسی وقت ملک العادل کو پیغام بھیجتا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ اس مقصد کے لیے بالڈون ڈی کیرو بہت موزوں رہے گا۔“

اسی لمحے شاہی گارڈ نے بالڈون کی حاضری کے لیے اجازت طلب کی اور رچرڈ و فور مسرت میں بچوں کی طرح تالی بجا کر بولا۔

”آہا... معلوم ہوتا ہے کہ قدرت اس نیک تقریب کے سامان خود پیدا کر رہی ہے۔“



دوسرے روز ملک العادل شاہی تزک و احتشام کے ساتھ جافا پہنچ گیا اور شاہ انگلستان نے اس کے استقبال میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی۔ یہ ایک ایسی شاندار ضیافت تھی جس کے لیے رچرڈ نے غیر معمولی اہتمام کیا تھا۔ برادر سلطان مملوک امیروں کے جلو میں اس شان و شوکت کے ساتھ آیا جس طرح بادشاہوں کی سواری آتی ہے۔ شاہ انگلستان نے اس کے اعزاز میں شاہی شامیانے نصب کرائے اور اپنے نارمن نائٹوں، راہب نما ٹمپلوں اور چڑچڑے فراہمی شہسواروں کے ساتھ پیشوائی کو نکلا۔ وہ اس کے حسن اخلاق، شرافت اور شجاعت سے بے حد متاثر ہو چکا تھا بلکہ مغربی مورخوں کے بقول اس سے پہلے رچرڈ نے ملک العادل کے بڑے لڑکے ملک اکال کو جافا کی ایک تقریب میں افرنگی نائٹوں کے روبرو ”نائٹ“ کے معزز خطاب سے سرفراز کیا تھا۔ وہ انہی طریقوں سے برادر سلطان پر خلوص دوستی کا اظہار کرتا رہا۔

ہیرلڈلم ”The Flame of Islam“ میں رقمطراز ہے۔

”رچرڈ کو جنگ جہل ختم کرانے کی انوکھی تدبیر سوجھی۔ اس نے اپنی بہن سے جوان اور شائستہ و خوش اخلاق ملک العادل کی شادی کی تجویز پیش کر دی۔ شادی کے بعد مسلمانوں کی طرف سے سلطان صلاح الدین اور ملیہوں

پرنسز ورجینا کی گمشدگی

اسے کو اختیار کرے جو پہاڑی زیتونوں کے پاس سے گزرتا ہے۔ یہ گویا ملاقات ایک اشارہ تھا۔ اسی لیے اس نے مملوک سواروں کو آگے نکل جانے کا حکم دیا اور خود رک گیا تھا۔

چین کے ہمراہ قبرصی شہزادی ابھی تک اس کے لیے اجنبی تھی۔ اس نے بوڑھا دیکھا اور ایک چٹان کے قریب پہنچ کر بیٹھ اتر۔ وہ دونوں قریب آچکی ہیں۔ چین نے ہاتھ کی مختلف جنبشوں کے ساتھ ترکوں کا مخصوص سلام ادا کیا۔ مسکرا کر بولی۔

”میں یروشلیم کے ہونے والے بادشاہ کی خدمت میں نئی سلطنت کی مبارک پیش کرتی ہوں۔“

ملک عادل اس کا معنی خیز اشارہ سمجھتا تھا۔ اس نے جواب دیا۔

”سلطان معظم کی منظوری کے بغیر یہ مبارک باد قبل از وقت ہے۔“

”کیا سلطان صلح کا یہ راستہ قبول نہ فرمائیں گے۔“

”میری خاطر انہیں انکار نہ ہو گا لیکن سب سے پہلے وہ ملت کی بھلائی کا دل رکھتے ہیں۔“

عکا کی سفارت کے دوران امیر عادل ملکہ برتگیریا کو رچڑ کے ہمراہ دربار دیکھ چکا تھا پھر بھی اس نے تجاہل سے کام لیا اور قبرصی حسینہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

”شہزادی، تم نے تعارف نہیں کرایا، کیا اس وقت مجھے ملکہ انگلستان سے فات کا شرف حاصل ہے؟“

یہ سن کر شہزادی سوسن بے طرح بوکھلا اٹھی لیکن چین نے فوراً وضاحت دی۔

”نہیں، ملکہ برتگیریا اس وقت پہاڑی کی سیر کر رہی ہے۔ یہ جزیرہ قبرص کی نرسوس ہیں جن کے جلوہ حسن نے میرے سہیلی کی دنیا بدل دی ہے بس ڈرے دنوں میں آپ کی زبان مبارک ہوا ہے۔“

چین کے ہونٹوں پر ایک شریر تبسم تھا۔ سوسن نے شرما کر گردن جھکا لی اور ملک عادل نے کہا۔

”پھر تو شہزادی صاحبہ مبارک باد کی مستحق ہیں۔“

جافا کے نواح میں انگوری پاکستان، زیتون کے باغات اور نخلستان دور دور تک پھیلے تھے اور انہی باغات کی وجہ سے یہ علاقہ ”ریشک عدن“ کہلاتا تھا۔ یہودی کی بستی تل ابیب جو شہر پہاڑ سے تین چار میل دور ساحل بحر پر واقع تھی چھتری دار نخلستانوں اور نرسلوں کے ذخیروں میں گھری ہوئی تھی۔ باغات کا یہ سلسلہ تل ابیب تک چلا گیا تھا جو ابھی تک صلیبوں کی دست برد سے محفوظ تھا کیونکہ یہودی اس ساحلی بستی سے افرنگی نوابوں کے لیے عمدہ شراہیں مہیا کرتے تھے۔

زیتون کے باغات اور چھتری دار کھجوروں کے جھنڈ عبور کرتے وقت ملک عادل کے قلب و ذہن میں ایک آگ سی روشن تھی اور یہ آگ شہزادی کے حسین تصور نے بھڑکائی تھی۔ وہ چلتے چلتے اس تجویز پر بھی غور کر رہا تھا جس کے ذریعے اپنے بزرگ بھائی کو صلح پر آمادہ کرنا چاہتا تھا۔

قافلہ ایک ایسے راستے سے گزر رہا تھا جس کے بائیں ہاتھ ایک چھوٹی سی پہاڑی کے دامن میں زیتون کا باغ تاحد نظر پھیلا ہوا تھا اور دائیں جانب کھجوروں کی چوٹیاں سر اٹھائے کھڑی تھیں۔ شام کے طلسمی اندھیرے میں اہانک نسوانی قہقروں کی آواز چاندی کی گھنٹیوں کی مانند دور دور تک بکھرتی چلی گئی۔ یہ مترنم ہنسی جس میں بہاروں کے نغمے کروٹیں لے رہے تھے، قریب سے ہی پھوٹ رہی تھی لیکن فوراً ایک معنی خیز خاموشی چھا گئی۔ اب اس خاموشی میں صرف ٹاپوں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔

ملک عادل نے ہاتھ لہرا کر اپنے مملوک سواروں کو آگے نکل جانے کا اشارہ کیا اور خود گھوڑے کی باگ کھینچ لی۔ وہ ٹھیک اس جگہ رکا جہاں سے زیتونوں کی اوٹ میں رنگین لباس کی جھلک نظر آ رہی تھی۔ جو نبی سوار آگے نکل گئے۔ شاخوں کے جھرمٹ سے دو حسین و جمیل خوابی پیکر نمودار ہوئے۔

ملک عادل نے شہزادی چین کو پہلی ہی نظر میں پہچان لیا۔ تھوڑی دیر پہلے جب وہ شاہی شامیانوں کے نیچے رخصت کی تیاریاں کر رہا تھا اسے شہزادی کا ایک پیغام موصول ہوا تھا جس میں درخواست کی گئی تھی واپس جاتے وقت وہ اس

مجھ میں گھٹ کر رہ گئی ہو۔ پھر انہوں نے اندھیرے میں متعدد قدموں کے
رنے کی چاپ سنی جو بتدریج دور ہوتی جا رہی تھی۔ اچانک ملکہ برنگیریا کی
نفس آواز ابھری۔

”پر نرس جین، تم کہاں ہو؟“

جین نے متوحش نظروں سے ملک العادل کی طرف دیکھا اور فکر مند لہجے
کا۔

”معلوم نہیں درجینا کو کیا حادثہ پیش آیا ہے کہیں وہ پہاڑی سے پھسل نہ
جاتا ہو۔“

اسی لمحے قدموں کی آہٹ بلند ہوئی۔ کوئی شخص ان کی طرف بھاگا آ رہا
۔ شنراوی جین نے امیر مصر سے معذرت چاہی۔

”میرا خیال ہے آپ کے ساتھی منتظر ہوں گے لیکن میں نے جو درخواست
کی ہے اسے بھول نہ جائیے گا۔ میں بڑی بے چینی سے سلطان عالی کے فیصلے کا
فکر کروں گی۔“

ملک العادل اچک کر گھوڑے کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔

”تم مطمئن رہو جو نئی سلطان عالی کا جواب آیا میں اطلاع بھیج دوں گا۔
حال کل وہ نظروں کی پہاڑی پر قیام فرما ہیں اور قاصد وہاں سے ایک دن میں
ن آتا ہے۔ خدا حافظ۔“

یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کی باگ موڑی اور اسے ایڑ لگا دی۔ شام کے
تے ہوئے اندھیرے اور فغانستان کے بیچ و خم میں وہ فوراً ہی نگاہوں سے
نہل ہو گیا۔ اس کے جاتے ہی شنراوی جین نے قبرصی حسد کا ہاتھ تھام لیا
۔ پہاڑی کی طرف مڑی۔ اسی وقت افغانستان کے شاہی گاؤں کا نائب سردار
راکھی بدحواسی کے عالم میں زیتون کی جھکی ہوئی شاخوں کو ہٹاتا ہوا ان کے عین
نے نمودار ہوا اور انہیں دیکھتے ہی ادب سے جھک گیا۔

”کیا بات ہے میکار تھی، یہ چیخیں کسی تھیں؟“

”جناب... جناب... وہ پر نرس... درجینا...“

”کیا ہوا درجینا کو؟“

”حضور وہ غائب ہو گئیں۔“

”کیا کہتے ہو؟“

”جناب امیر، پر نرس سوسن نے ہمارے معاملہ میں بھی خاصی دلچسپی لی ہے۔
یہی وجہ تھی جب میں یروشلم کی نئی ریاست اور آپ کی بادشاہت کی تجویز پڑ
کی تو وہ فوراً ”رضامند ہو گئے۔“

”خدا انہیں جزائے خیر دے اور جلد ان کے ملکہ انگلستان بننے کی خبر
سنوں۔“

”لیکن پر نرس سوسن کی کامیابی ہماری کامیابی پر منحصر ہے اور اس وقت میر
نے یہی بات گوش گزار کرنے کے لیے آپ کو زحمت دی ہے۔ اگر جنگ دوبار
شروع ہو گئی تو نجانے حالات کون سا رخ اختیار کر لیں۔ براہ کرم میرا یہ پیغام
سلطان عالی تک پہنچا دیجئے۔ اگر انہوں نے بادشاہ کی درخواست منظور نہ کی تو میر
اس سرزمین میں جان دے دوں گی اور میرا خون ان کے سر ہو گا...“

”شنراوی؟“

ملک العادل کے لہجے میں سرزنش تھی گویا انگریز شنراوی نے سلطان معطر
کی شان میں کوئی نازیبا بات کہہ دی ہو مگر جین پر اس سرزنش کا کوئی مطلق اثر
نہ ہوا۔ فرط جذبات سے اس کے سراپا پر ایک لرزش خفی طاری تھی۔ اس نے
اپنے گریباں سے پیمپرس کا تہہ کیا ہوا ایک کانڈ نکالا اور ملک العادل کی طرف
بڑھایا۔

”یہ خط سلطان عالی تک پہنچا دیجئے۔ آپ نہیں جانتے میں اپنے بھائی سے
زیادہ ان کی عزت کرتی ہوں۔“

ملک العادل نے خط لے لیا اور ابھی جین کی بات ختم نہ ہوئی تھی کہ شام
کی تاریکیوں میں لراتی ہوئی ایک نسوانی چیخ نے اسے حواس باختہ کر دیا اور وہ
گھبرا کر بولی۔

”یہ آواز تو درجینا کی معلوم ہوتی ہے۔“

”درجینا کون۔“ ملک العادل بھی متفکر نظر آ رہا تھا۔

”پر نرس درجینا... بادشاہ کی بیٹی تھی۔ وہ بھی ہمارے ساتھ سیر کرنے آئی تھی
ہم اسے ملکہ برنگیریا کے پاس چھوڑ کر ادھر آ گئیں اور وہ دونوں شاہی کینروں کے
ہمراہ پہاڑی پر تھیں۔“

اسی اثنا میں چیخ کی آواز پھر بلند ہوئی لیکن اس مرتبہ آنا ”فانا“ خاموشی چھا
گئی جیسے کسی زبردست قوت نے شنراوی درجینا کا گلا گھونٹ دیا اور آواز اس کے

ارٹھی کو حکم دیا کہ وہ شنزادی کی خبر لے۔ شاہی محافظ ایک آن میں وہاں پہنچا جہاں سے آواز آئی تھی لیکن ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب تلاش کے بعد درجینا کہیں دکھائی نہ دے سکی۔ میں نے گھبرا کر پر سنز جین کو آواز دی ریکارڈ تھی کو بھیجا کہ انہیں بلا لائے۔ وہ بھی واقعہ سن کر بہت پریشان ہوئی کہ درجینا کی گمشدگی سحر و طلسم سے کم نہ تھی۔ سپاہیوں نے باغ کا کونہ کونہ مارا۔ پہاڑی کا ایک ایک پتھر ہلا دیا لیکن درجینا تو شاید جادو کی ٹوپی پہن کر بھوئی تھی یا جس شخص نے اسے اغوا کیا تھا وہ محیر العقول قوتوں کا مالک تھا۔ شنزادی درجینا کی گمشدگی شاہ انگلستان کے لیے ایک کھلا چیلنج تھا جس نے پیکر قبر بنا دیا۔ جب سے وہ ارض مقدس آیا تھا پے در پے اس قسم کے فحاشات ہوئے تھے جن سے شاہی گارڈ کی نااہلی اور بے تدبیری ظاہر ہوتی تھی۔

سپاہیوں کی بزدلی کے باعث سب سے اول شنزادی جین خروہ کے دروں ایک خوفناک حادثہ کا شکار ہوتے ہوتے بچی اور اگر برادر سلطان بروقت اس مدد نہ کرتا تو وہ مشتعل گھوڑے سمیت گہری وادی میں گر کر یقیناً ہلاک ہو جاتا۔ شاہی محافظ اسے بے یار و مددگار چھوڑ کر بھاگ آئے تھے حتیٰ کہ وہ مارگن لاش بھی حاصل نہ کر سکے تھے درندے نے چیر پھاڑ دیا تھا۔

دوسرا حادثہ اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز تھا۔ بالڈون ڈی کیرو کی بیٹی گرینا اسرار طور پر انگلستان کے شاہی خیموں سے اغوا کر لی گئی تھی اور سرکاری ہوس اس کا بھی کھوج لگانے سے قاصر رہے تھے۔ فادر بولاری کی سازش نے اس کے ہوش و حواس تک منتشر کر دیے تھے حتیٰ کہ کرد رسالہ کے نوجوان رٹ ابن ہشام نے اسے یہود کے بحری قزاق ہاتاری کے بچے سے چھڑا دیا تھا۔

تیسرا تحیرزا اور خوفناک سانحہ زہر خوانی کا تھا جس کے تحت شاہ انگلستان کی نالینے کا بھیاک منصوبہ تیار کیا گیا تھا۔ اس سانحہ کے کردار آرج بشپ آف لبرری ہیورٹ، کرٹل آبری کلیمنٹ اور ملکہ انگلستان برٹگیرا ایسی ہستیوں پر متل تھے اور یہ سب کچھ فلپ آگسٹ شاہ فرانس اور مارکوئیس کارڈ حاکم صور کے ایما پر کیا گیا تھا تاکہ فرانس کا نوجوان بادشاہ جناد صلیب کا امیر کبیر بن سکے۔

چوتھا اندوہناک واقعہ عکا کے شاہی محل سے شنزادی جین کا اغوا تھا اور یہ فادر بولاری کی سازش کا نتیجہ تھا جسے خود ملک العادل اس کے پالتو چیتے فحاک، ابن ہشام اور دوسرے لوگوں نے مل جل کر ناکام بنایا اور رچوڑ کی

جین کی غضب ناک آواز دور دور تک لہراتی چلی گئی۔ شاہی گارڈ کے نائب سردار کا بدن خوف سے کانپ رہا تھا اور الفاظ حلق میں اٹک اٹک جاتے تھے۔ ”میں سچ عرض کرتا ہوں۔ سپاہی انہیں تلاش کر رہے ہیں اور میں ملکہ عالیہ کے حکم پر حضور کو بلانے آیا ہوں۔ جلدی کیجئے... ملکہ سخت پریشان ہیں۔“ پھر اس نے آگے بڑھ کر شاہیں ہٹائیں اور جین غصے میں پیر پٹتی ہوئی پہاڑی کی طرف روانہ ہوئی۔ شام کا اندھیرا پہلے سے گہرا ہو چکا تھا اور اندھیرے میں دور کہیں دوڑتے قدموں کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔



شنزادی درجینا تلاش بسیار کے باوجود نہ مل سکی اور اس کی پراسرار گمشدگی نے انگلستان کے شاہی حلقے میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی تھی۔ بادشاہ جوڑ غضب میں دیوانہ ہوا جا رہا تھا اور اس کے حکم پر شاہی رسالہ کے سوار تمام رات شنزادی کا کھوج لگاتے رہے تھے لیکن معلوم ہوتا تھا اسے زمین نگل گئی آسمان کھا گیا کیونکہ ساری رات کی بھاگ دوڑ اور تلاش کے باوجود ابھی تک معلوم نہ ہو سکا تھا کہ شنزادی کو اغوا کرنے والے کہاں سے آئے اور کدھر نکل گئے تھے۔ یورپ اور انگلستان کے بڑے بڑے کھوجی بھی قدموں کا سراغ لگے میں ناکام رہے تھے۔

ملکہ برٹگیرا بھی بہت زیادہ پریشان تھی۔ اس نے بتایا تھا۔ شام کے وقت جب جین اور سوسن انہیں پہاڑی پر چھوڑ کے انگلستان طرف چلی گئیں تو درجینا مجھ سے چند قدم کے فاصلے پر کھڑی تھی پھر وہ تیزی سے نیچے اترتی اور ایک سمت چلنے لگی۔ میرا خیال تھا کہ شاید جین نے اسے اٹا سے بلایا ہے۔ میں سو بانیہ سے عرب مہمانوں کی سفارت کا حال سن رہی تھی اچانک مغرب کی سمت درجینا کی چیخ ابھری۔ مجھے فوراً خیال آیا اندھیرے میں کسی شے سے ڈر گئی ہے کیونکہ اس کی آواز خوف سے کانپ رہی تھی۔ میں فوراً سو بانیہ کو دوڑایا اور خود بھی نیچے اترنے لگی۔ سب کینیز سو بانیہ کے ساتھ ہی بھاگ گئیں۔ چند لمحوں بعد دوسری چیخ ابھری اور یوں لگا جیسے کسی نے دریا کا منہ بند کر دیا ہو۔ مجھے حالات کی اس سنگینی کا احساس ہوا اور اسی وقت

مرانے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔

اچانک نارمنڈی کا ایک جوان سال امیر سرگوشیانہ انداز میں بولا۔
 ”نہیں“ میں اسے تسلیم نہیں کرتا۔ جب بادشاہ انگلستان کی شہزادیاں خود
 یوں کو پیش کر رہا ہے تو انہیں ورجینا کو اغوا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“
 ان الفاظ نے محفل پر ایک سناٹا طاری کر دیا اور فوراً ہی ایک افسر تلوار
 پیچ کر کھڑا ہو گیا۔

”ڈون! تمہیں اس بکواس کا ثبوت دینا ہو گا ورنہ یہ تلوار تم دیکھ ہی رہے
 کوئی انگریز شاہی خواتین کی توہین برداشت نہیں کر سکتا۔“
 ہر طرف سنسنی پھیل گئی۔ فوجی افسروں کی نگاہیں دوڑ کر اس انگریز پر
 گزرتی ہو گئیں جس نے شراب خانہ میں تلوار کھینچ کر عجیب و غریب صورت پیدا
 دی اور اب شمشیر بکت نارمن امیر ڈون کے سر پر کھڑا تھا۔ ڈون کے لبوں
 حقارت آمیز تبسم بکھر گیا۔ وہ انگریز کی تلوار بالکل نظر انداز کر کے کھڑا ہوا
 حاضرین سے مخاطب ہو کر بولا۔

”صاحبو، تم سب اس بات کے گواہ رہو۔ میں نے تمہیں ایک حیرت انگیز
 سنائی ہے لیکن اب اس کی تفصیل بتانا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔ میرے سارجنٹ
 رڈسٹ البرٹ کو یہ وہم ہو گیا ہے کہ میں انگلستان کی شاہی خواتین کی توہین
 کر رہا ہوں لیکن میں نے جو کچھ کہا وہ امر واقع ہے۔ آپ لوگ یہ سن کر حیران
 نہ لگے شاہ رچرڈ شیردل نے صلاح الدین کو صلح کی پیش کش کی ہے کہ وہ ان
 ایوہ بمن ملکہ جین اور اپنے بہادر بھائی ملک العادل کی شادی منظور کر لیں۔
 یہ طرح یروشلم کی سلطنت پر ایک مسلمان بادشاہ اور اس کی عیسائی ملکہ کا
 ترک اقتدار قائم ہو جائے گا۔ چنانچہ بالڈون ڈی کیرو یہ تجویز لے کر اسلامی
 پ کی طرف روانہ ہو چکا ہے اور کوئی دم میں واپس آیا چاہتا ہے۔ میں اپنے
 ست البرٹ سے درخواست کروں گا کہ وہ بالڈون کی واپسی تک تلوار نیام میں
 رکھے۔ اگر یہ خبر غلط ہوئی تو میں اس سے ڈوکل لڑنے کے لیے تیار ہوں۔ ان
 بات میں جب رچرڈ شیردل کو اپنی بہن عرب امیر سے بیاہ دینے پر کوئی
 تراض نہیں بلکہ وہ اس رشتہ کی منظوری کے لیے بہت بے چین ہیں تو یہ بات
 نہ طرح قابل قبول نہیں ہو سکتی کہ مملوک سردار پر نذر ورجینا کو اڑا لے گئے
 نہ لگے۔“

ناموس بچالی تھی۔ اس حادثہ نے رچرڈ کو یکلخت تبدیل کر دیا اور وہ ملک العادل
 کی عزت کرنے لگا تھا۔

پانچویں اطلاع انتہائی دل شکن اور روح فرسا تھی۔ کارڈ جنگ مقدس سے
 علیحدہ ہو کر بالا ہی بالا سلطان اسلام سے صلح کی سلسلہ جنمائی کر رہا تھا اور اس
 نے صیداد بیروت کے عوض عکا کے تبادلے کی تجویز پیش کر کے صلیبی جہاد کے
 تابوت میں آخری کیل ٹھونک دی تھی۔

رچرڈ کو یہ بھی فکر دامگیر تھی کہ کہیں وہ عکا پر اچانک حملہ نہ کر دے۔
 دوسری طرف اس نے مسلمانوں سے صلح کے لیے اپنی بہن کو ملک العادل کے
 عقد میں دینے کی عجیب و غریب تجویز بھی پیش کر دی تھی۔

اور اب چھٹا حادثہ پر نذر ورجینا کا پر اسرار اغوا رچرڈ کو پاگل کر دینے کے
 لیے کافی تھا۔ تعجب تو یہ تھا کہ شاہی خواتین کی ہمراہی خادماؤں کی موجودگی اور
 شاہی محافظوں کی نگرانی کے باوجود ورجینا غائب ہو گئی تھی اور وہ زیٹون کے
 پہاڑی باغ سے یوں اٹھالی گئی جیسے کوئی جادوگر دیکھتے ہی دیکھتے کسی شے کو غائب
 کر دیتا ہے۔

رچرڈ کا تمام غصہ پچارے نائب سردار میکار تھی پر نازل ہوا۔ بادشاہ کے
 حکم سے اسے محکمہ پر باندھ دیا گیا اور ان تمام محافظوں کو جو کل شام شاہی
 خواتین کی حفاظت و نگرانی پر مامور تھے سو سو کوڑوں کی سزا دی گئی۔

شراب خانہ

جافا کے ایک شراب خانہ میں فوجی افسر شاہ انگلستان کے تلون پر حیرت کا
 اظہار کر رہے تھے۔

”کیا بادشاہ پاگل ہو گیا ہے؟“

”دوستو، واقعی ہی جنون خیز ہے، پر نذر ورجینا اس کی بھیجی ہے اگر اسے
 کچھ ہو گیا تو انگلستان کی شاہی عزت و عظمت خاک میں مل جائے گی۔“

”میرا تو خیال ہے کہ ملک العادل کے مملوک سوار ہی جاتے جاتے ورجینا کو
 اڑا لے گئے ہیں۔“ ایک فرانسیسی میجر نے اظہار خیال کیا جسے انگلستان کے شاہی

یہ لخت شراب خانہ کی فضا میں تفتہ بلند ہوا اور فوجی افسر عرب امیر کی زوری کا ذکر سن کر ہنسنے لگے۔ انگریز سارجنٹ میجر البرٹ جو ڈون کے ہدف پر نقش حیرت بن گیا تھا، غم و غصہ کے عالم میں باہر نکل گیا۔ لوگ ہی جین اور ملک العادل کی شادی کے منصوبہ پر اظہار خیال کرنے لگے۔ بوڑھے ڈچ کرنل نے جس کے چہرے پر بھاری مونچھیں گھری کی دم کی مانند رہی ہوئی تھیں جوان افسروں کو بتایا کہ وہ دوسری صلیبی جنگ میں بھی حصہ لیا ہے۔ جب سلطان نور الدین سے معرکہ آرائیاں ہوئی تھیں۔ اس نے بڑے عرب سرداروں سے جنگیں لڑی ہیں لیکن صلاح الدین اور ملک العادل جیسے بہادر، شریف، رحمدل، مہمان نواز اور عالی ظرف دشمن آج تک نے میں نہیں آئے جنہوں نے اپنی اعلیٰ فوجی قابلیت سے عربوں کے قلیل ہوں کی بہت طاری کر دی ہے۔

”مجھے کسی ایسے بادشاہ کا نام بتاؤ جس نے میدان جنگ میں اپنے دشمن کی مدد کی ہو۔ اس کے علاج کے لیے حکیم بھیجا ہو اور حکیم نے بالکل صحیح نسخہ سے اسے تندرست بھی کر دیا ہو۔ پھر اس کے راحت و آرام کی خاطر بے پانی پھلوں اور پرندوں کے تخمے ارسال کرتا رہا ہو۔ یہی نہیں بلکہ اس نے اپنے دشمن کی ناموس کی بھی حفاظت کی ہو۔ صاحبو! تاریخ میں آپ کو اس کا کوئی کردار نظر نہ آئے گا۔ یہ شرف صرف صلاح الدین اور ملک العادل کو مل ہے۔ وہ اپنے دشمن سے بھی تہذیب و شرافت کے ساتھ پیش آتے ہیں۔ رچرڈ نے اپنی بہن کے لیے عرب امیر کا انتخاب کیا ہے تو اس پر تعجب نہ ہونا چاہئے۔ کیا پورے یورپ میں کوئی بادشاہ، شہزادہ، نواب یا سپہ سالار ملک العادل کی ہمت کر سکتا ہے۔ نہیں، نہیں خداوند کی قسم! اگر ہمارے درمیان مذہب کی بار حائل نہ ہوتی تو ہم ملک العادل اور اس کے بزرگ بھائی کے ہاتھوں کو دینا بہت بڑا اعزاز سمجھتے۔ میں ان لوگوں کو قابل احترام سمجھتا ہوں اور دل و جان کی عزت کرتا ہوں۔ میرے نزدیک شاہ رچرڈ نے اپنی زندگی میں ایک ہی لہجہ کا کام کیا ہے۔ اگر صلاح الدین یہ شادی منظور کر لے تو یروشلم میں مشترک حکومت قائم ہو جائے گی اور مسلمانوں کی طرح عیسائی بھی اس شہر کی زیارت کر سکیں گے۔ خداوند سے دعا کرو وہ سلطان کے دل میں رحم و مہاشا اور شادی پایہ تکمیل کو پہنچ جائے ورنہ تمکواروں کے ہل پر یروشلم

ڈون کی تقریر نے حاضرین کے چہروں پر تیسروں تعجب کے آثار پیدا کر دیے بعض آنکھوں سے حقارت سی جھانکنے لگی اور انگریز سارجنٹ میجر کا منہ لٹک رہ گیا۔

”لیکن اس بات کا کیا ثبوت ہے؟“

”ثبوت... میرے دوست، ثبوت کی کیا ضرورت ہے۔ ایک دو روز مہم کرو۔ جب عرب پر نزع جین کو بیاہ کر لے جائیں گے تو تم خود بخود ڈون کو مار جاؤ گے۔“

نارمن امیر نے سارجنٹ میجر کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔

”اچھا البرٹ! میں تمہیں بتاتا ہوں کہ آج صبح جب بالڈون بادشاہ کا پیغام لے کر اسلامی کیپ کی طرف روانہ ہوا تو اس نے مجھے بتایا تھا وہ پر نزع جین اور امیر عادل کی شادی کی تجویز لے کر جا رہا ہے اور میں تم پر یہ راز منکشف کر دوں کہ بادشاہ کی رضامندی سے بالڈون نے اپنی بیٹی گریٹا کو بھی ایک کرد سوار ابن ہشام سے منسوب کر دیا ہے۔ تم اس عرب حکیم کو نہیں بھولے جو چند ماہ قبل ٹورون کی چھاؤنی میں بادشاہ کا علاج کرنے آیا اور جس نے پوشو کے سوار بہادر پنڈو کو ذلت آمیز شکست دے کر ہلاک کر دیا تھا۔ اسی کا نام ابن ہشام ہے۔“

شراب خانے کی فضا پر سناٹا طاری تھا۔ کئی آنکھیں ڈون کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ جیسے اس نے مصر قدیم کی کسی حنوط شدہ لاش سے پٹیاں اتار کر اسے نکا کر دیا ہو اور ہزاروں سال پرانی لاش اب شراب خانے میں چلتی پھرتی نظر آرہی تھی۔ اچانک وہ فرانسیسی میجر جس نے سب سے پہلے انگریز شہزادی کا تسخر اڑایا تھا۔ غصہ میں پھنکارتا ہوا اٹھا اور حقارت آمیز لہجے میں چلایا۔

”جناب ڈون! میں آپ کا گواہ رہوں گا اور مجھے یقین ہے کہ آپ کی اطلاع غلط نہیں ہو سکتی۔ خداوند یسوع کی قسم! میں پہلے ہی جانتا تھا کہ شاہ انگلستان ہمیں عربوں کے سامنے ذلیل کروائیں گے۔ امیر عادل کو آئے دن مدد کرنے اور پر تکلف ضیافتیں اڑانے کا بھید آخر کھل ہی گیا اور میں تو عرب امیر کی خوراک پر حیران ہوں۔ وہ کھانے کی میز پر بیٹھ کر تنہا سالم دنیہ چٹ کر جاتا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے اس بہادر کو ضیافت اڑاتے دیکھا ہے۔ اچھا یہ تو بتائیے پر نزع جین کے شاہی جیمز میں کتنے باورچی نذر کیے جائیں گے۔“

قیامت تک فتح نہ ہو سکے گا اور صلیبی لشکر عرب تلواروں کا لقمہ بننے رہیں گے۔“

یہ کہہ کر بوڑھا ڈچ کر ٹل اٹھا اور سب کو حیرت و استعجاب میں جھوڑ کر شراب خانہ سے باہر نکل گیا۔

جافا کی چھاؤنی میں گزشتہ رات دن قیامت آفرین ہنگامے میں گزرے تھے۔ افرنگی سوار اور فوج کے دستے تیزی کے ساتھ حرکت کرتے ہوئے نظر آئے۔ شاہی جاسوس اور کھوجی بھاگے پھرتے تھے۔ بادشاہ نے حکم دیا تھا کہ شنزادی ورجینا کو تیسری رات گزارنے سے پہلے ہی کہیں نہ کہیں سے برآمد کر لیا جائے ورنہ وہ تمام افسروں کو معطل کر دے گا۔ لوگ جگہ جگہ کھڑے بس ایک ہی موضوع پر اظہار خیال کر رہے تھے اور وہ موضوع تھا پر سنز ورجینا کی پراسرار گمشدگی اور شنزادی جین کی متوقع شادی۔

تاریخ کی شہادت

صلاح الدین کا سیرت نگار اور قاضی عسکر علامہ بہاؤ الدین ابن شداد لراہ ہے۔

”جب رمضان کی ۲۹ ویں تاریخ آئی۔ ملک العادل نے مجھے اپنے حضور مجھ سے پہلے ہی وہاں امرائے لشکر کی ایک جماعت موجود تھی جن میں امیر الدین سلیمان، سابق الدین عزالدین بن مقدم اور حسام الدین قابل ذکر ہیں۔ العادل نے بالتفصیل بتایا کہ شاہ انگلار کا قاصد لوٹ آیا اور اپنے ہمراہ ایک بی مراسلہ اور زبانی پیغام لایا ہے۔ اس پیغام و مراسلت کے مطابق بادشاہ کا ہے ملک العادل کی شادی اپنی بہن سے کر دے۔ یہ بہن وہ تھی جو شاہ (سلی) کی زوجیت میں تھی لیکن اس کی وفات کے بعد بیوہ ہو چکی تھی۔ شاہ انگلار ارض مقدس کی طرف آتے ہوئے مقبلہ سے گزرا تو اسے اپنے لیتا آیا تھا۔ ان کے درمیان یہ قرار پایا تھا کہ ملکہ کا مستقل قیام بیت اس میں ہو۔ یعنی بیت المقدس اس نئی ریاست کا دارالحکومت بنے جو ملک ل اور جین کی شادی کے نتیجے میں قائم ہوگی۔ اس کے بھائی نے یہ بھی کیا تھا وہ تمام ساحلی شہر جو عکا سے جافا یا عسقلان تک اس کے قبضہ میں ہیں کی اطاعت میں دے دے گا اور اسے ”ملکہ ساحل“ بنا دے گا اور اس کے ملک العادل کو ”ملک الساحل“ قرار دے گا اور اس طرح ملک العادل کے نہ شہروں اور ملکیت میں مزید اضافہ ہو جائے گا۔ اس کے عوض سلطان ب العلوب واپس کر دے گا اور ٹمپلز اور ہاپٹلز کو کچھ قریبے (بطور جاگیر) ت کرے گا۔“

”تمام قلعے دونوں کی ملکیت قرار پائیں گے۔“

”شاہ انگلار ہمارے قیدی رہا کر دے گا اور اسی طرح ہم ان کے قیدیوں کو

کے ہاتھ شہزادی جین کا وہ خط بھی سلطان کی خدمت میں بھیج دیا تھا جو اس نے
زینوں کی پہاڑی والی ملاقات میں پیش کیا تھا۔ اس خط میں صرف ایک فقرہ درج
تھا اور سلطان اس فقرہ سے بے حد متاثر ہوا۔ جین نے لکھا تھا۔
”سلطان معظم! انگلستان کی شہزادیاں آپ کے گھر کی

کنیز بننے پر فخر محسوس کرتی ہیں۔“

سلطان کے ”باش کاتب“ مولانا عماد الدین امبانی اپنی
مشہور تصنیف ”الفتح القسی“ میں لکھتے ہیں کہ اپنے بھائی کے
سامنے ملک العادل کے ساتھ شادی کی تجویز خود شہزادی جین
نے پیش کی تھی جسے رچڑ نے مبہم قلب منظور کر لیا
کیونکہ وہ ملک العادل سے بہت متاثر ہو چکا تھا۔ فریقین میں
اس امر پر سمجھوتہ ہو گیا تھا کہ فلسطین کے تمام متنازعہ علاقے
ملک العادل کی تحویل میں دے دیے جائیں۔ اس طرح
یروشلم کی نئی ریاست عالم وجود میں آ جائے گی جس پر ملک
العادل اور جین میاں بیوی کی حیثیت سے حکومت کریں گے
اور دونوں فریق ان کا خیال رکھیں گے۔ رچڑ یہ چاہتا تھا
کہ جین کی مدد کے لیے صلیبیوں کی ایک عسکری طاقت بھی
نئی ریاست میں موجود رہے تاکہ عیسائی دنیا کو یہ کہنے کا موقع
نہ مل سکے کہ وہ یروشلم کو فتح کرنے گیا تھا۔ ہزاروں سپاہی
مروانے کے بعد اپنی بہن بھی مسلمانوں کو دے آیا۔ اس
خیال کے پیش نظر اس نے مطالبہ کیا تھا۔ ملک العادل
متعقب ترین صلیبی دیوانوں ٹمپلز اور ہاسپٹلز کو کچھ قریے
اور بستیاں بطور جاگیر عنایت کر دے جہاں وہ قلعہ بند ہو کر
بیٹھ جائیں۔ فیاض اور سخی ملک العادل نے یہ فرمائش بھی
منظور کر لی لیکن یہ شرط قائم رکھی کہ صلیبی جاگیردار مرکزی
حکومت کے خلاف سرکشی نہیں کر سکیں گے ورنہ ملک
العادل کو ان کی گوشمالی کا حق حاصل ہو گا جس پر رچڑ نے
یقین دلایا کہ وہ بہر حال بادشاہ اور ملکہ کے وفادار رہیں گے
اور ملک العادل انہیں اپنے دشمنوں کے خلاف استعمال کر

چھوڑ دیں گے۔“
”فریقین میں صلح اسی اصول پر طے پائے گی جس کے بعد شاہ انگلار اپنے
ملک سمندر پار چلا جائے گا۔“

یہ تفصیل ملک العادل کے اس قاصد نے بیان کی جو شاہ انگلار کے پاس گیا
تھا چنانچہ خود ملک العادل نے ہمیں اپنے حضور طلب کیا اور فرمائش کی کہ ہم شاہ
انگلار کا یہ مراسلہ اور پیغام لے کر سلطان کی بارگاہ میں جائیں۔ مجھے اس نے
سلطان سے گفتگو کرنے کا اختیار دیا اور میرے ہمراہ جانے والی جماعت کی حیثیت
سامع کی تھی۔

ملک العادل نے خواہش ظاہر کی ہم سلطان کی خدمت میں جائیں اور یہ
داستان عقد اس کے گوش گزار کریں۔ اگر یہ بات انہیں پسند آئے، وہ اس میں
مسلمانوں کی بھلائی دیکھیں تو اس کی اجازت بخش دیں ورنہ ہم اس امر کی گواہی
دے سکیں گے کہ صلح کی گفت و شنید اس مرحلے تک پہنچ چکی تھی اور یہ وہی تھا
جس نے اس مشورے کو باطل قرار دیدیا۔

جب ہم سلطان کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ میں نے یہ قصہ ان کے گوش
گزار کیا اور امراء مذکور کی حاضری میں شاہ انگلار کا مراسلہ پڑھ کر سنایا۔
سلطان نے اس قرارداد کو پسند کیا اور اندیشہ کا بھی اظہار کیا کہ شاہ انگلار اسے
جامہ عمل نہ پہنا سکے گا۔ یہ اس کا مکر معلوم ہوتا ہے یا اس نے تسخیر کیا ہے۔
بہر طور میں نے سلطان کے حضور تین مرتبہ یہ بات دہرائی کہ کیا وہ اس پر
رضامند ہیں؟ اور وہ ہر بار کہتے تھے۔

”نعم۔“ (ہاں)

انہوں نے اظہار مسرت کیا اور اپنی شہادت دی۔ جب سلطان کی خوشنودی
اور رضامندی ثابت ہو گئی تو ہم ملک العادل کی طرف لوٹ آئے اور اسے
سلطان کی رضامندی اور صورت حال سے مطلع کیا۔ علماء کی جو جماعت میرے
ہمراہ گئی تھی اس نے سلطان کی شہادت کی وہی کیفیت بیان کی اور ملک العادل کو
بتایا کہ میں نے تین مرتبہ اپنی بات دہرائی اور انہوں نے ہر بار خوشنودی و
استقامت ظاہر فرمائی اس طرح یہ قرارداد عقد پکی ہو گئی۔

(سیرت صلاح الدین ۱۵۳ - ۱۵۴ صفحہ۔ مطبوعہ مصر)

یہ امر قابل ذکر ہے کہ ملک العادل نے اپنے سفیر وکیل علامہ ابن شداد

دیا تاکہ وہ لائرن محل میں مقدس پیشوا پاپائے روم سے ملاقات کرے اور شہزادی
بین کے متوقع عقد کو روکنے کے لیے رومی کلیسا کی طرف سے اعلان مذمت
باری کرائے۔
جس وقت رچرڈ کو اس مذہبی وفد کی روانگی کا علم ہوا راہبوں کا تیز رو
زانیسی جہاز بہت دور نکل چکا تھا۔

آرچ بشپ کا مقدمہ

ابھی پرنسز ورجینا کی گمشدگی ایک معمائی ہوئی تھی کہ راہبوں کی
تالفت، فرانسیسی اور اطالوی باشندوں کی طعن زنی اور صلیبی رضاکاروں کی
بقاوت و سرکشی کی خبروں نے رچرڈ کے دل کا سکون برباد کر دیا۔
جنگ میں کامیابی کی کوئی امید نظر نہ آتی تھی بلکہ اب تو اس کا یورپی حریف
کازڈ بھی ایک خطرہ بن چکا تھا۔ باعزت پسائی اور واپسی کے لیے اگر اس نے
صلح کی ایک صورت نکالی تو پارٹیوں نے اسے ہدف ملامت بنا لیا گویا ”نہ جائے
مائد نہ پائے رفتن“ کا مضمون درپیش تھا۔ وہ تمام سپاہی اور جاسوس جو شہزادی
ورجینا کی تلاش میں گئے تھے، غضب آلود بادشاہ کے سامنے آتے گھبرا رہے تھے
کیونکہ وہ شہزادی کا کھوج لگانے میں کامیاب نہ ہو سکے۔ ایک شخص نے اطلاع
دی کہ جس رات پرنسز ورجینا گم ہوئی اسی رات ایک جہاز یورپ کی طرف
روانہ ہوا تھا۔ رچرڈ نے حکم دیا اس جہاز کا تعاقب کیا جائے۔

رچرڈ اپنے کمرے میں اداس و متشکر بیٹھا سرخ واڑھی کھچا رہا تھا۔ اس کا
ذاتی استقف ولیم آف پوشو جسے اس نے فوری طور پر طلب کیا تھا، برآمدے میں
ایک ستون کے سارے کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کیونکہ بادشاہ نے ابھی
تک اسے حاضری کی اجازت نہیں دی تھی۔ اس کے ذاتی مشیر اور جرنیل بھی
محل کے کمرے میں ملاقات کے انتظار میں بیٹھے تھے۔ اسی اثنا میں بالڈون ڈی کیرو
نیم تاریک دLAN میں چلتا ہوا برآمدے تک آیا۔ اس کے پیچھے پیچھے آرچ بشپ
آف سلسبری ہیو برٹ والٹو کا مغموں و متشکر چہرہ دیکھ کر ولیم آف پوشو چونک
اٹھا۔ شاید بادشاہ اسی کا انتظار کر رہا تھا۔

سکے گا۔

عماد کاتب نے بھی ان چیدہ چیدہ امرا کے نام لکھے ہیں
جنہیں ملک العادل نے علامہ بہاؤ الدین ابن شداد کے ہمراہ
سلطان کی بارگاہ میں بھیجا تھا۔ اس نے یہ سب اہتمام اس
لیے کیا کہ سلطان ان امرا کو عزیز رکھتا اور ان سے اکثر
مشورے لیتا تھا۔ پھر فوجی اعتبار سے بھی ان کا مرتبہ بلند تھا
اور ملک العادل کو یقین تھا جب یہ لوگ رچرڈ کا مراسلہ لے
کر سلطان کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے وہ انکار نہ کر سکے گا۔
چنانچہ وہی ہوا جو وہ چاہتا تھا۔ سلطان نے رچرڈ اور ملک
العادل کی باہمی قرارداد کی منظوری دے دی۔

عماد الکاتب نے یہ بھی لکھا ہے کہ منظوری کی اطلاع
اسی وقت شاہ انگلستان کو بھیج دی گئی اور صلح و شادی کی یہ
خبر دونوں لشکروں میں پر لگا کر آنا ”فانا“ پھیل گئی۔ مسلمانوں
نے اس اطلاع پر خوشی کا اظہار کیا لیکن صلیبی لشکروں میں
افسردگی کی لہر دوڑ گئی۔ سپاہی اور افسر بادشاہ پر طعن زنی
کرنے لگے۔ راہبوں اور استفول نے تو طوفان بد تمیزی پھا
کر دیا۔ وہ کہتے تھے رچرڈ شیر دل نے عرب امیر سے اپنی
ہن کارشتہ کر کے پوری عیسائی قوم کی ناک کاٹ دی ہے۔
(الفتح القسی صفحہ ۳۹۳ تا ۳۹۶، مطبوعہ مصر)

راہبوں نے بادشاہ کے فیصلہ پر ناپسندیدگی اور ناراضی کا اظہار کرنے کے
لیے ایک جلوس مرتب کیا اور ”کروسیڈ ... مقدس کروسیڈ“ کے نعے لگاتے
شاہی محلات کی طرف چل دیے۔ بڑے بڑے بطریق اور استقف وفد کی صورت
میں شہزادی جین سے ملے اور مطالبہ کیا وہ نہ صرف اس شادی سے انکار کر دے
بلکہ بادشاہ کے خلاف واضح بیان دے مگر شہزادی نے یہ احمقانہ مطالبہ ماننے سے
صاف انکار کر دیا جس پر راہب بہت زیادہ مشتعل ہو گئے۔

آرچ بشپ آف سلسبری ہیو برٹ والٹو نے جو عملی طور سے علمائے صلیب
کی رہنمائی کر رہا تھا، اسی رات معزز بطریقوں کا ایک وفد روم کی طرف روانہ کر

عزت کا جنازہ اٹھے اور آپ اس کی حفاظت سے مطمئن ہو جائیں۔“
 ”نہیں... نہیں... یہ الزام غلط ہے۔“

آرچ ہشپ کا چہرہ کسی لاش کی طرح بے رنگ نظر آ رہا تھا اور الفاظ اس کے حلق میں گھٹ گھٹ کے دم توڑ رہے تھے۔ رچڑ نے اس کے سیاہی مائل چہرے پر نظر ڈالی اور گواہوں سے مخاطب ہو کر بولا۔

”صاحبو! مجھے افسوس ہے کہ ہمارے برزگ پیشوا جھوٹ بھی بولتے ہیں۔ ٹورون کی چھاؤنی میں انہوں نے مجھے زہر پلانے کی سازش کی اور اس سازش کے ایک گواہ کرل آبری کلیمنٹ کو بڑی ہوشیاری سے اس وقت قتل کر دیا گیا جب وہ عکا کی فیصل کے نیچے عربوں سے جنگ لڑ رہا تھا۔ لوگ آج تک یہی سمجھتے ہیں کہ کرل بری کسی عرب سپاہی کا نشانہ بنا لیکن میں اس کے وحشیانہ قتل کا گواہ ہوں۔ میری آنکھوں کے سامنے آرچ ہشپ کی تلوار اس بہادر کی پسلیوں میں اتر گئی اور وہ تیوراکر گر پڑا۔“

بالڈون ڈی کیرو اور ولیم آف پاشو حیرت پاش نگاہوں سے اسقف اعظم کو گھور رہے تھے جس کے ہونٹوں پر مہر سکوت ثبت ہو چکی تھی۔ رچڑ نے ایک لمحہ ٹھہر کر اپنی بات جاری رکھی۔

”آرچ ہشپ نے یہ خون ناحق اس لیے کیا کہ غریب آبری میرے قتل کی سازش میں شریک اور اس راز کو میرے حضور بیان کر چکا تھا مگر خداوند کا شکر ہے کہ ملکہ برنگیریا ابھی زندہ ہے۔ میری عزیز از جان ملکہ برنگیریا جس نے ہولی قادر کے خوفناک جال میں پھنس کر مجھے زہر پلایا اور نادانستہ میری جان لینے پر تیار ہوئی۔ صاحبو! وہ یقیناً بے گناہ ہے کیونکہ آرچ ہشپ نے اسے یقین دلایا تھا کہ وہ بادشاہ کو بے ہوشی کی دوا پلانا چاہتا ہے۔ حالانکہ وہ ایک سرسبز الاثر زہر تھا۔ ملکہ ہمارے سامنے اس المناک واقعہ کی تفصیل پیش کرے گی۔ برنگیریا... برنگیریا... تم کہاں ہو؟“

دوسرے لمحے اعلیٰ پردوں میں حرکت ہوئی اور انگلستان کی ملکہ برنگیریا سر پر ٹکڑے کنکروں کا سنہری ہالہ پہنے اور لباس فاخرہ زیب تن کیے عجیب شان دار ہائی کے ساتھ کمرے میں داخل ہوئی۔ اس کے عقب میں دو کنیزوں نے شاہی عبا کو تھام رکھا تھا۔ رچڑ نے آگے بڑھ کر ملکہ کی پیشوائی کی اور تحیر و تعجب میں ڈوبے ہوئے بالڈون، ولیم اور خود آرچ ہشپ کمر تک جھک گئے۔ کنیزوں کو فوراً

ولیم نے آگے بڑھ کر والٹر پارسا کو سلام کیا۔ فوراً ہی شاہی کارڈ نے آرچ ہشپ کی آمد کی خبر دی۔ بادشاہ نے حکم دیا۔

”صرف آرچ ہشپ، بالڈون ڈی کیرو اور ہشپ ولیم کو حاضر کرو۔ ان کے علاوہ کوئی آدمی برآمدے میں نہ آئے۔“

تھوڑی دیر کے بعد تینوں آدمی اس کے سامنے حاضر تھے۔ بوڑھے اسقف نے مزاج پر سی کی بھی ضرورت محسوس نہ کی اور کمرے میں داخل ہوتے ہی بادشاہ کے جذبات پر حملہ کر دیا۔

”عالی جاہ! خدا کرے وہ اطلاع غلط ہو جس نے تمام لشکر میں غم و اندوہ پھیلا دی ہے۔ مجھے امید ہے کہ حضور کوئی ایسا قدم نہ کریں گے جس سے دین صلیب کو ضعف پہنچے۔“

رچڑ کے پرسکون چہرے پر موج بحر کی طرح جذبات کی لہر تھر تھرائی۔ یہ تبدیلی اچانک ہی عمل میں آئی تھی۔ حالات کی کروٹ نے مجبور کر دیا تھا۔ وہ صلح کی قرارداد پر سنجیدگی سے بحث کرے اور لوگوں کو اپنا ہم خیال بنائے لیکن آرچ ہشپ کی بات سے صاف ظاہر تھا وہ اس معاملے میں مصالحت کے لیے تیار نہیں۔ یہی وہ شعلہ تیز تھا جس نے بادشاہ کو مشتعل کر دیا۔ وہ بڑے ڈرامائی انداز میں کرسی سے اٹھا اور خوفناک لہجے میں بولا۔

”صاحبو! یہ آرچ ہشپ آف سلسبری انگلستان کے سب سے بڑے روحانی پیشوا ہیں اور انگریزی قوم کے مذہبی رہنما ہیں۔ میں نے تمہیں اس لیے تکلیف دی ہے تاکہ تم اس گفتگو کے گواہ نہ ہو جو میں ابھی ہولی قادر سے کروں گا۔ میں نے بہت دنوں صبر کیا ہے لیکن یہ صاحب میری عزت و آبرو کے ورپے ہیں۔ حالانکہ خود میرے رحم و کرم پر زندہ ہیں۔“

کمرے میں موت کا سناٹا چھا گیا۔ بالڈون اور ولیم کی نگاہیں دوڑ کر آرچ ہشپ کے چہرے پر مرکوز ہو گئیں جس پر اچانک زرد لہر کانپنے لگی تھی۔ بوکھلائے ہوئے انداز میں اس نے کھلی آستینوں والے بازو لہرائے اور خوفزدہ آواز میں کہنے لگا۔

”یورہائی نس! آپ کو ضرور کوئی غلط اطلاع دی گئی ہے۔ خداوند یسوع کو علم ہے میں حضور کی عزت و آبرو کو اپنی زندگی سے زیادہ عزیز رکھتا ہوں۔“
 ”اور اسی لیے آپ نے ٹورون کی چھاؤنی میں مجھے زہر دیا تھا تاکہ میری

رخصت کر دیا گیا اور بادشاہ اسقف اعظم سے مخاطب ہو کر بولا۔

”ہولی فادر! یہ وہی عورت ہے جس نے آپ کے اشارہ پر شاہ انگلستان کو ہلاک کرنے کی کوشش کی۔ یقیناً اب آپ جرم سے انکار نہیں کر سکتے۔ ہاں پیاری برنگیریا! تم ذرا ان لوگوں کے سامنے اصل واقعہ بیان کرو جنہیں میں نے بطور گواہ طلب کیا ہے۔“

برنگیریا نے الف سے ی تک زہر خوانی کا قصہ بیان کیا اور آخر میں کہنے لگی۔

”یہ منحوس آدمی جس نے مجھے فریب دے کر ایک ہولناک جرم کا آلہ کار بنایا اور بادشاہ کی نظروں میں بے وقعت کر دیا، سزا سے نہیں بچ سکتا۔ میں حیران ہوں کہ ابھی تک عالی جاہ نے اسے زندہ کیوں رکھا ہے؟“

اچانک بالڈون ڈی کیرو نے تڑپ کر میان سے شمشیر نکالی اور اسے لہراتے ہوئے چلایا۔

”میں انگلستان کے نام پر ہیو برٹ والٹر کو قتل کرتا ہوں۔“

رچرڈ باز کی طرح جھپٹ کر درمیان میں حائل ہو گیا۔ اس نے دونوں بازو اٹھا دیے۔

”بالڈون، تلوار نیام میں رکھو، میں آرج بشپ کو صفائی کا موقع ضرور دوں گا۔“

بالکل یوں معلوم ہو رہا تھا بادشاہ کے کمرے میں کوئی ڈراما کھیلا جا رہا ہے جس کے تمام کردار اپنا پارٹ بڑی مہارت کے ساتھ ادا کر رہے ہیں لیکن یہ کوئی کھیل اور ڈراما نہیں بلکہ اس ہولناک حادثہ کی صدائے بازگشت تھی جو چند ماہ پہلے نوروں کی چھاؤنی میں پیش آیا تھا۔ بادشاہ کے حکم پر بالڈون نے تلوار میان میں ڈالی اور آرج بشپ کو کینہ توڑ نگاہوں سے گھورنے لگا جو کمرے کے وسط میں ایک حنوط شدہ لاش کی مانند ساکت و صامت کھڑا تھا۔ رچرڈ تیزی سے اس کی جانب گھوم گیا۔

”ہولی فادر! اب یہ بتائیے، آپ کو مجھ سے کیا دشمنی تھی، ساری دنیا جانتی ہے میرا باپ خدا اسے معاف کرے، کلیسا کا دشمن تھا اور اس نے بیکٹ پارسا کی جان لے کر گناہ عظیم کا ارتکاب کیا۔ انگلستان میں کلیسائی عدالتیں بند کر دیں۔ میں صرف اسی کے گناہوں کا کفارہ ادا کرنے کی خاطر صلیب مقدس کی

جگ میں شریک ہوا اور یروٹلم پر خدائے مصلوب کا پرچم نصب کرنے کے لیے سچ دل کے ساتھ ”کافروں“ سے لڑتا رہا پھر آپ نے ملکہ کو ورغلا کر مجھے زہر کیوں دیا۔ بس میں اسی سوال کا جواب چاہتا ہوں۔“

آرج بشپ کی بدحواسی اور بے چینی انتہا کو پہنچ چکی تھی۔ دہشت کے مارے زبان گنگ اور بدن پر ٹھنڈی کچکی طاری تھی مگر بادشاہ کا لہجہ کسی قدر امید افزا تھا۔ اس نے اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے جواب دیا۔

”یور ہائی نس! آپ ان اسرار سے آگاہ نہیں جو نوروں میں پیش آئے تھے۔ میں خداوند یسوع کے مقدس نام کی قسم کھا کر یقین دلاتا ہوں کہ حضور کو زہر دینے کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ فلپ چونکہ فوجوں کی کمان پر مصر تھا اس لیے میں کانرڈ کے اس فریب میں آ گیا کہ حضور کو بے ہوشی کی دوا پلا کر میدان جنگ میں جانے سے روک دیا جائے۔ دوا بھی اس نے میا کی اور حلف اٹھا کر یقین دلایا تھا وہ بے ضرر ہے مگر بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ وہ ایک خطرناک زہر ہے۔ میری جو حالت ہوئی بیان نہیں کر سکتا۔ ملکہ عالیہ صرف میری غلطی کی وجہ سے عالی جاہ کے عتاب کا شکار ہوئیں۔ کاش، میں نے کانرڈ پر اعتماد نہ کیا ہوتا۔ اس نے آپ کو محض اس لیے ہلاک کر دینا چاہا کہ آپ گائی لو گمنان کے حامی تھے اور مجھے اپنا آلہ کار بنا لیا۔ بے شک میں موت کا سزاوار ہوں لیکن اگر مجھے موقع دیا جائے تو میں اپنے اس جرم عظیم کا کفارہ ادا کرنے کی سعی کروں گا۔ اید اس طرح حضور کی مشکلات میں کمی ہو جائے۔“

”کفارہ؟ لیکن آپ کفارہ کس طرح ادا کریں گے؟“

”عالی جاہ! مجھ پر اعتماد کیجئے۔ میرے دل پر پہاڑوں کا بوجھ آگرا ہے اور مجھے اسی وقت سکون نصیب ہو سکتا ہے جس وقت میں حضور کے بدترین ن کو موت کے گھاٹ اتار دوں۔“

رچرڈ تیزی کے ساتھ ایک قدم پیچھے ہٹا۔ ”میں آپ کا مطلب نہیں مانتا۔“

”یور ہائی نس! مارکوئیس کانرڈ آپ ہی کا دشمن نہیں، صلیب کا بھی غدار۔ جب اسے یروٹلم کی بادشاہت نہ مل سکی تو جنگ مقدس سے کنارہ کش ہو گیا۔ اب میں نے سنا ہے کہ وہ صلیبی لشکروں کے خلاف صلاح الدین سے ساز باز رہا اور عکا پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ حضور کی بیشتر مشکلات کا باعث

”ہولی فادر! کوئی سپہ سالار شکستہ دل سپاہیوں کے ساتھ کامیاب جنگ نہیں
سکتا۔ وہ لوگ جو یورپ سے ”مزار مسیح“ کو فتح کرنے کی امیدیں لے کر آئے
تھے۔ اب جنگ سے جی چرانے اور اپنے گھروں کو واپس جانے کے لیے بے تاب
نظر آتے ہیں۔ اگر آپ نے عکا اور جافا کے بازاروں، میکدوں اور بالاخانوں
میں جھانک کر دیکھا ہوتا جہاں صلیب کے نام لیوا بدچلن عورتوں کے ساتھ رنگ
ریاں مناتے ہیں تو آپ جنگ کا مشورہ کبھی نہ دیتے۔ میں نے اسی لیے سلطان
سے مصالحت کی طرح ڈالی اور اسے مصالحت پر آمادہ کیا ہے....“

”لیکن شہزادی جین کا عقد ہر سچے عیسائی کے لیے ندامت کا باعث ہے۔ ہم
برداشت نہیں کر سکتے کوئی عیسائی عورت کسی کافر کی شریک حیات ہو۔“

رچرڈ کے چہرے پر ابھرنے کے آثار نمایاں ہو گئے۔

”میرے نزدیک امیر عادل یورپ کے نائٹوں سے زیادہ بہادر، شریف اور
مہذب ہے۔ اس کے ساتھ تعلق پیدا کر کے دراصل میں صلاح الدین کو فلسطین
سے بے دخل کرنا چاہتا ہوں پھر پرنسز جین جانتی ہے کہ اسے اپنی قوم کی فتح
نصرت اور یروشلم پر مکمل اختیار حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ کرنا ہو گا۔“

”عالی جاہ! صرف جنگ ہی ہماری گزشتہ ناکامیوں اور بربادیوں کا مداوا کر سکتی
ہے۔ میں وعدہ کرتا ہوں کہ سپاہیوں کو جنگ مقدس کا دیوانہ بنا دوں گا۔ یروشلم
کے آرج بشپ ہر کلیس پارسا جو اس کروسیڈ کے داعی ہیں اساتذہ و بطارقہ کو لے
کر عکا و جافا کا دورہ کریں گے۔ آتش بیان خطبہ اور شاعر سپاہیوں کی نفوس
میں آگ بھڑکا دیں گے۔ فوجی مارشل اور جرنیل انہیں جنگ و جدل پر ابھاریں
گے۔ ایشیائی دولت اور عرب عورتوں کی کشش انہیں جنگ اور لوٹ مار پر آمادہ
کرے گی۔ ادھر میں کانرڈ کے خطرہ کو ہمیشہ کے لیے ناپود کر دوں گا۔ صلیبی لشکر
حضور کی قیادت میں یروشلم پر فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑ دیں گے اور رچرڈ شیر
دل کے ساتھ انگلستان کا نام دنیا کے گوشے گوشے تک پہنچ جائے گا۔“

ابھی آرج بشپ نے اپنی تقریر ختم کی تھی کہ بادشاہ کا ذاتی اسقف ولیم کہنے
لگا۔

”خداوند! اس وقت دنیا میں کوئی آپ کا ثانی نہیں۔ آپ زمین کا دل ہلا
دینے والے شہسوار ہیں۔ جب ہمارا محبوب بادشاہ فاؤل پر سوار ہو کر نکلتا ہے
اور ڈینش کو ہاتھ میں لے کر دشمن پر حملہ کرتا ہے تو موت کے لشکر بھی سہم

وہی دشمن قوم ہے۔ میں نے ہولی ورجن اور فرزند مصلوب کی قسم کھائی ہے
جب تک کانرڈ زندہ ہے، میں کسی کو اپنا منہ نہ دکھاؤں گا۔“

”ہولی فادر! خدا اس مبارک کام میں آپ کی مدد کرے۔“

”عالی جاہ! میں نے اس مردود کے قتل کا ایسا منصوبہ تیار کیا ہے کہ ملار
الدین کی سب امیدیں خاک میں مل جائیں گی اور وہی کانرڈ کا قاتل سمجھا جائے
لیکن اس کے عوض میں حضور سے دو باتوں کا طلبگار ہوں۔“

”اگر آپ کانرڈ کو ہلاک کرنے میں کامیاب ہو گئے تو میں صور کی بادشاہ
آپ کے لیے وقف کرتا ہوں۔“

”نہیں، مجھے بادشاہت درکار نہیں۔“

”پھر؟“

”صرف میری دو خواہشیں پوری کرنے کا وعدہ فرمائیے۔“

”وہ کون سی خواہشیں ہیں جو آپ کو صور کی بادشاہت سے زیادہ
پسند ہیں۔“

”عالی جاہ کی نیک نامی اور دین صلیب کی سربلندی کے علاوہ ایک راہ
اور کیا خواہش کر سکتا ہے۔“

بادشاہ کا چہرہ جوش مسرت سے تہمتا اٹھا۔

”ہولی فادر! کانرڈ کا قتل ایک ایسا عظیم اور مبارک کام ہے جس کے
میں آپ کی ہر خواہش پوری کر سکتا ہوں۔“

بادشاہ کی زبان سے یہ الفاظ سن کر اسقف اعظم نے نیازمندی سے گرد
جھکا دی اور پھر بولا۔

”عالی جاہ! میری پہلی خواہش ہے کہ حضور صلح کی بجائے صلاح الدین
جنگ جاری رکھیں اور دوسری آرزو یہ ہے پرنسز جین اور امیر عادل
نامبارک عقد منسوخ کر دیں۔ ان دو باتوں کے عوض میں کانرڈ کا قتل کا ذمہ
ہوں۔“

رچرڈ یوں اچھل کر پیچھے ہٹا جیسے آرج بشپ نے اس پر تلوار سے حملہ
دیا ہو۔ اس کے چہرے کی سرخیاں یک لخت ناپید ہو گئیں اور آنکھوں کے گوشے
سے بے یقینی اور مایوسی جھانکنے لگی۔ معلوم ہوتا تھا بوڑھے پیشوالے اسے
دلدل میں لاپھٹکا ہے۔ اس نے تھکے تھکے مایوس کن لہجے میں جواب دیا۔

ہمیں سے جنگ نہیں لڑ سکتا۔ بس فی الحال رخصت، اب میں تحلیلہ چاہتا ہوں۔“

اسی وقت سب لوگ رخصت ہو گئے۔ صرف برتگیرا اس کے پاس رہ گئی۔ نیا ماہ کے بعد یہ پہلی رات تھی جو اس نے اپنے محبوب شوہر کے بازوؤں میں زاری۔ رچڑ خوش معلوم ہوتا تھا۔ اس نے نوارے کی جمال افروز حینہ سے لمانہ محبت کی تھی اور کم و بیش پانچ ماہ کے بعد آج پھر اس کی سیاہ زلفوں سے بیل رہا تھا۔

نقلی رچڑ

دوسرے روز جافا کے بازاروں میں اسقف جگہ جگہ وعظ کر رہے تھے۔ بیان پادری عربوں کے خلاف عیسائیوں کی روایتی نفرت بھڑکانے میں دف تھے۔ سب سے بڑا جہوم اس میدان میں تھا جو فوجی بارکوں سے ملحق۔ یروشلم کے سابق آرج بشپ ہر کلیس پارسانے سپاہیوں کو مژدہ سنایا کہ مسیح برکت سے عکا اور جافا ایسے شرفی ہو چکے ہیں۔ اب یروشلم کی بازیابی کوئی کی بات ہے۔ آسمان پر صلیب کی فتح و کامرانی کے دروازے کھل چکے ہیں۔ شخص جس کے دل میں مسیحی خداوند کی ذرہ بھر محبت بھی موجود ہے وحشیوں کے خلاف آخری اور فیصلہ کن جنگ لڑنے کے لیے تیار ہو جائے۔ اس شہزادی جین کے عقد پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا۔

”قانون کلیسا کی رو سے ملکہ ایلینار کی بیٹی شہزادی جین جو سسلی کے عیسائی ماہ کی منکوحہ بیوی رہ چکی ہے۔ اب کسی غیر عیسائی کی زوجیت میں نہیں جا سکتا۔ اگر شاہ انگلستان نے اس قانون کی خلاف ورزی کی تو اسے کلیسا کا باغی بن جائے گا اور وہ صلیبی لشکروں کی سپہ سالاری نہ کر سکے گا۔“

پطرس ثانی ہر کلیس نے لوگوں کو خوب بھڑکایا۔ جنگ کا جوش دلایا پھر ن ”مزار مسیح“ کے فلک شکاف نعروں سے گونج اٹھا۔

اچانک کسی راہب نے آواز بلند کی۔

”عربوں کو صحرا میں دھکیل دو۔“

جاتے ہیں اور شیاطین کی گردنیں کٹ کٹ کر گرتی ہیں۔ کیا حضور نے بریگیاں کے گھرانے کو تباہ نہیں کیا جو شجاعت میں پورے یورپ کا سردار سمجھا جاتا تھا۔ وہ دن مجھے آج بھی یاد ہے جب عالی جاہ نے ہارٹ کے قلعہ پر چڑھائی کی اور بڑے بڑے سوراخوں کا زہرہ آب ہو گیا تھا۔ آپ نے سینٹ گائز کے سرکش کاؤنٹ کا سر پچل دیا۔ شہسواران فرانس کی گردنیں خم کر دیں۔ سسلی کے نارمن بہادروں نے گھٹنے تیک دیے۔ جزیرہ قبرص میں عالی جاہ نے بیڑ یعنی لڑاکوں پر فتح پائی اور ایک بادشاہ کو نیچا دکھا کر اس کی بیٹی کو بطور برغمال ساتھ لے آئے۔ تائید ایزدی حضور کے ساتھ ہے پھر یہ عرب کے وحشی اور غیر منظم لشکر جنہیں صلاح الدین گرم ریگستانوں اور اجاڑ ویرانوں سے ہانک کر لایا ہے۔ عالیجاہ کی شوکت اور طاقت کا کہاں مقابلہ کر سکتے ہیں۔ ہماری تمنا ہے آپ ان گستاخ عربوں کو سزا دیں جنہوں نے یروشلم پر قبضہ کر رکھا ہے۔ سینٹ جارج کے وسیلہ سے حضور فتح پائیں گے اور تاریخ میں آپ کا نام سنہری حروف سے لکھا جائے گا۔“

ولیم آف پوٹو رچڑ کے مزاج کو خوب سمجھتا تھا۔ اس نے اپنے مرصع جملوں سے بادشاہ کے جذبات بھڑکا دیے اور وہ برفانی ریچھ کی طرح تیز قدموں سے کمرہ کے چکر کاٹنے لگا۔ وہ جذبات کی شدت سے دوچار ہو کر عموماً ”غلط فیصلے کر دیا کرتا تھا۔ اچانک وہ ملکہ انگلستان کے پہلو میں آکر کھڑا ہو گیا اور مرتعش آواز میں بولا۔

”برتگیرا... برتگیرا! یہ لوگ مجھے اس شخص کے خلاف فتح و کامرانی کی خوشخبری سن رہے ہیں جس نے میدان جنگ میں کبھی شکست نہیں کھائی۔ جس نے میری ملاقات کی دعوت مسترد کر دی۔ جو ارسوف کے جنگلوں میں افریقی چیتے کی طرح مجھ پر جھپٹا اور اپنا انتقام لے کر چلتا بنا۔ جس نے حیضہ سے لے کر عسقلان تک تمام ساحلی قلعے سہار کر دیے اور انصرون کی گھاٹیوں میں گھات لگائے بیٹھا ہے کہ جوئی میں صلیبی لشکر لے کر آگے بڑھوں وہ تلواریں سے میرا استقبال کرے۔ کیا یورپ کی طرح تقدیر ایشیا میں بھی میرا ساتھ دے گی؟“

اچانک وہ دریچے کی طرف گھوم گیا۔

”جناب بشپ! اگر کانرڈ جلد آپ کی تلواریں کا لقمہ بن جائے تو شاید میں بھی صلاح الدین کے ساتھ زبان شمشیر سے گفتگو کروں ورنہ ایشیا میں بیک وقت دو

یہ گویا سمندر کی وہ موج آوارہ تھی ہلاکت خیز طوفانوں کے آگے آگے چلتی ہے۔ اس کے بعد عربوں کے خلاف نفرت و حقارت کا ایک سیلاب اٹھ آیا اور لوگ مختلف النوع آوازوں سے اپنی مذہبی عصیت کا اظہار کرنے لگے۔

”ارسوف کے شہیدوں کا انتقام۔“

”آج عکا و جافا ہمارے ہیں کل سارا فلسطین ہمارا ہو گا۔“

”ہم صلح نہیں جنگ چاہتے ہیں۔“

”جنگ، جنگ، صلیب، جنگ مقدس۔“

”رچرڈ شیردل زندہ رہے۔“

ان نعروں کا مطلب اس کے سوا اور کچھ نہ تھا کہ سلطان اور شاہ انگلستان کے درمیان حال ہی میں جس قرارداد صلح پر اتفاق ہوا تھا اسے کالعدم سمجھا جائے۔ صلیب کے دیوانوں نے جو بہت جلد مشتعل ہو جاتے تھے ان نعروں کا پر جوش استقبال کیا اور ایک مرتبہ پھر یروشلیم کی فتح کے خواب دیکھنے لگے۔

پادریوں کو بادشاہ کی پریشانیوں سے کوئی واسطہ نہ تھا۔ وہ کہتے تھے پرنسز ورجینا اس خوف سے انگلستان بھاگ گئی ہے کہ کہیں بادشاہ اسے بھی کسی عرب سردار سے نہ بیاہ دے۔ بادشاہ یہ خبریں سنتا اور دل مسوس کر رہ جاتا۔

ٹمپل سپاہیوں کے دستے شاہی محل کے سامنے پریڈ کرنے لگے۔ انہوں نے بادشاہ سے ان مملوک لشکروں پر حملہ کی اجازت چاہی جو دریائے العوجا کے شمالی گھاٹ پر منڈلاتے رہتے تھے۔ رچرڈ خود بھی یہی چاہتا تھا کہ ملک العادل کے مملوک اور کرد لشکروں کو پیچھے دھکیل دیا جائے جو موت کے فرشتوں کی طرح ہر پر مسلط تھے۔ اول اول فریقین کے گشتی دستوں میں جھڑپیں ہوئیں پھر رچرڈ کی شجاعت و وحشت کروٹ لے کر جاگ اٹھی اور وہ بنفس نفیس چھاپہ مار دستوں کی رہنمائی کرنے لگا۔

تجویز عقد فتح ہو جانے کے باوجود رچرڈ اور ملک العادل کے درمیان دوستانہ تعلقات قائم تھے۔ انہی ایام میں رچرڈ ملک العادل کے خیموں میں آیا اور وہاں سے ایک قاصد سلطان کی طرف روانہ کیا جس میں ملاقات کی خواہش کا اظہار کیا۔ سلطان نے جواب دیا۔

”جب دو بادشاہ ایک میز پر اکٹھے بیٹھتے ہیں تو ان کے درمیان جنگ نہیں رہتی۔ ہم حالت جنگ میں ہیں اس لیے ملاقات نہیں ہو سکتی۔“

رچرڈ مایوس ہو گیا تاہم اس نے امیر العادل سے کہا کہ وہ صلح کی کوشش جاری رکھے گا۔ ایک طرف تو صلح کی بات چیت جاری تھی اور دوسری طرف آئے دن فریقین میں گشتی جھڑپیں ہوتی تھیں۔ صلیبی کسی معاہدے پر قائم نہ رہتے تھے اور بار بار وعدہ کر کے مکر جاتے تھے۔ سلطان ان کی عمد شکنی کی عادت سے خوب آگاہ ہو چکا تھا۔

رچرڈ اگر چھوٹی چھوٹی جھڑپوں کے ذریعے جس میں وہ خود حیرت انگیز نجات کا مظاہرہ کرتا، صلیبی فوجوں کو ایک بڑی اور فیصلہ کن لڑائی کی تربیت دے رہا تھا تو سلطان نے بھی بڑی سختی سے ان کی گوشالی کے احکام جاری کیے تھے۔ مقصد یہ تھا کہ اہل صلیب پر عربوں کی دہشت مسلط کر دی جائے اور ان میں کسی بڑی اور فیصلہ کن جنگ لڑنے کا حوصلہ ہی باقی نہ رہے۔

یہی سبب تھا محافظ گشتی دستوں میں دنیائے اسلام کے وہ نامور بہادر بھی ٹال کر دیے گئے جن کے حملوں کی شدت سے صلیبی خوفزدہ ہو کر بھاگ نکلتے تھے۔



انگلستان کا شاہی مونسقار امبروز ایک معرکہ کی روداد قلمبند کرتا ہے۔ بادشاہ اپنے محبوب گھوڑے فاؤل پر سوار ہوا اور منتخب بہادروں کی ایک رٹی کے ہمراہ عربوں کے گشتی دستوں کی تلاش میں نکل گیا۔ اس مہم میں ولیم ف ہیرو ایلن آف شیل، ٹوکس آف شیل، جرنیل ریزدی مارن، اس کا سوار بھانجا، بالڈون ڈی کیرو اور بعض ٹمپل سردار شریک تھے۔

اس روز کسی عرب دستہ سے ٹڈبھیڑ نہ ہو سکی۔ رچرڈ جافا سے بہت دور ل آیا۔ رات کے وقت اس نے ایک پہاڑ کے دامن میں خیمے نصب کرائے۔ طلایہ گرد دستہ کو چوکس رہنے کا حکم دے کر آرام کرنے لگا۔ سب لوگ نئے ماندے پڑے تھے۔ فوراً ”گری نیند میں ڈوب گئے۔ معلوم ہوتا ہے طلایہ گرد سوار بھی اونگھ گئے تھے۔ اور آخر شب کی فرحت بخش کوہستانی ہوانے ان نیند کا طلسم پھونک دیا تھا ورنہ عرب سواروں کی آمد سے وہ غافل نہ رہتے جو نئے ناگمانی کی طرح اچانک سر پر آ گئے تھے۔ کوہستان کا میب سناٹا گھوڑوں کی

ٹاپوں سے ڈھول کی طرح بج اٹھا اور بادشاہ کے محافظ خاص نے چلا کر کہا۔
 ”خداوند! اٹھئے عربوں نے حملہ کر دیا ہے۔ وہ آگئے، آگئے۔“
 محافظ کی آواز شدت خوف سے کانپ رہی تھی۔

عرب رسالہ گنتی کے سواروں پر مشتمل تھا جو اتفاقاً ”ادھر آ نکلا۔ اس نے دو حصوں میں بٹ کر حملہ کیا تھا۔ ایک مختصر سی ٹکڑی حملہ کے لیے روانہ کی گئی اور باقی تمام سوار کافی فاصلے پر چٹانوں میں چھپ گئے۔ حملہ آور جماعت نے آتے ہی مشرکوں کی شہ رگیں کاٹنا شروع کر دیں اور پہاڑ کے دامن میں قیامت کا شور جاگ اٹھا۔

رچڑ موت کو سر پر دیکھ کر جلدی سے اٹھا اور اچھل کر گھوڑے پر سوار ہوا۔ اس کے ساتھی بھی جلدی جلدی سوار ہونے لگے اور صبح کاؤب کے تاریک اجالے میں تلواریں بجنے لگیں۔ عرب حملہ آوروں نے انہیں بے دریغ قتل کیا لیکن جب دن کے اجالے میں افریقیوں نے عربوں کی مٹی بھر جماعت کو دیکھا تو شیر ہو گئے۔ رچڑ نے اپنے جرنیلوں کو آواز دی کہ عربوں کو گھیر کر ہلاک کر دو لیکن عرب سوار بدرتج پیچھے ہٹنے لگے پھر انہوں نے گھوڑوں کی باگیں موڑ لیں۔ بادشاہ نے جب دشمن کو فرار ہوتے دیکھا تو بے تحاشا اپنا گھوڑا تعاقب میں ڈال دیا۔ وہ عربوں کی چال سے نا آشنا تھا۔

جونہی رچڑ اپنے جرنیلوں کے ہمراہ مفرور عربوں کا تعاقب کرتا ہوا ان چٹانوں کے پاس سے گزرا جہاں عرب رسالہ کے تین چوتھائی سوار گھات لگائے بیٹھے تھے وہ چپے کی مانند کمین گاہوں سے نکلے اور افریقیوں پر ٹوٹ پڑے۔ ادھر بھاگتے ہوئے عرب سوار بھی باگیں موڑ کر پلٹے اور انہوں نے افریقی سواروں کو تلواروں اور نیزوں کی نوک پر رکھ لیا۔ رچڑ اپنے پورے رسالے سمیت چاروں طرف سے گھیر لیا گیا۔ مملوک اور کرد بہادروں نے شاہ انگلستان اژدہ کے سروالے خاص نشان کو پہچان لیا تھا اور وہ اسے زندہ گرفتار کرنے کی فکر میں تھے۔

رچڑ نیزہ مارنے اور تلوار چلانے میں اپنا ثانی نہ رکھتا تھا۔ کم از کم انگلستان اور یورپ میں کوئی شہسوار اس کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ بعض معرکوں میں اس نے عربوں پر بھی اپنے برہمے کی دہشت طاری کر دی لیکن سلطان لکھنؤ میں تقی الدین عمر جیسے یکہ تاز سوار اور ابن ہشام جیسے تیغ زن رچڑ کو

فاطریں نہ لاتے تھے۔ اس معرکہ میں شاہ انگلار کو جن عرب بہادروں کا سامنا کرنا پڑا وہ کچھ ایسے ہی جانباز تھے جن کے سامنے اس کی ساری شجاعت باطل ہو کر رہ گئی اور وہ اپنی جان کی فکر کرنے لگا۔

عرب سوار رچڑ کو اس کے خاص برہمے ڈینش سے پہچانتے تھے۔ انہوں نے چاروں طرف سے بادشاہ کو گھیر لیا۔ ایلن اور ٹوکس ایسے جرنیل جن کی بہادری پر یورپ ناز کرتا تھا، بادشاہ کو پہچانے کی کوشش کرتے ہوئے خود ہلاک ہو گئے اور رچڑ کے چاروں طرف موت کے ہیولے رقص کرنے لگے پھر جرنیل ریڈی مارن تلوار لہراتا ہوا آیا اور وہ بھی گھائل ہو کر ٹھنڈا ہو گیا۔ ماموں کو ہلاک ہوتے دیکھ کر اس کا شہسوار بھانجا (جس کا نام تاریخ میں درج نہیں) آگے بڑھا کہ بادشاہ کو عربوں کے زرخے سے نکال لائے لیکن معلوم ہوتا تھا کہ کردوں کی خمدار تلواروں کے سامنے یورپ کی دو دھاری شمشیریں بالکل کند ہو چکی ہیں۔ شہسوار بھانجا بھی خون میں نہا کر خاموش ہو گیا۔ خود رچڑ کے چہرے پر خوف و ہراس طاری تھا کیونکہ آج جن بہادروں سے رن پڑا ان کے سامنے وہ اپنی شمشیر زنی بھول گیا۔ اچانک ولیم آف پیرو نے جس کی شکل رچڑ سے ملتی تھی ٹکونی کنگروں والا سنہری ہالہ سر پر رکھا اور چلا کر کہا۔

”انا ملک الرکد“ (میں شاہ رچڑ ہوں)

ایک کرد نقب انداز بادشاہ پر کند کا حلقہ پھینکنے ہی والا تھا کہ ”انا ملک الرکد“ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔ ان عربوں نے جو رچڑ کو اپنے خونین حلقہ میں لیے اب ریشی ڈوریوں سے باندھنے والے تھے گردنیں اٹھا کر ولیم آف پیرو کی طرف دیکھا۔ اس نے بالکل رچڑ کی طرح تلوار چلائی اور عربوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ چٹانوں کے حصار میں افریقی سوار چاروں طرف سے عرب نائوں اور خمدار تلواروں سے گر چکے تھے۔ اسی لمحے چند سوار لپکتے ہوئے ولیم آف پیرو کی طرف بڑھے اور سر جھکا کر اس کے دائیں بائیں کھڑے ہو گئے۔ گویا وہ شاہ انگلستان تھا۔ رچڑ بھی اپنے فوجی مارشل کی چال سمجھ گیا اور دل ہی دل میں خدا کا شکر ادا کرنے لگا کیونکہ وہ عرب بہادر جو چند لمحے پہلے اس کے ارد گرد موت کا حلقہ ڈالے کھڑے تھے اپنے گھوڑے کداتے ہوئے اب ولیم آف پیرو کے قریب پہنچ چکے تھے۔ ایک کرد سردار نے گرج کر پوچھا۔

”ہوائت؟“ (تم کون ہو؟)

سب لوگ حیرت پاش نگاہوں سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے پھر انہوں نے سردار کو تمام واقعہ سنایا اور بتایا جب وہ اسی شکل کے ایک انگریز کو بادشاہ سمجھ کر گرفتار کرنے والے تھے کہ اس نے چلا کر آواز دی۔ ”میں ملک الرک“ ہوں۔ اس کے سر پر بھی ٹکونی ٹنگروں والا تاج تھا۔ اس لیے ہم اس خوفزدہ انگریز کو چھوڑ کر اس کی طرف متوجہ ہو گئے۔

”اور اس طرح شاہ انگلار تمہیں دھوکہ دے کر نکل گیا۔“

ولیم آف پیرو نے اقرار کیا۔ اس نے بادشاہ کو گرفتاری سے بچانے کی خاطر یہ ڈراما کھیلا اور نقلی بادشاہ بن گیا تھا۔

ابن ہشام ولیم کی ہوشیاری پر غصہ کے باوجود مسکرائے بغیر نہ رہ سکا۔ پھر اس نے تالی بجائی۔ اسی لمحے گریٹا کیرو جس نے عرب بیگمات کا لباس پہن رکھا تھا، پردہ ہٹا کر کمرہ ملاقات میں داخل ہوئی۔ اس کے پیچھے پیچھے ربیعہ آس اور اس کی یودی کنیز آسیہ بھی تھیں جو قلعہ یود سے اس کے ساتھ ہی آئی تھیں۔ گریٹا کیرو نے افرنگی ٹائٹ کا روپ ترک کر دیا تھا اور اب ابن ہشام کے ساتھ بالڈون ڈی کیرو کی بیٹی اور انگلستان کے شاہی خاندان کی ایک معزز خاتون کی حیثیت سے مقیم تھیں۔ اس نے آتے ہی افرنگی قیدی کو پہچان لیا اور بولی۔

”یہ تو ریاست پیرو کا معزز ٹائٹ ولیم ہے۔“

عرب سوار جنہوں نے ولیم کو شاہ انگلستان کے دھوکے میں گرفتار کیا تھا، اس کی جرات اور مکاری پر دم بخود رہ گئے۔ ابن ہشام نے پوچھا۔

”اگر شاہ انگلار قید ہو جاتا تو انگریز اس کی رہائی کے لیے کتنا زر فدیہ ادا کرتے؟“

”شاہ رچرڈ جہاد صلیب کے امیر کبیر ہیں۔ ان کی رہائی کے لیے دو لاکھ انگریزی پونڈ کی رقم بھی زیادہ نہیں۔“

”تو اب تمہیں بھی اپنی رہائی کے لیے دو لاکھ دینار ادا کرنا ہوں گے کیونکہ تم شاہ انگلار کے روپ میں گرفتار ہوئے ہو۔“

دو لاکھ پونڈ کی رقم کا مطالبہ سن کر ولیم آف پیرو کے چہرے پر گہری افسردگی چھا گئی۔ اس کے پاس لے دے کے چار پانچ ہزار اشرفیاں ہی بچی تھیں۔ خود رچرڈ بھی جافا کی تعمیر نو کے باعث حوی دست ہو رہا تھا۔ اس نے انگلستان اپنے بھائی ارل جان کو پیغام بھیجا تھا کہ روپیہ اور رسد روانہ کی جائے لیکن رچرڈ کی

”انا ملک الرک۔“ (میں بادشاہ رچرڈ ہوں)

پھر ولیم آف پیرو نے اپنے ٹکونی ٹنگروں والے سنہری ہالے کی طرف اشارہ کیا۔ اسی لمحے ایک ریشمی کند کا حلقہ اس کی گردن میں پڑا۔ ”نقلی بادشاہ“ کو گرفتار ہوتے دیکھ کر افرنگی سوار ایک بار پھر امواج بحر کی مانند تھرانے لگے اور ٹکواریں کھینچ کر لپکے مگر عرب سوار لمبے لمبے نیزے لے کر ان کے درمیان حائل ہو گئے۔

اسی اثنا میں جب نقلی بادشاہ کی گرفتاری عمل میں آ رہی تھی بالڈون ڈی کیرو گھوڑا کداتا ہوا رچرڈ کے قریب آیا اور سرگوشی کے لہجے میں بولا۔

”خداوند! اب یہاں سے نکل چلئے۔“

بادشاہ نے بھی موقع کی نزاکت کو بھانپ لیا۔ اس نے فاول کو ایڑ لگائی اور سواروں کو اپنے عقب میں آنے کا اشارہ کر کے فرار ہو گیا۔ عربوں نے ان کا تعاقب کیا اور مفرور فرنگیوں کو مارتے کاتے بہت دور نکل گئے۔ وہ عرب سوار جنہوں نے نقلی بادشاہ کو گرفتار کیا تھا اسے اپنے حلقہ میں لے کر واپس مڑ گئے۔

○

پہاڑوں کے پرچےج راستے عبور کرتے ہوئے عرب سوار اس وادی میں نمودار ہوئے جہاں ان کے چوکور اور مثلث نما خیے نصب تھے۔

سواروں نے افرنگی قیدی اپنے سردار کی خدمت میں پیش کیے اور وہ قہر آلود آواز میں گرج کر بولا۔

”ملک الرک کہاں ہے؟“

انہوں نے ریشمی ڈوریوں میں جکڑے ہوئے ولیم آف پیرو کی طرف اشارہ کیا۔

”یہی ملک الرک ہے۔“

نوجوان سردار ابن ہشام تھا جو قلعہ یود سر کرنے کے بعد انہی پہاڑوں میں خیمہ زن تھا اور ملک العادل کے حکم سے اب جافا کی نگرانی کر رہا تھا۔ اس نے شدید غصہ کی حالت میں سٹول کو ٹھوکر ماری اور بولا۔

”یہ بادشاہ نہیں، اس کا ہم شکل ضرور ہے۔“

حفاظت کرتے ہوئے مارے گئے تھے لیکن ابن ہشام مدد لے کر آ پہنچا اور اس طرح ایک مرتبہ پھر جنگ کا پانسہ بدل گیا۔ اگرچہ جافا کی چھاؤنی سے مزید فوج پہنچ گئی پھر بھی کم و بیش دو ہزار سپاہی کٹوانے کے بعد افرنگی بھاگ کھڑے ہوئے اور چھاؤنی میں جا دیے۔ ابن ہشام نے اپنے فتح نصیب سواروں کو واپسی کا حکم دیا اور فتح کا مژدہ لے کر سلطان کی خدمت میں حاضر ہوا۔

جنگ ارسوف کے بعد کئی ماہ کا طویل سناٹا اس خوفناک جنگ کی صورت میں رہا جو افرنگی چھاؤنی سے صرف تین میل پر لڑی گئی اور اس قتل و خونریزی سے ہسائیوں پر ایک مرتبہ پھر عربوں کی دہشت طاری ہو گئی۔

دوسرے روز رچڑ نے ملک العادل کے پڑاؤ میں ایک شکایت نامہ بھیجا جس میں افسوس کے ساتھ جنگ کی شکایت کی گئی اور پوچھا تھا جب عیسائیوں کی طرف سے کوئی اشتعال انگیز کارروائی نہیں ہوئی تو عرب سوار ہماری چھاؤنی پر کیوں چڑھ آئے تھے؟

تحقیق احوال کے بعد ملک العادل نے جواب دیا۔
 ”غلطی اس افرنگی دستہ کی ہے جو جافا کی حدود سے بہت آگے نکل کر سلطانی علاقہ میں مداخلت بے جا کا مرتکب ہوا۔ آپ کی گشتی کاروائیاں جافا کے نواح تک محدود رہنی چاہئیں۔“

ورجینا کی واپسی

سرکاری جاسوس ایک حیرت انگیز خبر لائے تھے کہ صور کے شاہی محل میں ایک انگریز لڑکی دیکھی گئی ہے جسے مارکوئیس کانزوں نے نظر بند کر رکھا ہے۔ اس کا طبع پرہیزگار ورجینا سے ملتا جلتا ہے۔ رچڑ یہ خبر سنتے ہی پاگل ہو گیا۔ کانزوں نے آج تک اس کے لیے مشکلات ہی پیدا کی تھیں لیکن اب اس پر حملہ بہت ہی ضروری تھا۔ رچڑ نے تہیہ کر لیا جس طرح صلاح الدین نے پرنس ریمبالڈ کی گردن کاٹی تھی اسی طرح وہ مارکوئیس کانزوں کی گردن اپنے ہاتھ سے کاٹے گا جس نے اسے مصیبتوں میں مبتلا کر دیا ہے۔

رچڑ نے کانزوں کو سزا دینے کے لیے عکا کا رخ کیا اور جافا کی چھاؤنی میں

عدم موجودگی میں انگلستان کے سیاسی حالات دگرگوں ہو رہے تھے۔ چند روز قبل سمندر پار سے ایک جہاز کمک لے کر آیا تھا جس میں پیئر فورڈ کا ایک پادری بھی سوار تھا۔ وہ سیدھا شاہ رچڑ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اس نے انگلستان کے لائٹ پادری آرچ بشپ آف ایلی کا ایک خفیہ نامہ بادشاہ کو پیش کیا۔ ولیم بشپ آف ایلی نے خبر دی تھی۔

”ارل جان خود بادشاہ بننے کی تیاریاں کر رہا ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہے کہ اس نے شاہی چانسلر کو نکال کر باہر کیا اور خزانے پر قبضہ جمایا ہے۔“

اور یہ خبر رچڑ کے خرم ہوش پر بجلی بن کر گری تھی۔ انگلستان میں اس کا مفاد محفوظ نہ تھا اور فلسطین میں دیوانے راہوں نے اسے ایک مرتبہ پھر جنگ کی بھٹی میں جھونک دیا تھا۔ یہی سوچ کر ولیم آف پیئر اداسی میں ڈوب گیا اور اسے بالڈون ڈی کیرو کی نوجوان اور طلعت افروز بیٹی سے یہ بھی پوچھنا یاد نہ رہا کہ اس نے عرب خواتین کا لباس کیوں پہن رکھا ہے اور کرد سردار ابن ہشام کے خیمے میں اس کی موجودگی کا مقصد کیا ہے؟

کیا وہ اپنے باپ اور شاہ رچڑ کے حکم پر عربوں کی جاسوسی کا خطرناک فرض ادا کر رہی ہے؟

ابھی ابن ہشام گفتگو میں مصروف تھا کہ اسے خبر ملی کہ عرب سوار دشمن کا تعاقب کرتے ہوئے جافا کے نواح میں جا پہنچے ہیں اور صلیبی لشکر نے انہیں گھیر لیا ہے۔ خود ابن ہشام، سلطانی لشکروں سے دور نہ تھا۔ اس نے فوراً ایک سوار چھاؤنی کی طرف دوڑایا۔ سورج ابھی آٹھ دس نیزے تک بلند ہوا تھا کہ کمک پہنچ گئی اور امدادی سواروں کو اپنی کمان میں لے کر وہ جافا کی طرف اڑتا چلا گیا۔ عرب سوار قلیل ہونے کے باوجود افرنگی لشکر کا ڈٹ کر مقابلہ کر رہے تھے۔ مفرور افرنگیوں نے فوراً اپنی چھاؤنی میں اطلاع بھیجی اور سات آٹھ ہزار صلیبی سپاہی عربوں کا راستہ روکنے کے لئے پہنچ گئے۔ جو رچڑ کے تعاقب میں خطرناک حد تک آگے بڑھ آئے تھے۔ صلیبی اس وہم میں مبتلا تھے کہ وہ ایک ہزار عرب سواروں کو قتل کر کے اپنے مقتول جرنیلوں کا بدلہ لے سکیں گے جو رچڑ کی

وہ ایک ساحلی بستی تھی جو سمندر کے کنارے اور جافا سے صرف تین چار کے فاصلے پر نرسلوں اور سمجھوروں کے نخلستانوں کے درمیان واقع ہے۔ یہی کنیزیں اسے تل ابیب کے نام سے یاد کرتی تھیں۔ اسے دن میں صرف بار تہ خانہ سے باہر نکالا جاتا تھا۔ بوڑھے شمعون کی صورت اس نے ۲۵ روز کے بعد دیکھی جب وہ لبنان کی یہودی بستیوں کا دورہ کر کے آیا تھا۔ اس نے بوڑھے ربی سے منت سماجت کی۔ انعام و اکرام کا لالچ صلیبی لشکروں سے دہشت زدہ کرنا چاہا لیکن بوڑھا تو ایک سرد بے حس پتھر جس پر موسوں کا تغیر بھی اثر انداز نہیں ہوتا تھا۔ فریاد فغان اور تحریص و بیف کا اس پر مطلق اثر نہ ہوا۔

وہ گریٹا کیرو کی اسیری اور یہود کی ہیمنہ رسم تخت نشینی کا حال سن چکی تھی۔ اس نے موت کے اس چنگل سے نکل جانے کی بہتری کوششیں کیں لیکن نبی عمرانی کے باعث کامیاب نہ ہو سکی۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا وہ انگوٹھی کا پراچٹ کر مر جائے گی لیکن یہودی شیطان کا آلہ کار نہ بنے گی۔

زمین دوز قصر میں سوائے آزادی کے اس کی ہر خواہش پوری کی جاتی۔ جس اس کا دل بھلانے کی کوشش کرتی لیکن وہ شب روز روٹی اور دعا مانگتی تھی۔ ایک کنیز کو اس نے اپنا ہمدرد بنایا اور اس بات پر آمادہ کر لیا کہ اگر وہ باکی چھاؤنی میں اس کی گرفتاری کی خبر پہنچا دے تو اس خدمت کے عوض اسے ایک ہزار اشرفیاں اسی وقت مل جائیں گی لیکن اسی رات وہ کنیز وہاں سے ہٹالی کی بلکہ کوڑوں سے اس کی کھال ادھیڑ دی گئی پھر کسی کنیز کو اس سے بے تکلف ملنے کا حوصلہ نہ ہوا۔ وہ اپنی زندگی سے بالکل مایوس ہو چکی تھی۔ ربی کے تخت نشینی میں صرف تین روز باقی رہ گئے تھے۔ اب کوئی معجزہ ہی اسے بچا سکتا تھا اور پرسوں رات وہ معجزہ ظہور میں آیا۔

کوئی نصف رات کا عمل تھا۔ تل ابیب کی بستی پر گھراٹا اٹھایا ہوا تھا جس کا سمندر کے ہونکنے اور لہروں کے چٹانوں سے ٹکرانے کا مسلسل شور سنائے کی منت میں مزید اضافہ کر رہا تھا کہ اچانک رات کی تاریکیوں کا سینہ چاک کرنا ایک شور قیامت جاگ اٹھا اور پوری بستی کے لوگ چیخنے چلانے لگے۔ اس میں گھوڑوں کے ہنسنے اور ہتھیار بجنے کی آوازوں میں دم توڑتے ہوئے ماٹوں کی آخری سسکیاں بھی شامل تھیں۔ یوں معلوم ہوتا تھا تل ابیب کی بستی

چند ضروری اقلیمات کرنے کے بعد وہ براستہ سمندر عکا روانہ ہو گیا۔ اس نے اپنے امیر البحر کو حکم دیا تھا وہ بہت جلد ایک خطرناک حملہ کے لئے تیار رہے۔ سپاہ کو عکا میں صرف ایک رات قیام کرنے کی اجازت دی گئی تھی جس سے فوجی جرنیل بھی سمجھے کہ وہ صیدا اور بیروت پر بحری حملہ کرنا چاہتا ہے لیکن کوئی نہ جانتا تھا رچرڈ کیا چاہتا ہے۔

جونہی وہ عکا پہنچا اسے خبر ملی شہزادی ورجینا شاہی محلات میں لوٹ آئی ہے۔ اس کی واپسی بے حد غیر متوقع اور ڈرامائی تھی۔ صرف ایک رات پہلے وہ اچانک شاہی محل میں داخل ہوئی تھی۔ ورجینا فوراً "بادشاہ کی خدمت میں پیش کی گئی۔ اس کی آنکھوں سے آنسو رواں تھے۔ بادشاہ سے لپٹ کر وہ خوب روئی جس سے رچرڈ کا خون سرمرا نے لگا۔

"میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کانرڈ زندہ نہیں رہے گا۔ انگلستان کا بحری بیڑہ کل صور کی اینٹ سے اینٹ بجادے گا۔"

"کانرڈ، لیکن کانرڈ کیوں؟" ورجینا کے ہونٹ تھر تھرائے۔

"تو کیا تم صور میں نہیں تھیں؟"

"نہیں، میں تل ابیب میں تھی۔"

"تل ابیب...؟" اور رچرڈ یوں اچھلا جیسے اس پر کسی نے تلوار سے وار کیا ہو۔ وہ ورجینا کو حیرت پاش نگاہوں سے دیکھنے لگا۔ شہزادی جین، قبرصی سوسن اور ملکہ برٹگیریا بھی اس انکشاف پر دم بخود رہ گئیں۔

ورجینا کی کمائی بہت مختصر سی تھی۔

جب وہ پہاڑی سے اتر کر باغ میں داخل ہوئی شام کے اندھیرے میں خوفناک شکل و صورت کا ایک بد معاش شاخوں کے جھرمٹ سے نکل کر اچانک اس پر جھپٹا۔ وہ چلائی لیکن دوسرے لمحے اس کا خوفناک ہاتھ منہ پر پڑا اور وہ اسے وحشیانہ انداز میں کندھے پر لا کر دیوار کی طرف بھاگا۔ دیوار کے پاس ایک گھوڑا بھی موجود تھا۔ اس نے شہزادی کو گھوڑے پر ڈالا اور ہوا ہو گیا۔ پھر اس کی آنکھ ایک زمین دوز کمرے میں کھلی جو خوب آراستہ و پیراستہ تھا۔ چند کنیزیں اس کی خدمت پر مامور تھیں۔ اسے بتایا گیا کہ وہ یہود کے ہونے والے بادشاہ شمعون ربی کی ملکہ منتخب کی گئی ہے اور اسرائیلی تقویم کے دوسرے مہینے میں شادی اور تاجپوشی کا جشن منایا جائے گا۔ یہ سن کر وہ دم بخود رہ گئی۔

”اس احسان کے عوض اگر آپ بادشاہ سے انگلستان کا تخت بھی طلب کریں
انہیں انکار نہ ہو گا۔“

عرب سردار کی آنکھوں میں ایک حسرت آمیز مسکراہٹ نمودار ہوئی اور
نے جواب دیا۔

”ہاؤ! ہم نے تمہارے بادشاہ سے ایک ہی چیز طلب کی اور وہ نہ دے
سکا۔“

یہ کہہ کر اس نے منہ موڑ لیا اور ہاتھ بڑھا کر رندھے ہوئے لہجہ میں بولا۔
”اگر ہو سکے تو یہ انگوٹھی اپنے ساتھ لے جاؤ۔“

اس کے بعد شہزادی ورجینا نے ایک قیمتی انگوٹھی نکالی جس کے مچھینے میں
رخیا قوت جزا ہوا تھا اور اسے ہتھیلی پر رکھ کر کہنے لگی۔

”یہ ہے وہ انگوٹھی جس کے بارے میں عرب سردار نے درخواست کی تھی
میں اسے ضرور عکا لے جاؤں۔“

سب کی نظریں دوڑ کر انگوٹھی پر مرکوز ہو گئیں۔ شہزادی جین نے جھپٹ
انگوٹھی اٹھائی اور ایک دم چلا کر بولی۔

”وہ عرب سردار ملک العادل تھا۔“

”ملک العادل؟“

رچرڈ ورجینا کی عجیب و غریب داستان سن کر ورطہ حیرت میں ڈوب گیا تھا۔
ت چونک اٹھا۔ اس نے جین کی ہتھیلی پر جھک جھک کرتی ہوئی انگوٹھی کو

لہا اور گہری سوچ میں پڑ گیا۔
”جین یہ انگوٹھی وہی تو نہیں جو تم نے ملک العادل کو اس وقت بھیجی تھی
بہ قاصد صلح کی قرارداد لے کے سلطان کی طرف گیا تھا۔“

”ہاں“ یہ وہی انگوٹھی ہے لیکن ورجینا کے ہاتھ اس نے نہایت تحفہ لٹا دیا۔“
اگے کچھ نہ کہہ سکی کیونکہ وہ فوراً جذبات سے اس کی آواز گلوگیر ہو گئی تھی

آنکھوں میں پانی کی چمک صاف نظر آرہی تھی۔
رچرڈ بہن کے جذبات و احساسات سے پوری طرح آگاہ تھا۔ جب اس نے

راوی کی آنکھیں نم آلود دیکھیں تو کہا۔
”جین... پیاری جین! وہ ہماری مجبوریوں کو سمجھتا ہے۔ اس نے ورجینا کو

راوی شیطین کی قید سے چھڑا کر مجھ پر ایک اور احسان کیا ہے مگر پیہم احسانوں

پر قہر خداوندی ٹوٹ پڑا ہے۔ وہ سمجھی کسی نہ کسی ذریعے اس کی گرفتاری کی خبر
چاہتا ہے اور انگلستان کے شاہی رسالہ نے اچانک یہود کو گھیر لیا ہے لیکن
تھوڑی دیر کے بعد ایک کینز ہانپتی کانپتی زمین دوز قصر میں آئی اور اس نے بتایا
کہ وہ انگریز یا فرانسیسی نہیں بلکہ عرب سوار ہیں جنہوں نے بستی پر اچانک حملہ
کر دیا ہے۔ یہودی تلواریں سونت سونت کر انہیں روکنے کے لیے آگے بڑھے
لیکن عربوں نے سب کو میٹھی نیند سلا دیا۔ اس کا اپنا بھائی شمعون ربی کے ساتھ
بھاگ نکلنے کی کوشش میں ہلاک ہوا۔

”اور ربی کا کیا ہوا؟“

”وہ گرفتار کر لیے گئے۔“ کینز کے ہونٹ کانپ رہے تھے۔ اس نے بتایا۔

”تل ابیب میں ہر طرف لاشیں ہی لاشیں اور خون ہی خون نظر آتا ہے۔“

قدموں کی چاپ ابھری پھر مشعلوں کی روشنی میں ایک عرب سردار جس نے
عمامہ کے پلو سے منہ ڈھانپ رکھا تھا۔ فادر بولاری کی رہنمائی میں تمہ خانہ میں

داخل ہوا۔ سردار کے حکم پر شہزادی کو تمہ خانہ سے نکالا گیا۔ اس کے ہمراہ ہیں
عرب لڑکیاں بھی برآمد ہوئیں جنہیں یہودی قزاقوں نے مختلف مقامات سے اغوا
کیا تھا۔ عربوں نے یہ حملہ انہی عرب لڑکیوں کی بازیابی کے لیے کیا تھا۔

تل ابیب میں کم و بیش آٹھ نو سو یہودی عرب سواروں کا مقابلہ کرتے
ہوئے مارے گئے۔ جو لبنان کی بستیوں سے تخت نشینی میں شریک ہونے آئے

تھے۔ قریباً تین ہزار یہودی مردوزن بھیڑ بکریوں کی طرح ہانک کر باہر لائے گئے
اور عرب انہیں اپنے گھیرے میں لے کر پہاڑوں کی طرف چل دیے۔ صبح کا

سورج انہیں ایک پہاڑی وادی میں طلوع ہوا جہاں عربوں کے خیمے استادہ
تھے۔

عرب سردار نے شمعون ربی اور فادر بولاری پر عرب لڑکیوں کے اغوا کا
خوفناک جرم عائد کیا۔ انگریز شہزادی کی اسیری اور اس کے مصائب کی داستان

سن کر اس نے ورجینا کو اپنے خیمہ خاص میں طلب کیا اور اسے تسلی دی اور کہا۔
”ہمیں شاہ انکار کی عزت و ناموس عزیز ہے۔ اس لیے تم بھی عزیز ہو

کیونکہ تم اس کی عزت ہو۔ تم جس وقت چاہو مکہ روانہ ہو سکتی ہو۔ شیر کوہ
کے غلام تمہارے ساتھ جائیں گے جن پر ہم بہت اعتماد کرتے ہیں۔“

شہزادی نے عرب محسن کا شکریہ ادا کیا اور کہا۔

کے عوض میں اپنے دوست کو زخم دل کے سوا اور کیا دے سکا؟ کچھ نہیں... کچھ بھی نہیں۔“

جین کی پلکوں پر دو آنسو صبح کے تارے کی طرح جھلملائے، تھر تھرائے اور ٹوٹ کر عارضوں پر بننے لگے پھر وہ ہوا کے لڑکھڑاتے ہوئے جھونکے کی مانند تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل اور طویل راہداری میں اس کے بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز دور دور اور دور... اور دور ہوتی چلی گئی۔ رچرڈ زخم کھائے ہوئے سپاہی کی طرح تھلا کر اٹھا، اس کے ساتھ ہی شاہی خواتین بھی جلدی سے فشتیں چھوڑ کے کھڑی ہو گئیں۔ ان کے حسین چروں پر رنج و اضطراب کی پرچائیاں سی کانپ رہی تھیں۔ خود بادشاہ بے حد اداس اور غمگین نظر آتا تھا۔ اسی حالت بے قراری میں اس نے اپنی دائیں ران پھینکی اور درتچے کے خلا میں دیکھتے ہوئے بولا۔

”جین کا غم شاید مجھے بھی پاگل کر دے گا۔“

یہ کہہ کر رچرڈ تیزی کے ساتھ کمرے سے نکل گیا اور ملکہ برگیریا سوالیہ نشان بن کر رہ گئیں۔ صرف قبرصی حسینہ سوسن جانتی تھی اس وقت جین کے دل پر کیا بیت رہی ہے اور مذہب نے اس کے پاؤں میں کیسی زنجیریں ڈال دی ہیں۔ کاش وہ بھائی کے ہمراہ ایشیا نہ آتی۔

○

غمزدہ جین

شکستہ دل جین گھٹنوں میں سر دیے سسکیاں بھر رہی تھیں۔ آنسو اس کی آنکھوں سے چھم چھم برس رہے تھے جیسے برسات کے موسم میں فلسطین کی کالی گٹا برستی ہے۔ اس کے پورے جسم میں ارتعاش تھا۔ شکستہ دل کے پیچھے مذہب کی وہ تاریک اور بھیانک قوتیں کارفرما تھیں جن کی اہمیت سے وہ ہمیشہ انکار کرتی رہی لیکن اب مذہب کا بچہ عصیت اس کی خوشیوں کا سہرا نوچ کر بڑے کے پھل کی طرح سینے میں پیوست تھا اور ایک محبت بھرا دل اس کے تیز پھل میں پرویا جا چکا تھا۔ اگر وہ مذہب کا فیصلہ ماننے سے انکار کر دیتی اور آپ سے آپ عرب حرم سرا میں پہنچ جاتی تو اس کے شیردل بھائی کا اقتدار ہی ختم نہ ہو جاتا بلکہ پادری اس کے خلاف نفرت و حقارت اور عذاب آسمانی کے فتوے جاری کرتے۔

”اس نے خداوند کے دین کی نافرمانی کی ہے۔ اب وہ ہمیشہ نجات کے لیے بھگتی اور تڑپتی رہے گی۔ آسمان سے بدروحیں نازل ہو کر ارد گرد پھڑپھڑاتی رہیں گی۔ خوفناک آسیب اسے دیوانہ کر دیں گے۔ وہ شام کے گرم صحراؤں میں مابی بے آب کی مانند تڑپے گی۔ فائر العقل عورتوں کی طرح چلائے گی اور عذاب کے فرشتے اس پر قہقہہ زن ہوں گے۔“

یہ تھا مذہبی عفریت کا وہ تصور جسے پادریوں نے جنم دیا۔ وہ کہتے تھے عالم ارواح کی پراسرار قوتیں صلیب کے اشارے پر حرکت کرتی ہیں جس پر لائرن گل کے پیشوائے دین کا قبضہ و اختیار ہے مگر فلسطین کی خوں آشام سرزمین پر صلیب کی روحانی قوتوں کا بطلان ثابت ہو چکا تھا۔

ورجینا کی اچانک آمد نے جین کو محبت کی بے رحم یادوں کی چوکھٹ پر لا بیٹھا۔ ملک العادل کی بھیجی ہوئی انگوٹھی گویا زخم دل کی تصویر بن کر آئی تھی۔

جین نے دونوں ہاتھوں سے منہ ڈھانپ لیا۔ بادشاہ کی آواز سمندر کی برتی ڈوبتی ہوئی لہروں کی طرح اس کی سماعت سے ٹکرا رہی تھی۔
 ”جب دو حریف تلواریں سونت کر میدان میں نکلتے ہیں تو تعلقات کے نئے منقطع ہو جاتے ہیں لیکن میں تمہیں یقین دلاتا ہوں میدان جنگ میں میری ہار ملک العادل اور صلاح الدین پر کبھی نہ اٹھے گی۔“
 پھر اس نے آگے بڑھ کر جین کے آنسو پونچھے۔

”شاید تم سوچتی ہو ملک العادل نے تمہارا تحفہ اس لیے لوٹا دیا ہے کہ وہ ب تم سے ملنا نہیں چاہتا...“

”بے شک میرا یہی خیال ہے۔ اگر وہ ناراض نہ ہوتا تو انگوٹھی واپس نہ کرتا۔ اس کا مطلب ہے وہ میری نشانی بھی اپنے پاس نہیں رکھنا چاہتا۔ یہ سلوک برے لیے ناقابل برداشت ہے۔ کاش میں اسے اپنا دل چیر کر دکھا سکتی۔ یہ بتا کئی وہ آج بھی مجھے عزیز ہے۔ میں اس سے محبت کرتی ہوں رچرڈ... میں اسے روانہ وار چاہتی ہوں۔ پھر وہ مجھ سے کیوں ناراض ہے؟“ اور اس کے ساتھ ہی جین کی آنکھوں سے پھر آنسو بہہ نکلے۔ بادشاہ نے پیار سے اسے لپٹا لیا۔ رچرڈ کی ماں ایلینار کے علاوہ یہ شرف صرف جین کو حاصل تھا کہ وہ کبھی کبھار اسے اپنے لے کے پکار لیتی لیکن رچرڈ کا نام زبان پر اسی وقت آتا جب اس کے دل میں بھائی کی محبت کا شعلہ بھڑکتا۔ رچرڈ نے جذبات کی اس شدت کو محسوس کرتے ہوئے بہن کی پیشانی پر بوسہ دیا اور کہا۔

”جین! کس نے کہا دیا ہے وہ تم سے ناراض ہے۔ وہ تمہیں کبھی نہیں بول سکتا۔ وہ تم سے محبت کرتا ہے اور محبت کبھی نہیں مرتی۔“

”پھر اس نے میری انگوٹھی کیوں لوٹا دی؟“
 ”شاید اس لیے کہ تم اسے بھول جانے کی کوشش کرو۔ یہ بھی اس کی عالی فرنی کا ایک ثبوت ہے۔“

”لیکن وہ مجھے زندگی کے آخری سانس تک نہیں بھول سکتا۔“
 ”یہ تمہاری اعلیٰ طرفی ہے۔“

کمرے کی دھڑکتی ہوئی خاموشی میں صرف جین کے سانسون کا زیر و بم سنائی دے رہا تھا۔

رچرڈ کچھ سوچتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا اور چپ چاپ کمرے سے باہر

جین ضبط کے باوجود اپنے آند نہ روک سکی۔

اب وہ اپنے کمرے میں بیٹھی ناکامی محبت کے اس الاؤ میں جل رہی تھی جسے مذہب نے بھڑکایا تھا۔ کاش وہ فلسطین نہ آئی ہوتی لیکن یہ تو تقدیر کا کھیل تھا جو اسے سسلی سے فلسطین میں کھینچ لائی تھی۔

جین کو خبر بھی نہ ہو سکی اس کے کمرے میں کون داخل ہوا ہے۔

اس نے اپنے شانہ پر کسی کے ہاتھ کا لمس محسوس کیا اور جب اٹھار آنکھوں سے مڑ کر دیکھا تو اس کے عقب میں رچرڈ بہ نفس نفیس کھڑا تھا۔ وہ تڑپ کر اٹھی اور بے اختیار بھائی سے لپٹ کر رونے لگی۔

”جین! میں تمہارا غم سمجھتا ہوں لیکن کچھ نہیں کر سکتا۔ یہ نہ بھولو بادشاہوں کی عظمت کے لیے تلوار اور مذہب دونوں ضروری ہیں۔“

شہزادی کے ہونٹ سک کر رہ گئے۔ اس کی آنکھوں میں دل کی آگ کے عکس یوں لرزاں تھے جیسے پانی میں شعلے تیر رہے ہوں۔ رچرڈ کہہ رہا تھا۔

”میں نے جنگ کی آگ بجھا دینے کی کوشش کی لیکن دیوانے راہب بھینڑیوں کی طرح میرے ارد گرد پھرنے لگے۔ وہ کہتے ہیں ہم عربوں کو ہمیشہ کے لیے نیست و نابود کر دیں گے۔ پورا یورپ ان کے انجام کا منتظر ہے۔ اب دنیا کی وسعتیں مسلمانوں اور ملیسوں کے لیے ناکافی ہیں۔ ان دونوں میں سے ایک ہی زندہ رہے گا لیکن یہ ہولناک جنگ جو اب شروع ہو گی، کسے نیست و نابود کرتی اور کسے زندہ رکھتی ہے، اس کے متعلق میں خود بھی نہیں جانتا۔“

”نہیں... نہیں...“

جین کے ہونٹ زخمی پرندے کی مانند پھڑپھڑائے اور فرط جذبات سے وہ ہڈیانی انداز میں چلائی۔

”میں آپ کو ضائع نہیں کر سکتی اور نہ اس شخص کے بارے میں کوئی بری خبر سننے کے لیے تیار ہوں جسے حالات نے مجھ سے چھین لیا ہے۔ کیا آپ بھول گئے ہیں اس نے ہم پر کتنے احسان کیے ہیں...“

”یہی تو مشکل ہے جین۔“ رچرڈ کرب آمیز لہجے میں بولا۔ ”وہ دشمن ہونے کے باوجود میری عزت و ناموس کا پاسدار ہے۔ میں اسے دل سے چاہتا ہوں لیکن مذہب کا اختلاف ہمیں اس مقام پر لے آیا ہے جہاں دلوں میں بھڑکنے والی آگ کو صرف خون ہی ٹھنڈا کر سکتا ہے۔“

مادل کی طرف بھیجا گیا تھا یہی ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ رچرڈ کے الفاظ ہیں۔

”اگرچہ عام عیسائی میری اس تجویز کے سخت مخالف ہیں کہ میں اپنی بہن کا ہاتھ آپ سے کر دوں لیکن میں ابھی تک اپنے ارادے پر قائم ہوں اور اس سلسلہ میں بہت جلد پاپائے روم سے فیصلہ طلب کروں گا۔“

اس سلسلہ میں میری ایک اور تجویز بھی ہے۔ اگر جین کے نکاح میں کوئی امر مانع ہوا تو میری ایک فرمانبردار بھتیجی ورجینا بھی ہے جو ابھی تک کنواری ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اس سے شادی کر لیں۔“

اس خط کے حوالے سے لین پول نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ رچرڈ ملک العادل سے برصورت رشتہ قائم کرنے کے لیے بے چین تھا چنانچہ جب پادریوں نے جین کی شادی کے خلاف مذہبی عذر پیش کیے اور ایک عیسائی بڑے کو کسی غیر عیسائی سے بیاہنے کی قانونی مخالفت کی تو اس نے فوراً اپنی کنواری بھتیجی ورجینا کی پیشکش کر دی۔ لین پول کا خیال ہے ورجینا مکمل طور پر اس کے قبضہ و اختیار میں تھی۔ دوسرے وہ باکرہ تھی اور اس کی شادی پر کلیسائی قانون منطبق نہیں ہوتا تھا۔

بہاؤ الدین ابن شداد اپنی سیرت میں رقمطراز ہے۔ ورجینا سے شادی کی تجویز ۱۶ شوال کے مذاکرہ میں کی گئی جس میں ابن بُنفری جیسا زیرک و دانا سیاست دان موجود تھا۔ رچرڈ کے خاص سفیر بھی حاضر تھے۔ ابن شداد کے بقول یہ گفتگو شہزادی کے متعلق تھی اور رچرڈ کے سفیر درخواست لے کر آئے تھے۔ اگر کسی وجہ سے یہ عقد نہ ہو سکے یا پاپائے روم ہی نے حمایت نہ کی تو دوسری صورت میں:

”ہم ملک العادل کی شادی بادشاہ کے بھائی کی بیٹی سے کر دیں گے جو ابھی تک باکرہ ہے انہوں نے یہ بھی کہا۔ ان کے مذہب میں (پاپائے روم) سے اجازت کی ضرورت ان شہزادیوں کے عقد میں پیش آتی ہے جن کی پہلے شادی ہو چکی ہو مگر کنواریوں کے لیے اجازت کی ضرورت نہیں۔ ان کے گھر والے ان کی شادی کے مختار ہوتے ہیں، جہاں چاہیں کر دیں۔“

نکل گیا۔ جین اس کے پاؤں کی آہٹ سنتی رہی جو بتدریج دور ہوتی چلی گئی۔ وہ جانتی تھی راہبوں کی مرضی کے بغیر شاید اب وہ صلح بھی نہیں کر سکتا جو مذہب کے نام پر قتل و غارت پر تیار تھے۔ ایلینار کا آزاد منش، خود مختار اور سرکش بیٹا پادریوں کے نرغے میں پھنس چکا تھا۔ اس احساس سے غمگین جین دل برداشتہ سی کاؤچ پر گر پڑی۔ ملک العادل کی لوٹائی ہوئی انگوٹھی ابھی تک اس کے ہاتھ میں تھی۔ دن کی روشنی میں بھی اس کا سرخ ہیرا شعلے کی طرح دکھ رہا تھا۔

نئی پیشکش

رچرڈ نے ایک سو بیس سالہ بوڑھے اور تجربہ کار ابن بُنفری کو جس کی دانائی کا شہرہ تھا، سلطان کی خدمت میں روانہ کیا اور تجویز پیش کی۔

”سلطان بزرگ! آپ وہ تمام شہر جو آپ کے قبضہ میں ہیں اپنے بھائی ملک العادل کو دے دیں، میں بھی انہیں نمائندہ تسلیم کر لوں گا اور اپنے مفتوحہ شہر ان کی تحویل میں دے دوں گا۔ آپ میرے بزرگ ہیں اور مجھے آپ کی سیاسی عظمت اور بزرگی عزیز ہے۔ آپ میرے اور ملک العادل کے درمیان ایک منصف اور حکم کے مقام پر ہوں گے۔ یہ تجویز میں اس لیے پیش کر رہا ہوں کہ مسلمان آپ کو ملامت نہ کر سکیں اور نہ عیسائی مجھے طعن دے سکیں۔“ (لین پول)

عیسائیوں کو جب اس مراسلت اور سفارت کا علم ہوا تو بڑے سخ پا ہوئے اور انہوں نے ایک بار پھر رچرڈ پر لعن طعن شروع کر دی لیکن سمجھدار طبقہ بادشاہ کی مصالحانہ کاروائیوں کی حمایت کرتا تھا۔

لین پول نے شاہی موصیقا امبروز کا بیان نقل کیا ہے کہ لوگ ”کافروں“ سے بادشاہ کا میل جول ہرگز پسند نہ کرتے اور برملا نفرت کا اظہار کرتے تھے۔ اس کے باوجود وہ ”کافروں“ کے امیر کا دیوانہ وار پرستار تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا ملک العادل نے بادشاہ پر جادو کر دیا ہے۔ لین پول اس خیال کا اظہار بھی کرتا ہے کہ اتنے ہنگاموں کے باوجود بادشاہ ملک العادل اور جین کی شادی کے خیال پر قائم تھا۔ اس نے رچرڈ کے اس آخری خط سے جو جین کے حوالہ سے ملک

(سیرت صلاح الدین از ابن شداد)

لین پول لکھتا ہے کہ ملک العادل نے پرنسز ورجینا سے شادی کی تجویز قطعی مسترد کر دی تھی۔ ابن شداد کے بقول سلطان کا دربار ختم ہو گیا تو افریقی سفیر اسی دن ملک العادل کے خیموں میں حاضر ہوئے اور اس سے گفتگو کرتے رہے مگر یہ سب گفتگو لاف حاصل تھی۔

انہی کاروائیوں میں نومبر اور دسمبر بھی گزر گئے۔ سردی شدید تر ہو گئی تھی اور اس کے ساتھ ہی موسم سرما کی بارشوں کا بھی آغاز ہو چکا تھا۔

موسم کی چال

رچڑ جافا کی چھاؤنی میں اپنے جرنیلوں کا انتظار کر رہا تھا جو موسم برشگان کے شروع ہوتے ہی عکا، انطاکیہ اور قبرص کی طرف روانہ ہو گئے تھے۔ کئی فرانسیسی اور اطالوی ناٹ صور پہنچ گئے تھے اور رچڑ کو ہر آن یہی دھڑکا لگا رہتا تھا کہیں کانرڈ انہیں باغی نہ کر دے مگر جو نئی قاصد حملہ و مدہشتی کی خبریں لے کر دوڑے صلیبی بہادر اپنی پناہ گاہوں سے نکل کر جافا کی طرف بھاگے۔ ایسا نادر موقع آج تک نہ ملا تھا۔ ہر صلیبی جرنیل اس اطلاع سے بے پایاں مسرت محسوس کر رہا تھا کہ سلطان نے اپنے لشکروں کو سرما کی رخصت دے دی ہے اور وہ ایک قلیل سی فوج کے ساتھ یروشلم میں جاڑے کا موسم گزار رہا ہے۔

تھوڑے ہی دنوں میں جافا کی چھاؤنی صلیبوں کے لڑی دل سے آباد ہو گئی۔ یروشلم پہنچنے اور ”دیارِ حج“ پر قبضہ جمانے کا شوق کچھ اس شدت سے سر پر سوار ہوا تھا کہ فلسطین کی بارش اور سردی بھی ان کے دلوں کو سرد نہ کر سکی۔ ٹمپلز اور ہاسپٹلز کے علاوہ شامی سرداروں نے رچڑ کو مشورہ دیا ”اس موسم میں حملہ مناسب نہیں کیونکہ برسات میں فوجوں کی نقل و حرکت انتہائی تکلیف دہ ہوتی ہے مگر دیوانے صلیبی مزارِ مسیح پر پہنچنے کی خاطر موت کے بیت ناک طوفانوں سے بھی ٹکرانے پر آمادہ تھے اور کیوں نہ ہوتے۔ وہ جانتے تھے اسلامی عساکر اپنے اپنے شہروں کو لوٹ چکے ہیں اور سلطان کی اس قلیل سی سپاہ پر قابو پانا کچھ مشکل نہیں جو یروشلم کی فسیل کے اندر سردی سے ٹھہری پڑی

جافا کے اردگرد شگفتوں کے باغات پھلوں سے لدے ہوئے تھے۔ زیتون درختوں اور انگوروں کے پستانوں پر جو دور دور تک پھیلے ہوئے تھے دھند ببار لہرانے لگا۔ نخلستانوں میں کھجوروں کی چھتریاں پادشاهی کے برفانی جھونکوں کی کبوتروں کی طرح پھڑپھڑاتی تھیں اور کمرے کی ٹنگی چادر نے پہاڑوں کی بٹیوں کو ڈھانپ لیا تھا۔ اس موسم میں سرخ صلیبی پرچموں کو حرکت ہوئی اور جافا صری کے دیوانے اپنی صلیبیں کندھوں پر اٹھائے زرہ جوشن سے آراستہ اور خیابانوں سے لدے پھندے جافا کی چھاؤنی سے نکلے۔

سلسبری کا دیوانہ آرچ بشپ ہیو برٹ والٹر جس نے کانرڈ کے قتل کا بیڑہ لگایا تھا، بڑے ڈرامائی انداز میں بادشاہ کے حضور آیا۔ اس وقت انگلستان اور آرمینڈی کے شہسوار اڑدے کے سروالا شاہی نشان اس گاڑی میں نصب کر رہے تھے جو دو صد انگریز اور نارمنی سواروں کی تنگی تلواروں کے حلقہ میں بادشاہ کی سواری کے آگے آگے چلتی تھی۔

انگلستان کے بیڈ باجوں کے شور سے فضا گونج رہی تھی اور بہت دور ان کی سب آواز پہاڑوں کی سرد چٹانوں سے ٹکرا کر بازگشت پیدا کر رہی تھی۔ ہاروں طرف صلیبی پرچم لہرا رہے تھے اور ٹمپلز سواروں کا ”بوسیوں“ حسب دستور آج بھی ہراول کے طور پر آگے آگے چلا جاتا تھا۔ اچانک انگریز شہسواروں کا ایک دستہ سلسبری کے کلیسا کا امتیازی پھریرا لہراتا ہوا شاہی کیپ کی طرف بڑھا۔ انگلستان کا بزرگ اسقف ہیو برٹ والٹر کسی بادشاہ کی شان و شوکت کے ساتھ رچڑ کے خیمہ خاص کے سامنے رکا۔ شاہی خدام نے اسقف پارسا کا غیرمقدم کیا اور فوراً ہی اسے بادشاہ کے حضور حاضری کی اجازت مل گئی۔

رچڑ نے حیرت پاش نگاہوں سے بوڑھے راہب کی طرف دیکھا۔ اس نے نگے بغیر بادشاہ کے سامنے چاندی کی صلیب بلند کی اور بولا۔

”عالیجاہ کو فتح مبارک ہو۔ مجھے پاپائے بزرگ نے اختیار دیا ہے کہ میں حضور کو یروشلم کی کامرانی کا مژدہ سناؤں۔ پیشوائے اعظم نے رویا میں آپ کو ”زار خداوند“ پر شمشیر بکت دیکھا ہے۔“

اس روحانی بشارت کو سن کر رچڑ کے چہرے پر سرخی کی رو دوڑ گئی۔ صلیبی لشکروں کی کثرت، سپاہیوں اور افسروں کے جوش و خروش اور اسلامی

سے سے تک پہنچ گئی۔ وہ ٹمپل سردار بھی جو اس پیش قدمی کے خلاف، مطمئن نظر آنے لگے۔ کیا عجب آسمانی باپ کو ہماری تباہی و بربادی اور ہلاکتیں پر ترس آگیا ہو اور وہ اسی موسم باراں کو ہمارے لیے بارانِ رحمت بنا دے۔

صلیبی لشکر پرچموں کی چھاؤں میں کئی میل تک دستہ بہ دستہ اور فوج در فوج حرکت کر رہے تھے۔ رچرڈ کے سر پر شیر کے نشان والا سرخ علم پھڑپھڑ رہا تھا اور وہ اپنے خاص شہسواروں کے جلو میں بصد تمکنت رواں تھا۔ صلح و آتش اور امن و دوستی کے وہ تمام منصوبے، وعدے اور عہد و پیمان جنہیں وہ بڑی بازمندی کے ساتھ ملک العادل کی وساطت سے سلطان کے حضور پیش کرتا رہا، ایک بار پھر اس کے تلوں، شاہی جلال اور جذبہ فتح مندی کی آگ میں جل کر راکھ ہو چکے تھے۔

یروشلیم کی طرف مارچ کرتے ہوئے وہ پھر وہی ”رچرڈ شیردل“ بن گیا تھا جو فلسطین میں صلیب کی کھوئی ہوئی سلطنت قائم کرنے، گستاخ عربوں کو قرار واقعی سزا دینے اور صلاح الدین کو پایہ زنجیر یورپ لے جانے کے دلولے لے کر بحیرہ روم کے ایشیائی ساحل پر اترا تھا۔

○

فلسطین کی روایتی سردی میں صلیبی لشکر شاہراہ اقدس پر آگے بڑھتے رہے۔ پہاڑوں کے درمیان پیچ و خم کھاتی نشیب و فراز کانتی، اترتی، چڑھتی، ملکی گھاٹیوں میں گم ہوتی اور بلند چٹانوں کے گرد چکر کانتی ہوئی سڑک صلیبی شہسواروں کی ٹاپوں اور پیادہ دستوں کے مارچ پاست کی دھمک سے کانپ رہی تھی۔ ان عظیم لشکروں کی روانگی کا منظر دیکھ کر پہاڑوں کے جگر بھی لرز رہے تھے۔

سلطان نے اس شاہراہ کے آس پاس تمام قلعے، برج اور فصیل دار قصبے تک مسمار کرا دیے تھے تاکہ صلیبی کسی جگہ قلعہ بند نہ ہو سکیں۔ افرنگی خبر رساں ہر روز بادشاہ کو خبریں پہنچا رہے تھے کہ یروشلیم تک راستہ صاف ہے۔ عرب لشکر کہیں بھی دکھائی نہیں دیتے۔ عربوں کا خوف اس حالت میں بھی نا کے ساتھ

عساکر کی رخصت کا حوصلہ افزا احساس ہی اس یلغار کا سبب بنا تھا۔ حالات کی ہر کروش سازگار تھی۔ اب پاپائے روم کی بشارت نے رچرڈ پر ایک عجیب سی کیفیت طاری کر دی۔ گردش حالات اور سیاسی ضرورتوں نے اسے آرج بشپ سے سمجھوتہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا۔ حالانکہ اس کے دل میں اسقف والٹر کے خلاف نفرت کی آگ ابھی تک سگ رہی تھی اور اس آگ کو کانرڈ کا خون ہی بجھا سکتا تھا۔ بوڑھے راہب نے بادشاہ کی آنکھوں میں ایک سوال کو چمکتے ہوئے دیکھا اور کہا۔

”جب عالیجاہ یروشلیم میں داخل ہوں گے، اس کے دروازے پر اپنے دشمن کا سر بھی لٹکتا ہوا دیکھیں گے۔“

رچرڈ اچھل کر پیچھے ہٹا۔ آرج بشپ کہہ رہا تھا۔

”اس کی موت اپنے مرکز سے روانہ ہو چکی ہے اور خنجر بکفت ہاتھ میرے اشارہ کے منتظر ہیں۔ آپ جانتے ہیں ”مزار خداوند“ پر حاضری کا شوق مجھ سے زیادہ اور کسے ہو گا لیکن میں اس وقت تک یروشلیم کا رخ نہیں کروں گا جب تک اپنا وعدہ پورا نہیں کر لیتا۔“

”پیشوائے بزرگ! ہم بھی ہر وعدہ پورا کریں گے۔“

”خداوند کے طفیل اب میں یروشلیم میں آپ سے ملاقات کروں گا۔“

یہ کہہ کر آرج بشپ نے چاندی کی صلیب لہرائی اور خیمہ سے نکل گیا۔ پھر اس کا قافلہ اس شاہراہ پر سفر کرنے لگا جو جافا سے عکا اور صور کی طرف جاتی تھی۔

بادشاہ فاؤل پر سوار ہوا۔ وہ لوہے کے لباس میں غرق تھا اور اس کا مخصوص برچھاؤنش ہمیشہ کی طرح کمر سے لٹک رہا تھا جس کا زریں دستہ کمر سے نصف بالشت اوپر اٹھا رہتا تھا۔ اژدہ کے نشان والی گاڑی تنگی تلواریں کے حلقہ میں یروشلیم کی طرف جانے والی سڑک پر رواں دواں تھی۔ صلیبی پرچموں کے جھنڈ پہاڑوں کی دیوار تک لہرا رہے تھے۔ ابر آلود آسمان کے نیچے اتنے کثیر پھیرے، نشان، پرچم اور علم شاید آج تک نہ لہرائے تھے۔ شاہی موسیقار امبروز لکھتا ہے اگر اس روز سورج بادلوں سے جھانک کر دیکھتا تو اڑتے ہوئے صلیبی پرچم اس کی شعاعوں کو زمین پر نہ پہنچنے دیتے۔

پاپائے روم کی بشارت آن کی آن میں پر لگا کر اڑی اور ایک سرے سے

ہی ساتھ لگا رہتا تھا۔ وہ رات کو اڑے ہوئے قلعوں، مسار برجوں اور ملے کے ڈھیروں کی اوٹ میں پناہ لیتے اور دن کو ابر آلود آسمان کے نیچے سفر کرتے۔ ۴۲ دن کی صبر آزما مسافت کے بعد رملہ پہنچے۔ فوجی اعتبار سے رملہ یروشلم کا دروازہ تھا۔ وہ کسی مقابلہ کے بغیر اس ”باب فتح“ تک آپہنچے تھے۔ ان کی خوشیوں کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ قدرت عرصہ دراز کے بعد انہیں لازوال کامرائیوں سے ہمکنار کرنے والی تھی۔ اگرچہ سردی، بارش، زمهریری ہواؤں نے ان کے بدن پر اذیت ناک تھپڑے لگائے تھے لیکن ”مزار مسیح“ کی زیارت کا شوق ارضی صعوبتوں پر غالب آچکا تھا۔

صلیبی بہادروں میں حیرت انگیز انقلاب آچکا تھا۔ خود رچرڈ ان کے جوش و خروش پر حیران و دم بخود تھا۔ شاید ان کے حوصلوں کی بلندی کا اصل سبب یہ تھا کہ کہیں عربوں سے مقابلہ کی نوبت نہ آئی تھی لیکن اس عجیب و غریب صورت حال نے رچرڈ کو بے طرح و پریشان کر دیا تھا۔ آخر عرب مقابلے پر کیوں نہیں آتے؟ خبر رسائوں کی آخری اطلاع یہ تھی کہ سلطان بیت المقدس میں اطمینان سے بیٹھا مقدمات کا فیصلہ کر رہا ہے۔ یعنی اس کے نزدیک صلیبی لشکروں کی پیش قدمی کوئی اہمیت نہیں رکھتی تھی۔

سلطان کا یہی اطمینان رچرڈ کے اضطراب کا باعث تھا۔ کیا عربوں کی پراسرار خاموشی کسی خوفناک طوفان کا پیش خیمہ ہے؟ اپنے جرنیلوں سے مشورہ کے بعد رچرڈ نے فوج کو آگے بڑھایا۔ وہ رملہ سے نکل کر بیت نوبا میں داخل ہوا۔ یہاں سے یروشلم کی عمارتیں، مسجدوں کے گنبد و مینار اور کلیساؤں کی مثلث نما مخروطی چوٹیاں نظر آتی تھیں مگر سلطانی لشکر یہاں بھی سدراہ نہ ہوا۔

دیوانے صلیبی ان عمارتوں کو دیکھ کر فرط جوش سے رقص کرنے لگے۔
”عرب کہاں ہیں؟“

آج وہ ہمارا راستہ نہیں روکتے۔

خداوند نے ان کے دلوں پر ہماری دہشت مسلط کر دی ہے۔
ہم اسی طرح بڑھتے جائیں گے اور مسیح کے مقدس شہر پر پھر صلیب کے پرچم لہرائیں گے۔

الغیاث اے پاک مریم!

المدد اے فرزند خدا...!

بیت نوبا کی چھاؤنی میں راہبوں نے بلند آواز میں انجیل و زبور کے گیت گائے۔ ابر آلود آسمان کے نیچے ان کے نغمے یروشلم کی پہاڑیوں سے ٹکرا رہے تھے لیکن ابھی انہوں نے بیت نوبا سے مارچ نہ کیا تھا کہ بادل کی گرج اور رعد کی کڑک طوفان قیامت بن کر نمودار ہوئی۔ بارش نے اچانک قرخداوندی کی شکل اختیار کر لی۔ شمالی ہوا کے تھپڑے تیروں کی مانند سنٹاتے ہوئے جسموں میں پست ہونے لگے۔ آن کی آن میں خیمے الٹ گئے۔ سائبان گر گئے۔ ایسی موسلا دھار بارش اور قیامت آفریں سردی میں تمام لوگ اس وقت پر ماتم کرنے لگے جب وہ یروشلم کے ارادہ سے نکلے تھے۔

دن پر دن گزر رہے تھے لیکن نہ بارش تھمتی تھی نہ زمهریری ہواؤں کا زور گھٹتا تھا۔ اس طوفان باد و باروں میں بار برداری کے تمام جانور ہلاک ہو گئے۔ بے شمار گھوڑے موت کے سیلاب میں بہہ گئے۔ لاشوں کی بدبو سے ہر طرف فتن پھیلنے لگا۔ اب مردوں کی باری آئی۔ سپاہیوں کے کپڑے تار تار ہو گئے۔ گوشت کا ذخیرہ سڑ گیا۔ خوراک ضائع ہو گئی۔ بھوک بیماری اور موت عفریت کا روپ دھار کر صلیبی لشکروں میں گھونسنے لگی۔ ہتھیار تک زنگ آلود ہو چکے تھے۔ وہ اس شہر کے سامنے موجود تھے جس کی خاطر کئی سال سے خون آشام معرکے جاری تھے۔ جہاں پہنچنے کی تمنا میں لاکھوں سپاہی موت کا لقمہ بن گئے تھے۔ اس کے برعکس عربوں کی قلیل سی سپاہ یروشلم کی بارکوں میں آرام کر رہی تھی۔ ان کے جانور اور غلہ کے ذخیرے تک محفوظ تھے۔ جیسے موت کا بیت آفریں رقص بد قسمت صلیبیوں ہی کے لیے مخصوص تھا۔

اب رچرڈ کو صلاح الدین کے اطمینان و قرار کا راز معلوم ہوا۔ اس نے ٹلر نائیٹوں اور شامی سرداروں کا مشورہ نہ مانا اور فلسطین کے تباہ کن موسم کے خلاف نبرد آزما ہونے کے لیے آگے بڑھا مگر اب اسے معلوم ہوا کہ فلسطین کا موسم باراں عظیم قیصروں کی فوجوں پر بھی تباہی بن کر نازل ہوتا رہا تھا۔

جب بارش کا طوفان تھا بیت نوبا کی صلیبی چھاؤنی اس ماتم کدے کا منظر پیش کر رہی تھی جہاں تباہی و بربادی کے عفریت رقص کر رہے ہوں۔ فاقہ کشی،

ہم قدرت سے نہیں لڑ سکتے۔“

”عرب جادوگر ہیں۔ انہوں نے دنیا کی بدروحوں کو ہماری تباہی پر متعین کر دیا اور خود مزے سے بیٹھے اپنے گھروں میں تعطیلات منا رہے ہیں۔“

”اگر ہم یہیں رہے تو جنوں بھوتوں، عفرتوں اور بدروحوں کے لشکر ہمیں تباہ کر دیں گے۔“

ضعیف الاعتقاد صلیبی سر پر پاؤں رکھ کر بھاگنے لگے۔ جب افرانہیں روکنے کی کوشش کرتے تو وہ کہتے۔

”یروشلم خداوند کا شہر ہے۔ وہ خود عربوں سے لڑے گا اور شہر خالی کرا لے گا۔“

اس طرح رملہ کی چھاؤنی بھی اجڑنے لگی۔ بد قسمت صلیبیوں پر عربوں کا خوف کچھ اس طرح مسلط ہو چکا تھا کہ وہ اپنے افسروں کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے۔ رچرڈ کو پل پل کی خبریں پہنچ رہی تھیں۔ اب باعزت صلح کی توقع بھی بے سود تھی۔ اس نے خود ہی پیش قدمی کر کے سلطان کے اعتماد کو پاش پاش کر دیا تھا۔

صلیبی مارشل اور جرنیل پھر بادشاہ کے خیمہ میں اکٹھے ہوئے۔ وہ بھوکے بھیڑیوں کی طرح ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے۔ ٹمپلوں اور شامی سرداروں نے بادشاہ کو مورد الزام ٹھہرایا کہ اس نے ہمارا مشورہ نہ مانا اور بیکار پیش قدمی کر کے لشکر کو تباہی میں جھونک دیا۔ اب افرنگی بہادر قیامت تک یروشلم کا رخ نہ کریں گے۔

رچرڈ کوئی الزام سننے کے لیے تیار نہ تھا۔ ”جنگ میں فتح و شکست ہوتی رہتی ہے۔ موسم گزرتے ہی ہم عربوں پر تباہ کن حملہ کر دیں گے اور اپنی ناکامیوں کا پورا انتقام لیں گے۔“

لیکن سب جانتے تھے کہ بادشاہ کے یہ الفاظ کبھی حقیقت کا روپ نہ دھار سکیں گے۔ وہ خود دل شکستہ نظر آتا تھا۔ مایوس اور تباہ حال لشکروں کی ڈھارس بڑھانے اور انہیں فوجی طور پر مصروف رکھنے کے لیے شامی کونسل نے فیصلہ کیا کہ عسقلان کو دوبارہ تعمیر کیا جائے جسے سلطان اپنی مگرانی میں مسمار کرا چکا تھا۔

عسقلان جنوبی فلسطین میں ساحل سمندر پر ایک اہم شہر تھا جہاں سے شام، عراق، حجاز اور مصر کو راستے نکلتے تھے۔ سلطان نے اسے اسی خیال کے پیش نظر

بیماری اور قیامت آفریں سردی کے مارے سپاہی ہڈیوں کا بنجر بن چکے تھے۔ افسروں کی حالت دگرگوں تھی۔ وہ اپنے جرنیلوں پر لعنت بھیج رہے تھے جنہوں نے سوچے سمجھے بغیر انہیں موت کے منہ میں دھکیل دیا تھا۔ دیوانے راہب جنہیں ”مزار مسیح“ کی زیارت کا شوق کشاں کشاں کھیچ لایا تھا۔ اس وقت پر ماتم کر رہے تھے جب انہوں نے یروشلم کی طرف مارچ کیا تھا۔ اکثر لوگ دبے الفاظ میں رچرڈ شیردل کو بھی گالیاں دے رہے تھے۔

”ہماری تباہی کا باعث شاہ انگلستان ہے جو بساط حرب پر ہمیشہ پٹا رہا۔ وہ ایک نامور بہادر ہے لیکن اچھا سپہ سالار نہیں۔ کاش، صلیبی فوجوں کی کمان قلب آگسٹس کے ہاتھ میں ہوتی اور وہ ہمیں عربوں کے خوفناک بھٹ میں چھوڑ کر واپس نہ چلا جاتا۔“

فرانسیسی سپاہی، لیس نائیک، کپتان اور میجر تک سب رچرڈ سے ٹاللاں تھے۔ فائدہ کش سپاہیوں کا لشکر یروشلم پر حملہ کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا جس کی فیصل کے برجوں میں عرب پھرتے ان کی گھات میں بیٹھے تھے۔ مخ بستہ ہوائیں بدستور ان کے جسموں پر عقوبت کے کوڑے برساتی ہوئی چل رہی تھیں اور غلہ و غذا کے ذخیرے گل سڑ جانے کے باعث صلیبی دانے دانے کو ترس رہے تھے۔ جب کہ بیت المقدس میں عرب سپاہی آج بھی دنبوں کا گوشت بھون بھون کر کھاتے اور بچی ہوئی روٹیاں جانوروں کے چارہ میں ڈال دیتے تھے۔

صلیبی لشکروں پر قحط و فائدہ کشی کی تباہی پہلے بھی کئی بار نازل ہو چکی تھی لیکن موجودہ بربادی نے تو انہیں بالکل نڈھال اور دل برداشتہ کر دیا تھا اور وہ اپنے اپنے گھروں کو لوٹ جانے کے لیے بے چین تھے۔ رچرڈ نے حکم دیا۔ بیت نوپا سے چھاؤنی اٹھالی جائے اور لشکر رملہ میں آ جائے لیکن رملہ میں بھی انہیں سکون و قرار نہ مل سکا۔

فلسطین کا موسم برشگال بدروحوں کی طرح ان کے تعاقب میں تھا۔ یہاں بھی غذائی قلت پریشان کن تھی۔ بارش، سردی اور اولوں نے ان کی خبر لی۔ اب سپاہی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں بٹ کر عکا، جافا اور صور کی طرف بھاگنے لگے۔

”آسمانی باپ ہم سے ناراض ہے۔“

”یروشلم کی بازیابی اور مزار خداوند کی زیارت ہماری قسمت میں نہیں۔“

لیا تھا اور بادشاہ کے خیر خواہوں کو ذلت و رسوائی کے ساتھ نکال باہر کیا۔ وہ تمام لوگ جو کروسیڈ کی وجہ سے رچڑ کے حامی اور اس کی فتح و نصرت کے لیے دعائیں مانگتے تھے، ارل جان کی ”کالی فرست“ میں درج ہو چکے تھے اور ان پر نت نئے ظلم توڑے جا رہے تھے تاکہ وہ رچڑ کو چھوڑ کر جان کو انگلستان کا بادشاہ تسلیم کر لیں۔ وہ تخت و تاج پر قبضہ جمانے اور اپنی بادشاہت کا اعلان کرنے کی تیاریوں میں مصروف تھا۔ اس مقصد کی خاطر ایک طرف جہاں اس کے ہوا خواہوں اور مصاحبوں کو نئے نئے عہدے مل رہے تھے اور ایک نیا طبقہ سرکاری اداروں میں نمایاں ہو رہا تھا وہاں دوسری طرف رچڑ کے حامیوں پر ظلم و تعدی کی بجلی گھوم رہی تھی۔ انگلستان کے باشندے ایک عجیب و غریب صورت حال سے دوچار تھے۔ بے شمار لوگ ایسے تھے جنہیں ارل جان سے نفرت تھی اور اسے بادشاہ کی حیثیت سے قبول کرنے پر تیار نہ تھے لیکن حکومت کی باگ ڈور عملی طور پر اسی کے ہاتھ میں تھی۔ اس لیے وہ ان احکام سے روگردانی بھی نہ کر سکتے تھے جو نائب سلطنت کی طرف جاری کیے جاتے تھے۔ رچڑ کے حامیوں نے اپنے نامہ برایشیا کی طرف دوڑائے اور پیغام بھیجا۔

”عالی جاہ! جلد تشریف لائیے ورنہ انگلستان جاتا رہے گا۔“

اگرچہ ارل جان کے بارے میں پہلے بھی تشویش کن اطلاعات موصول ہو چکی تھیں لیکن تازہ صورت حال نے رچڑ شیردل پر زلزلہ سا طاری کر دیا۔ وہ کسی زخمی شیر کی طرح بلبلاتا کر کے میں ٹھنکنے لگا۔ اس کے بدن پر زبردست ارتعاش تھا اور ہر عضو غصہ کی شدت سے کانپ رہا تھا۔

پھر وہ تیزی کے ساتھ کمرہ سے نکلا اور امرائے صلیب کی کونسل میں شریک ہونے کے لیے چلا گیا جو بادشاہ کی واپسی کے پیش نظر ہنگامی طور پر طلب کی گئی تھی۔ رچڑ اپنے بعد کسی ایسے شخص کو نائب منتخب کرنا چاہتا تھا جو اس ساحلی علاقہ کی حفاظت کر سکے جسے صلیبی لشکروں نے بزم خود فتح کیا تھا۔

کونسل میں ایک بار پھر حیرت انگیز حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ اس کا خیال تھا لوگ گائی لوگسٹن کی قیادت و نیابت پر مطمئن ہو جائیں گے جو رسمی طور سے ابھی تک یروشلم کی صلیبی مملکت کا بادشاہ تھا لیکن کونسل کے ارکان نے گائی لوگسٹن کو مسترد کر دیا اور بیک زبان مار کوئیس کانرڈ کے حق میں فیصلہ دے دیا۔

تباہ کر دیا تھا کہ صلیبی یہاں قلعہ بند ہو کر مصرو شام کے لیے خطرہ نہ بن جائیں۔ نمپلوں نے ایک بار پھر بادشاہ کو توجہ دلائی کہ وہ ایک بے کار کام پر وقت ضائع نہ کرے کیونکہ صلاح الدین اس شرکی تعمیر نو ہرگز گوارا نہ کرے گا اور اس کے لشکر یہاں تباہ کن چھا پے مارتے رہیں گے لیکن پہلے کی طرح رچڑ نے اس مرتبہ بھی ان کے مشورہ کو ٹھکرا دیا اور فوج کو عسقلان کی طرف مارچ کرنے کا حکم دے دیا۔

سپاہی بے شمار مشکلات کا سامنا کرتے، بارشوں اور اولوں کے ہولناک مصائب سے لڑتے، سرد ہواؤں کے تھپیڑے کھاتے، دلدلوں سے بچتے، پانی اور کچھڑ میں لت پت برساتی ندی نالوں کو عبور کرتے، گھوڑوں، جانوروں اور سپاہیوں کی لاشیں پیچھے چھوڑتے عسقلان پہنچے۔ یہاں پہنچ کر جب انہوں نے عسقلان کے کھنڈروں اور ملبے کے ڈھیروں کا جائزہ لیا تو پتہ چلا کہ سلطان نے شر کو اس بری طرح سہارا دیا ہے کہ اس کی تعمیر نو آسان نہیں لیکن بادشاہ کے حکم کی تعمیل بہر حال ضروری تھی۔

فوج نے عسقلان کے خرابہ میں ڈیرے ڈال دیے۔ صلیبی بیڑہ اس کی حفاظت کے لیے بدستور ساحل سمندر پر موجود تھا۔ سپاہیوں، مزدوروں اور معماروں نے ملبے کے ڈھیر ہٹانے شروع کر دیے۔ رچڑ خود اپنے شاہی دستہ کے ہمراہ کبھی جانا اور کبھی عکا میں نمودار ہوتا اور دل برداشتہ افسروں کی باتیں سن کر شکار کے لیے جنگلوں کی طرف نکل جاتا تھا۔

انگلستان میں بغاوت

وہ جانا کی چھاؤنی میں بیٹھا اپنے جرنیلوں سے سلطانی لشکروں کے متعلق اطلاعات سن رہا تھا کہ انگلستان سے ایک جہاز انتہائی دل شکن خبریں لے کر آیا۔ لندن سے کچھ پادری اور معززین پیغام لائے تھے کہ اگر رچڑ کو تخت و تاج عزیز ہیں تو فوراً ”انگلستان لوٹ آئے ورنہ ارل جان اس کی عدم موجودگی میں حکومت پر قبضہ کر لے گا اور اس وقت وہ انگلستان میں داخل بھی نہ ہو سکے گا۔ جان نے جسے رچڑ اپنا نائب سلطنت بنا کے آیا تھا۔ شاہی خزانہ پر قبضہ کر

”عالی جاہ“ میں نے اپنا وعدہ پورا کر دیا۔“

اسقف اعظم کی آنکھوں میں خوفناک چمک دیکھ کر رچرڈ سکتہ میں آگیا اور والٹر نے اپنا نامکمل فقرہ مکمل کیا۔

”آپ کا دشمن مارکوئیس کانزڈ اپنے انجام کو پہنچ گیا۔“

رچرڈ اچھل کر پیچھے ہٹا مگر فوراً ہی اس نے خود کو سنبھالا اور پوچھا۔
”تو تم نے اسے ختم کر دیا؟“

”ہاں“ میرے اور آپ کے درمیان یہی طے پایا تھا۔ میں نے انگلستان کے تخت و تاج سے اپنی وفاداری کا ثبوت دے دیا ہے۔ اسی ابلیس نے مجھے دھوکہ دے کر حضور کے خلاف زہر چکائی پر مجبور کیا اور میرے ساتھ ملکہ برنگیریا کے شاہی اعتماد کو خطرہ میں ڈال دیا تھا۔ اب وہ جہنم رسید ہو چکا اور آپ کی تمام مشکلیں آسان ہو گئیں۔“

رچرڈ کے ہونٹوں پر زہر آلود سی مسکراہٹ نمودار ہوئی اور وہ آرچ بشپ کو ساتھ لے کر صنوبروں کی اس قطار کی طرف چلنے لگا جو شاہی خیموں کے پہلو میں واقع تھی۔ پھر اس نے اتنی مدھم آواز میں جس پر صرف ہوا کی سرسراہٹ کا گمان ہوتا تھا سوال کیا۔

”کیا سب کام خوش اسلوبی سے انجام پائے؟ میرا مطلب ہے قاتل پر انگریز ہونے کا شبہ تو نہیں کیا جائے گا۔ میں تفصیلات سننا چاہتا ہوں۔“

آرچ بشپ کا ہلکا سا قہقہہ صنوبروں کے جھرمٹ میں ابابیلوں کی طرح پھڑپھڑایا۔

”عالی جاہ“ قاتل تو گرفتار بھی ہو چکے۔“

رچرڈ کے چہرے پر ایک سیاہ لکیر لرزے لگی۔ والٹر پارسا بادشاہ کی بیتابی دیکھ کر بولا۔

”میں نے شیخ الجبل تک رسائی حاصل کی۔ سیدنا پہلے ہی کانزڈ سے برہم تھا۔ میں نے اس کی خدمت میں موت کا ہدیہ پیش کیا۔ وہ اس وقت تک خنجر زنی پر آمادہ نہ ہوتا تھا جب تک اسے یہ یقین نہ دلایا جاتا کہ خود شاہ انگلستان اس ابلیس کی موت کے خواہاں ہیں۔“

”پھر؟“ رچرڈ مجسم سوال بن گیا۔

”پھر میں نے حضور کی طرف سے اسے مطمئن کر دیا۔ یہ خط سیدنا نے آپ

”صرف مارکوئیس کانزڈ ہی ایشیا میں صلیبی لشکروں کی قیادت کر سکتا ہے، وہی ہمارا جرنیل اور بادشاہ ہو گا۔ ہم گائی لوگننن ایسے شکست خوردہ اور ناکام آدمی کو اپنا سپہ سالار تسلیم نہیں کر سکتے۔“

رچرڈ نے بادل خواستہ کونسل کے فیصلہ کو مان لیا۔ کانزڈ ایک نئے روپ میں اس کے سامنے جلوہ گر ہوا تھا۔

رچرڈ دل برداشتہ ہو کر بھیڑیوں کے اس بھٹ سے نکلا جسے ”امرائے صلیب کونسل“ کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ معلوم ہوتا تھا وہ صلیبی نائنوں کی ضد اور عاقبت ناندیشی پر بہت رنجیدہ ہے جو اس کے کھلے دشمن کی قیادت پر متفق ہو گئے تھے۔

دوسرے روز بادشاہ نے شکار کے لیے گھوڑا طلب کیا اور اپنے شاہی دستہ کے آگے آگے ان جنگلوں کی طرف نکل گیا جہاں فلسطین کے خوبصورت آہو چکارے اور بارہ سگھے چوڑیاں بھرتے اور چاندنی راتوں میں چشموں پر پانی پینے آتے تھے۔

اعتراف شکست

رچرڈ جنوبی جنگلوں میں مصروف شکار تھا جب دنیائے صلیب ایک تہلکہ انگیز خبر سے کانپ اٹھی۔

سورج ابھی غروب نہ ہوا تھا اور اس کی قرمزی شعاعیں درختوں کی چوٹیوں پر رنگ بکھیر رہی تھیں کہ بادشاہ شکار سے واپس آگیا۔ شاہی خدام اس کے پیچھے ایک جنگلی سور اور دو چکاروں کی لاشیں اٹھائے آ رہے تھے جنہیں رچرڈ نے شکار کیا تھا لیکن جو نئی وہ خیمہ گاہ میں داخل ہوا، ٹھٹھک کر رہ گیا۔ آرچ بشپ آف سلسبری ہیورٹ والٹر اپنے بدن پر مقدس لبادہ اوڑھے اس کے استقبال کے لیے موجود تھا اور اس کے عقب میں سلسبری کے وہ انگریز سوار نظر آ رہے تھے جو اسقف اعظم کے دستہ خاص میں شمار ہوتے تھے۔

دونوں حریف ایک دوسرے کی طرف بڑھے۔ والٹر پارسا نے جھک کر بادشاہ کی شاہی قباقو بوسہ دیا اور سرگوشی کے لہجہ میں کہا۔

نے واپسی میں تاخیر کی تو اہل جان انگلستان کے تخت و تاج پر قبضہ کر لے گا۔ وہ ہندوستان میں بھاگے آئے۔

بادشاہ بہت متفکر تھا۔ صور کے عمائدین صلیب نے کانرڈ کی جگہ کاؤنٹ ہنری کو تخت و تاج سوئپ دیے اور درخواست کی تھی کہ وہ کانرڈ کی بیوہ ملکہ ازابیل سے شادی کر لے تاکہ ازابیل کی صلیبی سلطنت کا وارث قرار دیا جائے۔ رچرڈ کاؤنٹ ہنری کی جانشینی پر مطمئن تھا لیکن انگلستان کو واپسی کا مسئلہ بے حد پیچیدہ ہو چکا تھا۔ اس نے کانرڈ کے قتل کے لیے والٹر پارسا کو آلہ کار بنایا اور اب خود اس کے ہاتھ میں کھلونا بن چکا تھا۔ اگر وہ آرچ بشپ کی مرضی کے خلاف عازم انگلستان ہو جاتا تو وہ بادشاہ کو کانرڈ کا قاتل قرار دے کر صلیبوں کو اس کا دشمن جان بنا دیتا۔ رچرڈ نے محسوس کیا وہ مقدس باپ کے پھندے میں پھنس چکا ہے۔

صلیبی لشکروں میں یہ بات مشہور ہو چکی تھی۔ بادشاہ انگلستان واپس جا رہا ہے۔ اس خبر نے افریقی بہادروں کے حوصلے پست کر دیے تھے۔ بالخصوص کانرڈ کے قتل نے آتش حرب سرد کر دی تھی اور ہر کوئی محسوس کر رہا تھا، صلیب کی مقدس جنگ عملی طور سے ختم ہو چکی ہے۔

ناگماں آرچ بشپ آف سالبری شاہی خیموں کے سامنے نمودار ہوا اور دوسری صبح افریقی نقیب عسقلان میں اعلان کر رہے تھے کہ شاہ انگلستان رچرڈ شیر لال اس وقت تک واپس نہیں جائیں گے جب تک یروشلم فتح نہیں ہو جاتا۔ اس اعلان سے صلیبی لشکروں میں مسرت کی لہر دوڑی گئی۔ رچرڈ نے وعدہ کر لیا تھا کہ وہ آئندہ ایشر تک پیس رہے گا۔

ایشر کے ایام میں کاؤنٹ ہنری نے ملکہ ازابیل سے شادی کر لی۔ اب وہ یروشلم کھلانے لگا۔ ہنری چونکہ رچرڈ اور فلپ اگنس کا رشتہ دار تھا اس لیے انگریز اور فرانسیسی دونوں اس کی جانشینی پر خوش تھے۔

رچرڈ نے واپسی کا ارادہ ترک کر کے سلطان کی طرف صلح کے نامہ بر بڑائے اور صلیب الصلوب کے ساتھ یروشلم کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ بوڑھے سلطان نے ایک مرتبہ پھر تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا اور اپنے امراء لشکر سے کہا۔

”ہم جہاد اس وقت تک جاری رکھیں گے جب تک دشمن کو سمندر میں نہ

کے لیے بھیجا ہے۔“

اسقف اعظم نے اپنے چغہ سے ایک موٹا کاغذ نکال کر پیش کیا۔ اس میں صرف یہ تحریر ہے، آپ کی ہدایت کے مطابق ایلیس کو ختم کر دیا جائے گا بس... آپ اسے اطمینان سے پڑھ لیجئے گا۔ میری درخواست پر سیدنا نے دو فدا کی مقرر کیے اور کل جب کانرڈ بشپ آف بولیس کی دعوت سے واپس آ رہا تھا ایک اسماعیلی نوجوان نے جو راہبوں کے چغہ میں ملبوس تھا، کین گاہ سے نکل کر اچانک اس کے گھوڑے کی لگام پکڑی اور دوسرے نے خنجر کا بھرپور ہاتھ مارا۔ کانرڈ تڑپ کر گرا۔ لوگ اسے اٹھا کر گر جائیں لے گئے۔ وہ ابھی تک زندہ تھا اور باتیں کر رہا تھا کہ فدا کی جو آس پاس ہی منزل لا رہا تھا، عقاب کی طرح جھپٹا اور خنجر اس کے سینے میں اتار دیا۔ کانرڈ کی لاش گر جا کے وسط میں پڑی رہی اور لوگ قاتلوں کے پیچھے بھاگے۔ دونوں فدا کی گرفتار ہو گئے۔ جس وقت انہیں عذاب دیا جائے گا۔ وہ بتائیں گے، انہوں نے کانرڈ کو صلاح الدین کے اشارہ پر قتل کیا ہے۔ اس افسانے میں بھلا کسی انگریز کا کیا ذکر؟

کانرڈ کے قتل کی روداد سن کر رچرڈ مطمئن نظر آنے لگا۔

”مقدس والہز! تم نے حیرت انگیز کام کیا ہے۔“

”عالی جاہ کو یاد ہو گا اس خدمت کے عوض آپ نے یروشلم کی فتح کا وعدہ کیا تھا۔“

”بے شک، یہ وعدہ مجھے یاد ہے۔“

تھوڑی دیر بعد جب بادشاہ آرچ بشپ کے ہمراہ اپنے خیمہ میں واپس آیا تو اس نے آتے ہی کوچ کا حکم سنا دیا۔



کانرڈ کے قتل کی خبر جنگل کی آگ بن کر صلیبی لشکروں میں پھیل گئی۔ رچرڈ جب عسقلان میں گھوڑے سے اترا تو فراکوں کے چہرے حزن و یاس میں ڈوبے ہوئے تھے۔

رچرڈ کو بالکل نئی صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ جافا میں انگلستان سے بشپ آف ایلی کے کچھ نئے قاصد بھی پہنچ چکے تھے اور یہ پیغام لائے تھے کہ اگر بادشاہ

دادیوں کے درمیان دشمن کے ہراول لشکر کو جالیا۔ جہاں اس نے ملیسوں پر زبردست حملہ کیا اور کشتوں کے پشے لگا دیے۔ وہ افرنگی جو اس دہم میں بڑھے آ رہے تھے کہ یروٹلم تک انہیں روکنے والا کوئی نہیں، شکست فاش اٹھا کر بھاگے۔ وہ اپنے جاسوسوں کو گالیاں دے رہے تھے جنہوں نے خبر دی تھی کہ یروٹلم کے ٹیلوں تک کوئی اسلامی لشکر ان کا راستہ روکنے کے لیے موجود نہیں۔ اب انہی ٹیلوں میں ملیسوں کی لاشیں بکھری ہوئی تھیں۔



افرنگی لشکر قتل الصافیہ اور ”نائٹوں کے ٹورون“ کے کھنڈروں سے نکل کر بیت نوبا کے جھونپڑوں تک پہنچ گئے تھے۔ یہاں فرانسیسی نائٹ اور شہسوار بھی اپنے مخصوص پرچم اڑاتے ہوئے آگئے تھے۔ بیت نوبا کی گھاٹی سے ایک سڑک بل کھاتی سیدھی یروٹلم کو جاتی تھی۔ یہ مقام بیت المقدس اور رملہ کے درمیان واقع تھا اور یہاں سے یروٹلم کی عمارتوں کے دھندلے دھندلے نقوش دکھائی دیتے تھے۔

سلطان کا حکم تھا ملیسوں کو اس سے آگے نہ بڑھنے دیا جائے۔ چھاپہ مار دے افرنگی سپاہ پر جھپٹنے لگے جو بیت نوبا میں چھاؤنی ڈال کر بیٹھ گئی تھی۔ رچرڈ نے ارل آف لیٹر کو دفاع کا مشکل فرض سونپ دیا اور افرنگی کا ریگر، انجینئر، بڑھئی اور آہن گر بڑے بڑے چوبی شہتیروں اور آہنی کلوں سے جنگ محاصرہ کی تیاریاں کرنے لگے۔

رچرڈ کا خیال تھا اسلامی سرداروں اور ان کے جیوش کی واپسی سے پہلے ہی یروٹلم کا محاصرہ ڈال دے گا اور سلطان کو شہر میں محصور کر دے گا۔ اس نے یروٹلم کو دوسرا عکا بنا دینے کا احقانہ خواب دیکھا۔

سلطان یروٹلم میں عکا کا تجربہ دہرانے پر تیار نہ تھا۔ عرب رسالہ کے متواتر حملوں نے ارل آف لیٹر کو ہراساں کر دیا اور چند ہی روز کے بعد وہ رچرڈ کی خدمت میں حاضر ہوا۔

”عالی جاہ! ہم بیت نوبا میں زیادہ دن قیام نہیں کر سکتے۔ عربوں کے حملے بہت خوفناک ہیں اور ہمارے سواروں کی تعداد روز بروز کھٹتی جا رہی ہے۔“

دھکیل دیں یا سب کے سب شہید ہو جائیں۔“

ابن شداد کے بقول کارنرڈ ۱۳ ربیع الاول ۵۸۸ھ کو قتل ہوا۔ افرنگی داخلی معاملات سے فارغ ہو کر جمادی الاول میں جنگی ترانے گاتے ہوئے القدس کی طرف روانہ ہوئے۔ رچرڈ دستور صلیبی لشکروں کی کمان کر رہا تھا۔ ملیسوں نے الدارون پر قبضہ کر لیا اور وہاں کے مسلمانوں کو بے دریغ قتل کیا۔ پھر وہ جبل غلیل کی طرف بڑھے اور مجدل یا فا کے قلعہ پر حملہ آور ہوئے لیکن مسلمانوں نے یہاں افرنگیوں پر کاری ضرب لگائی اور وہ سینکڑوں لاشیں چھوڑ کر بڑی بے ترتیبی سے پیچھے ہٹے۔

سلطان القدس میں بیٹھا صلیبی لشکروں کی پیش قدمی کی خبریں سن رہا تھا۔ اس کے سرداران فوج اور والیان ریاست ابھی تک سرا کی رخصت سے واپس نہ آئے تھے۔

ملک العادل، ملک الافضل، ملک الظاہر اور تقی الدین عمر ایسے جرنیل بھی دمشق اور حلب میں بیٹھے تھے۔

سلطان نے اپنے سرداروں کی طرف پیغامبر دوڑائے اور انہیں جلد جلد القدس پہنچنے کی ہدایت کی۔ رچرڈ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اسلامی سردار اور ان کے جیوش یروٹلم سے کوسوں دور ہیں اور سلطان صرف اپنے خاص لشکر کے ہمراہ شہر میں پڑا ہے۔ اس نے صورت حال سے فائدہ اٹھانے اور آخری بار قسمت آزمائی کے لیے طوفانی پیش قدمی کی اور ملیسوں کے ٹڈی دل کو لے کر یروٹلم کی طرف چل دیا۔ موقع کے مطابق اس سے بساط حرب پر ایک اندھی چال چلی اور اپنے تمام مرے بڑھا دیے۔

جاسوس سلطان کو ایک ایک پل کی خبریں دے رہے تھے۔ اس نے سرحدی چوکیوں کے پہرے داروں کی طرف قاصد دوڑائے اور حکم دیا وہ ایک خوفناک مدافعت کے لیے تیار رہیں۔

”یاد رکھو! بیت المقدس ہمارے نبی اکرم ﷺ کی سجدہ گاہ اور جائے معراج ہے۔ بخدا... میں اس شہر کا ایک پتھر بھی مشرک ملیسوں کے ہاتھ نہ لگنے دوں گا۔“

پھر اس نے بدر، سن ولدوم کی قیادت میں ایک لشکر روانہ کیا تاکہ وہ صلیبی فوجوں کا راستہ کاٹے۔ بدر الدین عقاب کی طرح جھپٹا اور اس نے پہاڑی

اس تقریر نے صلیبوں کے حوصلے پست کر دیے۔ وہ عربوں سے کھلے میدان میں معرکہ آرائی سے خائف تھے۔ پھر پانی کی بہم رسانی انتہائی پریشان کن تھی۔ دیوانے ٹپلہ کہتے تھے۔

”ہم یروشلم کو فتح کرنے گھروں سے نکلے تھے۔ یروشلم کی عمارتیں سامنے نظر آتی ہیں اور ہم وہاں تک نہیں جاسکتے۔ کیا ہم فلسطین میں قبرستان بنانے آئے تھے؟“

رچرڈ جھنجھلا اٹھا۔

”کونسل کو فیصلہ کرنے دو، ہمیں آگے بڑھنا چاہئے یا پیچھے ہٹنا چاہئے۔ اگر اس نے عیسقندی اور حملہ کا اعلان کر دیا تو خداوند کی قسم، میں تمہارے ساتھ جاؤں گا لیکن فوج کا قائد اور کمانڈر بن کر نہیں محض ایک سپاہی بن کر، اس حالت میں تمہیں اپنا نیا کمانڈر بھی چن لینا چاہئے۔“

تین سو امرائے صلیب اور شاہان یورپ کی جنگی کونسل نے بحث و تمحیص کے بعد یہ مسئلہ بارہ بڑے نامور بادشاہوں اور نائٹوں کی ایک کمیٹی کے سپرد کر دیا۔ اس کمیٹی نے تین بڑے آدمیوں ایک اور کمیٹی بنائی اور اسے فیصلے کا اختیار دیا۔ دو روز کے بعد باہمی مشوروں کے بعد سہ رکنی کمیٹی نے اعلان کیا۔

”عربوں سے کھلے میدان میں جنگ لڑنا خطرہ سے خالی نہیں۔ یروشلم کے نواح میں پانی نایاب ہو چکا ہے۔ ان حالات میں حملہ یا محاصرہ موت و شکست کے مترادف ہے۔ اس لیے بیت نوبا سے چھاؤنی اٹھالی جائے اور تمام فوجیں ساحلی قلعوں میں واپس چلی جائیں۔“

اس فیصلہ کے بعد صلیب کی مقدس جنگ عملی طور سے ختم ہو گئی اور شاہان یورپ نے سلطان صلاح الدین کے مقابلے میں اپنی شکست و ناکامی کا اعتراف کر لیا۔

صلیبی بہادروں نے اطمینان کا سانس لیا۔ کیونکہ اب ان میں مزید لڑائی کی ہمت نہ تھی۔ اس جنگ مقدس میں وہ اپنا سب کچھ ہار بیٹھے تھے اور صلاح الدین نے محض اپنے عزم و استقلال سے دنیا کے سب سے بڑے دشمن پر فتح پائی تھی۔ افرنگی لشکر بڑی تیزی سے رملہ کی طرف پیچھے ہٹے۔ پھر کسی نے صور، کسی نے عکا اور کسی نے جافا کی طرف رخ کیا اور جدھر کسی کا منہ اٹھا چل دیا۔

رچرڈ نے غصہ میں لکڑی کے ایک ٹکڑے کو پاؤں سے اڑا دیا۔

”نہیں... ہم یہاں سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے۔“

سلطان نے القدس کی سرحدی چوکیوں کے افسروں کو پیغام بھجوایا کہ دس میل کے حلقہ میں تمام غنمے اور کنویں زہر آلود کر دیے جائیں تاکہ افرنگی ان کا پانی استعمال نہ کر سکیں۔ دوسری طرف اس نے بدرالدین ولد رم اور جرویک کو ہدایت کی کہ وہ آگے بڑھ کر دشمن پر کاری ضرب لگائیں۔ دو تین حملوں کے بعد صلیبی بوکھلا اٹھے۔ اب بیت نوبا کے عقب میں قبروں کا ایک نیا شہر خوشاں ابھرنے لگا۔

○

مسلمانوں کی فوجی طاقت صلیبی لشکروں کے مقابلے میں دس گنا کم تھی اور پیہم کے باعث سلطان بے حد غمگین اور پریشان تھا۔ اس حالت میں بھی وہ القدس کی حفاظت کا تہیہ کر چکا تھا اور شب و روز بارگاہ ایزدی میں سرسجود ہو کر دعائیں مانگتا تھا۔

ادھر افرنگی لشکروں کی حالت مسلمانوں سے زیادہ خراب تھی اور عرب رسالہ کے مسلسل حملوں نے انہیں ہراساں کر دیا تھا۔ فرانک کہتے تھے بیت نوبا سے چھاؤنی اٹھا کر القدس کا محاصرہ ڈال دیا جائے لیکن رچرڈ اور اس کے فوجی مشیر اسے احمقانہ اقدام قرار دیتے تھے۔ رچرڈ نے کہا۔

”القدس کے نواح میں تمام غنمے اور کنویں بے کار کر دیے گئے ہیں۔ وہاں نہ ہمیں پانی مل سکتا ہے، نہ گھوڑوں اور مویشیوں کو۔ اس پر عربوں کے تیر آب قضا لے کر آئیں گے۔ سلطان کے بڑے بڑے بہادر جرنیل دمشق و حلب میں بیٹھے ہیں۔ جوئی ہم نے محاصرہ ڈال دیا وہ موت کی طرح جھپٹیں گے۔ پھر صلاح الدین القدس میں محصور ہو کر نہ بیٹھا رہے گا۔ جس وقت ہماری فوجیں چھاؤنی سے نکل کر کھلے میدان میں پہنچیں گی وہ شہر کے دروازے کھول کر باہر آئے گا اور کھلے میدان میں ہم سے معرکہ ڈالے گا۔“

بڑا کیسہ قمامہ آپ کو دے دیا ہے۔ دوسرے شہر ہم تقسیم کر لیں گے جو آپ کے پاس ہیں وہ آپ کے پاس اور جو ہمارے پاس ہیں وہ ہمارے پاس رہیں گے مگر عسقلان کی آبادی مجھے سخت ناپسند ہے۔“

(سیرت از ابن شداد)

اس کے بعد رچرڈ نے ایک اور سفارت بھیجی جس میں سلطان سے التجا کی کہ عیسائیوں کو یروشلیم میں زیارت کی اجازت دے دی جائے۔ قلعہ کے اندر ہمارے بیس آدمیوں کا قیام منظور کیا جائے نیز اگر کچھ عیسائی یہاں رہنا چاہیں تو ان سے تعرض نہ کیا جائے۔

اس پیغام کے ہمراہ رچرڈ نے دو باز بھی سلطان کی خدمت میں تحفہ بھیجے۔ سلطان نے امراء لشکر کو رچرڈ کے مکتوب سے آگاہ کیا اور اسے ذیل کا فیصلہ کن جواب لکھوایا۔

۱۔ القدس سے عیسائیوں کا کوئی تعلق نہ ہو گا۔ البتہ انہیں زیارت کی اجازت دے دی جائے گی۔

۲۔ عسقلان اور اس کے عقبی مقامات ویران رہیں گے۔

۳۔ الدارون بھی مسمار کر دیا جائے گا۔

۴۔ جافا سے لے کر صور تک کا ساحلی علاقہ آپ کا سمجھا جائے گا۔

یہ مکتوب ۳ رجب ۵۸۸ کو سفیر کے حوالے کیا گیا۔ سلطان کے احسانات اور مصالحت پسندی کو دیکھ کر افرنگ کی چالاک طبیعت نے پھر ایک کروٹ بدلی اور رچرڈ نے اصرار کیا کہ سلطان عسقلان کے معاملہ پر بضد ہیں تو الدارون سے لے کر انطاکیہ تک مع بیروت تمام علاقہ ہمیں دے دیا جائے۔ ہم عسقلان کا ایک پتھر بھی نہیں ہلائیں گے۔

رچرڈ عسقلان کی تعمیر پر بہت سا روپیہ اور وقت برباد کرنے پر تلا ہوا تھا۔ اب رچرڈ نے عسقلان کے بدلے بیروت کا مطالبہ کر دیا اور الدارون سے انطاکیہ تک تمام ساحلی علاقہ لینے پر ضد کی تو سلطان سمجھ گیا۔ اپنی عادت کے مطابق افرنگی کسی نئے فتنے کی تیاری میں مصروف ہیں۔ اس نے ایک بار پھر تلوار کے قبضہ پر ہاتھ رکھا اور کھڑا ہو کر بولا۔

”دشمن صرف تلوار کی زبان سمجھتا ہے۔ بخدا اب ہم تلوار سے فیصلہ کریں

رچرڈ اب انگلستان جانے کے لیے بے قرار لیکن واپسی سے پہلے سلطان سے کچھ مانگنا چاہتا تھا۔ اس نے سلطان کی طرف ایک قاصد دوڑایا اور ذیل کا خط بھیجا۔

”آپ کی دوستی اور محبت کا طلب گار‘ رچرڈ۔“

”میں اپنے بعد اپنے شہروں پر کاؤنٹ ہنری کو جانشین چھوڑے جاتا ہوں۔ یہ میرا بھانجا ہے جسے میں آپ کو سونپ رہا ہوں۔ وہ اور اس کا لشکر آپ کے تابع فرمان رہے گا۔ آپ اسے جو حکم دیں گے وہ اس کی تعمیل کرے گا۔“

”سلطان محترم! کچھ پادریوں اور راہبوں نے آپ سے کچھ کلیسے مانگے اور آپ نے ان کی درخواست قبول کر کے انہیں وہ کلیسے بخش دیے۔ میں بھی آپ سے ایک کلیسہ طلب کرتا ہوں۔“

”آپ کے معزز بھائی ملک العادل سے مراسلت کے دوران میرے بعض مطالبات سے آپ کو رنج پہنچا تھا۔ میں ان تمام مطالبات سے درگزر کرتا ہوں۔ اگر آپ اپنی مرضی سے مجھے کوئی ویرانہ بخش دیں گے تو میں اسے بھی خوشی سے قبول کروں گا۔“

(ابن شداد۔ لین پول)

اس خط میں شیردل رچرڈ صلاح الدین سے دوستی کا خواہاں اور اس کے حضور نیاز مندوں کی طرح کھڑا ہے۔ حتیٰ کہ اس نے کاؤنٹ ہنری کو سلطان کی خدمت میں ایک مصاحب کی طرح پیش کیا۔ سلطان نے اس خط کے جواب میں رچرڈ کو لکھا۔

”جب آپ ہمارے اتنے نزدیک آ گئے تو ہم بھی احسان کے بدلے احسان کریں گے۔ آپ کا بھانجا کاؤنٹ ہنری مجھے اپنی اولاد کی طرح عزیز رہے گا اور میں اس کے ساتھ جو سلوک محبت کروں گا اس کی اطلاع آپ کو مل جائے گی۔ آپ کی درخواست پر میں نے یہاں کا سب سے

سلطان نے بیت نوبا سے چھاؤنی اٹھائی اور جانا کی شاہراہ پر گھوڑا ڈال دیا۔ تمام لشکر اس کے عقب میں بھاگے چلے آ رہے تھے۔ اس کا حکم تھا کہ کوئی شخص ست رفتار نہ ہو۔

۱۵ رجب ۵۸۸ ہجری کو وہ اپنے لشکروں کے ساتھ اچانک جانا کے باغات میں اترا۔ یہ وہ شہر تھا جسے سلطان خود مسمار کر کے ویران چھوڑ گیا تھا اور جس کے خرابہ پر رچرڈ نے مفت میں قبضہ کر لیا تھا۔ اس نے شہر اور قلعہ کی تعمیر پر لاکھوں اشرفیاں صرف کر دیں۔ قریباً ڈیڑھ سال ہزاروں مزدور اور کاریگر اس کی تعمیر نو میں مصروف رہے۔ اس کا خیال تھا کہ اب وہ ایک ایسا مضبوط اور مستحکم صلیبی حصار بن چکا ہے جسے عرب تین سال میں بھی فتح نہیں کر سکتے۔

سلطان نے اپنے بھائی ملک العادل کو عکا کے سرپر بٹھادیا تھا تاکہ اگر صلیبی بیروت پر حملہ کریں تو وہ عکا کی اینٹ سے اینٹ بجا دے اور خود اپنے جرنیل بیٹے ملک الظاہر کے ہمراہ جانا کے سرپر آن پہنچا۔ دراصل وہ رچرڈ کو آخری سبق دینے آیا تھا۔

سلطان نے جانا کا محاصرہ ڈال کر منہیتوں کو سنگباری کا حکم دیا اور ادھر حلب کے نقب اندازنے صلیبی قلعہ کی تفصیل کھودنے میں مصروف ہو گئے۔

رچرڈ نے جانا کی حفاظت کے لیے دیوانے ٹمپلوں اور پر جوش فراکوں کے مضبوط ترین لشکر چھوڑے تھے جو اسلام دشمنی میں بھوکے بھیڑیوں سے بھی زیادہ خونخوار اور خطرناک تھے مگر یہ بات کسی کے وہم و گمان میں بھی نہ تھی سلطان موت کی طرح اچانک جانا پر ٹوٹ پڑے گا۔

صلیبی بہادروں نے جان توڑ کر مقابلہ کیا مگر عربوں کی تباہ کن سنگباری نے شہر پناہ میں کئی رخنے پیدا کر دیے۔ مسلمان تلواریں سونٹے اور ”اللہ“ ”اللہ“ کا رجز پڑھتے شہر پناہ میں داخل ہو گئے۔ انہوں نے ٹمپلوں اور فراکوں کو بے دریغ قتل کیا اور کارواں کے شہیدوں کا بھرپور انتقام لیا۔

اسلحہ، رسد اور قیمتی اشیاء کے وہ تمام ذخیرے جو فراکوں نے رچرڈ کی قیادت میں چوروں کی طرح اسلامی کارواں سے لوٹے تھے۔ ابھی تک جوں کے توں جانا میں پڑے تھے۔ عربوں نے وہ تمام ذخیرے دوبارہ قابو میں کر لیے اور شہر کو دل کھول کر لوٹا حتیٰ کہ ملیسوں کو اپنی رسد اور قیمتی اشیاء سے بھی محروم ہونا پڑا۔ وہ صرف بچی کچی جانیں لے کر قلعہ میں محصور ہو گئے۔

گے۔“

رچرڈ جنگ ہار گیا تھا۔ جوش جذبات میں اس نے خود کو سلطان کے سنگ آستان پر بھی گرا دیا مگر امراء صلیب علی الخصوص ساقفہ و بطارقہ رچرڈ سے سخت نالاں تھے کہ اس کی قیادت میں جہاد صلیب ناکام ہو گیا اور صلاح الدین نے ہر معاملہ میں فتح پائی۔ اب قتنہ پرداز صلیبی اسے اس امر پر اکسا رہے تھے کہ اگر اس نے عسقلان چھوڑ دیا تو ذلیل و رسوا ہو جائے گا بلکہ عکا سے ناگماں نکل کر اسے اپنے بحری بیڑے کے ہمراہ بیروت پر قبضہ کر لینا چاہئے۔ سلطان ساحلی شہروں کی حفاظت نہیں کر سکتا۔ بیروت کی فتح کے بعد جب صلاح الدین احتجاج کرے گا تو رچرڈ اس پر احسان کرتے ہوئے عسقلان سے دستبردار ہو جائے۔ اس طرح وہ بہ آسانی جانا سے اطالکیہ تک ایک صلیبی مملکت کا بانی بن جائے گا۔ سلطان کے جاسوس اس نئے فرنگی منصوبے کی خبریں لے کر آئے تو اس نے ایک بار پھر اپنی تلوار کو بے نیام کیا۔

فرزند سلطان ملک الافضل ابھی تک دمشق میں تھا۔ اس نے بیٹے کی طرف قاصد دوڑائے اور اسے حکم دیا۔

”بجلی کی طرح دمشق سے نکلو اور بیروت میں داخل ہو جاؤ۔ دشمن پر بندرگاہ تک پہنچنے کی تمام راہیں مسدود کر دو۔ اگر وہ حملہ کرے تو قدم قدم پر اس کا مقابلہ کرو اور ہمیں دور نہ سمجھو۔ ضرورت کے وقت ہم تمہارے قریب ہوں گے۔“

سلطان کو خبر ملی تھی کہ شاہ انگلار اپنے زبردست بحری بیڑے کے ہمراہ عکا سے روانہ ہو رہا ہے اور وہ اچانک بیروت پر حملہ کر دے گا مگر وہ خود بساط حرب کا ایک تجربہ کار شاطر تھا۔ وہ رچرڈ کو اس بد عمدی اور نئی فتنہ آرائی کا مزہ چکھانے کے لیے چیتے کی طرح القدس کی شہر پناہ سے نکلا اور الحمیب تک آیا۔ وہاں سے بیت نوبا پہنچا۔ یہاں کچھ دیر قیام کیا اور القدس میں اسلام جیوش کو پیغام بھیجا کہ وہ جلد جلد اس کے پیچھے آئیں۔

ادھر عرب سردار اور امیر اپنے لشکر لے کر بیت المقدس سے نکلے اور

دیا۔

”جن لوگوں نے غنیمت لوٹی اور مال و اسباب کے پتارے باندھے انہیں
ہم نے وہ حملہ بھی روکیں۔ غنیمت دوسرے لوٹیں اور جائیں ہم لڑائیں۔ یہ تو
ضاف نہیں۔“

سلطان نے شہر کو لوٹنے کی اجازت نہیں دی تھی لیکن جب صلیبی لشکر
ہلکت کھا کر قلعہ کی طرف بھاگے تو عربوں نے جوش انتقام میں لوٹ مار شروع
کر دی تھی اور اس لوٹ مار کی اصل کشش مال و اسباب کے وہ ذخیرے تھے جو
فراکوں نے اسلامی کارواں سے چھین لیے تھے۔ اگر مسلمان صبر و تحمل سے کام
لیتے تو پہلے قلعہ خالی کراتے پھر مال غنیمت سمیٹتے لیکن ان کی معمولی سی غلطی نے
صورت حال بدل دی۔ اب سلطان نے ایک مسلمان کی زبان سے یہ گستاخانہ
دُعا سنا تو اس کا دل صدمہ سے نیم پاگل ہو گیا۔ آج تک کسی نے سلطان عالی
کے حضور اس قسم کی گستاخانہ حرکت کا تصور بھی نہیں کیا تھا۔

مسلمان بھی دم بخود رہ گئے۔ سلطان نے انتہائی ضبط کا مظاہرہ کیا اور اپنے
بڑے ملک الظاہر سے مخاطب ہوا۔

”جان پدر! اب مدافعت کا فرض تمہیں ادا کرنا ہے۔“

ملک الظاہر نے بزرگ باپ کے سامنے سر اطاعت خم کر دیا مگر مدافعت کا
وقت گزر چکا تھا۔ رچرڈ اپنے نائٹوں اور لشکر کے ہمراہ جافا کے ساحل پر خیمہ زن
ہو چکا تھا۔ اس وقت ملک العادل، علاؤ الدین اتابک اور ملک الافضل جیسے جرنیل
سلطان کے ہمراہ نہ تھے۔ جافا کے قلعہ میں ٹمپلوں اور فراکوں کے لشکر موجود
تھے۔ ساحل پر رچرڈ اپنے نائٹوں کے جلو میں اتر آیا تھا۔ سلطان نے اس نئی
صورت حال کا جائزہ لیا اور ایک مدبر سپہ سالار کی طرح لشکر کو قلعہ کا محاصرہ اٹھا
کر کسی قدر پیچھے ہٹ جانے کا حکم دیا۔ افرنگی بیڑہ نے مسلمانوں کو عقب سے اسی
طرح گھیر لیا جس طرح سلطانی لشکروں نے عکا میں صلیبی فوجوں کو محاصرے میں
جکڑ لیا تھا۔ صلاح الدین کے فوجی تدبیر نے محاصرہ اٹھالینا ہی بہتر سمجھا۔

جب اسلامی لشکر پیچھے ہٹا تو رچرڈ کو اپنی برتری اور بہادری کا موقع ملا اور
وہ نیزہ لہراتا ہوا اسلامی صفوں کے سامنے نمودار ہوا۔ رچرڈ کی معیت میں افرنگی
نائٹ جن کی تعداد لین پول نے ۵۳ تحریر کی ہے، شہر میں گھس گئے۔ وہاں ابھی
تک لوٹ مار کا ہنگامہ جاری تھا۔ بازاروں اور کوچوں میں عرب بدو ادھر ادھر

سلطان نے حکم دیا صلیبی قلعہ ہمارے سپرد کر دیں تو ان کی جانیں بخش دی
جائیں گی۔ جافا میں ٹمپلوں اور فراکوں نے ایسی ذلت آمیز شکست اٹھائی کہ
اب انہیں جان بخشی کی امید بھی نہ رہی تھی۔ مسلمان شہر پر مکمل قبضہ کر چکے
اور مال غنیمت کے انبار سمیٹ رہے تھے۔ خوفزدہ ملیسیوں نے رحمدل سلطان
سے درخواست کی۔

”ہمیں اپنے مال و اسباب سمیت صور یا عکا جانے کی اجازت دے دی
جائے۔ ہم قلعہ خالی کر دیں گے۔“

سلطان نے یہ درخواست منظور کر لی اور اپنے سرداروں کو حکم دیا وہ جلد
از جلد قلعہ خالی کرائیں اور ملیسیوں کو باہر نکالیں۔

ملیسیوں کو جان بخشی کی اجازت ملی تو لیل و نعل کرنے اور قلعہ چھوڑنے
میں دیر کرنے لگے۔ عربوں کی اکثریت ابھی تک شہر لوٹنے میں مصروف تھی۔
سلطانی احکام کو نظر انداز کر دیا گیا۔ ایک پہر کے طویل وقفہ میں صرف چالیس
پچاس مرد قلعہ سے باہر نکالے جاسکے۔

اچانک سمندر میں افرنگی بیڑہ نمودار ہوا۔ فراکوں نے رچرڈ کی طرف تیز
رفتار قاصد دوڑائے اور سلطانی حملہ کی خبر دی تھی۔ بیروت پر اچانک حملہ کی
نیت سے وہ عکا سے روانہ ہو رہا تھا کہ ناگہانی حملہ کی اطلاع نے اسے دم بخود کر
دیا۔ وہ حیران تھا کہ سلطان اتنی عجلت سے جافا کیسے پہنچ گیا۔ اس نے بیڑے کا
رخ موڑا اور جافا کی طرف چل دیا مگر جب ساحل کے قریب پہنچا تو شہر فتح ہو چکا
تھا اور قلعہ خالی کرایا جا رہا تھا۔ رچرڈ کے اوسان اٹھ گئے۔ اس نے ڈھول
پڑائے، ترم بجھوائے اور قلعہ کے ملیسیوں کو اپنی آمد سے آگاہ کیا۔ اہل قلعہ
نے جب کمک کو پہنچتے دیکھا تو معاہدہ صلح سے منحرف ہو گئے اور ایک بار پھر قلعہ
بند ہو گئے۔

رچرڈ بڑی بہادری اور جرات کے ساتھ نائٹوں کی فوج کے ہمراہ بندرگاہ
میں اتر آیا اور آتے ہی حملہ کر دیا۔

جافا میں سلطانی احکام کی خلاف ورزی کی گئی تھی اور لوگ مال غنیمت
لوٹنے میں کچھ اس طرح مصروف ہوئے تھے کہ بہت سا وقت ضائع ہو گیا اور
ملیسیوں کو قلعہ سے نہ نکالا جاسکا۔ اب وہی لوگ دوبارہ مقابلے پر آمادہ تھے۔
سلطان نے ایک لشکر کو رچرڈ کا حملہ روکنے کا حکم دیا مگر ایک افسر نے توہین آمیز

بھاگے پھر رہے تھے۔ افریقیوں کو دیکھ کر وہ بڑی افراتفری میں بھاگے اور کئی شہر کے دروازے پر قتل ہو گئے۔ شہر میں ویرانی اور تباہی کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ رچرڈ نے اہل قلعہ سے رابطہ پیدا کیا اور عربوں سے فیصلہ کن جنگ کا اعلان کیا۔

○

سلطان نے پیچھے ہٹ کر صفیں درست کر لی تھیں۔ مشوب بن علی کا بھائی جناح جس نے سلطان پر طعن کیا تھا، آنکھیں چرا رہا تھا لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ فوج کے ایک حصہ میں بددلی کے آثار پیدا ہو چکے تھے۔ رات کو سلطانی خیمہ میں مجلس شوریٰ منعقد ہوئی۔ سلطان جاقا سے ملنے پر تیار نہ تھا۔ اس نے کہا۔ ”یاد رکھو، ہم یہاں غنیمت لوٹنے نہیں بلکہ خدا کی راہ میں جہاد کرنے آئے ہیں۔ میرے بعد اتنا بڑا لشکر جمع نہ ہو سکے گا۔“

امراء عرب نے سلطان کے حضور سر جھکا دیے اور اس گستاخی کی معافی طلب کی جو جناح بن علی سے سرزد ہوئی تھی۔ پھر انہوں نے مشورہ کیا، شاہ انکار کو گرفتار کر لیا جائے اور اس کے ہمراہی نائٹوں پر کاری ضرب لگائی جائے تاکہ دشمن دوبارہ فلسطین کا رخ نہ کر سکے۔

ترک اور کرد شہسوار رچرڈ کی گرفتاری کا منصوبہ لے کر لشکرگاہ سے نکلے اور ساحل کی طرف بڑھے۔ شاہ انگلستان نے اہل حیرا اور اہل جینوا کو اپنے گرد جمع کر لیا تھا۔ ٹمپل سیدھی اور لمبی شمشیریں اپنے تکیوں کے نیچے رکھے آرام کر رہے تھے۔ افرنگی پڑاؤ میں الاؤ سرد ہو چکے تھے۔ چاند بھی غروب ہو چکا تھا اور اندھیرے میں گشتی سپاہیوں کے دھندلے دھندلے سائے حرکت کرتے نظر آ رہے تھے۔ اچانک جینوا کا ایک سپاہی خیموں کی طابوں کے درمیان چلتا ہوا کھیتوں کی طرف بڑھا۔ یک لخت وہ ٹھنک کر رہ گیا۔ دامن کوہ میں کچھ سواروں کی پراسرار نقل و حرکت دیکھ کر اس پر دہشت سوار ہو گئی اور وہ چلاتا ہوا واپس بھاگا۔ افرنگی نائٹ گھبرا کر بیدار ہو گئے۔ ٹمپلوں نے لمبی شمشیروں کے

بے تھام لیے۔ بعض لوگ پورے زرہ بکتر بھی نہ پہن سکے اور فوراً ”مقابلے کے لیے تیار ہو گئے۔ خود رچرڈ بھی سوار ہو چکا تھا۔

دامن کوہ سے نکل کر ترکوں اور کردوں نے صلیبی پڑاؤ کا رخ کیا لیکن ان منصوبہ وقت سے پہلے ہی ناکام ہو چکا تھا۔ انہوں نے حملہ میں دیر کر دی اور شخص کو گرفتار کرنے آئے تھے وہ ان کے مقابلہ پر چاق و چوبند تیار کھڑا تھا۔ صبح کی نارنجی روشنی میں اسلامی دستے حرکت کرتے نظر آئے۔ اہل حیرا

ر جینوا کیتھڈرل کی دیواروں کے نیچے بگل پھونک رہے تھے۔ رچرڈ انگریز اور دامن بہادروں کے ساتھ بڑھا۔ انہوں نے ساحل بحر سے کیتھڈرل تک نصف

میلے کی شکل میں صف بندی کر لی۔ مسلمانوں نے یلخت دھاوا بول دیا۔ لوڑوں کی ٹاپوں سے زمین بچنے لگی۔ وہ سیدھے رچرڈ کی طرف آئے تھے جو

بر کے نشان والے سرخ پرچم کے نیچے کھڑا تھا۔ اس کے پاس گھوڑوں کی شدید

تھی۔ صرف گنتی کے چند نائٹوں کو سواری میسر آئی تھی باقی سارا لشکر بکتر

اور پیادہ پا تھا۔ ترکوں کے حملہ کے ساتھ رچرڈ نے حرکت کی۔ وہ خود ایک

گھوڑے پر سوار تھا۔ اگرچہ مسلمان اپنے مقصد میں ناکام ہو چکے تھے

انہوں نے شدید حملوں سے صلیبوں کو بدحواس کر دیا۔ رچرڈ دو بار ٹھوکر کھا

رگرتے گرتے بچا۔ دھوپ سروں پر چمکنے لگی تو لڑائی کا ہنگامہ ختم ہوا اور فریقین ایک بار پھر

صفیں درست کرنے لگے۔ اسی اثنا میں ایک غیر مسلح ترک بہادر دایاں ہاتھ

پر اٹھائے اور بائیں ہاتھ میں اعلیٰ نسل کے دو گھوڑوں کی بائیں تھامے صفوں

درمیان نمودار ہوا۔ دونوں گھوڑے اونچے، لمبے سڈول اور خوبصورت

تھے۔ جن پر عمدہ زین کسے ہوئے تھے۔ کسی نائٹ نے آنے والے کو نہیں روکا۔

حیرت و تعجب سے اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ رچرڈ کے سرخ علم کے قریب آ

رکا اور چند نائٹوں نے اسے گھیر لیا۔ ترک کہنے لگا۔

”میرے آقا امیر الملک العادل نے یہ دونوں گھوڑے شاہ انکار کی خدمت

بطور تحفہ بھیجے ہیں۔ انہوں نے بادشاہ کو ایک نکتے گھوڑے پر سواری کرتے

دیکھا اور مجھے حکم دیا کہ میں یہ گھوڑے بادشاہ کی خدمت میں لے

ن۔“

میدان جنگ میں عرب امیر کی یہ اعلیٰ طرفی اور گھوڑوں کی پیش کش افرنگی

بی رکھتا۔ اگر حملہ کا خیال تھا تو اسے فراموش کر چکا ہے۔

اس طرح رچرڈ نے جافا کو بچا لیا اور سلطان کو القدس کی طرف لوٹنا پڑا

ناٹوں کو پاگل کر دینے کے لیے کافی تھی۔ ان پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ جب ملک بن عربوں کی تاخت نے شہر کو تباہ و برباد کر دیا تھا۔ کوچہ و بازار میں ہر طرف العادل کا قاصد گھوڑے چھوڑ کر لوٹ گیا تو چند راہب اور نائٹ بادشاہ کی بایاں رقص کر رہی تھیں۔ کئی روز تک مزدور لاشیں اٹھاتے رہے مگر جافا کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بولے۔

”عالی جاہ! کوئی دشمن جنگ میں اس قسم کی نوازش نہیں کر سکتا۔ یہ ل جو عربوں کی تلواروں سے بچ گئے تھے۔ اس وبا کے ہاتھوں دم توڑنے گھوڑے سدھائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں اور جو نبی آپ ان میں سے کسی پر لے جاتا جو باغات اور نخلستانوں کا شہر تھا سلطانی حملہ کے بعد نحوست کے سوار ہوں گے یہ آپ کو عربوں کے لشکروں کی طرف لے بھائیں گے۔ ملک دے پرواز کرنے لگے حتیٰ کہ خود رچرڈ بھی وبا سے محفوظ نہ رہ سکا اور ایک العادل نے حضور کی گرفتاری کے لئے جال بچھایا ہے۔“

یہ سن کر رچرڈ نے قہقہہ لگایا۔

”تم سب احمق ہو۔“

یہ کہہ کر وہ اچک کر گھوڑے پر سوار ہوا اور اسے ادھر سے ادھر دوڑا۔

رہا۔ جنگ کا بازار گرم ہو گیا اور رچرڈ اپنا برچھا لہراتا ترکوں کی صفوں کے سامنے

نمودار ہوا۔ سلطان اپنے بھائی ملک العادل کے ساتھ جو آج ہی جافا پہنچا تھا، ایک

ٹیلے پر کھڑا رچرڈ کی شمشیر زنی کے جوہر دیکھتا رہا مگر یہ جنگ کسی نتیجہ کے بغیر

ختم ہو گئی اور صلیبی اپنے پڑاؤ میں لوٹ آئے۔

رچرڈ بے حد متفکر اور پریشان تھا۔ سلطان نے جافا پر اچانک حملہ کر کے

اس کے تمام منصوبے خاک میں ملا دیے تھے اور وہ ڈر رہا تھا کہ اگر جافا سلطان سے درخواست کی کہ بعض امور کی وضاحت اور تفہیم کے لیے ملک

سے نکل گیا تو ساری دنیا اس کا مسخرہ اڑائے گی۔ اس نے کرد امیر سیف عدلی لادل کو عکا بھیج دیا جائے۔

آواز دے کر بلایا جو چند سرداروں کے ہمراہ جافا کی شہر پناہ کے سائے میں پھرا

تھا۔ کرد امیر جب رچرڈ کے سامنے پہنچا تو اس نے کہا۔

”خداوند کی قسم! میرا خیال تھا سلطان دو سال میں بھی جافا کو تسخیر نہ کر

گا مگر اس نے تو دو ہی روز میں شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی۔“

پھر اس نے پیغام دیا۔ ”ملک العادل سے کہہ کر سلطان سے میرا معاملہ

حلے کرادو۔ میں مطالبہ بر اصرار نہیں کروں گا۔“

رچرڈ نے دوبارہ صلح کی گفتگو چھیڑ دی اور یقین دلایا افریقی کسی معاہدہ

خلاف ورزی نہیں کریں گے۔ اس نے ایک بار پھر ملک العادل کو واسطہ بنایا

رحمل سلطان نے جو تلوار سے اپنے معاملات فیصل کرنے کا عزم لے کر آیا

ایک بار پھر صلح کی پیش کش منظور کر لی۔ رچرڈ نے نہ صرف

دستبردار ہونے کا اعلان کیا بلکہ یقین دلایا وہ بیروت کے بارے میں کوئی برا

کار نہیں کرے گا۔

ارتیں اسے رشک و حسد کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھیں۔

○

امراء صلیب کے اجتماع میں افرنگی بادشاہوں اور معزز نائٹوں نے صلح کا ہاتھ اٹھایا۔ آرج بشپ آف سلسبری بھی محفل میں موجود تھا۔ اس نے ہاتھ اٹھا بادشاہ سے کچھ کہنا چاہا لیکن رچرڈ نے اسے روک دیا اور یہ آواز بلند کہا۔
”میں صلح کے اس معاہدے پر کاربند رہنے کا قول دیتا ہوں۔“

پھر آرج بشپ کو بھی بادشاہ کی تہدید میں یہی الفاظ دہرانے پڑے۔ حلف کی رسم ملک العادل کی موجودگی میں ادا ہوئی۔ اس نے بھی اپنے سرداروں کے ہاتھ حلف اٹھایا اور بتایا کہ کل سلطان معظم بھی القدس میں رسم حلف ادا کریں گے۔

رچرڈ نے ملک العادل کو دوستانہ جذبات کے ساتھ رخصت کیا۔ اس نے یمن ہشام کے کان میں جھک کر کہا۔

”میرے دوست! میں تمہیں گریٹا سے شادی پر مبارک باد دیتا ہوں۔“
عکا کی شہر پہاڑ کے باہر دریائے حلو کے کنارے انگریز شہزادی جین نے ملک العادل سے آخری ملاقات کی اور پچشم تر محل کی طرف لوٹی۔ اس نے گریٹا اور بچہ کو کئی تحفے دیے مگر خود دل پر محبت کا زخم کھا چکی تھی۔

معاہدہ صلح پر دستخط ہوتے ہی دیوانے ملیسیوں کے گروہ القدس کی شاہراہ پر نکل آئے اور زبور و انجیل کے نغمے لاپٹے ہوئے یروشلیم کی طرف چل دیے۔

سلطان نے انہیں یروشلیم کی زیارت کی اجازت بخش دی تھی لیکن رچرڈ شیر دل شہر میں داخل نہ ہو سکتا تھا۔ وہ انگلستان کا بادشاہ اور صلیبی لشکروں کا قائد تھا اور اس حیثیت میں یروشلیم کی زیارت نہ کر سکتا تھا۔ صلیبی زائروں کی قیادت کا فرض آرج بشپ آف سلسبری ادا کر رہا تھا۔

القدس کی شاہراہ پر جہاں تک نگاہ کام کرتی تھی زائروں کی ٹولیاں ہی دیکھائی دیتی تھیں جو مزار مسیح کی زیارت کے شوق میں اڑے جا رہے تھے۔

رچرڈ گھوڑے پر سوار ہو کر عکا سے باہر نکلا اور دیوانے ملیسیوں کو موج در

ڈھال لیا تھا۔ دوسرے محل میں ملک العادل کی مصری کنیز شجرۃ الدردر سفر کر رہی تھی۔ ان کے ہمراہ چند اور خواتین اور کنیزیں بھی تھیں جو بنت کیرو کی خاطر شریک سفر تھیں۔

جب قافلہ عکا پہنچا تو رچرڈ بیماری اور نقاہت کے باوجود استقبال کے لیے موجود تھا۔ تمام صلیبی بادشاہ اور معزز نائٹ اس کے گرد حلقہ کیے کھڑے تھے۔ شاہ انگلستان نے عرب امیر کا بادشاہوں کی طرح خیر مقدم کیا۔ محل بردار ناقوس کو دیکھ کر سب لوگ دم بخود رہ گئے۔ مگر تھوڑی دیر بعد افرنگی خادماؤں نے عملوں کو گھیر لیا اور عرب خواتین بعد احترام شاہی محل میں پہنچا دی گئیں۔

شہزادی جین ایک ماہ سے صاحب فراش اور بہت نحیف و کمزور ہو چکی تھی لیکن جب اس نے بنت کیرو کو دیکھا تو تڑپ کر بستر سے اٹھی اور اس سے لپٹ گئی۔ وہ دونوں طویل عرصہ کے بعد ایک دوسرے سے مل رہی تھیں۔ جین کی آنکھوں میں بے اختیار آنسو لرزے لگے۔ اس نے گریٹا کو بازوؤں کے حلقہ میں گھیر لیا جیسے وہ اسے اپنے سرپا میں جذب کر لینا چاہتی ہو۔

جب وہ گریٹا سے مل کر فارغ ہوئی تو شجرہ نے جھک کر سلام کیا۔ جین نے شاہی آداب و دستور کو بالائے طاق رکھ کر ملک العادل کی مصری کنیز کو بھی سینے سے لگا لیا اور بولی۔

”تم قابل احترام ہو شجرہ، تم ایک ایسے انسان کی خدمت کرتی ہو جو لاکھوں دلوں کا محبوب ہے۔“

پھر اس نے اپنے آنسو پونچھے اور گریٹا سے باتیں کرنے لگی۔
گریٹا کو عرب بیگمات کے لباس میں دیکھ کر انگریز شہزادی پہلی مرتبہ چونکی مگر اسے یاد آیا اب وہ ایک عرب سردار کی بیوی ہے۔

گریٹا ملکہ ہیرنگیریا اور قبرصی شہزادی سوسن سے بھی ملی جو بدستور رچرڈ کی غلوٹوں کی رفیق و دمساز تھی۔ بادشاہ ہیرنگیریا کی خدمت گزار یوں سے تنگ آچکا تھا اور اپنے آپ کو سوسن کے بغیر یکا و تنہا محسوس کرتا تھا۔ گریٹا اور جین دیر تک بیٹھی اپنی محبت کی داستانوں میں کھوئی رہیں۔ جین کا دل ٹوٹ چکا تھا۔ اگر اسے اپنے بھائی کی عزت و شہرت کا پاس نہ ہوتا تو فلسطین سے کبھی واپس نہ جاتی اور گریٹا کی طرح عرب بیگمات کا لباس زیب تن کر لیتی۔

گریٹا کے قبول اسلام اور شادی کا افسانہ محل میں عام ہو گیا تھا اور اکثر

موج یروشلم کی طرف جاتے ہوئے دیکھنے لگا۔

سلطان نے صلیبی زائروں کی نگہداشت اور آرام و آسائش کا فرض ملک العادل کو سونپ دیا تھا۔ اس نے ایک خاص پیغام کے ذریعے شہزادی جین کو ”مزار مسیح“ کی زیارت کی دعوت دی لیکن وہ اپنے بھائی کے ساتھ عکا میں ہی مقیم رہی البتہ جب زائروں کا پہلا قافلہ یروشلم میں داخل ہوا تو ایک انگریز نائٹ نے آگے بڑھ کر ایک خط ملک العادل کی طرف بڑھا دیا۔
یہ جین کا محبت نامہ تھا جسے ملک العادل نے چوم کر اپنی جیب میں ڈال لیا۔

تمت بالخیر



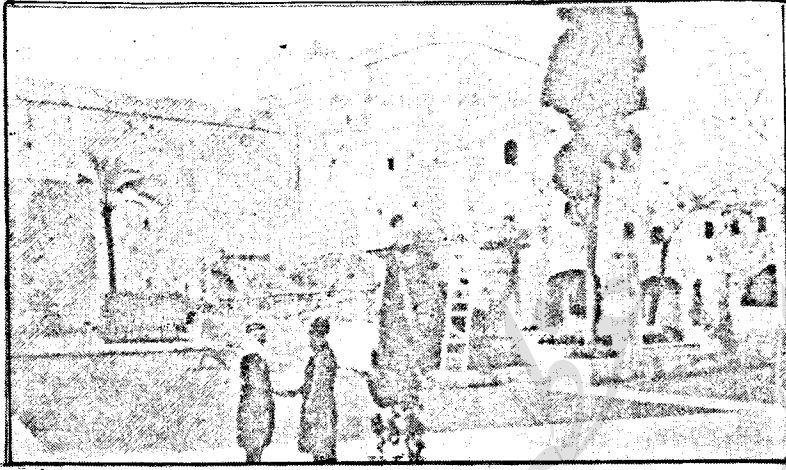
○
دیباچہ نگار
اردو کے مشہور شاعر اور نقاد
حضرت ظہیر کاشمیری

○



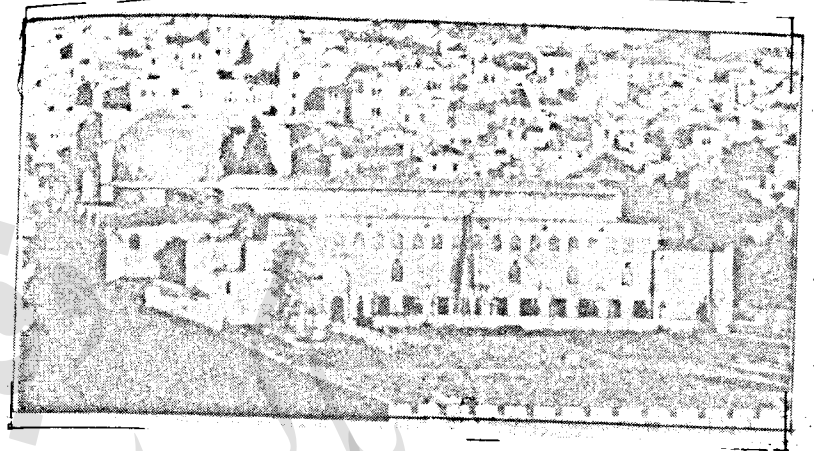
○
فلیپ نویس
جناب عثمانہ عرفانی
رکن ادارہ ”مغربی پاکستان“
لاہور

○

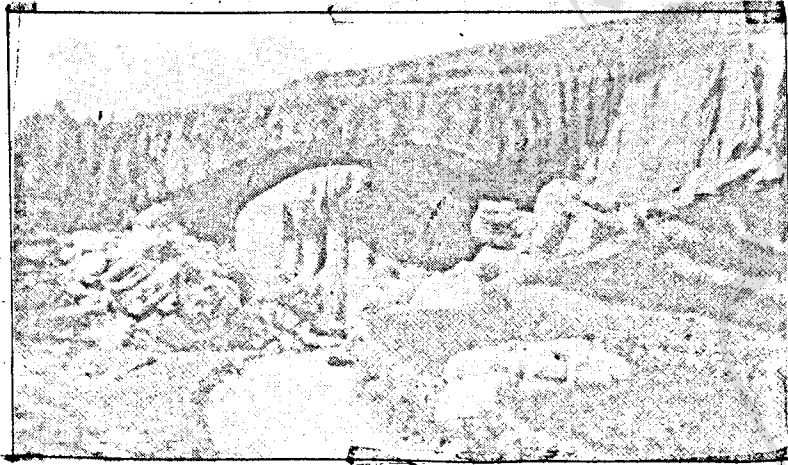


علما کی فستح کے بعد شہر کے گرد یہ دیوار رچرچ شیردل شاہ انگلستان
نے تعمیر کرائی تھی

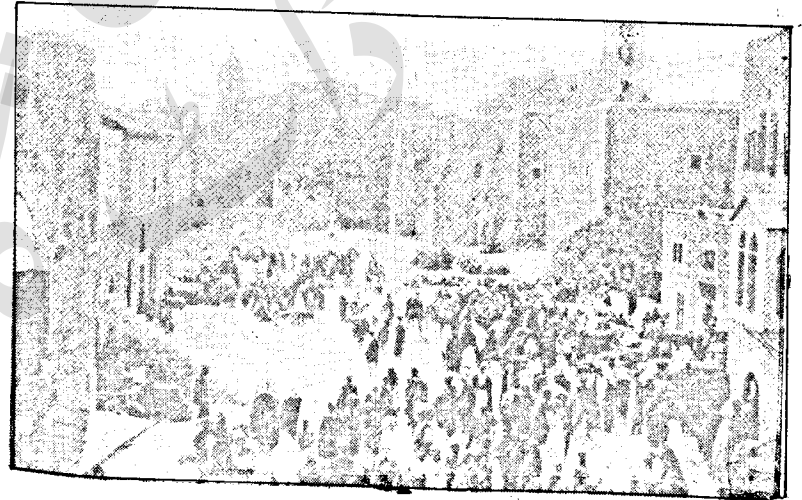
○



مسجد اقصیٰ۔ پس منظر میں بیت المقدس کا شہر جس کی خاطر صلیبی جنگیں
لڑی جاتی رہیں۔



مغربی لبنان میں جیرون قصبہ کے قریب دریا پر پتھروں کا ایک قدیم پل



بیت لحم۔ عیسائیوں کے نزدیک حضرت مسیح اس شہر میں پیدا ہوئے مگر جدید
ترین تحقیق کے مطابق حضرت مسیح یروشلم سے ستر میل دور نزا تھدا (نامو)
میں پیدا ہوئے تھے۔